فاروقی شریعت

اسلامی

کلمہ
و
نماز

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں☆

نام کتاب : **فاروقی شریعت**

اسلامی کلمہ و نماز

مصنف : **الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسنؔ زیدی (مجتھد)**

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

تعداد : 500

طبع : **چھارم**

اشاعت : 2019

فہرست

عنوان نمبر	ذیلی عنوان نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
1		آپ کون سی نماز پڑھتے ہیں؟	2
	(1)	عہدِ مرتضویؑ سے پہلے نماز تبدیل ہو چکی تھی	2
	(2)	رسولؐ اللہ کا طریقہ کیوں جاری نہ رہا؟	3
	(3)	رسولؐ اللہ کی نماز کو صرف کتابوں میں قید رکھا گیا ہے	4
	(4)	رسولؐ اللہ کی دی ہوئی نماز کو بدل ڈالنے کا یقینی ثبوت	6
	(5)	دین کی اتنی نمایاں عبادت کیسے بدل دی گئی؟	7
	(6)	عوام کی پوزیشن علما کے نزدیک	8
	(7)	رسولؐ اللہ کے دین یا نماز میں تبدیلی اُمت نے نہیں، علما نے کی ہے	8
	(8)	حضرت علیؑ کے زمانہ میں بھی تخریب کار علما مسلمانوں میں پوشیدہ تھے	9
	(9)	ڈھکوی گروپ کے باطل اجتہاد کا ماخذ اور منبع	10
	(10)	تخریب کاروں کا اسلام اور اسلام میں تخریب کا طریقہ	10
	(11)	خالص باطل کو کوئی اختیار نہ کرتا مگر باطل کو حق کا لبادہ اُڑھا دیا جاتا ہے	12
	(12)	اسلام کے خلاف ایک باقاعدہ کھلا محاذ قائم تھا جو اسلام کو تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا	13
	(13)	نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ تخریب کار نقلی مسلمان گروہ	14
	(14)	رسولؐ اللہ سے منسوب پوری قوم نے قرآن کو ترک کر کے مندرجہ بالا مرکز کو حاکم مان لیا تھا	15
	(15)	رسولؐ اللہ کی قوم رسولؐ کے بعد واپس کفر و کافرانہ نظام کی طرف پلٹ گئی	16
	(16)	یہاں نظامِ ابلیسی اور اسلام و اُمت کے دشمنوں کی تخریب فی الدّین واضح ہو چکی	16
	(17)	رسولؐ اللہ کے بعد صحابہ اور مذکورہ بالا قوم کا حال بخاری شریف سے دیکھیں	17
	(18)	رسولؐ اللہ کے بعد قیامت تک ایک گروہ کفر اختیار کرتا چلا جائے گا	18
2		اسلامی احکام قومی و ملکی مصلحتوں اور حکومتوں نے تبدیل کئے تھے	19
	(1)	دین میں تبدیلیاں اُمت سے چھپائی جاتی رہیں	19
	(2)	دینی احکام بدلنے میں ابوبکر و عمر بہت محتاط اور مخلص تھے	21
	(3)	پُرخلوص شریعت سازی پر ایک نظر	22
	(الف)	’’قرآن میں ہر چیز کی تفصیل:	22
		’قرآن ہر چیز کے بیان کا حامل	22
	(ج)	نظامِ اجتہاد کا عقیدہ اور عمل	22
	(د)	بلا قرآن و حدیث اسلام کے نام پر مسائل بیان کرنا عام ہو گیا تھا	23
	(ہ)	شرع کے نام پر احکام جاری کرنے کا معیار ذاتی رائے قرار پا گیا	23

	(و)	ہر حکم کلام اللہ کے الفاظ میں دیا جانا فرض ہے	24
	(ز)	شریعت سازی کا فری اسٹائل طریقہ یہودیوں کے یہاں سے آیا تھا	25
		(i) یہودیوں میں قانون، جج (Judge) اور اجتہادی اِدارے موجود تھے	27
		(ii) کتاب اللہ سے انحراف اور مصالح پر عمل درآمد کفر ہے	28
	(ح)	علامہ کے بیان پر ہماری ایک نظر	28
	(ط)	اسلامی شرائط کے خلاف یہود کی اتباع میں شریعت سازی کی خبر	30
	(ی)	مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مقدمات یہودی ادارہ سے فیصل کرواتا تھا	31
(4)		طاغوتی ادارہ علامہ احمد امین مصری کی نظر میں	32
(5)		کتبہائے خداوندی سے ہٹ کر شریعت سازی کی ضرورت؟	33
(6)		آنحضرتؐ کے بعد ذاتی رائے سے شریعت سازی کے راہنما	34
(7)		قرآن وسُنتِ رسولؐ سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوا؟	36
	(i)	اسلام اور قرآن کی معطّلی اور رعایا کا تعاون حاصل کرنے کیلئے خودساختہ نظامِ حکومت	36
	(ii)	فکرِ فاروقی نے جو انقلاب چاہا تھا وہ ابھی تک برپا نہیں ہوا ہے	38
	(iii)	حضرت معاویہ کے بعد حضرت عمر کی پالیسی سے واقف لوگ	39
(8)		شریعت سازی نے موجودہ شریعت کو اللہ ورسولؐ سے بے تعلق کردیا	43
(9)		وہ شرائط جن سے موجودہ شریعت اللہ ورسولؐ کی شریعت کہلا سکتی ہے؟	43
(10)		قرآن کریم سے باطل کو قیامت تک سہارا نہ ملے گا	44
	(v)	قارئین کو کیسا بے وقوف سمجھا گیا ہے؟	47
	(vi)	قرآن یہاں بھی شریعت ساز ادارہ سے خبردار کررہا ہے	48
3		شریعت سازی میں قرآن اور حدیث کہاں تک ملحوظ رہے؟	48
(1)		شریعت سازی میں قرآن کس طرح نظرانداز کیا گیا؟	49
(2)		چھچھ ٹائپ کے لوگ اپنے شریعتمداروں کے احکام پر حدیث چپکا دیا کرتے تھے	50
(3)		شریعت سازوں کے متعلق خوش فہمی اور عقیدت مندی	51
(4)		شریعت ساز ادارہ کا عِلمُ القرآن	52
(5)		قرآن کریم سے رسولؐ کریم اور صحابہ کرام کا تعلق واقعات کے آئینہ میں	53
	(i)	اُمت کے ہر ہر فرد کو حضرتِ عمر کا شکر گزار ہونا چاہئے	55
	(ii)	قارئین کرام ایک عاجزانہ سوال کا جواب سوچیں	56
	(iii)	صرف قرآن ہی کتاب اللہ نہیں، توریت بھی تو مصدقہ کتاب اللہ ہے	56
4		توریت کے نام پر قانون سازی کا مرکزی ادارہ	58
(1)		یہودی تعلیمات دانشورانِ اسلام میں پھیلانے کی کوشش	60
(2)		رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں مدنی ادارۂ اجتہاد کامیاب ہوتا گیا	61

(3) شبلی صاحب کا محتاط قلم اور حضرت عمر کا یہودی علما سے ربط وضبط 63

(4) شبلی صاحب کی دوہری خیانت کے باوجود حضرت عمر روشنی میں آ گئے 63

(5) حضرت عمر کا یہودی مرکز اور توریت سے ربط وضبط رسولؐ اللہ کی نظر میں 64

(6) اللہ ورسولؐ کی باتیں وہ جانیں ہم تو اس قدر سمجھے کہ دونوں ہمارے ہمدرد تھے؟ 65

(7) حضرت عمر دو (2) ہزار رسالہ علم واجتہادی بصیرت ضائع نہ ہونے دیں گے 68

(8) شریعت ساز لوگ رسولؐ اللہ کو کس طرح بے دخل کرتے ہیں؟ 74

(9) وہ طریقہ جس سے شریعت ساز گروہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کر دیتا ہے 75

(10) پرویز اینڈ کمپنی رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی؟ 78

شریعت سازی کا ہر پہلو قرآن وحدیث سے باطل نکلا 81

5 موجودہ شریعت کی تیاری وتنفیذ میں فاروقی حصّہ؟ 84

(1) حیاتِ رسولؐ میں بعد انتقال رسولؐ شریعت سازی کی تمہید وتیاری 84

(2) عہد رسولؐ میں حضرت عمر نے عہدِ خلافت کے لئے اپنی شریعت تیار کر لی تھی 85

(3) فہم وفراست میں عربوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد بازو ہوں 86

(4) شریعت سازی میں فاروقی مداخلت اللہ ورسولؐ کو پسند تھی؟ 86

(5) حضرت عمر کی نافرمانیاں بھی اللہ کی ہدایت وشریعت بنا دی گئیں 87

(6) حضرت عمر کی نافرمانیٔ رسولؐ بھی اللہ کی فرمانبرداری تھی؟ 88

(7) وہ محدود وحی جو رسولؐ پر نازل ہوتی تھی حضرت عمر کی وسعت نظر میں حارج تھی 89

(8) شبلی کے زمانہ تک ہندوستانی مسلمان علما ذرا جھجکتے رہے 91

(9) شریعت کی تیاری وتنفیذ میں حضرت عمر کی کدّ وکاوش 92

(10) انتقالِ رسولؐ کے بعد بھی حضرت عمر رسولؐ اللہ کی خامیاں بیان کرتے رہے 93

(11) قرآن فہمی اور شریعت سازی کو عقلی معیار پر کس نے بلند کیا؟ 94

(12) حضرت عمر کی عقل قرآن ورسولؐ کی صحت کا معیار تھی 95

(13) رسولؐ اللہ کی یادگاروں سے بُت پرستی کا اندیشہ تھا 97

6 آنحضرتؐ کے بعد جو دین وشریعت حکومت کی طاقت سے دُنیا میں پھیلے؟ 98

(1) فری اسٹائل (Free Style) حکومت اور شریعت خاندانِ نبوت سے ممکن نہ تھی 99

(2) قارئین حضرتِ عمر اور شبلی کا سَر بَمُہر اور سربند قدیم منصوبہ آپ کے سامنے ہے 101

(3) جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں قومی حکومت لے لی گئی 103

(4) حضرت عمر نے زبردستی خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جانے دی 105

(5) حضرت علیؑ کی حکومت فتنہ سازی اور سازشوں کا پیش خیمہ ہوتی 107

(6) حضرت ابوبکر کو بھی زبردستی سے اپنا آلۂ کار خلیفہ بنایا گیا تھا 109

(7) اے کاش یٰلَیْتَنِیْ، یٰوَیْلَتٰی نو دفعہ؛ کیا ظاہر کرتا ہے 111

	(8)		حضرت عمر نے عہدِ رسولؐ کے تمام سر برآوردہ صحابہ کو باندھ کر رکھ دیا تھا	111
	(9)		نظر بند صحابہ سے مشاورت کی عقلی حیثیت	113
7			تمام تعلیماتِ رسولؐ کا بلیک آؤٹ اور احادیثِ رسولؐ پر پابندی و سزا	114
	(1)		مدینہ میں حدیث بیان کرنے کی عام ممانعت کر دی گئی	114
	(2)		حَسْبُنَا کِتَاب اللّٰہ کی پالیسی سمجھ کر آگے بڑھیں	114
8			حضرت عمر نے اپنی تیار کردہ اور پسندیدہ شریعت اور مذہب کو کس طرح نافذ کیا؟	121
	(1)		ہر صحابیٔ رسولؐ احادیث بیان کرنے کا مجاز نہیں تھا	122
	(2)		مرکزی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مخصوص قاضی و مفتی اور باقی صحابہ کا منہ بند رکھا	122
	(3)		ہر فتویٰ، ہر وعظ و لکچر قومی حکومت کی تائید میں ہوگا؛ مفتیوں پر نگرانی ہوگی	123
	(4)		فاروقی شریعت کی خلاف ورزی پر سنگین سزا کے نوٹس	124
	(5)		فاروقی شریعت، فرمانِ شاہی اور خزانۂ شاہی کی قوت سے مسلط کی گئی تھی	124
	(6)		قرآن کی طرح شریعت پھیلانے کا انتظام؛ تنخواہ دار مبلغ اور شاہی جبر	130
		(الف)	کوئی ملک حضرت عمر کی شریعت کے علما فقہا سے خالی نہ تھا	131
		(ب)	کس مُلک میں کون مبلّغ ؟	131
		(ج)	تنخواہ دار علما کے علاوہ سب کی زبان بندی جاری رکھی	131
	(7)		فاروقی شریعت نافذ کرنے پر علامہ شبلی کے جستہ جستہ ریمارکس	135
9			اللہ و رسولؐ کا قائم کردہ اسلام اور قرآنی احکام سرتا پا بدل گیا، قومی مسلک اسلام بن گیا	138
	(1)		علامہ شبلی نے حضرت عمر کو مستقلاً قرآن اور رسولؐ کا مخالف ثابت کر دیا ہے	142
		(الف)	حضورؐ کی کوئی بات ذاتی تصور کی ترجمان نہ ہوتی تھی بلکہ ترجمانِ وحی تھی	143
		(ب)	آنحضرتؐ اپنی ذاتی رائے یا قیاس سے کوئی بات یا کام نہ کر سکتے تھے	143
		(ج)	حضرت عمر تصدیق کرتے ہیں کہ رسولؐ کی ہر بات و فیصلہ اللہ کی طرف سے اور حضرت عمر کا فیصلہ ذاتی رائے سے	144
		(د)	باطل عقائد کی کمر توڑ دی گئی رسولؐ معصومؐ اور تمام کائناتی علوم کا عالم تھا	144
	(2)		اسلام اور اسلامی شریعت کی ترمیم و تنسیخ کی داستان بہت طویل ہے	145
	(3)		شریعت ساز بزرگ امیرؓ المومنین کے دربار میں چند نظارے	150
10			اللہ و رسولؐ کے احکام ہوں یا ابوبکر کی تصدیق ہو، فاروق اعظم کا فیصلہ ہی صحیح اسلام ہے	152
	مسئلہ نمبر 1		پہلا فیصلہ۔ حضرت فاطمہؑ کی جائیداد سے عربی مخالفت بزورِ شمشیر دبانا	152
	مسئلہ نمبر 2		ایک فرمان سے قرآن کے دو حکم باطل اور حرام کر دیئے	153
		(الف)	متعہ ہے کیا؟	154
		(ب)	متعہ امام مالک اور اُن کی کتاب موطا کی نظر میں	157
		(ج)	متعہ؛ محمد اسماعیل اور اُن کی کتاب بخاری کی نظر میں	159
		(د)	امام مسلم بن الحجاج اور کتاب صحیح مسلم کی نظر میں نکاح متعہ؟	160

مسئلہ نمبر 3	حج کے متعہ کو حرام کرنے کی تفصیل	162
مسئلہ نمبر 4	احرام کی حالت میں نکاح کو حرام کر دیا جب کہ رسولؐ اللہ نے نکاح کیا تھا	165
مسئلہ نمبر 5	عورتوں کے لئے حج کو مصیبت بنا دیا گیا	167
مسئلہ نمبر 6	ہر قسم کی اور ہر عمر کی عورتوں کے نکاح کا اختیار ضبط کر لیا تھا	167
مسئلہ نمبر 7	عورتوں کی کوئی شرط قابلِ اعتنا نہیں ہے۔ وعدہ خلافی حلال ہے	170
مسئلہ نمبر 8	اللہ ورسولؐ کی مشہور مخالفت ایک جھٹکے میں تین طلاق عورت حرام	170
مسئلہ نمبر 9	اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی	172
مسئلہ نمبر 10	دیہات و بیرونجات کے عربوں سے مہاجر عورتوں کا نکاح منع کر دیا	172
مسئلہ نمبر 11	عورتوں کے مہر پر پابندی؛ مقررہ مقدار سے زیادہ رقم ضبط کرلو	172
مسئلہ نمبر 12	حقیقی ماں بیٹیوں سے بیک وقت جنسی تعلقات کا جائز کرنا	176
مسئلہ نمبر 13	کوئی عربی شخص کنیز سے نکاح نہ کرے گا	179
مسئلہ نمبر 14	اللہ کا مقرر کردہ حقِ رسولؐ یعنی خمس ضبط کر لیا گیا	180
مسئلہ نمبر 15	کھڑے کھڑے پیشاب کرنا دیوار سے رگڑنا	182
مسئلہ نمبر 16	پاؤں پر مسح کرلو تو وضو باطل؛ موزوں (جوتوں) پر مسح کرلو تو وضو صحیح	183
مسئلہ نمبر 17	شرمناک؛ جہالت مآب جنسی مسئلہ	184
مسئلہ نمبر 18	غسلِ جنابت کی جگہ تیمّم کرنے کی ممانعت خواہ ایک ماہ پانی نہ ملے	186
مسئلہ نمبر 19	نمازِ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھنا بند کر دیا	187
مسئلہ نمبر 20	عجمی شخص کی پیش نمازی قابل اعتبار نہیں تھی	191
مسئلہ نمبر 21	اذان میں اضافہ کر دیا جو آج تک جاری ہے	191
مسئلہ نمبر 22	قدیم اسلامی یادگاروں اور آثارِ رسولؐ کو مٹانا	192
مسئلہ نمبر 23	باندی کسی سے پردہ کرے تو اس کی پٹائی کر دو	193
مسئلہ نمبر 24	میاں بیوی بیچ میں پردہ ڈال کر نماز پڑھیں	193
مسئلہ نمبر 25	وضو میں پاؤں دھونا اور لاتعداد مسائل	193
مسئلہ نمبر 26	حضرت عمر اور ان کے اسٹاف کا متفقہ فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے	194
مسئلہ نمبر 27	دورانِ نماز امام کا وضو کرنا جماعت کو کھڑا چھوڑ جانا	196
مسئلہ نمبر 28	دوران نماز گردن پکڑ کر نمازی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا	197
مسئلہ نمبر 29	حضرت عمر کے مذہب میں نماز کی ابتدا کا طریقہ ملاحظہ ہو	197
مسئلہ نمبر 30	حضرت عمر کے مذہب میں نماز کے اندر بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نہیں ہوتی تھی	197
مسئلہ نمبر 31	نماز میں بسم اللہ پڑھنا ثابت کرنے کی کوششیں ناکام ہیں	198
مسئلہ نمبر 32	جماعت کی نماز میں قرآن کی مخالفت تمام نمازی سورۃ فاتحہ پڑھیں گے	200
مسئلہ نمبر 33	ظہر و عصر کی نمازوں میں بالجہر بلند آوازی سے قرأت کرنا	201

	مسئلہ نمبر 34	آیاتِ سجدہ والی سورتیں پڑھنا اور سجدہ سے روکنا	201
	مسئلہ نمبر 35	نماز میں اللہ کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے	201
	مسئلہ نمبر 36	رسولؐ اللہ شیعوں کی طرح اور حضرت عمر اُن کے خلاف نماز پڑھتے تھے	201
	مسئلہ نمبر 37	سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر ٹکانا	202
	مسئلہ نمبر 38	حضرت عمر نے نمازوں میں سے دعائے قنوت خارج کر دی	202
	مسئلہ نمبر 39	نماز میں تشہد اور تشہد میں فاروقی تعلیم	205
	مسئلہ نمبر 40	نماز تراویح اور حافظوں کی رفتار پر رکعتوں کی تقسیم	207
	مسئلہ نمبر 41	نماز استسقاء بند ہوگئی	210
	مسئلہ نمبر 42	اُکڑوں بیٹھ کر نماز پڑھنا	210
	مسئلہ نمبر 43	ظہر کے وقت سے پہلے بھی ایک چار رکعتی نماز	210
	مسئلہ نمبر 44	نمازوں کی رکعات پر بھی نظر تھی	211
	مسئلہ نمبر 45	نماز کی قرأت میں آزادی کا دیباچہ	211
	مسئلہ نمبر 46	نماز جنازہ میں اصلاحات	211
	مسئلہ نمبر 47	روزہ کھولنے میں جلدی کرنے والوں سے خیر وابستہ رہے گی	213
	مسئلہ نمبر 48	حج کے دوران حالتِ احرام میں خوشبو لگانا ناجائز کر دیا	214
	مسئلہ نمبر 49	حج میں بھی دو دو نمازوں کا ملانا پسند نہ تھا	214
	مسئلہ نمبر 50	وراثت کی تقسیم میں حقداروں کو اُلٹ پلٹ کرنا	215
	مسئلہ نمبر 51	حضرت عمر کے ذہن میں نہ معلوم کتنی آیات تھیں جو قرآن میں نہیں	217
	مسئلہ نمبر 52	بلا نکاح جنسی تعلق قائم کرنا مردوں کو جائز؛ عورتوں کے لئے حرام؟	219
	مسئلہ نمبر 53	دنیا سے مساوات رُخصت، سرمایہ داری وطبقہ واریت کی ہمہ گیری کو دعوت	221
11		کثرت الناس کا اپنے بادشاہوں کے مذہب پر رہنا	224
	(2)	بادشاہوں یا حکمرانوں کے مذہب کو اسلام نہیں کہا جاسکتا	226
	(3)	حضرت عمر کا شاہانہ انتظام اور اُس کی داخلی خامیاں	227
	(4)	قومی وملکی پنچائتی حکومت نے حضرت عمر کے مذہب وشریعت کو بحال رکھا	228
12		حضرت عمر کے جاری کردہ مذہب اور شریعت کو اُن کے بعد کیسے بحال رکھا گیا تھا؟	232
	(1)	معاویہ ویزید اور بعد کی تمام حکومتیں فاروقی مذہب پر کاربند تھیں	233
	(2)	حضرت امیر معاویہ نے فاروقی شریعت ومذہب کو کس طرح نافذ کیا؟	235
	(3)	مذہبِ باطل کی تائید میں شیعوں کا قتل عام؛ علامہ احمد امین اور پرویز	239
	(4)	اہلِ انصاف وعدالت سے چند سوالات اور حق وباطل کا فرق؟	240
	(5)	اسلام کی صورت بگاڑنے اور ملکی حکومت ومذہب کی تائید میں حدیث سازی	242
	(6)	مذہبِ علیؑ وشیعانِ علیؑ اور مذہبِ معاویہ	244

	(7)	فاروقی شریعت کی تکمیل پر چند توجہ طلب جُملے	246
	(i)	تاریخ کو مرتب کرنے کرانے والے کون لوگ ہیں؟ علامہ شبلی کا فیصلہ	246
13		اسلامی نماز بھی اسلام کے ساتھ ہی رُخصت کر دی گئی	247
	(1)	مولانا حضرات سے سوال	247
	(2)	اسلامی نماز کو ضائع کرنے پر چند باتیں	248
	(3)	اسلامی نماز قرآن وصاحبانِ قرآن کی نظر میں	250
	(4)	نماز کے ماتحت رہنا اور نماز کی اتباع کرنا ہمیشہ ناپسند رہا ہے؟	251
	(5)	قیامِ نماز اَلْمِلَّۃ ہے۔اور اَلْمِلَّۃ دین اسلام کا دوسرا نام ہے	252
	(6)	اَلْمِلَّۃ کا دین اسلام ہونا اور خانوادۂ رسولؐ کا پہلے سے مسلم ہونا ثابت ہو گیا	253
	(7)	نماز کو جزوِ دین بنانا نظامِ اجتہاد کی سازش تھی	253
	(الف)	پورے دین کو فوجی مقاصد اور ملکی دفاع پر تقسیم کرنا پڑا	254
	(8)	ولایۃ ،صلوٰۃ اور دین کی پوزیشن قرآن واحادیث کی روشنی میں	255
	(الف)	آئمہ اہل بیت علیھم السلام شہداء اللہ علی الناس ہیں	255
	(ب)	امامت دین اسلام کی بنیاد ہے اور امامؑ ہی سے نماز وغیرہ نتیجہ خیز ہوتے ہیں	256
	(ج)	مطالب ومفاہیم قرآن وحدیث؛ ولایت کی شان واہمیت پر	256
	(د)	ولایت سے خالی نماز پڑھنے والے بروزِ قیامت مُصَلِّین سے خارج	259
	(9)	حضرت علیؑ خود بھی اذان ونماز وصراط مستقیم ہیں	259
	(الف)	حضرت علیؑ ہی اللہ کی اذان اور کفر وشرک سے بریت کا پیغام	260
	(ب)	حضرت علیؑ مجسم صراطِ مستقیم ہیں	260
	(ج)	حضرت علیؑ صراط مستقیم ہیں وہی دین قیمہ اور ملۃ ابراہیمؑ ہیں	262
	(د)	علی علیہ السلام ہی وہ دین ہیں جس کو اللہ نے مکمل کیا اور جس سے راضی ہوا	262
	(10)	ولایت کو نماز سے کیوں نکالا؟ نماز وولایت کا عام فہم تعلق	263
	(الف)	نظام اجتہاد کے خودساختہ اصول، اصطلاحات اور اُن کے نتائج	263
	(ب)	دانشورانِ قوم نے خاندانِ نبوّت کی ولایت کو ختم کر دیا	264
	(ج)	دانشوران مکہ کے شر سے محفوظ تبلیغ اور کامیاب پیشرفت	266
	(11)	مجتہدین کے معیار پر ولایۃ ونماز کا تعلق	267
	(الف)	اللہ نے پانچ چیزیں فرض کی تھیں جن میں سے ولایت کو بندوں نے ترک کر دیا گیا	267
	(ب)	اسلام کی بنیادوں میں سب سے زیادہ زور ولایت پر دیا گیا ہے	270
	(ج)	اسلام کے تین پائے ہیں۔ایک کے بغیر باقی دونوں غلط ہیں	270
	(د)	ولایت علویہؑ نماز وغیرہ کی کنجی ہے۔اور علی علیہ السلام دلیل اسلام ہیں	272
	(ہ)	ولایت کے اعلان واقرار کو کسی حالت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا	273

14		شیعوں کو نظامِ اجتہاد نے کس طرح فریب دیا؟	274
(1)		شیعہ علمائے مجتہدین سے ولایت اور نماز پر چند باتیں ہو جائیں	275
(2)		تاریخ اسلام کے وہ حقائق و حادثات جن کو نظر انداز کیا جاتا رہا	279
	(الف)	علامہ شبلی نعمانی آنحضرتؐ کے تقیہ کی مدح و ثنا کرتے ہیں	280
15		اذان و نماز کے متعلق چند مخالفانہ تحریکات کا سُراغ	290
(1)		اُمت مغالطہ و فریب میں مبتلا رکھی گئی	290
	(الف)	اذان میں اضافہ و کمی	290
	(ب)	ہم تک صحیح اذان پہنچانے کا حکم	290
	(ج)	اُس وقت اذان میں حی علیٰ خیر العمل موجود تھا	292
	(د)	تقیہ کی حدیث نے اہلِ خلاف کی اذان میں دو مزید غلطیاں ثابت کر دیں	292
	(ہ)	اُس تقیہ والی حدیث نے ایک سربستہ راز کھول دیا	293
	(و)	اس نام نہاد تبصرہ پر ایک ناقدانہ و مومنانہ نظر ڈالیں	294
	(ز)	شیعوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے الفاظ مفوضہ؛ غالی اور نصیری گھڑے گئے	295
	(ح)	قُم اور قُمیّوں کا ادارۂ اجتہاد شیعوں کو غالی اور مفوضہ بناتا رہا	297
(2)		قُم کے باہر والے علما اُن علما اور افراد کو صحیح العقیدہ سمجھتے تھے	295
(3)		حضرت شیخ مفیدؒ کی زبان سے قمی ادارہ کا مذہب سُنئے	298
	(الف)	وہ تمام علما جو مومنین کو غالی اور مفوضہ اور نصیری کہتے ہیں دشمنانِ اہل بیتؑ ہیں	299
	(ب)	آئمہ اہل بیت علیہم السلام قرآنِ مجسم اور کائنات کے ہر ذرّہ پر مطلع تھے	300
	(ج)	پہلی صدی کے ڈھکوؤں کا حال اور اُن پر ولایت سے خروج و کفر کا فتویٰ	301
	(د)	شیعوں میں زبان سے اقرار اور دل میں انکار کرنے والا گروہ بھی ہے	302
(4)		اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰه عہد رسولؐ میں تھا بعد میں خارج کیا گیا تھا	303
(5)		اذان سے شہادت ثالثہ کو نکالنے والے مجتہدین کے بزرگ آخر پکڑے گئے	303
(6)		جس طرح قرآن فہمی کے لئے عقل و ایمان کی شرط ہے، اُسی طرح حدیث فہمی مشروط ہے	304
(7)		مسئلہِ تشہد کو سمجھنے کے لئے بھی چند بنیادوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے	305
16		تشہد میں ولایتِ علویہ کے منکر شیعہ علمائے مجتہدین شیعہ پبلک کو جواب دیں؟	306
(1)		آخری رکعت کے آخری سجدہ کے بعد اگر وضو ٹوٹ جائے تو نماز مکمل ہو گئی	307
(2)		جس تشہد کا ذکر ہوا ہے۔ اُس میں کوئی شہادت لازم نہ تھی	308
(3)		ولایت کو رسالت اور وحدانیت سے کسی بھی حالت میں جُدا نہیں کیا جائے گا	309
	(الف)	ولایت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے:	309
	(ب)	توحید و رسالتؐ و ولایتؑ کے لزوم پر چند گزارشات	310
(4)		آئمہ علیہم السلام سے سوالات اور تشہد پر اُنؑ کے جوابات کو سمجھنے کا طریقہ	312

	(5)		لوگ دونوں طرف پڑھے جانے والے تشہد کی پوزیشن جاننا چاہتے تھے	313
		(الف)	بکر بن حبیبؒ کا تشہد کے بارے میں سوال	313
		(ب)	بکر بن حبیبؒ کا ایک واضح سوال	314
		(ج)	مذکورہ بالا سوالات پر ایک نظر	315
	(6)		اعلیٰ درجہ کا تشہد مجتہد نے غائب کر رکھا تھا	317
	(8)		آٹھویں امام علیہ السلام نے عوام وخواص کو تشہد میں اور بلند کیا	318
17			ہم اور آپ آخر منزلِ مقصود تک آ پہنچے	321
	(1)		آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے تدریجی احکام	321
	(2)		محمدؐ اور اُن کی آلؑ میں ایک حرف کا فصل پیدا کرنا ممنوع ہے	322
	(3)		شیعہ علما اور عوام سے ایک آخری سوال؟	323
	(4)		مصروف مومنین کی نماز کے لئے چند ہدایات	323
		(ب)	نماز میں اللہ سے وابستگی لازم ہے	324
		(ج)	نماز کی کنجی یا افتتاحی دُعا	324
		(د)	نماز کا سلام اور اختتام مع مختصر تشہد	325

فہرست ''اسلامی کلمہ اور نماز''

امت مسلمہ سے گذارش 327

الف ہماری مجبوریاں! 328

ب اُمت کے تمام مکاتیب فکر کو اس یزیدی مذہب کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے 331

ج مندرجہ وموصوفہ بالا علما کو ایک پیغام 334

(الف) کلمہ میں عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ کب سے اور کیوں ہے؟ 335

1 کلمہ کی ابتدا ازلی وکائناتی ہے 335

(1) قرآن کریم سے ابتدا کیجئے 335

(2) تخلیقِ کائنات سے پہلے محمدؐ وآل محمدؐ سے تخلیق کی ابتدا ہوئی 336

(3) کائنات کی تخلیق اور مکمل کلمہ وتشہد کی منادی یا اذان 337

(4) تمام ملائکہ وارواح اور انبیاؑ کا کلمہ 338

(5) اس کائنات کا پہلا ہفتہ اور پہلا جمعہ اسی کلمہ سے موسوم ہوا تھا 339

(6) اقرار ربوبیت ووحدانیت میں پورے کلمہ کا اقرار شامل تھا 340

2 اہل سنت ریکارڈ مکمل کلمہ پر طرح طرح سے متفق ہے 340

(1) تخلیق آدمؑ سے قبل تمام انسانوں پر علیؑ کی امارت کا اقرار لازم کیا گیا 341

(2) کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے جنتیوں کے لئے کلمہ 342

(3) عرشِ خداوندی پر مُقرّبان بارگاہ خداوندی کا کلمہ 342

(4) حضرت آدمؑ نے آنکھ کھولتے ہی کونسا کلمہ پڑھا تھا؟ 343

(5) معراج کی رات میں کلمہ کا ایک اور نظارہ 343

(6) کلمہ کب مکمل طور پر سامنے آیا؟ 343

(7) مُلاں جی اب تو یہ کلمہ پڑھنا ہی پڑے گا 344

(8) جنت کے دروازہ کا اسپیکر (Speaker) علیؑ علیؑ کا ورد کرتا ہے 345

(9) خَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصلٍ، وصی رسولؐ اللّٰہ، امیر و امام المتقین مسلمانوں پر لازم کلمہ 345

(10) مُلکِ چین کا ایک پھول جس پر مکمل کلمہ لکھا ہوا ہوتا تھا 347

(11) وہ پرچم جس کے سایہ میں تمام انبیاؑ اور رسولؐ ہوں گے حقیقی کلمہ کا حامل ہوگا 348

(12) اہل سنت کی طرف سے کلمہ کا بارہواں ثبوت ذرا آگے بڑھتا ہے 348

(ب) اللہ کے ازلی وابدی کلمہ کی تصدیق وتبلیغ اُس کا رسولؐ برابر کرتا رہا 349

(1) محمدؐ وآل محمدؐ نوری مخلوق ہیں، طاہر ومطہر آباؑ واجدّاد کی اولادؑ ہیں 349

(2) علیؑ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے 350

(3) محمدؐ وآل محمدؐ کے مخالف عہد رسولؐ سے شروع ہوتے ہیں 350

(4) وصی رسولؐ ہونا 350

(5) خلیفہ رسولؐ ہونا 350

(6) امیر المومنین ہونا 350

(7) امام المتقین، قائدالغر المحجلین اورامیر المومنین ہونا 350

(8) رسولؐ کی طرح سب کے امام اور ولی علیؑ 351

(9) علیؑ کا ذکر کرنا عبادت ہے 351

(10) علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے 351

(11) آلِ محمدؐ کی معرفت اور اقرارِ ولایت جہنم کو حرام کرتے ہیں 351

(12) آئمہ اہل بیتؑ رسولؐ اللہ کے خلفا، اوصیا اور حُجَجُ اللّٰہ ہیں 351

3 اہل سنت ریکارڈ کی تفصیلات شیعہ ریکارڈ میں موجود ہیں 353

(1) عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ترتیب 353

(2) معراج میں ولایت کا مکمل نظام (مکمل کلمہ) 355

(3) محمدؐ کے ساتھ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ لازم وملزوم ہے (حقیقی کلمہ) 356

(4) وہ کلمہ جو آدمؑ سے بائیس ہزار (22000) سال پہلے سے مشتہر کیا جاتا رہا (علیؑ نوری مخلوق تھے) 357

(5) کلمہ کے اجزا میں حضرت علیؑ کا امیر المومنین ہونا 358

(6) کلمہ اور اذان کے وہ اجزاء جو اہل سنت ریکارڈ میں ثابت ہو چکے ہیں 359

(7) ولایت کو محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم تک پہنچانے کے لئے تمام انبیاؑ مبعوث ہوئے 359

(8) حضرت عیسٰیؑ کے بیان پر ایک نظر 361

(9) تمام انبیاؑ اور رسولؐ ولایتِ محمدؐیہ کو پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے 361

(10) اللہ نے آسمانوں اور فضاؤں اور پہاڑوں میں ولایت کو محفوظ کیا ہے 362

(11) مومنین کے ایمان کی تفصیل اور معصومینؑ کی تصدیقات (مفصل کلمہ) 363

(دوم) تفصیل کلمہ حجة بلافصل 363

(12) وہ کلمہ جسے پڑھتے ہوئے مومنین قبروں سے اٹھیں گے 366

مومنین سے رخصت اور سلام 366

کتاب کا پس منظر (1976ء) 367

1 مسلمانانِ پاکستان چیستان نہ بن جائیں 367

2 حکومت اور مذہبی اصلاحات 368

3 وضاحتِ مقصد 369

4 اسلام اور اُمت کے دشمنوں کا ایک جدید حربہ؟ 370

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًاO (فرقان 25/30)

اور رسوؐل اللہ نے کہا تھا کہ اَے میرے پروردگار بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن سے دوسرے شریعت ساز اداروں کی طرف ہجرت کر کے مہجور کر دیا ہے

فاروقی شریعت

نظامِ فاروقی کا کمال یہ ہے کہ خود ہمارے مذہب میں نظام اجتہاد ایک ہزار سال سے ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔ اور شیعہ مجتہدین میں سوائے چند بزرگوں کے کثرت مِنّ وعَنٗ فاروقی نظام کے اصول فقہ یعنی شریعت سازی کے فاروقی اصول اختیار کئے ہوئے شریعت سازی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور کمال بالائے کمال یہ ہے کہ مسلک فاروقی کی چاروں شاخوں نے تو مزید اجتہاد کا دروازہ بند کئے ہوئے ایک ہزار سال گزار دیئے۔ مگر ہمارے یہاں یہ دروازہ اس طرح چوپٹ اور مقدس بنا کر کھولا ہے کہ قیامت تک محمدؐ و آل محمدؐ کی راہ روک کر بیٹھ گئے ہیں۔ اور اپنے اجتہاد سے تمام شرعی مسائل کو بدل بدل کر ایک الگ مجتہدانہ شریعت تیار کی ہے۔ تمام قدیم ریکارڈ کو رفتہ رفتہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن و حدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اُن کے بیان کردہ مسائل میں آیت یا حدیث کا کہیں تذکرہ نہ ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے اور اسلام کا محض نام ہی نام رہ جائے گا۔ آج جو کچھ اسلام کے نام پر باقی ہے، وہ سب کچھ ہے مگر اسلامی نہیں ہے۔

1۔ آپ کون سی نماز پڑھتے ہیں؟

قارئین کرام! ہم مسلمانوں کے سامنے اُن کی سب سے بڑی عبادت کی داستان سب سے معتبر کتاب سے شروع کرتے ہیں۔اور جو حضرات مسلمانوں کو کلمہ کے چکّر میں ڈال کر اُلجھانے کا پروگرام چلا رہے ہیں اُن سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنی پانچ دفعہ روزانہ پڑھی جانے والی فرض وواجب نماز کو قرآن وحدیثِ معصومؑ سے صحیح ثابت کریں۔اور ہم ثابت کریں گے کہ جس طرح اُنہوں نے اسلامی کلمہ کی آفاقیت وہمہ گیری کو نظرانداز کر کے اختیار کیا تھا، اُسی طرح اُنہوں نے رسولؐ اللہ کی سکھائی ہوئی نماز کو چھوڑ کر خانہ ساز (Man Made) نماز کو بھولے بھالے عوام میں رائج کر دیا۔اور یہی سبب ہے کہ دن رات نماز پڑھتے رہنے کے باوجود نماز سے انہیں نقصان کے سوا کوئی ایسا فائدہ نہیں پہنچا جو قرآن اور رسولؐ اللہ نے گن گن کر بتائے تھے۔نماز معراج المومنین ہے۔ہمیں ذرا دو (2) منٹ کیلئے زمین سے دو انچ اونچائی پر ٹھہر کر دکھا دیں۔البتہ کافروں کی مدد سے وہ کروڑوں میل فضا میں بلند ہو کر قیام کر سکتے ہیں۔اللہ نے فرمایا تھا کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ o (الاعراف 7/40)

''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اُن کے مقابلہ میں خود بزرگ بن بیٹھے۔ہم اُس گروہ کیلئے آسمانوں کے دروازے ہرگز نہ کھولیں گے۔اور جس وقت تک یہ ممکن نہ ہو جائے کہ درزی کی سُوئی (Needle) کے ناکہ (سُوراخ) میں سے مخصوص اونٹ گزر سکے وہ گروہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور ہم تو مجرموں کو اُسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔''

مطلب واضح ہے کہ جو حضرات خود کو اتنا بڑا اور بزرگ سمجھیں کہ اُنہیں رسولؐ اللہ کی سکھائی نماز موزوں معلوم نہ ہو۔اور وہ خود اپنی بصیرت سے اذان ونماز گھڑ لیں اُن کو خود ساختہ نماز کافروں سے بدتر وگمراہ تر نہ بنا دے تو اور کیا کرے؟ یہی وجہ ہے کہ یہ نماز میں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف تجھ ہی وحدہ لاشریک اللہ سے مدد مانگتے ہیں (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ o) مگر کاسہ گدائی لے کر کافروں کے درِدولت پر کھڑے بھیک مانگتے اور بھیک پر آپس میں لڑتے اور اللہ کا شریک مانتے نظر آتے ہیں۔

(اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ)

(1) عہد مرتضویؑ سے پہلے نماز تبدیل ہو چکی تھی

عن سعید بن الحارث قال صَلّٰی لَنَا ابو سعید فَجَھَرَ بِالتکبیر حِیْنَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ وَ حِیْنَ سَجَدَ وَحِیْنَ رفع وَحِیْنَ قَامَ مِنَ الرّکعتین و قَالَ ھٰکَذَا رَاَیْتُ النبیؐ۔ (بخاری کتاب الاذان۔باب اتمام التکبیر فی الرکوع)

جناب سعیدؓ بن الحارث بتاتے ہیں کہ ابو سعیدؓ نے ہمیں سکھانے کیلئے نماز پڑھ کر دکھائی تو اُنہوں نے جب بھی سجدوں سے سر اُٹھایا بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا۔ اور جب بھی رکوع سے بلند ہوتے تھے۔ اور جب کوئی رکعت ختم کر کے کھڑے ہوتے تھے تو ہر دفعہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے اور ہاتھ بلند کرتے تھے۔ اور نماز کے بعد اُنہوں نے یہ بتایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو اِسی طرح نماز پڑھتے دیکھا تھا۔''

نماز میں ایک رُکن سے یا ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند کر کے اللہ اکبر فرماتے تھے۔ مگر آج جو نمازیں پڑھی جارہی ہیں اُن میں یہ صورتحال نظر تو آتی ہے مگر شاذ و نادر۔ اور اسطرح نماز پڑھتے دیکھ کر تعجب کیا جاتا ہے اور ناواقف لوگ اس کو اسلامی نماز کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اگر کسی مُلّا ٹائپ کے آدمی سے ایسی نماز کے متعلق وضاحت چاہتے ہیں تو مولانا بے تکلفی سے اس کو غلط اور باطل فرمادیتے ہیں۔

(2) رسولؐ اللہ کا طریقہ کیوں جاری نہ رہا؟

صحیح بخاری کی طرح صحیح مسلم میں بھی نماز کے اس طریقہ پر کئی ایک احادیث ریکارڈ کی گئی ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی نماز کے طریقہ کو چھوڑنے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:

اَلشَّرح اجتمعت الامة عَلٰی استحباب رفع الیدین عِند تکبیرة الاحرام واختلفوا فیما سواھا
(صحیح مسلم کتاب الاذان باب استحباب رفع یدین صفحہ 168۔ نور محمد چھاپ)

''اسکی شرح اتنی سی ہے کہ کرتا دھرتا لوگوں نے نیت کے بعد والی پہلی تکبیر کے علاوہ باقی مواقع پر بار بار ہاتھ بلند کر کے اللہ اکبر کہنے سے اختلاف کیا لہٰذا اُمت نے صرف تکبیرۃ الاحرام میں ہاتھ بلند کرنے پر اجماع یا اتفاق کر لیا تھا۔''

قارئین صرف یہ دیکھیں کہ ساری اُمت نہ آج نہ کبھی پہلے ایک طرح نماز پڑھتی تھی، نہ بے چاری اُمت کبھی ایک جگہ جمع ہو کر صلاح مشورہ کر سکی، نہ کبھی اُمت کی پرواہ کی گئی۔ ڈنڈے اور فریب سے جدھر چلایا گیا چلتی رہی۔ وہ لوگ جو اقتدار اور قوت کے مالک تھے اپنے علامہ حضرات کی معرفت جو چاہتے تھے مشہور کرادیتے تھے، کتابوں میں لکھوادیتے تھے۔ قاضی، گورنر، پولیس اور ہر مسجد کا پیش نماز حکومت مقرر کرتی تھی۔ اُمت و عوام مجبور تھے کہ جس طرح پیش نماز پڑھے وہ بھی اُسی کو رسولؐ کا اور اسلام کا صحیح طریقہ سمجھیں۔ مقلِّد کو اس سے زیادہ سوچنے اور دریافت کرنے کا حق دیا ہی نہیں گیا ہے۔ لہٰذا شیعہ اور سُنی عوام یہ نوٹ کرلیں کہ اسلام کے نام پر لکھی ہوئی کتابوں میں جہاں بھی لفظ ''اجماع'' یا ''اُمت کا اجماع'' لکھا ہوا دیکھیں یا کسی بھی شیعہ یا سُنی عالم سے سنیں تو یہ سمجھ لیں کہ یہ لفظ یا جملہ، عوام پر رعب ڈالنے اور اُن کا منہ بند رکھنے کیلئے کہا یا لکھا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی معنوی حیثیت ہمیشہ فریب سے زیادہ کبھی نہیں رہی ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہوا کہ چند صاحبان اقتدار نے رسولؐ اللہ کے طریقہ کو چھوڑ دینا مفید

سمجھا لہٰذا چھوڑ دیا اور اپنے انتظام کی طاقت سے اُمت میں اپنا جاری کردہ طریقہ جاری کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ مگر خدا کا فضل ہے کہ وہ حضرات کامیاب نہ ہوئے اور محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے داخلی انتظام نے حق کو پوشیدہ نہ ہونے دیا۔ اور آج بھی اُن لوگوں کی مرضی کے خلاف خود اُن کے تیار کردہ لوگوں میں چار مختلف طریقوں سے نماز پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات سو فیصد غلط ہے کہ اُمت نے اجماع کرلیا تھا۔ اور رسولؐ اللہ کی مخالفت کی تھی۔

(3) رسولؐ اللہ کی نماز کو صرف کتابوں میں قید رکھا گیا ہے

جناب ابو ہریرہؓ سینکڑوں دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مل کر یہ بتاتے رہے کہ:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اذا قام اِلَی الصَّلوٰۃ یکبّر حِیْنَ یقوم ثُمَّ یکبّر حِیْنَ یرکَعُ ثُمَّ یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لمن حمدہ حِیْنَ یَرْفَعُ صلبہ مِنَ الرکوع ثُمَّ یَقُوْلُ وَ ھُوَ قَائِمٌ ربنا ولک الحمد ثُمَّ یکبّر حِیْنَ یَھْوِی سَاجِدًا ثُمَّ یکبّر حِیْنَ یَرْفَعُ رَاسَہُ ثُمَّ یکبّر حِیْنَ یَسْجدُ ثمَّ یکبّر حِیْنَ یرفَعُ راسہ ثمَّ یفعل مثل ذلک فی الصلوٰۃ کُلّھَا حَتّٰی یقضیھا و یکبّر حِیْنَ یقوم من المثنی بعد الجلوس ثُمَّ یقول ابوھریرۃ اِنّی لا شبھکم صلوٰۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم۔ (صحیح مسلم ایضاً باب صفحہ 169)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے؛ پھر رکوع میں جاتے وقت **اللہ اکبر** فرماتے؛ پھر رکوع سے اُٹھتے ہوئے **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے اور جب رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہوجاتے تو **ربّنا لک الحمد** فرماتے؛ پھر سجدہ میں جاتے ہوئے **اللہ اکبر** کہتے؛ پھر سجدہ سے سر اُٹھاتے ہوئے **اللہ اکبر** فرماتے؛ پھر سجدہ میں جاتے ہوئے **اللہ اکبر** کہتے؛ پھر سجدہ سے سر اُٹھاتے ہوئے **اللہ اکبر** فرماتے۔ اور اپنی ہر ایک نماز میں یہی عمل کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز پوری ہوجاتی اور دو رکعتوں کے بعد جو تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں اس کے بعد اُٹھتے ہوئے بھی **اللہ اکبر** کہہ کر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تھے۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ میں تم لوگوں کو رسولؐ اللہ کی نماز کا نمونہ دیتا ہوں۔''

چونکہ اس حدیث میں اللہ اکبر کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرنے کا ذکر نہیں ہے لہٰذا بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ صرف تکبیر پڑھنے کی بات ہورہی ہے۔ اگر اس سمجھ کو صحیح مان لیا جائے تو ایک نہیں بلکہ رسولؐ اللہ کی نماز کی دو خلاف ورزیاں ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی ایک تو ہر حرکت سے پہلے نماز میں ہر دفعہ ہاتھ بلند کرنا ترک کردیا تھا۔ دوسرے اللہ اکبر کہنا بھی منع کردیا گیا تھا۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ابو ہرؓیرہ ہی کے زمانہ میں لوگوں نے نماز میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہنا چھوڑ دیا تھا (صفحہ 169)۔ پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ ابو ہرؓیرہ کو یہ بھی کہنا پڑتا تھا کہ رسولؐ اللہ کی نماز یوں نہیں بلکہ یوں تھی۔ تاکہ لوگ اُنکی پٹائی نہ کردیں۔ سوچئے کہ وہ کونسی اسلامی ضرورت یا مصلحت تھی جسکی وجہ سے اُس وقت کے سربراہان امت

نے نماز کو تبدیل کیا تھا؟ اور پھر کس بھروسہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے کلمہ میں کتر بیونت نہ کی تھی؟ دوستو اگر آج اُمت کے عوام یا علما یہ چاہتے ہیں کہ اُمت کو اللہ کی طرف سے وہ تمام انعامات اور سر بلندی ملے جسکے وعدے قرآن میں کیئے گئے ہیں تو ہم سب کو چاہیئے کہ اپنے تمام اعمال، تمام عبادات، تمام عقائد اور تمام تصورات پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں اور جو کچھ مُلّا ازم نے تبدیل کیا ہے اُسے دوبارہ جاری کریں۔ میری یہ اپیل چالیس سال سے شیعوں اور اہل سنت سے برابر کی جاتی رہی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں آج محرّ بینِ اسلام کی راہ میں ایک نہ ٹلنے والی رکاوٹ ہوں۔ اُنکو بتادو کہ یہ حق چار یار کے نعرے دوستی نہیں بلکہ دشمنی پیدا کر رہے ہیں۔ ترقی نہیں تنزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اُدھر یہ کہہ دو کہ جن ناشائستہ حرکات کی بنا پر یہ نعرہ ایجاد ہوا ہے وہ بھی تخریب کاروں نے جاری کی تھیں۔ اگر عوام ایسے لوگوں کے اشاروں پر چلنا نہ چھوڑیں گے جو اُمت میں تصادم چاہتے ہیں تو یہ دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ اِن لوگوں نے اُمت کو بھکاری بنا دیا ہے۔ کافروں، مشرکوں بے دینوں کا مرہون منّت بنا دیا ہے۔ کافرو بے دین نہ ہوں تو اُن لوگوں کو کفن اور کار و ہوائی جہاز کہاں سے ملیں؟ یہ ہمارے لوگ نہیں ہیں۔ یہ تو رسولؐ اللہ ہی کے زمانہ سے کفار کے حلیف تھے۔ کفر کو مستحکم کرنے کیلیئے اُنہوں نے ادھورا کلمہ پڑھا تھا اور بظاہر مسلمان ہو گئے تھے، لیکن برابر کفار کا حقِ نمک ادا کرتے رہے۔ اور آخر کار ساری اُمت کو ساری دنیا میں کفار کے درِ دولت پر لا کھڑا کیا ہے۔ کافروں سے مدد اور سامان اور قرضے لے لے کر اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے منصوبے بنانا بھی ایک کھُلا اور قابل فہم فریب ہے۔ جب آپ یہ نعرہ مار رہے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہم فلاں منصوبہ اسلیئے جاری کر رہے ہیں کہ کل ساری دنیا کی امامت اُمتِ مسلمہ کو حاصل ہو جائے اور دنیا کی تمام اقوام مسلمانوں کی دست نگر ہو جائیں تو چونکہ یہ نعرہ آپ چوراہوں پر، اخباروں میں، ریڈیو پر، اسمبلیوں میں مار رہے ہیں تو یقیناً دنیا کی ساری اقوام اور ساری حکومتیں بھی اس نعرہ کو سن رہی ہیں۔ یہ سُننے اور جاننے کے بعد بھی اگر وہ آپ کو روپیہ، اسلحہ اور سامان جنگ و سامانِ تعلیم و آسائش بلا تکلف دیئے جا رہی ہیں تو یقین کیجیئے کہ نعرہ مارنے سے پہلے ہی اُنکو اطمینان فراہم ہو چکا ہے کہ یہ رسمی نعرہ ہے، تاکہ عوام ذرا گرم رہیں داخلی مخالفین سہمے رہیں۔ ورنہ کہاں اُمت کی ترقی اور کہاں یہ حق چار یار؟ اور اگر نعرہ مارنے والا یا منصوبہ ساز پُر خلوص ہے تو مدد دینے والے کافر و یہود و نصاریٰ اور بے دین لوگ بھی عقلمند ہیں۔ وہ جو کچھ دیں گے سوچ سمجھ کر دیں گے اور قیامت تک یہ نعرہ بازی کفار سے یارانہ ہی پر منتج ہوگی۔ لہٰذا عوام و علما سوچیں کہ اگر آپ تمام غلط چیزوں کو چھوڑ دیں، صحیح کلمہ و نماز جاری کر لیں تو اللہ و رسولؐ خوش ہونگے۔ اور وہ خوش ہو گئے تو کائنات اور کائنات کی تمام موجودات تمہارے قدموں میں ہونگی۔ ورنہ تم ہو گے، کاسۂ گدائی ہوگا اور ہر کافر کے دروازہ پر حق چار یار، حق کافر و کفار، ایک سُٹّا ھور مار کہتے اور بھیک مانگتے پھرتے رہو گے۔

(4) رسول اللہ کی دی ہوئی نماز کو بدل ڈالنے کا یقینی ثبوت

مندرجہ بالا قسم کی سینکڑوں روایات کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں۔اور اگر یہ طے کرلیا جائے کہ جو چیز صحیح ہوگی اُسے اختیار کرلیا جائے گا تو حدیث کی کتابیں خواہ اہل سنت ریکارڈ والی ہوں یا شیعوں کی ہوں، وہ سب ہماری اور حق کی تائید کیلئے آمادہ ہیں۔بہرحال صحیح بخاری شریف کی ایک فیصلہ کن حدیث ملاحظہ ہو:

عن مُطَرِّف قال صَلَّيْتُ اَنَا وَ عِمْرَانُ بن الحُصَيْن صَلٰوةً خلف علی بن ابیطالب رضی اللّٰه عنه فَكَانَ اِذَا سَجَدَ كَبَّرَ و اِذا رَفَعَ رَأسَه كَبَّرَ وَاِذا نَهَضَ مِنَ الرَّكعتين كَبَّرَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ عمرانُ بِيَدِىْ فقال لَقَدْ صَلَّى بنا هٰذا الصَّلٰوة محمد صلى اللّٰه عليه و آله وسلم۔اَوْقَالَ لَقَدْ ذَكَّرنى هذا صلوة محمد صلى اللّٰه و آله وسلم۔(بخاری کتاب الاذان باب اتمام التکبیر فی الرکوع نور محمد چھاپ صفحہ 114)

جناب مطرّف نے بیان فرمایا کہ میں نے اور عمران بن حُصین نے ایک نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی تو اُنہوں نے سجدوں میں جاتے وقت بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔اور جب سجدوں سے سر اُٹھایا تب بھی اور جب رکعتیں مکمل کر کے کھڑے ہوتے تب بھی اللہ اکبر کہتے رہے۔چنانچہ جب انہوں نے نماز کا سلام پڑھ لیا تو عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نوٹ کرایا کہ دیکھو ہم نے علیؑ والی یہی نماز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ پڑھی ہے۔یا یہ کہا کہ یہ نماز پڑھ کر علیؑ نے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ والی نماز یاددلادی ہے۔"(بخاری جلد اوّل صفحہ 114)

گو یہ حدیث ابو ہریرہؓ والی حدیث سے مفصل نہیں ہے اور نہ اس میں ہر دفعہ دونوں ہاتھوں کا بلند کرنا مذکور ہے۔مگر مطلب وہی سمجھا گیا ہے۔جس کا ذکر ہو چکا اور یہ کہ لوگوں نے رسولؐ کی تعلیم کردہ نماز کو نہ صرف بدل دیا تھا بلکہ اچھے خاصے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس نماز کو بھلا بھی دیا تھا۔چنانچہ صحیح بخاری ہی کی شرح میں اس کی بڑی معنی خیز شرح وتفصیل یوں بیان کی ہے کہ:۔

قوله "لَقَدْ ذَكَّرنى" بِتَشْدِيْد الكاف و فاعله هذا اراد به على بن ابى طالبؑ وَ قوله "ذَكَّرنى" يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ التكبير قد تَركَ وَ قَدْ روى احمد الطحّاوى بِاَسْنَادٍ صحيح عن ابى الموسٰى الاشعرى قال ذكرنا على صلوة كُنَّا نُصَلِّيهَا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و آله و سلم اِمَّا نَسِيْنَا هَا وَ اِمَّا تَرَكْنَا هَا عَمَدًا ذكره العينى فى باب اتمام التكبير فى الركوع"(ایضاً صفحہ 114)

اُس کے اِس قول "لقد ذكّرنى" میں جو کاف ہے اُس پر تشدید ہے۔اور یاددلانے والا علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔پھر یہ قول کہ "اس نے مجھے یاددلادیا" اس حقیقت پر دلیل ہے کہ نماز میں تکبیر پڑھنا ترک کیا جا چکا تھا۔اور یقیناً احمد الطحاوی نے اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صحیح سندات کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے کہا ہے کہ علیؑ کی نماز نے ہمیں وہ نماز یاددلادی جو ہم رسولؐ اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔اب یا تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے رسولؐ اللہ والی نماز کو کسی طرح بھلا دیا تھا۔یا یہ کہہ لو کہ ہم

نے رسولؐ اللہ کی سکھائی ہوئی نماز کو سوچ سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔ بخاری کے شارح عینی نے بھی اپنی شرح کے باب اتمام التکبیر فی الرکوع میں تفصیل لکھی ہے۔ (حافظ محدث الشیخ احمد علی شارح بخاری سہارنپوری)

(5) دین کی اتنی نمایاں عبادت کیسے بدل دی گئی؟

یہاں قارئین کیلئے سوچنے کی پہلی بات یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے تیئیس (23) سال تک لوگوں کو روزانہ پانچ مرتبہ نماز پڑھائی اور ہر نماز میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر نماز کے تمام اعمال کی ابتدا کرتے رہے۔ بھرے مجمعوں کے رُوبرو سامنے کھڑے ہو کر ہر دفعہ اللہ اکبر کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں اور کندھوں کی طرف بلند کر کے دکھاتے رہے۔ عورتوں بچوں نے بھی حضورؐ کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ رسولؐ کے سکھائے ہوئے اور بھیجے ہوئے پیش نماز سارے عرب میں پھیل گئے اور رسولؐ اللہ کے طریقہ پر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ نمازِ عیدین میں بڑے بڑے مجمعوں نے وہی نماز پڑھی۔ حج کے مواقع پر خود رسولؐ نے یا رسوؐل کی طرف سے مقرر کردہ کسی نائب الحج نے عظیم الشان مجمعوں کو وہی نماز پڑھائی۔ یہ کیا بات ہے؟ اور یہ بات کس طرح ممکن ہوئی کہ رسولؐ اللہ کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف بیس (20) سال کے اندر اندر وہ نماز نہ صرف آسانی سے تبدیل کر لی گئی بلکہ رسولؐ اللہ والی نماز کا ذکر وفکر تک ایسا مٹ گیا کہ بڑے بڑے صحابہ تک اُس نماز کو یکسر بھول گئے؟ یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ کون لوگ تھے جن کا اثر رسولؐ اللہ سے زیادہ تھا۔ جن کے کہنے سے وہ عبادت ترک کر کے طاقِ نسیاں پر رکھدی گئی۔ جسے آج تک شیعہ اور سُنی دونوں اسلام کی بنیاد اور اہم ترین عبادت کہتے چلے آئے ہیں۔ جس کا قرآن میں ہر دوسرے سانس پر حکم دیا گیا ہے۔ روزِ حشر جس کی سب سے پہلے پُرسش کا عقیدہ مانا گیا ہے۔ جسے مومن اور منافق کی شناخت بتایا گیا ہے۔ وہ کون سا لالچ یا فائدہ تھا جس کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے وعدے بھی ناقابل اعتبار ٹھہرا دیئے گئے؟ یقیناً کوئی بہت بڑا فائدہ تھا۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ و رسوؐل کی نماز کی جگہ اپنی پسندیدہ نماز جاری کر دی قوم کے بڑے چہیتے لوگ تھے۔ جن کے طریقہ کو اللہ و رسولؐ کے طریقہ سے یا تو بہتر سمجھا گیا یا وہ کم از کم اتنے قابل اعتماد لوگ تھے کہ اُن کی بات کو رسوؐل کی بات اور اُن کے طریقہ کو رسوؐل کا طریقہ سمجھا گیا۔ یا یہ کہ عوام کو فریب دیا گیا۔ ظلم و جبر و تشدد اور سیاسی تدبر و تدریج اختیار کر کے رسوؐل کا طریقہ بدل دیا گیا۔ بہرصورت یہ ثابت شدہ مسلمہ حقیقت ہے کہ رسولؐ والی نماز بدل دی گئی تھی۔ اور یہ تبدیلی مسلمانوں کی معتبر ترین کتابوں سے ثابت ہے۔ اور جہاں جہاں آنحضرتؐ کے قائم کئے ہوئے کسی طریقہ کو بدلا گیا ہے وہاں یہی کہا گیا ہے کہ اُمت کا اِس پر اجماع ہو گیا تھا یا علما نے فلاں بات پر اجماع کر لیا تھا۔ یعنی اللہ و رسولؐ کے واضح احکام کو تبدیل کرنے کیلئے اُمت اور علما کا اجماع بہت بڑی مختار ہستیاں ہیں۔ لیکن شیعہ اور اہل سنت علما نے اُمت کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔ وہ عوام کو دینی مسائل میں

بولنے کا حق نہیں دیتے، وہ دونوں مل کر فرماتے ہیں کہ:

(6) عوام کی پوزیشن علما کے نزدیک

''بھائیو جس طرح قرآن میں اللہ نے واضح آیات نازل کر کے اور اُن پر عمل کرا کے اُنہیں منسوخ کر دیا تھا اور اُن کی جگہ دوسری آیات نازل کر دی تھیں۔ بالکل اُسی طرح رسولؐ اللہ نے اپنے بہت سے اقوال و اعمال کو منسوخ کر کے اُن کے خلاف دوسرے اقوال و اعمال جاری کر دیئے تھے۔ تم عوام ہو، کالانعام ہو، تمہارا کام بحث و تحقیق کرنا نہیں ہے۔ ہم اللہ و رسولؐ کے جانشین ہیں۔ تمہارا کام ہماری تقلید کرنے کا ہے۔ تم کیا جانو کہ کونسی آیت یا حدیث منسوخ ہو چکی ہے؟ اور کون سی چالو ہے؟ کونسی مجمل ہے، کون سی عام ہے؟ کون سی خاص حالات کے لئے ہیں، کون سی مُقید ہے اور کونسی آزاد ہے، کونسی کب مفید ہے؟ آپ لوگ چپ چاپ جو ہم کہتے جائیں اُسے اللہ و رسولؐ کا حکم سمجھیں؛ آنکھیں بند کر کے عمل کریں، کسی مسئلہ کی دلیل اور حجت نہ مانگیں، ہمارے احکام کی تعمیل کرتے جائیں۔ ورنہ ہماری تقلید کے بغیر تمام نیک اعمال بھی مردود ہیں۔''

(7) رسولؐ اللہ کے دین یا نماز میں تبدیلی اُمت نے نہیں، علما نے کی ہے

محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کے علما خواہ شیعوں میں ہوں یا اہلسنت لیبل لگائے ہوئے ہوں، ہماری بیان کردہ اُمت کی پوزیشن کی تصدیق کرینگے۔ اُنکے مشن کی سب سے بڑی شناخت یہی ہے کہ وہ اُمت کو عوام کالانعام یعنی جانوروں کی طرح کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک تمام نوع انسان دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اوّل قسم کو وہ مجتہد کہتے ہیں دوسرے حصے کو جاہل، عامی یا عوام۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ تمام عوام مجتہدین کے مقلِد رہیں گے۔ اس صورت میں یہ ثابت ہو گیا کہ اُمت نے روز اوّل سے آج تک صرف تعمیل کی ہے۔ دین میں تمام تبدیلیاں کرنے والے لوگ صرف علما تھے۔ لہٰذا جس قدر تبدیلیاں ہوئیں؛ خواہ مذہب شیعہ میں ہوئی ہوں یا اہلسنت کے مذہب کی تبدیلیاں ہوں، وہ سب ڈھکو اینڈ کمپنی کے علما کرتے آئے ہیں۔ اور آج بھی تبدیلیاں کرنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اگر اُمت یا اُمت کے علمائے صالحین یا حکومت پاکستان چاہتی ہے کہ مسلمان لا محدود ترقی کریں تو ڈھکو اینڈ کمپنی والی ذہنیت اور افراد سے ملک کو پاک کریں، اُن کی راہ روکیں، جبر و تشدد اُن پر بھی نہ کریں۔ صرف اُن کے طرزِ حیات، تصنیفات اور عقائد سے ملک کے بچہ بچہ کو روشناس کرا دینا کافی ہے۔ ہر نیا نعرہ مارنے والے کو اس کمپنی کا ممبر یا چمچہ سمجھ لینا کافی ہے۔ عقائد میں نئی نئی ایجادیں کرنے والوں کو کمپنی کا گروہ سمجھنا لازم ہے۔ پھر جو شخص اپنے قدیم رسومات میں کوئی ایسا اقدام کرے جو دوسرے مسلمانوں کو چڑانے کے لئے ہو وہ شخص دشمن اُمت ہے۔ جو خواہ مخواہ دل آزاری کے نعروں سے کسی قدیم مذہبی رسم کو رکوانا چاہے وہ دشمنِ اسلام ہے۔ مصر والوں کی طرح ضروری ہے کہ شیعہ سنی مل کر اپنی قدیم

مذہبی رسومات کو ادا کریں۔ نئے تہوار نئے ایام اور ڈیز (Days) ایسے لوگوں کے نام سے قائم کرنا جو تنازع اور نقصِ امن کا باعث ہوں یا جو اُمت کو بحیثیت مجموعی فائدہ نہ پہنچاتے ہوں اور جن پر اُمت کے کسی طبقہ میں اشتعالِ مذہبی پیدا ہوتا ہو قطعاً ممنوع ہونا چاہئیں۔ جن لوگوں کے نام پر اُمت میں ہزار سال سے لعنت ہوتی چلی آ رہی ہو، جن کے نام پر کسی اسلامی فرقہ کی کتابوں میں کوئی رسم جاری نہ رہی ہو اُن کے لئے مخصوص جلوس نکالنا، خاص دن منانا جرم قرار دیا جانا چاہئے۔ اگر شمر ڈے اور یزید ڈے وغیرہ منانے کی اجازت دینا جائز ہے تو پھر ہلاکو ڈے، علقمی ڈے منانے کی بھی اجازت دینا پڑے گی اور کشت وخون کی مذمت کرنا بھی ناجائز ہو جائے گا۔ لہٰذا حکومت کی اوّلین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں محبت واتحاد کیلئے ہر اُس فرد، جماعت یا فرقہ کی ہمت شکنی کرے جو تقدس کا پردہ ڈال کر منافرت واشتعال پھیلانے کیلئے کوئی ایسی رسم یا ڈے ایجاد کرے جس کی نہ حدیث میں اجازت ہو نہ اُمت میں معمول بہ رہی ہو۔ پاکستان بننے کے بعد متفنی اور مفسدہ پرداز گروہ نے افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لئے جتنی ایسی محفلوں اور جلوسوں اور جلسوں کا رواج پیدا کیا ہے جن کا اُمت کے تیرہ سو سالہ ریکارڈ میں کہیں تذکرہ تک نہیں، جن کے قیام وانعقاد کے بغیر متعلقہ فرقہ کے بزرگ اور سلف صالحین پکے مسلم تھے، وہ سب گن گن کر بند کر دینا اُمت کے عوام، علمائے صالحین اور حکومت کا فریضہ ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم دنیا وآخرت میں اسلام کو پاژند اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے مجرم ہوگے۔ ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہ تمام رسوم، یہ تمام جلسے اور جلوس اور یہ تمام ڈیز (Days) اُمت نے ایجاد نہیں کئے۔ یہ علمائے اُمت اور دانشورانِ قوم نے ایجاد کئے۔ یہ سب اگر اچھے کام تھے، سنت اور سلف صالحین کی اتباع میں تھے تو ایجاد کرنے والے علمائے صالحین کہلائیں گے اور اگر یہ خلاف حدیث وقرآن تھے تو اِن کے موجد علمائے سُوء کہلائیں گے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ تمام مسلمان زوال وگمراہی سے نکلنے کیلئے اپنے اپنے عقائد وعبادات ورسوم وشعائر واعمال پر از سرِ نو قرآن وحدیث وسنت محمدؐ وآل محمدؐ کی متفقہ پوزیشن کی روشنی میں نظر ڈالیں اور ہر مشکوک وغلط عمل کو فوراً ترک کر دیں تاکہ رحمتِ خداوندی امت کے شاملِ حال ہو جائے۔ اور یہ عبادتیں محض کھوکھلے نعرے اور غپ شپ نہ رہیں بلکہ نتیجہ خیز بن جائیں۔ آمین

(8) حضرت علیؑ کے زمانہ میں بھی تخریب کار علما مسلمانوں میں پوشیدہ تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جس طرح بتدریج نماز ایسی نمایاں عبادت کو تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اُسی طرح اور اُن ہی لوگوں نے دین کے ہر ہر مسئلے میں تبدیلی کی اسکیم جاری کر رکھی تھی۔ اور اُمت کے علمائے صالحین برابر اسلام کا دفاع کر رہے تھے۔ یہاں دونوں قسم کے علما کا حال اور عمل در آمد علیؑ کی زبانی ملاحظہ کر لیں تو آگے بڑھیں، فرماتے ہیں کہ:۔

نیک عالم	تخریب کار عالم
(i) وہ اللہ کے لئے سب سے اُونچے مقصد کے لئے اُٹھا ہے۔	(i) اُس نے جاہل ہوتے ہوئے اپنا نام عالم رکھ لیا ہے۔

(ii) وہ ہر مشکل کو حل کر دیتا ہے۔

(iii) اُس نے اپنی باگ ڈور قرآن کو سونپ رکھی ہے۔ قرآن ہی اُسکا راہنما ہے، وہی اُسکا امام ہے، ہر معاملہ میں قرآن کیساتھ رہتا ہے۔

(iv) وہ تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والا ہے۔

(v) مخالفانِ اسلام کے پھیلائے ہوئے مغالطّوں کو واضح کرتا ہے۔

(vi) اُلجھے ہوئے مسائل کو سلجھا دیتا ہے گنجلکوں کو دُور کر دیتا ہے۔ خطرناک راہ میں ھادی ہے۔

(vii) وہ ہر کام اللہ کیلئے کرتا ہے۔ اور اللہ نے اُسے اپنا بنالیا ہے۔

(ii) اُس نے مکروفریب کے جال بچھا رکھے ہیں۔

(iii) قرآن کو اپنی رائے کے ماتحت رکھتا ہے اور حق کو اپنی خواہشوں کا محافظ بناتا ہے۔

(iv) سر سے پیر تک بدعتوں اور گناہوں کا مجسم بنڈل ہے۔

(v) اُس کی صورت انسانوں جیسی ہے مگر قلب و ذہن میں انسانیت سوز سامان بھرا ہوا ہے۔

(vi) نہ اُسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ وہاں تک آسکے اور نہ گمراہی کا دروازہ جانتا ہے کہ اس سے اپنا رخ موڑ سکے۔

(vii) زندوں میں چلتی پھرتی لاش کی مانند ہے۔

(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 85، صفحہ 241 -240 مفتی جعفر حسین)

(9) ڈھکوی گروپ کے باطل اجتہاد کا ماخذ اور منبع

حضرت علیؑ کے زمانہ کے تخریب کار علما کا بالکل وہی طریقہ ثابت ہو گیا جو ہم جناب علامہ محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کے یہاں ثابت کر چکے ہیں۔ یہ بھی قرآن کے بیانات اور حدیث کے حکم کو من وعن تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ جو چیز اُن کے اور اُن کے بزرگوں کی رائے اور پسند کے خلاف ہوتی ہے اُسے اپنی ضرورت اور مصلحت کے ماتحت بدل کر عوام میں پھیلاتے ہیں۔ اور ہم اور اُمت کے علمائے صالحین صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ یا کوئی اور جس بات کو غلط قرار دے اُس کے غلط ہونے پر کلام اللہ یا کلام معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں دلیل پیش کرے۔ لیکن اُن کا مذہب کہتا ہے کہ کلام اللہ اور کلام معصومؑ سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر وہ چیز غلط ہے جسے اُن کی جماعت کے علما متفقہ طور پر غلط کہہ دیں۔ اور جسے وہ صحیح کہہ دیں صرف وہی چیز صحیح ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جس کلمہ کو صحیح قرار دیتے ہیں، اُس کے صحیح اور مکمل ہونے پر وہ ایسے معصومؑ و مربوط دلائل پیش نہیں کر سکتے جیسے ہم نے لکھے ہیں۔ نہ اُن کی نماز پر قرآن و حدیث سے ثبوت لایا جا سکتا ہے۔ قرآن و احادیث ہر حال میں ہمارے ساتھ ہیں خواہ وہ بخاری میں ہوں یا کافی میں ہوں۔

(10) تخریب کاروں کا اسلام اور اسلام میں تخریب کا طریقہ

قارئین کرام خاص طور پر یہ نوٹ فرمائیں کہ سرکاری انتظام کے ماتحت جو تاریخ و حدیث و تفسیر وغیرہ پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں یہ کوشش اُبھر کر نظر آئے گی کہ وہ نہ چاہتے تھے کہ اسلام میں تخریب کرنے والوں کے اوّلین گروہ کا کسی کو پتہ چلے اور آنے والی نسلیں جس تبدیل شدہ اسلام کو دیکھیں تو اُنہیں کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے اور وہ قلب صمیم کے ساتھ اُس طاغوتی نظام

ہی کو اللہ و رسولؐ اور قرآن کریم کا دین سمجھ کر اس پر عمل کریں۔ لیکن اُنہیں یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اُن کے ظلم وستم و غصب ونہب پر نہایت پُر امن طریقہ پر خاموش ہو جانے والا نظامِ ولایت اسلام کے تحفظ کے لئے کتنا گہرا، مؤثر اور غیر محسوس انتظام کرے گا کہ جو اُن کی صدیوں کی قومی وملکی محنتوں اور جعل سازیوں کو طشت از بام کر کے انہیں اُمت کے سامنے مجرم اور حقیقی اسلام میں تخریب کار ثابت کر دے گا۔ اور تاریخی پردہ پوشی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ چنانچہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام سے تخریب کاروں کا حال اور قدیم ترین ریکارڈ دیکھیں فرماتے ہیں کہ:۔

فَيَا عَجَبِیْ وَمَا لِیَ لَا اَعْجَبُ مِنْ خَطَاءِ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلَى اخْتِلَافِ حُجَجِهَا فِیْ دِيْنِهَا....

(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 86، صفحہ 246-245)

''ہائے میری حیرانی! اور کیا وجہ ہو سکتی ہے جو میں اظہار تعجب نہ کروں؟ اسلام میں پیدا ہو جانے والے ان تمام فرقوں پر جو اپنے خاطی نظام کے ماتحت دین اسلام کی ہر دلیل وحجت میں اختلاف پیدا کر رہے ہیں۔ یہ فرقے یعنی فرقوں کے راہنما نہ رسولؐ اللہ کے آثار کو قابل عمل سمجھتے ہیں نہ رسوؐل کی وصیت اور وصی کو نظروں میں سماتے ہیں۔ نہ یہ فرقہ گر لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اسلام کے بتائے ہوئے ہر عیب پر عمل کرنے کو جائز کر لیا ہے۔ یہ ہر اُس آیت وحدیث واقوال کو اختیار کرتے ہیں جو امت میں شکوک وشبہات وشہوت رانی پھیلا دے۔ اُن کے یہاں مسلّمہ اچھی چیز اور عمل وہ ہے جس کو وہ تسلیم کر لیں اور مذموم چیز اور بُرا کام وہ ہے جسے یہ لیڈر حضرات بُرا کہہ دیں۔ وہ اسلامی احکام بیان کرنے اور امت کی مشکلات دُور کرنے کے لئے مرجع خلائق بن بیٹھے ہیں اس لئے کہ اُنہوں نے جو دین اور قوانین گھڑ لئے ہیں اُن پر پوا را اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مشتبہ اور مشکوک احکام اور فیصلوں کو اپنی رائے کی وجہ سے اسلام کے حقیقی فیصلے سمجھ لیتے ہیں۔ اُن مراجع خلائق اور مراکز تقلید میں کے ہر شخص نے اپنی ذات کو امام سمجھ لیا ہے۔ اور احکام اور فیصلے گھڑنے میں اُنہوں نے جو قوانین تیار کئے ہیں اُن ہی کو اپنا مضبوط و مستحکم وسیلۂ حق مان لیا ہے۔'' (نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 86، صفحہ 246-245)

فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ عَلَى الْفُرْقَةِ وَافْتَرَقُوْا عَنِ الْجَمَاعَةِ كَاَنَّهُمْ آئِمَّة الكتابِ وَ لَيْسَ الْكِتَابُ اِمَامَهُمْ فَلَمْ يَبْقَ عِنْدَ هُمْ مِنْهُ اِلَّا اِسْمُهُ وَلَا يَعْرِفُوْنَ اِلَّا خَطَّهُ وَزَبْرَهُ ......الخ (نہج البلاغہ جلد دوم، خطبہ 145، صفحہ 60)

''اُن تفرقہ پرداز علمانے اُمت میں تفرقہ ڈالتے چلے جانے پر اتفاق کر لیا ہے۔ اور اُمت سے الگ ایک قوم بن کر اُمت کا کام اس طرح چلانا چاہتے ہیں کہ گویا وہ قرآن کے بھی امام اور راہنما ہیں۔ اور قرآن اُن کا راہنما یا امام نہیں رہا ہے۔ وہ صرف قرآن قرآن کا نعرہ لگاتے ہیں حالانکہ اُن کے نزدیک قرآن قطعاً قابل عمل نہیں رہا ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ اور زیر وزبر وپیش کے سوا اور کچھ نہیں مانتے ہیں۔''

(11) خالص باطل کوکوئی اختیار نہ کرتا مگر باطل کو حق کا لبادہ اُڑھا دیا جاتا ہے

کتنی وضاحت سے علامہ محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی کی قدامت اور طریق کار واضح کر دیا گیا۔اور جو قارئین آج کی اسلامیات اور علما کی تحریروں پر نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بڑے بڑے تمام علما حدیث کا انکار کرتے ہیں یا انہیں قطعی الصدور نہیں مانتے یا راوی کی آڑ میں قیل وقال کرتے ہیں۔ہم نے شیخ احمد احسائی کی مذمت صرف اس لئے لازم سمجھی کہ وہ مخالفین کے نظام اجتہاد پر ایمان لا کر مذہب شیعہ کے ریکارڈ کی تمام احادیث کو یقینی نہیں مانتا۔اور سو فیصد محمدؐ وآل محمدؐ کے مقابلہ میں اجتہاد کی تائید کرتا ہے۔ پھر ان تفرقہ پردازوں نے مل کر قرآن کے ترجموں اور تفسیروں میں معنوی تحریف کرنا لازم سمجھا ہے۔یعنی یہ گروہ قرآن کے ماتحت رہنے کے بجائے قرآن کا حاکم اور امام بن گیا ہے۔اور جناب علی مرتضٰی علیہ السلام ہی کے زمانہ میں اسلام و قرآن کی تعلیمات کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔اور اس تغیر وتبدل وتبدیل میں جو اصول مدنظر رکھا تھا وہ بھی حضرت علیؑ اپنے زمانہ کے مومنین کو اور علمائے حقہ ہر زمانہ کے مومنین کو بتاتے رہے ہیں، سنئے ارشاد ہے کہ:۔

وَاِنَّمَا سُمِّيَتِ الشُّبهَة شُبهَةً لاَ نَّهَا تُشبِهُ الحق...... الخ۔(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 38،صفحہ 176 مفتی جعفرحسین)

یقیناً شُبہ کو اسلئے شُبہ کہا گیا ہے کہ وہ حق سے مشابہ ہوتا ہے۔لہٰذا اہل حق تو شبہات کو یقین تک پہنچنے کیلئے روشنی اور حق نما اشارات سمجھ کر راہِ ہدایت پا لیتے ہیں۔لیکن گمراہ کنندہ گروہ شبہات کی ایجاد سے اُمت ومومنین میں گمراہی پھیلانے کا کام لیتے ہیں۔

اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوعِ الْفِتَنِ اَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَ اَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ يُخَالَفُ فِيهَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ يَتَوَلَّى عَلَيْهَا رِجَالٌ رِجَالاً عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ فَلَوْاَنَّ باطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَاجِ الْحَقِّ لَمْ يَخْفَ عَلَى الْمُرْتَادِيْنَ۔ وَلَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَّبْسِ الْبَاطِلِ لَا نْقَطَعَتْ عَنْهُ اَلْسُنُ الْمُعَانِدِيْنَ وَلٰكِنْ يُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ وَّ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِى الشَّيْطَانُ عَلٰى اَوْلِيَائِهٖ وَيَنْجُوْالَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى۔(نہج البلاغہ جلد اوّل خطبہ 50،صفحہ 187)

''چنانچہ تفرقہ اندازی اور فتنہ سازی کیلئے ضروری ہے کہ پبلک میں مصنوعی ضروریات زندگی پھیلا دی جائیں۔پھر ضروریات زندگی کے نام پر متعلقہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی خواہشوں اور کوششوں اور تمناؤں کا لامحدود سلسلہ شروع کر دیا جائے۔تا کہ نئی نئی ایجادیں، بدعتیں برسرکار آجائیں۔اور اب قرآن کے نام پر قرآن کے خلاف احکام وانتظام ناگوار نہ گزریں۔اس سلسلہ میں اُس طاغوتی اسکیم کے مرد میدان آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اُس شیطانی ولایت میں داخل کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔بات یہ ہے کہ اگر خالص باطل کو پیش کیا جاتا اور اُس باطل میں حق کی چاشنی نہ ہوتی تو متلاشیانِ حق اس باطل کو پہچان کر اس سے الگ رہ جاتے۔اسی طرح اگر باطل کی ملاوٹ سے پاک خالص حق کو پیش کیا جاتا تو مخالف گروہ کی زبان بندی ہو جاتی اور حق پھیلتا جاتا۔مگر یہ ابلیسی گروہ کرتا یہ ہے کہ مناسب مقدار میں حق لیتا ہے اور

مناسب تناسب کے ساتھ باطل میں سے لیتا ہے پھر حق اور باطل کو بڑی ہنرمندی سے ملا کر پیش کرتا ہے۔ اور اس ہنرمندی کی داد دینے کے لئے ابلیس اپنے مقرر کردہ حاکموں یا اولیا کو غلبہ دیتا ہے۔ اس خطرناک گمراہ کن صورتِ حال میں وہ لوگ نجات پاسکتے ہیں جن کیلئے اللہ نے پہلے ہی سے نیکیوں کا انتظام کر رکھا ہو۔''

(12) اسلام کے خلاف ایک باقاعدہ کھلا محاذ قائم تھا جو اسلام کو تباہ کرنے پر تُلا ہوا تھا

قارئین حضرت علی علیہ السلام کی زبانی قدیم ترین ریکارڈ میں ڈھکو اینڈ کمپنی کی ذہنیت، قدامت اور طریقہ کار کی تفصیلات دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ بتایئے کہاں یہ مسلّمہ بین الفریقین بیانات؟ اور کہاں وہ فرضی ناولوں کے ہیروز جو پرویزی گروہ پیش کرتا ہے۔ جس پر فرضی اور خودساختہ کہانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ اور دشمنی کی حد یہ ہے کہ لیلیٰ مجنوں کی کہانی کی طرح اپنا ایک وکیل عبداللہ ابن سبا گھڑا جاتا ہے۔ پھر اس کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی کہ تمام جلیل القدر صحابہؓ کو بیوقوف و جاہل لکھنا پڑتا ہے۔ مگر یوں باطل کو پردوں میں چھپانے کی احمقانہ کوشش کی جاتی ہے۔ اور کسی معتبر و قدیم ریکارڈ میں اُن کے اس فرضی بزرگ کا تذکرہ تو الگ، نام بھی نہیں ملتا۔ اور سوائے اس فتنہ پرداز و ملعون گروہ کے، جس کا ہم ذکر کررہے ہیں، کوئی محقق اسلام عبداللہ ابن سبا کے فراڈ کو تسلیم نہیں کرتا (دیکھو فتنۃ الکبریٰ۔ ڈاکٹر طہٰ حسین)۔ لیکن ہم چند قدم بعد اس تخریب کار گروہ کا وجود قرآن کریم سے دکھا کر پھر نماز میں تبدیلی کی طرف آنے والے ہیں۔ یہاں حضرت علی علیہ السلام کا ایک بیان سن لیں:۔

اَلا وَقَدْ قَطَعْتُمْ قَيْدَ الْاِسْلَامِ وَ عَطَّلْتُمْ حُدُوْدَهٗ وَاَمَتُّمْ اَحْكَامَهٗ ۔ (نہج البلاغہ جلد دوم خطبہ 190، صفحہ 209)

''خبردار ہو جاؤ کہ تم نے اسلام کی تمام پابندیاں ختم کر کے لوگوں کو اسلام کے خلاف آزاد چھوڑ دیا۔ تم نے جتنی اسلامی سزائیں تھیں اُن سب کو معطل کر کے مجرموں کو جرائم کیلئے عام اجازت دے دی اور اسلام کے جتنے احکام تھے سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔''

آج کے تخریب کاروں سے دریافت کریں کہ حضرت علی علیہ السلام تو تمہارے تمام ابلیسی راہنما بزرگوں کو سرتاسر اسلام کو تباہ کردینے کا مجرم بتارہے ہیں۔ تم ایک عبداللہ کو لئے پھرتے ہو، حالانکہ تمہارے تمام بزرگ عبداللہ ابن سبا نہیں بلکہ عباد الشیطان ثابت ہیں۔ جن پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت قرآن میں نازل ہوئی تھی۔ آئیں تمہیں تمہارے تخریب کار بزرگوں سے متعارف کرائیں۔ تم اُنکے جرائم کہاں تک چھپاؤ گے اور تم کیسے ایک عظیم الشان اور ممدوح قرآن قوم و مذہب کی تاریخ کو شیطانی دسیسہ کاریوں سے تبدیل کروگے؟ ایک ملعون نے اپنی خباثت کو ظاہر کرنے کیلئے ''فتنۂ ابن سبا'' کتاب لکھ کر اپنا منہ کالا کیا اور جہنم واصل ہوا۔ لیکن اُسے کم از کم قانون کا خوف تھا۔ لیکن وہ لوگ جن کا دین و ایمان ہی فریب سازی ہے، جو حقیقتاً یہود و نصاریٰ کے بدترین لوگوں سے بھی بدعقیدہ ہیں انہوں نے جس طرح قدیم کتابوں میں کھل کر دن دہاڑے تحریف کی، قرآن کے

ترجموں کو بدل ڈالا۔ وہ اب اسی کتاب ابن سبا کو تاریخ مذہب شیعہ کے نام سے ملک میں مفت تقسیم کررہے ہیں۔ انہیں بتادو کہ جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ وہ اور انکے مذہب کے لوگ ہی اوّلین شیعہ ہیں۔ ہم آپ کو ترجمانی حق پر آفرین کہتے ہیں۔ تم نے خود اور اپنے بزرگوں کو عبداللہ ابن سبا کے مذہب پر ثابت کر کے بڑی خدمتِ دین کی ہے۔ ہم تمہیں روزِ اوّل سے ناصبی وملعون سمجھتے اور تمہاری تخریب کاری سے اُمت کو روشناس کرتے آرہے ہیں۔ یہ تمہاری شکست اور تھک چکنے کا ثبوت ہے کہ کوئی نیا فتنہ اٹھانے کے بجائے تم نے مُردوں کا سہارا لیا ہے۔ لیکن صاحبانِ علم وہوش کیلئے ثبوت کوئی نہیں دیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اُس میں خیانت چیختی رہ گئی ہے۔ اور چوروں کی طرح حق سے دامن بچا کر گزر گئے۔

(13) نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ تخریب کار نقلی مسلمان گروہ

قارئین تخریب کاروں کو قرآن کریم کی یہ آیت سنا کر اُن سے دریافت کریں کہ کیا یہ آیت تمہارے ممدوحین کی سازش کو نمایاں کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ......الخ (مائدہ 5/41)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اندر دولیبلوں والے تخریب کاروں کا ہونا بتایا ہے۔ اُن دونوں میں سے ایک گروہ وہ ہے جو مسلمان ہیں۔ تمام مسلمان اُن کو مسلمان سمجھتے چلے آرہے ہیں اس لئے کہ دل کا حال صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ البتہ اس آیت کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حقیقی مسلمانوں میں کچھ نقلی اور ظاہری طور پر مسلمان بھی موجود ہیں۔ یہی وہ پہلا تخریب کار گروہ ہے جو مسلسل مسلمانوں میں رہتا چلا آیا اور آج تک بھی موجود ہے۔ دوسرا تخریب کار گروہ اُن لوگوں کا ہے جو حقیقتاً یہودی مذہب کے افراد ہیں اور بظاہر مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی پہلا گروہ نہ مسلمان ہے نہ یہودی بلکہ بے دین لوگوں کا گروہ ہے مگر ظاہری اقوال واعمال مسلمانوں کے اختیار کررکھے ہیں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ مسلمانوں پر مسلمان بن کر ہی اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ جو کچھ کررہے ہیں وہ رسولؐ اللہ کو معلوم ہے اور وہ حضرت رنجیدہ اور متفکر ہیں۔ اللہ نے رسولؐ اللہ کو تسلی دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے اندر اور رسولؐ کے پاس اس غرض کیلئے گوش برآواز رہتے ہیں تاکہ وہ ایسے نکات یا پوائنٹس (Points) نوٹ کرتے رہیں جن سے ایک دوسری قوم وہ مطالب مرتب کرکے مسلمانوں کے عقائد کو بدلے جن میں رسولؐ، اسلام، قرآن اور مومنین کے بیانات وعقائد کو جھٹلایا جاسکے۔ اور لفظی یا معنوی ادل بدل اور اُلٹ پلٹ کرکے کافرانہ تصورات کو اسلام کی جگہ پسند کرایا جائے۔ دوسری قوم وہ ہے جو بنفسِ نفیس رسولؐ کے پاس آنا پسند نہیں کرتی اور نہیں آتی۔ وہ اپنے

مرکزی مقام پر رہ کر مذکورہ دو جماعتوں سے ضروری کام انجام دلواتی رہتی ہے۔اور اُن سب نے مل کر مسلمان عوام میں یہ مقام حاصل کرلیا ہے کہ عوام الناس اس گروہ کے ماہرین یا دانشور علما کے احکام کو اللہ و رسولؐ کے احکام سمجھ کر بلا چوں و چرا عمل کرتے ہیں۔اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ وہ گروہ عوام کو یہ حکم دے چکے ہیں کہ:

''اگر تمہیں رسولؐ اللہ ایسا ایسا پروگرام یا حکم دیں تو اُسے مان لو۔اور اگر وہ تمہیں ایسا اور ایسا حکم نہ دیں تو ترکیب سے بچ نکلا کرو۔''

قارئین کرام ہماری توضیح کو اندھا دُھند قبول نہ کریں بلکہ قرآن میں مختلف تحریف شدہ ترجمے پڑھیں اور دیکھیں کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ صحیح ہے کہ نہیں؟ پھر یہ دیکھیں کہ آج کل کے مخربینِ اسلام بھی ایک مرکزی گروہ سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔اور شیعہ سنی لیبل والی دونوں جماعتیں ڈھکوسلا اینڈ کمپنی کی صورت میں وہی کام کر رہی ہیں جو اُن کے اوّلین بزرگ کرتے تھے۔

(14) رسولؐ اللہ سے منسوب پوری قوم نے قرآن کو ترک کر کے مندرجہ بالا مرکز کو حاکم مان لیا تھا

آپ نے دیکھا تھا کہ تخریب کاروں کی یلغار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہو چکے تھے۔اور خود اللہ نے مان لیا تھا کہ تخریب کار گروہ اسلام کو کفر میں تبدیل کرنے میں بڑی سرعت سے سرگرمِ عمل ہیں (یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ. مائدہ 5/41)۔ اب دیکھئے کہ رسولؐ اللہ، اللہ سے عرض کر رہے ہیں کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًاوَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ وَکَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّنَصِیْرًا (فرقان 31-25/30)

اے میرے پرورگار میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ کر اپنا ٹھکانہ یقیناً دوسرا بنا لیا ہے۔اللہ نے رسوؐل کی شکایت پر یہ بتایا کہ ہم نے تمہاری بعثت سے پہلے بھی جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک گروہ کو ہر نبیؑ کے دشمن کی حیثیت سے برسرِکار رکھا ہے اور تیرے لئے تیری قوم کو یہ کام دیا ہے۔مگر ہر نبیؑ کا اور تمہارا ہادی اور مددگار تمہارا پروردگار رہے گا جو دشمنوں کے مقابلے میں کافی ہے۔

یہاں قارئین نوٹ کرلیں کہ آنحضرتؐ کے خلاف کافرانہ محاذ بنانے والی ایک پوری قوم ہے اور اللہ و رسولؐ نے ثابت کردیا کہ وہ مخالف قوم رسولؐ اللہ کی اپنی قوم ہے۔اگر کوئی شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اُس وقت تک رسولؐ سے منسوب قوم کے ہر فرد کو مجرم، مخالف اور دشمنِ اسلام اور دشمنِ خدا و رسوؐل سمجھتا رہے گا۔جب تک رسوؐل کی قوم کے کسی فرد کو بچانے کیلئے قرآن کی آیت سے اس کی بریت ثابت نہ کردی جائے گی۔اب آپ حضرت علی علیہ السلام سے سنئے کہ رسولؐ اللہ کی مذکورہ و منسوبہ قرآنی قوم نے اپنی تخریبِ اسلام چھوڑی نہ تھی۔

(15) رسولؐ اللہ کی قوم رسولؐ کے بعد واپس کفرو کافرانہ نظام کی طرف پلٹ گئی

حضرت علیؑ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ:۔

اِذَا قَبَضَ اللّٰہُ رَسُوْلَہٗ صلی اللّٰہُ علیہ و آلہ وسلم رَجَعَ قَوْمٌ عَلَی الْاَعْقَابِ وَ غَالَتْھُمُ السُّبُلُ۔وَاتَّکَلُوْا عَلَی الْوَلَا ئِجِ وَوَصَلُوْا غَیْرَ الرَّحِمِ ۔ وَھَجَرُوْا السَّبَبَ الَّذِی اُمِرُوْا بِمَوَدَّتِہٖ وَنَقَلُوْا البِنَاءَ عَنْ رَصِّ اَسَاسِہٖ؛فَبَنُوْہُ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِہٖ مَعَادِنُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ ، وَاَبْوَابُ کُلِّ ضَارِبٍ فِیْ غَمْرَۃٍ قَدْمَا رُوْا فِی الْحَیْرَۃِ؛وَذَھَلُوْ فِی السَّکْرَۃِ عَلٰی سُنَّۃٍ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ مِنْ مُنْقَطِعٍ اِلَی الدُّنْیَا رَاکِنٍ۔اَوْ مُفَارِقٍ لِلدِّیْنِ مُبَایِنٍ۔(نہج البلاغہ جلددوم صفحہ 66،خطبہ 148)

’’جب اللہ نے رسولؐ اللہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ قوم جدھر سے آئی تھی اُدھر ہی واپس پلٹ گئی (عمران 3/144,3/149) اُس نے اسلام کے اندر صراط مستقیم کے مقابلہ میں دوسری راہیں نکالنے میں مبالغہ اور غلو کی انتہا کر دی اور اپنے راز دار گھریلو قسم کے دوستوں اور رشتہ داروں پر توکّل کرلیا (توبہ 9/16)اور قرآن میں مذکور اولی الارحام جو مومنین اور مہاجرین سے افضل ہیں کو چھوڑ کر دوسری نسلوں سے منسلک ہو گئے (احزاب 33/6)اور جس طرح قرآن کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے (35/30-31) اُسی طرح اُس سبب اور وسیلہ (مائدہ 5/35) کو ترک کر کے ہجرت کر گئے جس کی مودت واجب کی گئی تھی (شوریٰ 42/23)اور اسلام کی بنیاد کو اُس محکم جگہ سے منتقل کر کے ایسی جگہ قائم کر دیا جو اللہ ورسولؐ کے حکم کے خلاف ہے ۔ یہ رسوؐل کی قوم ہی امت کیلئے ہر غلط کاری کی کان ہے اور امت کو گمراہی میں داخل کرنیوالے دروازے ہیں۔ وہ قوانین اسلام کو تبدیل کرنے میں حیران ہو جاتے ہیں اور قوم فرعون کی سنت پر عمل کر کے نسل ابراہیمؑ کو منقطع کرنے کی اسکیمیں بنا رہی ہے۔اُس قوم کے کچھ لوگ تو محض دنیا کی غرض سے مخالفت پر آمادہ ہوئے اور کچھ نے دین اسلام کو ترک کر کے گمراہی کو دین بنالیا ہے۔‘‘

(16) یہاں نظام ابلیسی اور اسلام واُمت کے دشمنوں کی تخریب فی الدّین واضح ہو چکی

ہم نے نماز کی تبدیلی کے بعد یہ چاہا کہ ہمارے وہ قارئین مطمئن ہو جائیں جو تاریخ وحدیث سے واقف نہیں ہیں۔ چونکہ اسلام کے عقائد وعبادات اور احکام میں تبدیلی کفر وشرک سے بھی بدتر جرم ہے۔اس لئے وہ پُرخلوص اور نیک دل مومنین جلدی سے یہ ماننے کو تیار نہ ہو سکتے کہ آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے ادوار میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی تھیں۔ کیونکہ اُس وقت تو ہر آدمی رسولؐ اللہ کا صحابی تھا۔حالانکہ یہ معلوم ہے کہ کسی معمولی آدمی کے کہنے سے کوئی شخص کسی عقیدہ یا عبادت کو تبدیل نہیں کرسکتا بلکہ اُمت کے افراد ایسے شخص یا اشخاص کو مار مار کر بدحواس کر دیں گے۔لہٰذا تبدیلی تو وہ علما اور بزرگ ہی کرا سکتے ہیں جن پر قوم کو اعتماد ہو،جن کا سکہ چلتا ہو،جن کو اللہ ورسوؐل کا جانشین سمجھا اور لکھا جاتا ہو۔یعنی دین میں ردّو بدل تو زبردست صحابہ یا علما ہی کر سکتے ہیں۔اب ہم انتقالِ رسولؐ کے بعد کے حالات دکھا دیں۔

(17) رسولؐ اللہ کے بعد صحابہ اور مذکورہ بالا قوم کا حال بخاری شریف سے دیکھیں

بخاری جو اہل سنت علما میں مسلّمہ حیثیت رکھتی ہے، اُس میں دو حقیقتیں بالکل ثابت ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض لوگوں نے اسلام میں اسلام کے خلاف عقائد واحکام وعبادات میں طرح طرح کی تبدیلیاں کیں۔ دوم یہ کہ ایسی تبدیلیاں اور تغیر و تبدل کرنے والے صحابہ جہنم میں جائیں گے۔ یہ اس لئے دکھانا ضروری ہے کہ نیک دلوں سے غلط عقیدت کا بوجھ اُتر جائے۔ تمام حوالہ جات صحیح بخاری جلد دوم کتاب الفتن نور محمد چھاپ سے دیئے جانے والے ہیں۔ رسولؐ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

(i) اَنَا عَلٰی حَوْضِی اَنْتَظِرُ مَن یَّرِدُ عَلَیَّ فَیؤخذ بناس من دُوْنِی فَاَقُوْلُ اُمَّتِی فیقال لا تدری مَشَوا عَلَی القهقری قال ابن ابی ملیکة اَللّٰهُمَّ اَنَا نَعُوْذُبِکَ اَنْ نرجَعُ عَلٰی اعقابنا۔ (کتاب الفتن صفحہ 1045)

میں حوض کوثر پر اپنے پاس آنے والوں کا انتظار کررہا ہوں گا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو میرے پاس سے ہٹایا جائے گا تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری اُمت کے لوگ ہیں۔ مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپؐ نہیں جانتے۔ یہ تو اُمت کے وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے تھے۔ ابن ابی ملیکہ نے رسوؐل کی یہ حدیث سن کر کہا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم الٹے پاؤں کفر کی حالت پر پلٹ جائیں اور فتنہ پھیلائیں۔

قارئین نوٹ کریں کہ حدیث میں وہی الفاظ موجود ہیں جو قرآن (عمران 3/144 و 3/149) میں اور حضرت علیؑ کے آخری بیان (15) میں فرمائے گئے تھے۔

(ii) انا فرطُکُم علی الحوض لیُرْفَعَنَّ اِلَیَّ رِجَالٌ مِنکُمْ حَتّٰی اِذا اَهْوَیْتُ لِاُ نَا وِلَهُمْ اختلجوا دونی فاقول ای رَبِّی اصحابی؟ یقول لا تدری ما اَحْدَ ثُوْا بعدکَ۔ (ایضاً صفحہ 1045)

میں تم سے پہلے حوض کوثر پر ہوں گا پھر تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ قبل اس کے کہ میں اُن کو لینے کیلئے متوجہ ہوں اُنہیں مجھ سے دور کرنے کا بندوبست ہوگا۔ میں کہوں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ تمہیں دراینتاً یہ معلوم نہیں کہ اُنہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کی تھیں۔ اور فرمایا کہ:۔

(iii) اَنَا فرطُکُم عَلَی الحوض من وَرَدَهُ شَرِبَ منه و من شرب منه لَمْ یظماء ابدًا لَیرِدَنَّ عَلَیَّ اقوامٌ اَعرِفُهم ویعرفونی ثم یحال بینی و بینهم.... قال اِنَّهُمْ مِنّی فیقال انک لا تدری مَا بَدَّ لوا بعدک فَاَقُوْل سُحقًا سُحقًا لِمن بدَّل بعدی۔ (ایضاً)

میں تم سے پہلے حوض کوثر پر وارد ہوں گا۔ جو وہاں پہنچے گا وہ حوض میں سے پیئے گا۔ اور جو پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ضروری ہے کہ میرے سامنے ایسی اقوام کو وہاں لایا جائے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور اُن کو میری پہچان ہوگی۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان آڑ کردی جائے گی تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ تم

از روئے درایت یہ نہیں جانتے کہ اُن لوگوں نے تمہارے بعد اسلام میں کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں۔اس پر میں کہوں گا کہ جنہوں نے میرے بعد اسلام میں تبدیلیاں کی تھیں اُن کو مجھ سے دُور کرو، دُور کرو۔اور سنیں:۔

(iv) استیقَظَ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من النَّوم مُحَمَّرًا وجھہ یقول لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَیْلٌ لِلْعَرب مِنْ شَرٍّ قَدْ اقترب۔

حضوؐر سوکر بیدار ہوئے تو آپؐ کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔آپ نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور فرمایا کہ عربوں پر افسوس ہے اُس فتنہ کی وجہ سے جو بالکل قریب آگیا ہے۔(ایضاً صفحہ 1046)

(v) یقول لَا تَرْجعُوا بعدی کُفَّارًا یضرب بعضکم رقاب بعض۔(ایضاً صفحہ 1047)

فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ لگو بعض بعض کی گردنیں کاٹنے'' اِن الفاظ میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔

(18) رسولؐ اللہ کے بعد قیامت تک ایک گروہ کفر اختیار کرتا چلا جائے گا

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ بخاری سے جو احادیث لکھی گئی ہیں وہ سب صحیح مسلم میں موجود ہیں۔اُن کے علاوہ اور کئی ایک نئی احادیث بھی ہیں جن میں سے ہم ایک حدیث یہاں لکھتے ہیں تاکہ ڈھکو اور مظہر گروپ (Group) کیلئے بھی ثابت ہو جائے کہ وہ اور اُن کی طرح ہر زمانہ میں امت سے چند لوگ خارج ہوتے اور کفر کی طرف لوٹتے چلے جائیں گے۔یعنی ایڑی کے بل واپس کفر کی طرف پلٹ جانا صرف صحابہؓ کے زمانہ کے لوگوں کیلئے یا آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے زمانہ تک کے لوگوں ہی کیلئے مخصوص نہ تھا بلکہ آج بھی یہ عمل جاری ہے۔اور قیامت تک ایسے مسلمان وجود میں آتے رہیں گے جو غلط عقائد وعبادات و رسومات کی ترویج یا تعمیل کی وجہ سے جنت اور حوضِ کوثر پر رسولؐ اللہ کی ملاقات سے محروم رہتے جائیں گے۔سنئے فرمایا:۔

عائشہ تقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وَسَلّم وھو بین ظھرانی اصحابہ اِنّی عَلَی الحوض انتظر مَنْ یرد عَلَیَّ منکم فواللّٰہ لَیُقْتَطعَنَّ دُونی رجال فَلَا قولن ای ربّ مِنّی وَ مِنْ اُمَّتِیْ؟فَیَقُول انّک لا تدری ما عملوا بَعْدَکَ مَازا لُوْا یرجعون عَلٰی اعقابِھم(صحیح مسلم جلد دوم صفحہ 249)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ سے ایسے حال میں سنا جبکہ حضوؐر اپنے صحابہ کے درمیان میں بیٹھے تھے۔فرمارہے تھے کہ یقیناً میں حوضِ کوثر پر انتظار کروں گا کہ تم میں سے کون کون میرے پاس واپس پہنچتا ہے۔بخدا اُس وقت کچھ لوگوں کو مجھ سے دُور کردیا جائے گا۔تو میں ضرور عرض کروں گا کہ اے پروردگار یہ تو میرے لوگ ہیں میری اُمت میں سے ہیں۔جواب میں اللہ کہے گا کہ تمہیں درایتاً یہ معلوم نہیں کہ اُن لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا کردار ادا کیا۔یہ لوگ برابر بلا ناغہ کفر کی طرف پلٹتے ہی چلے گئے تھے۔(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 249 نور محمد چھاپ)

2۔ اسلامی احکام قومی وملکی مصلحتوں اور حکومتوں نے تبدیل کیئے تھے

اس کتاب کی فوری ضرورت اور ادارہ کی مالی پوزیشن کا تقاضہ ہے کہ ہم نہایت اختصار اور عجلت سے کام لیں۔ اُدھر اُمت کے عوام کی تقلید زدہ فہم وفراست کے لئے ضروری ہے کہ جتنا لکھا جائے وہ بلا دِقت سمجھ میں آجائے اور مزید بحث وتشریح کی تشنگی نہ رہ جائے۔ اور ہمارے نزدیک قارئین کا اطمینان اوّلین مقام رکھتا ہے۔ لہٰذا ان دقتوں میں ہم اپنے قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ طے شدہ باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر آنے والا بیان پڑھیں تو مذکورہ بالا مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ بار بار گزشتہ عنوانات دہرانے سے ضخامت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

یہاں تک یہ حقیقت سامنے آگئی کہ 1: اسلام میں تبدیلیاں یقیناً کی گئیں۔ 2: تبدیلیاں اُمت کے عوام نے ہرگز نہیں کیں۔ 3: تبدیلیاں کرنیوالے لوگ آنحضرؐت کے زمانہ میں بھی دین کو بدل رہے تھے۔ 4: تبدیلیاں آنحضرؐت کے بعد بھی ہوتی رہیں اور برابر ہوتی چلی آرہی ہیں۔ 5: تبدیلیاں کرنیوالے خواہ صحابۂ رسولؐ ہوں یا بعد کے علما ہوں وہ آنحضرؐت کے دین سے خارج اور قیامت میں کوثر و جنت اور شفاعتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہیں۔ یہ سب کچھ اس حد تک ہو چکا کہ رسولؐ اللہ نے ایک پوری قوم کے قرآن کو ترک کر کے کسی دوسرے شرعی ماخذ کی طرف ہجرت کر جانیکی شکایت اللہ سے کی اور قرآن کریم نے اپنے چھوڑ دیئے جانے کو خود ریکارڈ میں محفوظ کیا۔ اور ہم تک پہنچایا (فرقان 25/30-31) اور رسولؐ کے مقابلہ میں جس شرعی ماخذ کو اختیار کر لیا گیا تھا، اسکا نام طاغوت بتایا اور تمام مومنین کو حکم دیا کہ وہ اُس طاغوت سے کفر اختیار کر لیں (نساء 60 اور 4/65) اور دل کی رضامندی کے ساتھ دین کے احکام میں صرف رسوؐل کو حاکم اعلیٰ سمجھیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہیں۔

(1) دین میں تبدیلیاں اُمت سے چھپائی جاتی رہیں

علمانے کبھی مجمع عام میں نہیں کہا کہ اُمت جن عقائد ومسائل واحکام پر چلائی جارہی ہے اُن میں سے آدھے سے زیادہ عقائد ومسائل واحکام اللہ ورسولؐ کے نہیں ہیں۔ بلکہ علمانے اپنی ذاتی رائے اور سوجھ بوجھ سے ایجاد کر کے اُمت میں پھیلائے ہیں۔ اگر یہ حضرات اُمت کو بتاتے رہتے تو اُمت نے اُن کو مار پیٹ کر کہیں دُور جلاوطن یا زمین میں دفن کر دیا ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ رہا کہ علما نام کا یہ گروہ مسائل واحکام اور عقائد وغیرہ گھڑ گھڑ کر اپنی کتابوں میں لکھتا، اپنے شاگردوں کو پڑھاتا؛ نقل کراتا اور عالم بناتا اور اجازے یا سندات (ڈگریاں، سرٹیفکیٹ) دیتا چلا گیا۔ اُن ہی شاگردوں میں سے اپنی قسم یا ذہنیت کے پسندیدہ افراد کو پیش نماز، قاضی، مفتی، شیخ الاسلام، مشیرِ حکومت اور وزیرامور مذہبی بنا کر مساجد، عدالت اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر تعینات کراتا اور یوں اُمت پر سوار رہتا چلا آیا ہے۔ جب تک اُنکے قابو میں مُلکی حکومت رہی اُنہوں نے مرکزی اور انفرادی دونوں حیثیتوں

سے دینی احکام میں ردّوبدل جاری رکھی۔ جب حکومت تک پہنچنے والے دانشور یہ سمجھ گئے کہ مُلّا حضرات ایک خطرناک عنصر ہے تو علما نام کے اس گروہ کو رفتہ رفتہ حکومت سے دور رکھنے کا مشن شروع ہوا اور پھر وہ وقت آیا کہ جب یہ مال دو دو آنے بکنے لگا۔ مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں اور قائم ہیں۔ لیکن علما سے دُوری وطریقِ جمہوری عام ہوگیا۔ علما کے رازہائے قدیمہ کھلنے لگے۔ اُن پر تنقید رفتہ رفتہ فیشن بن گئی۔ چنانچہ آج ہر مذہب اور مکتب فکر کے عوام مذکورہ علما سے برگشتہ و دل برداشتہ ہیں۔ اور یہ نتیجہ برآمد کرنے میں تحریک تشیّع کو بارہ سو (1200) سال لگے ہیں، لاکھوں قربانیاں دینا پڑیں۔ لیکن یہ گروہ بھی برابر کوشاں رہا ہے اور آج کل اُسکی کامیابی کا امکان پھر غالب ہے۔ ملکی پالیسیوں کی نوعیت کی بنا پر یہ لوگ اقتدار میں شریک ہو چکے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں کیلئے کرسیاں اور قلمدان مہیا کرنے کا سامان ہو رہا ہے۔ تمام رکاوٹیں دُور کی جا چکی ہیں۔ اب اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کو راہ سے ہٹانے پر توجہ مرکوز ہے۔ اُنہیں تیرہ سو سال کا تجربہ ہے کہ جب تک یہ ازلی محاذ ختم نہ کیا جائے گا کوئی طاغوتی مرکز یا حکومت اسلام میں من مانی تبدیلیاں نہیں کرسکتی۔ اور تبدیلیاں کرنا اس ایٹمی دور میں اتنا ضروری ہوگیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا ضروری نہ تھا۔ آج چاروں طرف سیکولرازم، سوشلزم، کمیونزم کے فوائد و نتائج سے دنیا کی حکومتیں مالا مال ہوتی جا رہی ہیں اور اُمت کے عوام اور حقیقی علمائے اسلام، اسلام کے علاوہ کسی ازم کو پسند نہیں کرتے۔ اسلئے مسلمان حکومتوں اور مذکورہ علما کے لئے لازم ہوگیا کہ وہ موقعہ بموقعہ اسلام کو ایک ہمہ گیر مکمل ضابطۂ حیات کہہ کر اُمت کو خوش کرتے رہیں۔ اور نئی ضروریات، بدلے ہوئے حالات اور موڈرن عالمی تقاضات کا اعلان کر کر کے اُمت کو تبدیلیوں کیلئے تیار کرتے رہیں۔ اور ساتھ ساتھ اسلامی دستور، اسلامی قانون، سنت رسولؐ، نظام مصطفوی، خلافت راشدہ کا ڈھنڈورا پیٹتے جائیں۔ اور رفتہ رفتہ سیکولرازم، سوشلزم اور کمیونزم کے اصول و قواعد و قوانین کو اسلامی لباس پہنا کر اسلام زندہ باد کے نعرہ کے ساتھ اُمت پر تھوپ دیا جائے۔ یہی ہوتا رہا، یہی ہو رہا ہے۔ اس سے زیادہ اُس گروہ کے پاس سامان ہی نہیں ہے۔ اپنے اردگرد کی متمدن اقوام کے ماہرین اور مدبرین بلائے جاتے رہے۔ گردونواح کی غیر مسلم حکومتوں کی نقل کی جاتی رہی۔ اور زمانے کے ساتھ چلنے کیلئے غیر قرآنی غیر اسلامی قوانین کو اسلام کے نام پر اُمت میں رواج دیتے چلے آئے۔ غیر مسلم علما بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھے جاتے رہے۔ غیر مسلم کتابیں بڑی بڑی رقمیں دے کر خریدی جاتی رہیں۔ غیر اسلامی مترجمین اور معلمین سے استفادہ ہوتا رہا اور نتیجہ کو تعلیماتِ اسلامی کہہ کر اُمت کو گویا ترقی پذیر رکھا گیا۔ اور یہ سب کچھ اُمت کو اندھیرے میں رکھ کر، اسلام کہہ کر ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم اور ہمارا محاذ روزِ اوّل سے اس کاروبار میں رکاوٹ ہیں۔ ہم اُمت کو بتاتے رہے ہیں کہ یہ علما اُمت کے سامنے رسوؐل کی مدح و ثنا کرتے ہیں لیکن اپنی کتابوں میں اُنہیں (معاذ اللہ) خطا کار لکھتے ہیں۔ نظام مشاورت کا ایک ممبر بتاتے ہیں۔ اُنکی خطائیں، غلطیاں اور غلط اجتہادات گنواتے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اُس گروہ سے اور اُسکے کاروبار سے اُمت کو روشناس کراتے رہیں۔ اسلام کی صحیح

صورت پیش کرتے رہیں۔ یہ گروہ ہم ایسے طالب علمانِ اسلام سے اس قدر خوفزدہ رہتا ہے کہ اُمت کو ہم سے دُور رکھنے کیلئے طرح طرح کے اتہامات لگاتا ہے، نئے نئے نعرے ایجاد کرتا ہے، ہماری کتابیں پڑھنے سے روکتا ہے، ہمارے مضامین کا بائیکاٹ رکھتا ہے۔اور صحیح کہتا ہے کہ ہم سے بات جس نے کی، ہماری تصنیف جس نے پوری پڑھ لی، وہ اُنکے چکر سے نکل جاتا ہے۔مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔اور صحیح کہتے ہیں اسلئے کہ وہ شخص طاغوت کا کافر ہوجاتا ہے اور اسلام کا حقیقی مومن بن جاتا ہے (نساء60 اور 4/65)۔ابلیس کی راہ سے بھٹک کر اسلامی صراط مستقیم پر چل کھڑا ہوتا ہے۔اور ہر اُس حکم کو نظر حقارت سے ٹھکرادیتا ہے جو کلام اللہ اور کلام معصومؑ کے الفاظ میں نہ ہو۔

بہرحال اُمت کو چاہیئے کہ وہ اُن علما کے نعروں اور مدح وثنا سے فریب نہ کھائے۔اُن کے پوشیدہ عقائد کا پتہ لگائے۔ اُنہوں نے شیعہ سُنی عوام کو برسرجنگ رکھنے کیلئے حضرت ابوبکر،حضرت عمر اور حضرت عثمان کی پوزیشن کو ایسا جذباتی بنا کر پیش کیا ہے کہ آئے دن دونوں دست وگریبان ہوتے رہتے ہیں اور آج کل بھی ''حق چار یار'' کے نعرے لگوا کر اُمت میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہے۔آیئے ہم دکھائیں کہ حق چار یار کا ڈھونگ رچانے والے ابوبکر وعمر وعثمان کو کیا سمجھتے ہیں؟ اور کتنی بے تکلفی سے اُنہیں دین میں تبدیلیاں کرنے والا ثابت کرتے ہیں۔اور دین تبدیل کرتے رہنے ہی کو اسلام کا صحیح عقیدہ سمجھتے ہیں۔لہٰذا آپ وہ تاریخ سامنے رکھ لیں جس میں اسلامی احکام گھڑنے پر فخر کیا گیا ہے۔اور نام بنام تمام صحابہ کے وہ کارنامے بطور شاہکار پیش کئے گئے ہیں جو اُنہوں نے ایک خودتراشیدہ اسلام تیار کرنے میں انجام دیئے تھے۔اس کا نام ہی ''تَـارِیـخُ التَّشْرِیعِ الْإِسْلَامِیِ'' ہے یعنی ''شریعت سازی کی تاریخ'' یہ کتاب علامہ محمد الخضری مصری نے لکھی تھی۔اور دار المصنفین کے عالم عبدالسلام ندوی نے ترجمہ کیا تھا۔پچاس سال سے یہ کتاب (1346ھ سے) شریعت اسلام کی کنجی کہلاتی ہے۔

(2) دینی احکام بدلنے میں ابوبکر وعمر بہت محتاط اور مخلص تھے

قارئین سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ آنحضرتؐ کے بعد پہلی اور دوسری خلافت کے ادوار میں اسلام کے نام پر اپنی ذاتی رائے سے احکام اور شریعت سازی تو کی جاتی تھی مگر وہ اپنے ذاتی احکام کو اللہ ورسولؐ کے احکام نہ کہتے تھے۔علامہ خضری لکھتے ہیں کہ:۔

> ''یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ اپنی رایوں کو خود اپنی طرف منسوب کرتے تھے۔شریعت کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔اس لئے عملی حیثیت سے اُس کو لازمی نہیں قرار دیتے تھے۔چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر جب اپنی رائے سے کوئی اجتہاد کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ ''میری رائے ہے'' اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے۔اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں۔'' حضرت عمر کے ایک محرر نے لکھا کہ ''یہ خدا کی رائے اور عمر کی رائے ہے۔'' تو اُنہوں نے کہا کہ یہ نہایت بُری بات ہے۔یہ عمر کی رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی

جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو عمر کی جانب سے ہے۔اور فرمایا کہ سُنت وہ ہے جس کو خدا اور خدا کے رسولؐ نے مقرر کیا ہے۔ رائے کی غلطی کو اُمت کیلئے سُنت نہ بناؤ۔'' (تاریخ مذکور صفحہ 172)

(3) پُرخلوص شریعت سازی پر ایک نظر

نظامِ اجتہاد کی بنیاد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی تمام ضروریات اور احتیاج کا حل نہ قرآن میں ہے نہ احادیث میں ہے۔یعنی اللہ کی آخری کتاب اور اُس کا آخری رسولؐ بھی وہ سب سامان لے کر نہیں آئے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے لازم تھا۔اِس لئے جو کچھ اللہ و رسولؐ سے رہ گیا ہے اُسے مجتہدین اپنی بصیرت اور مجتہدانہ رائے سے انسانوں کے لئے فراہم کرتے چلے جائیں گے۔مطلب یہ ہے کہ وہ جو اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے بہرحال صحیح نہیں ہے یعنی:

(الف) ''قرآن میں ہر چیز کی تفصیل'' ''یہ قرآن خانہ ساز چیز نہیں ہے جو الہامی کتابیں آج موجود ہیں یہ قرآن اُن سب کی تصدیق کرتا ہے اور مومن قوم کیلئے ہدایت و رحمت ہے۔اور ہر چیز کی تفصیل کا مجموعہ ہے۔''(یوسف 12/111)

اور یہ بھی کہا کہ:

(ب) ''قرآن ہر چیز کے بیان کا حامل: ''ہم نے تمہارے اوپر ایسی کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لئے بشارت وہدایت اور رحمت کا مجموعہ اور ہر چیز کے بیان کی حامل ہے۔''(نحل 16/89)

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مومنین اور مسلمین کے لئے یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی موجودگی میں کوئی انسانی سوال،کوئی انسانی ضرورت اور زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوسکتا جس کا تفصیلی جواب اور مکمل حل قرآن میں اللہ نے بیان نہ کر دیا ہو۔اور جو اللہ اور صاحبانِ قرآن علیہم السلام کی نظر سے چھوٹ گیا ہو۔اور قرآن نے تو یہاں تک بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے لامحدود اور بے انتہا تعلیم دی تھی (عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَم، نساء 4/113) کائنات کی کوئی ایسی چیز باقی نہ بچی تھی جو حضورؐ کو معلوم نہ ہو۔یہی نہیں بلکہ اللہ نے قرآن میں یہ بھی بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے حقیقی عالم تیار کر دیئے تھے جن کو اپنے برابر علم دیا تھا۔(یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ٥ سورہ بقرہ 2/151)اور جن کی خواہشات عین مشیت خدا بن گئی تھیں (مَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہ......دہر 76/30،تکویر 81/29)

(ج) نظامِ اجتہاد کا عقیدہ اور عمل: قرآن کے ایسے سینکڑوں بیانات کے بعد بھی نظامِ اجتہاد کے شیعہ سُنی علما کا عقیدہ اور عمل اسی پر برقرار چلا آتا ہے کہ قرآن وحدیث دونوں مل کر بھی انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کا حل پیش نہیں کرسکتے۔بہرحال ہم بھی فی الحال قرآن وحدیث کو ناکافی سمجھے لیتے ہیں۔اور قارئین سے اپیل کرتے ہیں کہ کم از کم یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جناب خلیفہؑ اوّل ودوم دونوں ہی بلا قرآن وحدیث کے دینی احکام صادر کرتے رہتے تھے۔اور بڑی بے تکلفی اور دیانتداری سے اپنے احکام

میں غلطی کا امکان تسلیم کرتے تھے۔اور باقی صحابہ اور رعایا کو حکم دیتے تھے کہ اللہ و رسولؐ کے علاوہ اُنکے یا کسی اور کے فیصلے کو اُمت کیلئے سنت قرار نہ دیں۔ سنت صرف اللہ و رسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے۔اسکے بعد اُمت مختار ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کے جاری کئے ہوئے احکام کو اختیار کرے یا نہ کرے۔ یہ بات نوٹ کر لینے کے بعد اب مندرجہ بالا صورت کو پھر دیکھیں۔

(د) بلا قرآن وحدیث اسلام کے نام پر مسائل بیان کرنا عام ہو گیا تھا

صرف خلیفۂ وقت ہی اللہ و رسولؐ کی سند کے بغیر احکام و مسائل نافذ نہ کرتے تھے بلکہ تمام صحابہ اپنی رائے اور قیاس سے دین کے فیصلے کرتے رہتے تھے۔اور صرف غلطی کا اعتراف کر کے جو دل میں آتا تھا حکم صادر کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

(i) ’’عبداللہ بن مسعود سے مفوضہ (وہ عورت جس کو طلاق لینے کا اختیار دے دیا جائے) کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ میں اُس کے بارے میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر وہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔اور خدا اور خدا کا رسولؐ اُس سے بری ہیں۔‘‘

(تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 172) ایک اور موقع ملاحظہ ہو:

(ii) ’’ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اُس کا مہر متعین نہیں کیا۔اور اس کے ساتھ مقاربت کرنے سے پہلے مر گیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے عورت کے لئے مہرِ مثل کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ جب وہ یہ فتویٰ دے چکے تو فرمایا کہ ’’اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے۔اور غلط ہو تو میری جانب سے اور شیطان کی جانب سے ہے۔خدا اور خدا کا رسولؐ اس کے ذمہ دار نہیں۔‘‘ (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 172)

(ہ) شرع کے نام پر احکام جاری کرنے کا معیار ذاتی رائے قرار پا گیا

اس شریعت سازی پر غور کرنے سے بڑے دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔ دنیا کا ہر شخص، خواہ مُسلم ہو یا کافر ہو؛ دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔یعنی یا تو وہ اپنے قول و فعل میں سچا ہوتا ہے یا جھوٹا ہوتا ہے۔اُسکی بات یا فیصلہ یا تو غلط ہوتا ہے یا صحیح ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی غلطی اور غلط کاری کا یا تو خود اعلانیہ ذمہ لیتا ہے یا غلطی اور غلط کاری کو دوسروں کے سر منڈھتا ہے۔اب سوچئے کہ جناب خلیفہ اوّل و دوم اور عبداللہ ابن مسعود و غیر ھم بھی ان ہی دو حالتوں میں داخل ہیں۔اسلئے کہ وہ بھی انسان ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اُن کا حکم یا فیصلہ یا تو صحیح ہوگا یا غلط ہوگا۔اور یا وہ فیصلہ اللہ کی منشا کے مطابق ہوگا یا شیطان کی پسند کے مطابق ہوگا۔وہ حضرات بڑے خلوص کے ساتھ فیصلے کی غلطی کو اپنے ذمہ لیتے ہیں۔اپنی غلطی اور غلط فیصلے کو اللہ کا فیصلہ نہیں کہتے۔ بلکہ بڑی بے تکلفی سے شریعت کے نام پر غلط فتویٰ دینے میں ابلیس کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس صورت حال میں چند سوالات اُبھرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جب اُن حضرات کو نہ یہ یقین ہے کہ اُن کا فیصلہ صحیح ہے اور نہ یہ علم ہے کہ وہ غلط فیصلہ دے رہے ہیں تو پبلک کو یا فتویٰ لینے والے شخص یا اشخاص کو کیا کرنا چاہئے؟ اور اگر یہ فیصلہ کسی جرم کی پاداش میں کسی مجرم پر بطور سزا دیا گیا ہے تو اب حکومت کو کیا کرنا ہوگا؟ یعنی کیا حکومت اور متعلقہ شخص آزاد ہیں کہ عمل کریں یا نہ کریں؟ مثلاً اگر مجرم سزا قبول کرنے سے انکار کردے تو کیا ہوگا؟ اور اگر فیصلہ غلط ہوا اور اس پر حاکم اور رعایا نے عمل کرلیا تو قیامت میں اللہ اور حاکم اور رعایا کی کیا پوزیشن ہو گی؟ اور دیگر مذاہب و اقوام عالم میں اور مسلمانوں میں قیامت کے دن کیا فرق ہوگا؟ وہاں بھی بادشاہ، حاکم یا وزیر امور مذہبی نے ایک حکم دیا تھا۔ صحیح تھا تو اُن کا اور مسلمانوں کا حال یکساں ہونا لازمِ عقلی ہے۔ اور اگر فیصلہ غلط تھا اور اس پر عمل کیا گیا تھا تب بھی مسلمانوں اور کافروں کا حال ایک ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کافروں کو غلط حکم دینے اور غلط حکم پر عمل کرنے کی سزا اس لئے دی جائے گی کہ وہ تو نہ اللہ پر ایمان لائے تھے۔ نہ اُن بدنصیبوں نے رسوؐل کو مانا تھا؟ تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ و رسوؐل پر ایمان لانے کے بعد غلطی اور غلط کاری کی سزا نہیں ملا کرتی۔ واقعی کافر لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ بتایئے اتنی بڑی سہولت حاصل کرنے کے لئے بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے؟ عرب کے مشرک دانشور واقعی دانشور تھے۔ جنہوں نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور ابوجہل واقعی بڑا ناعاقبت اندیش اور سچ مچ جاہل تھا کہ زبان سے اتنا بھی نہ کہہ سکا کہ:

''میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر اور اس کے رسوؐلوں اور کتابوں پر اور قیامت پر''

کیسا بدنصیب تھا وہ کہ چھ سات لفظوں کا اقرار نہ کرسکا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اِن حضرات نے شریعت سازی کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا تھا؟ اور اُن کو یہ فکر کیوں نہ تھی کہ ہمارا ہر فیصلہ صحیح اور منشائے خداوندی کے مطابق ہونا چاہئے؟ ہم ان سوالات کا جواب یہاں لکھ کر تلخیاں پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ آج اس زمانہ کا ایک بھی مسلمان یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ دین کے معاملہ میں کسی کو غلط حکم دے یا کسی غلط اور مشکوک حکم پر عمل کرے۔ لہٰذا ہم قرآن کریم سے وہ قانون پیش کئے دیتے ہیں جو اللہ نے شریعت کے احکام دینے والوں پر لازم کیا ہے اور غالباً تمام صحابہ بھی اُس حکم کو جانتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(و) ہر حکم کلام اللہ کے الفاظ میں دیا جانا فرض ہے

قرآن کریم کی پوزیشن کا جب بھی ذکر آتا ہے یا جہاں اسلام کی تعریف دوسروں پر رعب ڈالنے کی غرض سے کی جاتی ہے تو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے یہی علما زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ آج کل اسلامی کانفرنس میں اسلام کو ہمہ گیر مذہب، مکمل ضابطہ حیات اور قرآن کو ہر چیز کے تفصیلی بیان سے لبریز کہا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ بی بی سی کی رپورٹیں سننے والے حضرات غور فرمائیں کہ یہ کیا بات ہے کہ جب عمل کا وقت آتا ہے تو یہی غپیں ہانکنے والے علما و دانشور قرآن کی طرف پلٹ کر

نہیں دیکھتے اور جو کچھ تقاضائے وقت ہوتا ہے بلا دلیل وحجت بلا حدیث وآیت قانونِ اسلام کہہ کر نافذ کر دیتے ہیں؟ اُن کو قرآن کی یہ آیات معلوم ہیں کہ:

..... وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ o(سورۃالمائدہ 5/44)

.....وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ o(سورۃالمائدہ 5/45)

.....وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ o(سورۃالمائدہ 5/47)

جو کوئی بھی اللہ کے نازل کردہ حکم سے فیصلہ نہ کرے وہ 1: کافر ہیں 2: ظالم ہیں اور 3: فاسق ہیں۔

یہ قارئین کے سوچنے کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے اُٹھتے ہی وہ کون سے حالات تھے جن کی بنا پر اسلام ہمہ گیر ضابطہ حیات نہ رہا تھا، نہ قرآن میں ہر صورتِ حال کی مثل اور فیصلہ موجود تھا (بنی اسرائیل 17/89، کھف 18/54، روم 30/58، زمر 28-39/27)۔ نہ قرآن ہر چیز کی تفصیل کا حامل رہا (یوسف 12/111) اور اس میں سے ہر چیز کا بیان غائب ہو گیا (نحل 16/89)۔ اس میں سے کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا ذکر اور ہر رطب ویابس خشک وتر کو کون چُرا کر لے گیا (انعام 6/59)؟ ہر پتہ کا اپنی جگہ گرنا اور سمندروں اور خشکیوں کے حالات اور غیب کی کنجیاں کہاں چلی گئیں؟ (انعام 6/59)۔ اور سابقہ انبیاؑ کی اُمتوں کے متنازع فیہ مسائل اور اختلاف کا بیان اور کائنات کی ہر غائب ومشہود چیز کس ڈھکو نے ڈھک کر چھپا دی؟ (نمل 76-27/75)۔ وہ تمام چرندوں اور پرندوں کا حال کہاں اُڑ گیا؟ یہ تمام کمی اور خامی قرآن میں کہاں سے اور کیسے آگئی (انعام 6/38)۔ قرآن کریم نے اِن تمام سوالات کا جواب بھی اور اُن تمام سوالات کا جواب بھی جو اسلام وقرآن کے معاملہ میں قیامت تک کئے جائیں گے رسولؐ اللہ کے الفاظ میں دے دیا ہے۔ یعنی:

''اَے میرے پروردگار بلا شبہ میری قوم نے اس قرآن سے دوسرے شریعت ساز ادارہ کی طرف ہجرت کر کے اسے مہجور کر دیا ہے۔'' (فرقان 25/30) اور اللہ نے جواب میں تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اُسی طرح ہم نے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ہر نبیؑ کے کچھ دشمن برقرار رکھے ہیں اور تیری ہدایت اور نصرت کا انتظام تیرے رب نے کافی کر دیا ہے۔'' (فرقان 25/31)

ہم نے اس قوم اور ہم قوم علما کا حال بڑی تفصیل سے اپنی دیگر تصنیفات میں لکھا ہے۔ بہر حال یہ تھا وہ قومی وملکی دباؤ جسکے سامنے صحابہ کرام نے ہتھیار ڈال دیئے اور اُس قوم کو بتدریج حق کیطرف لانے کیلئے ظاہری طور پر قرآن وحدیثِ رسولؐ سے علیحدگی اختیار کر لی تا کہ وہ قوم کھل کر کفر کا اعلان نہ کر سکے یہاں قارئین کو چاہئے کہ پچھلے عنوان کے وہ بیانات پھر سامنے رکھ لیں جو حضرت علی علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں (عنوانات نمبر 9 تا 13) تا کہ عنوان کی گرفت مضبوط ہو جائے۔

(ز) شریعت سازی کا فری اسٹائل طریقہ یہودیوں کے یہاں سے آیا تھا

قارئین سوچتے تو ہونگے کہ مسئلہ نماز سلجھانے کے بجائے یہ کیا بحث شروع کر دی؟ ہم عرض کرینگے کہ یہ بحث ہی تو آپکو یہ یقین فراہم کریگی کہ کارپردازانِ قوم کو قومی کنٹرول برقرار رکھنے کیلئے نماز ہی نہیں بلکہ ایک دفعہ پورے قرآن اور اسلام کی تمام تعلیمات کو بدل کر قومی وملکی مصلحت کے ماتحت لانا پڑا تھا۔اور یہ کوئی اچانک حادثہ نہ ہوا تھا بلکہ قرآن نے دانشوران قوم کی پوری اسکیم اور اُسکے تمام مرحلہ وار اقدامات کو محفوظ رکھا ہے۔اور ہم نے اس اسکیم کو اس شان سے پیش کیا ہے کہ اس چودہویں صدی ہجری کے علما حیران رہ گئے ہیں۔بہرحال آپ یہاں جناب علامہ ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے وہ بیان سنیں جو اُنہوں نے سورہ مائدہ کی اُن آیات پر دیا ہے جو شریعت سازی کا ماخذ بیان کرتی ہیں۔غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ مدینہ کے اندر رسولؐ کی آمد کے قبل سے شریعت ساز ادارہ قائم تھا اور وہاں پہنچنے والے مسلمانوں اور یہودیوں میں کوئی آہنی دیوار نہ تھی جو اُنہیں آپس میں رابطہ قائم نہ کرنے دیتی۔اُن میں صدیوں سے تعلقات تھے۔اور اسلام لانے والوں میں خود ایسے لوگ تھے جو یہودی اجتہاد اور توریت پر نظر رکھتے تھے۔خود رسولؐ اللہ کے سامنے بیٹھ کر توریت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا کرتے تھے اور رسولؐ اللہ زِچ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ ''تمہارا حال یہ ہے کہ اگر آج حضرت موسیٰؑ آجائیں تو تم لوگ مجھے چھوڑ کر اُنکی پیروی کرلوگے۔''

قارئین یہ سوچتے جائیں کہ حضرت موسیٰؑ میں وہ کون سی بات تھی جو اُن دانشورانِ عرب کے لئے محمدؐ مصطفیٰ کے مقابلہ میں زیادہ مفید مطلب تھی؟ اور وہ کون سا انفرادی یا قومی مقصد تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے حاصل ہونا ناممکن تھا؟ ان سوالات کو ذہن میں رکھئے اور علامہ کی تفسیر قرآن پڑھئے:

......فَاِنْ جَآءُ وْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ o وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَ ھُمُ التَّوْرٰ ۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَo (سورہ مائدہ 5/42-43)

ترجمہ کرتے ہیں کہ:۔''اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لے کر) آئیں تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو اُن کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کردو۔انکار کردو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ 70 :اور یہ تمہیں کیسے حَکَم بناتے ہیں؟ جب کہ اُنکے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اُس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ 71 :اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 471-472)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ ہم یہ کمرشل (Commercial) ٹائپ کے ترجمے پسند نہیں کرتے جن میں قسط کے معنی انصاف

کر دیئے جائیں حالانکہ انصاف خود عربی ہی کا ایک لفظ ہے۔جس کے معنی دو نصف کرنا یعنی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا ہیں۔اور پھر اپنے دماغ سے دو دفعہ ٹھیک ٹھیک گھسا دینا اور محبت کو پسند کرنا بنا ڈالنا۔مگر کام نکالنے کیلئے ہمیں غلط ترجمہ برداشت کرنا ہے۔مگر ہمارے خاموش رہنے کا یہ مطلب کبھی نہ سمجھیں کہ ہم نے کسی ترجمہ کو پسند کیا یا صحیح سمجھا ہے۔قرآن کے ننانویں فیصد (99%) تراجم خواہ شیعوں کے ہوں یا سُنّی علما کے ہوں کمرشل اور مجتہدانہ ہیں۔دوسری بات وہ نوٹ کریں جو علامہ مودودی اور ڈھکو اینڈ کمپنی کے پھیلائے ہوئے عقیدے کے خلاف ہے اور علامہ بے خیالی میں بےفکری سے گزر گئے ہیں۔یعنی یہ کہ نزول قرآن کے دوران جو توریت یہودیوں میں موجود تھی اُس میں مقدمات کے خدائی فیصلے موجود تھے۔اب علامہ حضور کے دو (2) نوٹس سُنیں جو ترجمہ میں نمبروار دیئے ہیں۔

(i) یہودیوں میں قانون، جج (Judge) اور اجتہادی اِدارے موجود تھے

'' 70ے یہودی اُس وقت تک اسلامی حکومت کی باقاعدہ رعایا نہیں بنے تھے بلکہ اسلامی حکومت کے ساتھ اُن کے تعلقات معاہدات پر مبنی تھے۔اُن معاہدات کی رُو سے یہودیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی اور اُن کے مقدمات کے فیصلے اُن ہی کے قوانین کے مطابق اُن کے اپنے جج کرتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس اپنے مقدمات لانے کیلئے وہ از روئے قانون مجبور نہ تھے۔لیکن یہ لوگ جن معاملات میں خود اپنے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے اُن کا فیصلہ کرانے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس اُمید پر آجاتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں اُن کے لئے کوئی دوسرا حکم ہو اور اس طرح وہ اپنے مذہبی قانون کی پیروی سے بچ جائیں۔یہاں خاص طور پر جس مقدمہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا کہ خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔توراۃ کی رُو سے اُن کی سزا رجم (زمین میں گاڑ کر پتھر مار مار کر مار ڈالنے کی) تھی۔یعنی یہ کہ دونوں کو سنگسار کیا جائے (استثناء باب نمبر 22 آیت 24-23)۔لیکن یہودی اِس سزا کو نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے۔اس لئے اُنہوں نے آپس میں مشورہ کیا (یعنی نظام مشاورت بھی یہودیوں کے یہاں پہلے سے موجود تھا۔احسنؔ) کہ اس مقدمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پنچ بنایا جائے۔اگر وہ رجم کے سوا کوئی اور حکم دیں تو قبول کر لیا جائے۔اور رجم ہی کا حکم دیں تو نہ قبول کیا جائے۔چنانچہ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا۔آپ نے رجم کا حکم دیا۔اُنہوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔اس پر آپ نے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ کوڑے مارنا۔اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنا۔آپ نے اُن کے علماء کو قسم دے کر اُن سے پوچھا کیا توراۃ میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی یہی سزا ہے؟ اُنہوں نے پھر وہی جھوٹا جواب دیا۔لیکن اُن میں سے ایک شخص ابن صُوریا، جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق اپنے وقت میں توراۃ کا سب سے بڑا عالم تھا، خاموش رہا۔آپؐ نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

میں تجھے اُس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طور پر تمہیں شریعت عطا کی، کیا واقعی توراۃ میں زنا کی یہی سزا لکھی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ "اگر آپ مجھے ایسی بھاری قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ زنا کی سزا تو رجم ہی ہے مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکّام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بڑے لوگ زنا کرتے تو اُنہیں چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹے لوگوں سے یہی حرکت سرزد ہوتی تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ پھر جب عوام میں ناراضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے توراۃ کے قانون کو (اپنے اجتہاد سے) بدل کر یہ قاعدہ بنالیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں۔ اور اُنہیں منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ سوار کیا جائے۔" اس کے بعد یہودیوں کے لئے کچھ بولنے کی گنجائش نہ رہی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیا گیا۔"

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ نمبر 473-472) لگے ہاتھ دوسرا نوٹ بھی پڑھ لیں۔

(ii) کتاب اللہ سے انحراف اور مصالح پر عمل درآمد کفر ہے

"71 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بددیانتی کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ "مذہبی لوگ" جنہوں نے تمام عرب پر اپنی دینداری اور اپنے علمِ کتاب کا سکہ جما رکھا تھا، اُن کی حالت یہ تھی کہ جس کتاب کو خود کتاب اللہ مانتے تھے اور جس پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ اُس کے حکم کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ لاتے تھے جن کے پیغمبرؐ ہونے سے اُن کو بشدت انکار تھا۔ اس سے یہ راز بالکل فاش ہو گیا کہ یہ کسی چیز پر بھی صداقت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے، دراصل اُن کا ایمان اپنے نفس اور اُس کی خواہشات پر ہے، جسے کتاب اللہ مانتے ہیں اُس سے صرف اس لئے منہ موڑتے ہیں کہ اُس کا حکم اُن کے نفس کو ناگوار ہے، اور جسے معاذ اللہ جھوٹا مدعی نبوت کہتے ہیں اُس کے پاس صرف اِس امید پر جاتے ہیں کہ شاید وہاں سے کوئی ایسا فیصلہ حاصل ہو جائے جو اُن کی منشاء کے مطابق ہو۔" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 473)

(ح) علامہ کے بیان پر ہماری ایک نظر

قارئین نے دوسرا نوٹ (71) پڑھتے ہوئے وہ مطابقت نوٹ کی ہوگی جو وفاتِ رسولؐ کے بعد مسلمانوں میں یہود کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ بہرحال اب ہمارے ساتھ پہلے نوٹ میں سے چند قابل غور باتیں نوٹ کر لیں۔

پہلی بات جو یہاں سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہود کے پاس توریت کا اور یہودی علما کے اجتہاد کا قانون موجود تھا۔ اور وہ لوگ صدیوں سے اپنے قومی مذہبی اور ملکی معاملات میں اُسی قانون پر عمل کیا کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمان یہودی طرز حیات وتمدن سے کماحقہ واقف تھے۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کتاب اللہ کے واضح

احکام معطل یا متروک کر کے کسی اور ذریعہ سے مفید حکم جاری کرنا بھی عربوں نے یہودیوں ہی سے سیکھا تھا۔ اور ہم دکھائیں گے کہ مسلمان بھی آنحضرتؐ کی موجودگی میں یہودیوں کے ادارۂ اجتہاد سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرایا کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی غرض بھی وہی ہوتی تھی جس غرض کے لئے یہودی رسول اللہؐ کے پاس اپنے مقدمات لاتے تھے۔ اور جب رسولؐ کے انتقال کے بعد آزادی مل گئی تو مسلمانوں نے خود اپنے یہاں یہودیوں کے نقش قدم پر اُسی قسم کا ادارۂ اجتہاد قائم کرلیا اور قومی وملکی یا اجتماعی احکام نافذ کرنے کے لئے نظامِ مشاورت بھی یہودیوں ہی سے لیا تاکہ ہمہ گیر تعاون حاصل رہے۔ چنانچہ آپؐ کے حضور میں مقدمہ لانے سے پہلے یہودیوں نے اسی لئے مشورہ کیا تھا کہ قوم مخالفت نہ کرے۔ چنانچہ زانی وزانیہ کو آنحضرتؐ کے حکم سے سنگسار کرنے پر یہودی علما یا قوم میں کوئی بُرا ردّعمل نہیں ہوا تھا۔ اس بیان میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ ادارہ جو مسلمانوں کو یہ حکم دیتا رہتا تھا کہ:۔ ......يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ...... (مائدہ 5/41)

''اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو، نہیں تو نہ مانو۔ 66''

''66 یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اُسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 470)

علامہ نے فَاحْذَرُوْا کا ترجمہ اگر سمجھ کر کیا ہوتا تو مزا آجاتا۔ اس ادارہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہمارے بتائے ہوئے حکم کے خلاف رسول اللہؐ حکم دیں تو ماننے سے انکار کر دینا۔ یہ ادارہ علامہ کے راہنماؤں اور بڑے دانشوروں کا تھا۔ وہ ایسا غلط حکم نہ دے سکتے تھے۔ ماننے سے انکار کر دینے کے معنی تو یہ ہوتے کہ وہ لوگ علی الاعلان کافروں میں شمار ہو جاتے اور ادارہ کا راز کھل جاتا۔ انہوں نے تو فَاحْذَرُوْا فرمایا تھا۔ یعنی بڑی دانشمندی کے ساتھ رسولؐ سے بچ نکلا کرو۔ علامہ سرکار قرآن کے ترجمہ میں بھی اُسی ادارہ کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسی لفظ کا ترجمہ یہاں رد کر دینا اور نہ ماننا کئے ہیں۔ مگر دوسری جگہ اُسی کے معنی اللہ سے ڈرنا کئے ہیں (سورہ بقرہ 2/235 تفہیم القرآن جلد اوّل، صفحہ 181) اور تیسری جگہ اُسی لفظ کے معنی باز آجاؤ لکھے ہیں (مائدہ 5/92، تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 503)۔ جس طرح اُن لوگوں نے قرآن سے ادارۂ اجتہاد کی طرف ہجرت کی تھی اُسی طرح علامہ حضور نے قرآن کو پاژند بنا کر رکھ دیا ہے۔

یہودی علما کو قسم دے کر زنا کی سزا اُن کے منہ سے قبول کرانے کے صرف ایک معنی ہیں کہ حضورؐ توریت وزبور وانجیل اور تمام کتبہائے خداوندی کا علم رکھتے تھے۔ اور اگر قسم کے بعد بھی وہ قبول نہ کرتے تو آپ توریت منگا کر اُن کو (استثناء باب 22 آیت 24-23) دکھا دیتے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُس روز حضرت عمر کیوں خاموش رہے۔ اُن کے پاس توریت موجود تھی اور وہ اکثر رسول اللہؐ کے سامنے پڑھتے ہوئے پائے گئے تھے۔ علامہ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہودی علما نے زنا کی سزا جھوٹ بتائی تھی۔

اُنہوں نے مسلمانوں کی طرح وہ آخری حکم بتادیا تھا جو اجتہادی فیصلہ کے ماتحت تھا۔ جیسا کہ قرآن میں اولاد اپنے باپ کے مال و جائیداد کی وارث ہوتی ہے۔ لیکن یہ اجتہادی مصلحت کا حکم ہے کہ کسی کو کسی کی وراثت سے محروم کردیا جائے اور ایک فرد کے نقصان کو پوری قوم کے مفاد کے سامنے نظرانداز کردیا جائے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ادارۂ اجتہاد نے بھی بڑے آدمیوں کو قتلِ عمد اور زنا کی سزا میں یہودیوں کے طریقہ پر معاف کردیا تھا اور اسلام و قرآن کی مقرر کردہ تمام حدود و قیود و تعزیرات کو ختم کردیا تھا۔ (دیکھو بیان مرتضوٰی) ہم اس قدر اضافہ کریں گے کہ یہودیوں کا ادارۂ اجتہاد اپنے بعض مقدمات کو صرف اس لئے ہی نہ بھیجتا تھا کہ وہ سزا میں تخفیف چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہاں تو ہلکی سے ہلکی سزائیں پہلے سے تجویز شدہ موجود تھیں۔ بلکہ اصلی غرض رسوؐل کا امتحان اور مسلمانوں کے زرخیز افراد کو طریق اجتہاد سکھانا بھی مقصود ہوتا تھا۔ مسلمانوں کے ادارۂ اجتہاد نے اُن یہودیوں کی تعلیم کے ماتحت رومۃ الکبریٰ اور فرانس و ایران وغیرہ کے قدیم قوانین کو مسلمان کرکے اسلامی شریعت کو وسعت دی تھی۔ لہٰذا ادارۂ اجتہاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس کی قانونی نقل کرے اس پر ایمان بھی ضرور لائے۔ لہٰذا علامہ کا یہودیوں پر اعتراض غلط ہے۔ اور یہ کتنی لطیف حقیقت ہے کہ جہاں یہودیوں کے اُس مقدمہ اور ادارۂ اجتہاد والی آیت ہے (مائدہ 5/42)۔ اُس سے پہلے مسلمانوں کے زیرِ زمین ادارہ اجتہاد کا دستور مذکور ہے (مائدہ 5/41)۔ اور اُس سے پہلے ادارۂ اجتہاد کی تحریف و تبدیل مسائل کا پروگرام موجود ہے (مائدہ 5/41)۔ اور اسی سلسلے میں آگے چل کر وہ تین (5/44,45,47) آیات آئی ہیں جو تقاضہ کرتی ہیں کہ اسلام میں اسلامی شریعت کے احکام وہ ہونگے جو کلام اللہ کے الفاظ میں دئے جائیں۔ ورنہ اجتہادی احکام کافروں، ظالموں اور فاسقوں کے احکام ہوں گے۔ چنانچہ جناب علامہ کے قلم سے کافروں، ظالموں اور فاسقوں کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

(ط) اسلامی شرائط کے خلاف یہود کی اتباع میں شریعت سازی کی خبر

علامہ مودودی جب سورہ مائدہ کی آیات (5/44، 5/45، 5/47) کا ترجمہ کرچکے تو یوں وضاحت فرمائی ہے کہ:

”77۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کافر ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ظالم ہیں، تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اُسکے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے، وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اوّلاً اُسکا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ ثانیاً اُسکا یہ فعل عدل و انصاف کیخلاف ہے، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہوسکتا تھا وہ تو خدا نے دے دیا تھا، اسلئے جب خدا

کے حکم سے ہٹ کر اُس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اُس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہوکر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی واطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے۔ یہ کفر اور ظلم اور فسق اپنی نوعیت کے اعتبار سے لازماً انحراف از حکمِ خداوندی کی عین حقیقت میں داخل ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ جہاں وہ انحراف موجود ہو وہاں یہ تینوں چیزیں موجود نہ ہوں۔ البتہ جس طرح انحراف کے درجات ومراتب میں فرق ہے اُسی طرح ان تینوں چیزوں کے مراتب میں بھی فرق ہے۔ جو شخص حکم الٰہی کے خلاف اس بنا پر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو غلط اور اپنے یا کسی دوسرے انسان کے حکم کو صحیح سمجھتا ہے وہ مکمل کافر وظالم وفاسق ہے۔ اور جو اعتقاداً حکم الٰہی کو برحق مانتا ہے مگر عملاً اُسکے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ اگرچہ خارج از ملت تو نہیں ہے مگر اپنے ایمان کو کفر، ظلم اور فسق سے مخلوط کر رہا ہے۔ اسی طرح جس نے تمام معاملات میں حکم الٰہی سے انحراف اختیار کرلیا ہے وہ تمام معاملات میں کافر، ظالم اور فاسق ہے اور جو بعض معاملات میں مطیع اور بعض میں منحرف ہے اُسکی زندگی میں ایمان واسلام اور کفر وظلم وفسق کی آمیزش ٹھیک ٹھیک اُسی تناسب کے ساتھ ہے جس تناسب کے ساتھ اُس نے اطاعت اور انحراف کو ملا رکھا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے ان آیات (5/44، 5/45، 5/47) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الٰہی کے الفاظ میں اس تاویل کیلئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ اُن سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر، وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا:

نِعمَ الاخوۃ لکم بنو اسرائیل اَن کانت لھم کلّ مُرّۃ و لکم کُلّ حلوۃ کَلّا و اللّٰہ لتسلکنّ طریقھم قدر الشراک۔

"کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کیلئے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے! ہرگز نہیں، خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے۔" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 476-475)

(ی) مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے مقدمات یہودی ادارہ سے فیصل کرواتا تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے قرآن اور فرمانِ رسوؐل کو چھوڑ کر اپنی ذاتی و جماعتی مصلحتوں اور اپنی ذاتی رائے سے شریعت سازی کی تھی اُن کا حال قرآن کریم اور علامہ مودودی سے سنئے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّھُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًاo۔ وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًاo (سورہ نساء 4/60-61)

''کیا آپؐ نے اُن لوگوں کا عملدر آمد نہیں دیکھا جو اس بات کی ڈینگیں مارتے ہیں کہ وہ بلاشبہ قرآن اور سابقہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ارادہ اُن کا یہ ہے کہ اپنے معاملات میں طاغوت کو حاکم اور فیصلہ کرنے والا بنالیں۔اور یقیناً انہیں یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ طاغوت کے کافر بن جائیں۔اُدھر شیطان یہ ارادہ کر رہا ہے کہ اُنہیں گمراہی میں انتہائی بعید منزل تک پہنچا کے چھوڑے۔اور جب اُس طاغوت پسند گروہ کو یہ کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اپنے مقدمات کے فیصلے کرانے کے لئے قرآن اور رسوؐل کی طرف آیا کرو تو تم دیکھتے ہو کہ منافق گروہ اُس طاغوت پسند گروہ کو بڑے اہتمام سے روک دیتا ہے تاکہ وہ طاغوت سے الگ ہو کر تیرے پاس نہ آسکیں۔'' (سورہ نساء آیات 60-61)

یہ دونوں آیات اُس پوری اسکیم کو واضح کر دیتی ہیں جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تیار ہو رہی تھی۔ چونکہ اس اسکیم کے سرپرست دانشور منافقوں کے ذریعہ سے یہودی ادارۂ اجتہاد سے رابطہ رکھتے تھے اس لئے جناب حذیفہ بن الیمان اُن سے پوری طرح واقف تھے اور وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ ادارہ آنخضرتؐ کے بعد ملکی وقومی مزاج کے مطابق شریعت سازی کرے گا۔اب آپ علامہ مودودی سے اس ادارہ کے سرپرست یعنی طاغوت کا حال سنئے:

<u>ادارۂ اجتہاد کا ناظم طاغوت</u>: ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ ''حاکم'' ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ ''نظام عدالت'' ہے جو نہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔لہٰذا یہ آیت اس معنی سے بالکل صاف ہے کہ جو عدالت ''طاغوت'' کی حیثیت رکھتی ہو اس کے پاس اپنے معاملات فیصلے کے لئے لے جانا ایمان کے منافی ہے۔اور خدا اور اُس کی کتاب پر ایمان لانے کا اقتضاء یہ ہے کہ آدمی ایسی عدالت کو جائز عدالت تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔قرآن کی رُو سے اللہ پر ایمان اور طاغوت سے کفر، دونوں لازم وملزوم ہیں، اور خدا اور طاغوت دونوں کے آگے بیک وقت جھکنا عین منافقت ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ <u>یہ منافقین کی عام روش تھی</u> کہ جس مقدمہ میں انہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا۔اس کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے تھے مگر جس مقدمہ میں اندیشہ ہوتا تھا کہ فیصلہ اُنکے خلاف ہوگا اُس کو آپکے پاس لانے سے انکار کر دیتے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 367)

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کے اندر ایک قدیم طاغوتی یا اجتہادی شریعت ساز ادارہ موجود تھا۔یہ دوسری بات ہے کہ طاغوتی ادارہ کے نام سے بعد والے لوگ شرمانے لگیں۔اور اس شریعت ساز قدیم ادارہ کو منافق کہہ کر اپنا دامن چھڑانا چاہیں۔لیکن رفتہ رفتہ محققین ومورخین کے قلم سے حقیقت ٹپکتی چلی آرہی ہے۔

(4) <u>طاغوتی ادارہ علامہ احمد امین مصری کی نظر میں</u>

جو شریعت ساز ادارہ آنخضرتؐ کے زمانہ میں برسرکار تھا اُس کے ثبوت میں ایک مثال کتاب فجر الاسلام سے ملاحظہ فرمائیں:۔

''روایات میں تو یہاں تک ملتا ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے تھے۔ اپنے معاملات میں جاہلی طریقہ پر چلنا ہی پسند کرتے تھے۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ ایک انصاری آدمی کا جس کا نام قیس تھا۔ کسی معاملہ میں ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ بڑھا تو دونوں مدینہ کے ایک کاہن کی طرف فیصلہ لینے کیلئے چلے اور نبی اکرم صلعم کے پاس نہیں آئے۔ یہودی برابر تقاضہ کر رہا تھا کہ نبی اکرم صلعم کے پاس چلو کیونکہ اُسے یقین تھا کہ آپ اس پر زیادتی نہیں فرمائیں گے۔ لیکن انصاری اُس کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ انصاری اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ مگر فیصلہ کے لئے یہودی کو کاہن کے پاس لے جانے پر مُصر تھا۔ آخر یہ آیات (4/60-61) نازل ہوئیں۔'' (صفحہ 653-652)

قارئین یہاں تک یہ ثابت ہو چکا کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد جو شریعت سازی کی گئی وہ نیا کام نہ تھا بلکہ ہر نبیؐ کی اُمت نے شریعت سازی جاری رکھی تاکہ قوم وملک کی ضروریاتِ زندگی میں سہولت پیدا کی جائے۔ اسی انسانی ضرورت کیلئے بعد انتقالِ رسولؐ بھی برابر شریعت سازی ہوتی رہی ہے اور آج علّاماؤں کی جگہ مسٹروں نے لے لی ہے۔ چنانچہ آج ہی اسلامی کانفرنس میں شریعت کو وسعت دینا زیر بحث تھا۔ سُود سے جان بچانے اور لائف انشورنس کے جواز کی راہیں تلاش کرنے پر غور کیا گیا ہے۔

(5) کتبہائے خداوندی سے ہٹ کر شریعت سازی کی ضرورت؟

قرآن اور تمام الہامی کتب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی فکر وعمل کو اُس خدائی سانچہ میں ڈھال دیں جو اُن کے خالق نے اُن کی لامحدود ترقی کے لئے لازمی سمجھا ہے۔ تاکہ کائنات کی ہر چیز انسانوں کی جدوجہد میں تعاون کرے اور کسی مرحلہ میں وہ مزاحمت سے دوچار نہ ہوں۔ اور اُن تمام طریقوں کو چھوڑ دیں جو لاعلمی کی بنا پر سہل اور مفید سمجھ کر اختیار کر لئے جاتے ہیں۔ اسلامی ضابطۂ حیات تجویز کرنے میں اللہ نے اپنے علم اور کائناتی فطرت کو ملحوظ رکھا ہے۔ اُس نے کہیں بھی انسانوں کی عقل کو اپنا راہنما نہیں بنایا نہ انسانوں کی کثرت کی پسند اور اُن کی رائے کو ملحوظ رکھا۔ بلکہ انسانوں کی لاعلمی اور کوتاہ اندیشی کو طرح طرح سے واضح کیا اور کثرت کی رائے پر فیصلہ کرنے کی طرح طرح سے مذمت کی ہے۔ اور اپنے علم وفضل سے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فطری ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر قرآن کریم اور رسول کریمؐ ایسی ہمہ گیر ہستیاں بھیج کر اسلامی ضابطہ حیات کی تکمیل کرادی اور دین اسلام کے مکمل ہو جانے پر سند دے دی۔

اس کے برعکس حکومت اور حاکم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی کثرت کو مطمئن رکھے۔ اُنہیں اپنے خلاف لب کشائی کا موقع فراہم نہ کرے۔ ہر شخص کو مجبور کرے کہ وہ کثرت کے مقاصد سے متصادم نہ ہو۔ الغرض اپنے ہر اقدام میں یہ اصول ملحوظ رکھے کہ انسانوں کی کثرت اس کے ساتھ متفق اور ہم آہنگ رہے۔ کثرت کی رضامندی کے ماتحت کام کرنے اور احکام جاری کرنے میں اگر غلطی ہو جائے تو حاکم کو اس لئے اطمینان ہوتا ہے کہ غلطی کا خمیازہ بھگتنے میں بھی کثرت الناس اُس کے

ساتھ رہے گی اور غلطی پر طعن وطنز کرنے والوں کو بھی کثرت کی نفرت وطاقت کا نشانہ بننا پسند نہ ہوگا۔ لہٰذا مخالف لوگوں کی زبان بند رہے گی۔ اس طرح تمام ملکی اقلیتیں چپ چاپ تعاون کرنے پر مجبور رہیں گی۔ کثرت کی رضامندی آخرت یا قیامت میں بھی اس اجتہادی اصول کے ماتحت کام آئے گی کہ:

''میں انسان تھا۔ خطا اور نسیان میرے خمیر میں داخل تھا۔ اُدھر تیرا دشمن شیطان میرا بھی دشمن تھا، مجھ سے زیادہ قوی اور صاحبِ اختیار تھا۔ میں نے اپنی پوری بصیرت سے اجتہاد کیا، تمام نشیب وفراز ملحوظ رکھے۔ پھر انسانی کثرت کی بصیرت کو بھی میرے کام یا منصوبے میں کوئی بھی خامی اور غلطی نظر نہ آئی۔ میں نے نیک نیتی سے فلاح عامہ کو سامنے رکھ کر حکم یا قانون جاری کردیا۔ بتایئے اس کے بعد کون سا انسانی ذریعہ تھا جس سے میں مستقبل میں غائب غلطی سے بچ سکتا تھا؟''

یہ ہے وہ دلیل جس کی بنا پر شریعت ساز ادارہ دھڑا دھڑ قانون بناتا اور دُہرا یا اکہرا ثواب کماتا چلا جاتا ہے۔ اور تنگ دل لوگ ناک بھوں چڑھاتے رہ جاتے ہیں۔ آخر دین مفادِ عامہ اور فلاح عامہ کے سوا اور کیا چاہتا ہے؟

(6) آنحضرتؐ کے بعد ذاتی رائے سے شریعت سازی کے راہنما

فجر الاسلام میں علامہ احمد امین مصری لکھتے ہیں کہ:

(i) ذاتی رائے سے فتویٰ

''بہرحال رائے سے کام لیا جاتا تھا۔ کبار صحابہؓ میں بہت سے ایسے صحابی تھے جنہوں نے اپنی ذاتی رائے سے فتویٰ دے کر معاملات کے فیصلے کئے۔ مثلاً ابوبکرؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اُبی ابن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ وغیرہ اِس مدرسہ یا اِس مسلک کے علمبردار بلکہ پیشرو ہماری رائے میں حضرت عمر ابن الخطاب تھے۔ جو لوگ اُن کے اس طریقہ پر چلے اُن میں سے عراق میں سب سے زیادہ مشہور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے عاشق تھے اور اُن کی آراء کو بہت ہی پسند کرتے تھے۔ کتاب اعلام الموقعین (جلد اوّل صفحہ 22) میں ہے کہ ابن مسعود کسی بات میں بھی حضرت عمر کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 679)

(ii) ذاتی رائے سے شریعت سازی میں سب سے آگے آگے

''صحابہؓ کے اندر اس باب میں یعنی ذاتی رائے کو کام میں لانے میں حضرت عمر پیش پیش تھے۔'' (ایضاً صفحہ 672)

(iii) کتاب اور سنت بالائے طاق رکھ کر ذاتی رائے سے شریعت سازی

''حضرت عمرؓ کے متعلق عام فقہاء کا خیال یہ ہے کہ ذاتی رائے سے شریعت سازی میں سب سے بہترین فیصلے حضرت عمر ہی کے

ہیں۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ مذکورہ بالا معنوں کی بہ نسبت اس کے وسیع تر معنوں میں اپنی رائے کو کام میں لاتے تھے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ رائے کو اُس وقت کام میں لایا جاتا ہے جب کتاب اور سنت کے اندر کوئی صریح نص موجود نہ ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اِس سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گئے تھے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 673) اور ملاحظہ ہو:۔

(iv) قرآن اور سنت کی کھلی مخالفت: ڈاکٹر صبحی محمصانی **فلسفة التشریع فی الاسلام** میں لکھتے ہیں:

''عمر فاروق اس معاملہ میں اس قدر مستعد اور اولوالعزم انسان تھے کہ سیاسیات ملکی اور رفاهية عامہ کے پیش نظر مخالفت نصوص سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ہم اسکی چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔''

(کتاب ایضاً کا اردو ترجمہ'' فلسفۂ شریعت اسلام'' از مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 170)

اس کے بعد سورہ توبہ کی آیت **المولفة قلوبهم** (9/60) کے احکام بیان کئے پھر لکھا کہ:۔

پہلی مثال۔ مولفۃ قلوب: ''باوجود اس صریح نص قرآنی کے عمر بن خطاب نے ''**مولفة قلوبهم**'' کا حصہ موقوف کر دیا۔'' (ایضاً صفحہ 171)

دوسری مثال۔ طلاق: ''جب شوہر اپنی بیوی کو ایک ہی نشست میں تین بار طلاق دیدے تو رسول اللہ صلعم، ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب کے اوائل خلافت میں وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ اور اُس وقت یہی طریقہ رائج تھا (صحیح مسلم نووی جلد 10 صفحہ 9) اور بعد میں اسی پر اجماع ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے عمر بن خطاب نے ایسی طلاق کو طلاقِ بائن قرار دیا۔'' (ایضاً صفحہ 171)

تیسری مثال۔ اُمھات الاولاد کو فروخت کرنا: ''اُمھات الاولاد وہ لونڈیاں کہلاتی ہیں جن کے ہاں اپنے آقا سے اولاد پیدا ہو جائے۔ ایسی لونڈیوں کو بیچ دینا نبی صلعم اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں جائز تھا۔ لیکن عمر بن خطاب نے اُن کا بیچنا منع کر دیا۔'' (ایضاً صفحہ 172)

چوتھی مثال۔ چوری: ''شرع اسلامی میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ بروئے آیت۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (مائدہ 5/38) یعنی چرانے والے اور چرانے والی کا ہاتھ کاٹ دو۔ اور بدلیل سنت نبوی قولی و فعلی۔ لیکن عمر بن خطاب نے قحط کے سال لوگوں کی ضرورت اور اُن کی بقاء کے پیش نظر اس سزا کو موقوف کر دیا اور اسی پر فقہا کا اجماع ہے۔'' (ایضاً صفحہ 173 -172)

پانچویں مثال۔ زنا: ''غیر شادی شدہ زانی کی سزا جمہور فقہا کے نزدیک سو کوڑے اور پورے ایک سال کی جلاوطنی ہے اور شہر بدر کرنا مشہور حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن باوجود صریح نص کے.... عمر بن خطاب نے فرمایا کہ اس کے بعد میں

کبھی کسی کو شہر بدر نہ کروں گا۔۔۔ یہ فیصلہ نص صریح کے بالکل خلاف ہے۔'' (ایضاً صفحہ 173)

چھٹی مثال۔ تعزیر: ''حدیث میں وارد ہے کہ کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے سوائے اُن سزاؤں کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔'' اس نص صریح کے باوجود عمر بن خطاب نے اُس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی تھی جس نے بیت المال کی جعلی مہر بنالی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 173)

ساتویں مثال۔ خون بہا: ''عمر بن خطاب نے عہد نبوی (صلعم) کے خلاف مقتول کا خون بہا قاتل کے قبیلہ پر سے ساقط کر دیا۔ اور اہل دیوان کے ذمہ ڈال دیا۔ چنانچہ آپ ہی کی رائے کو عراق کے فقہا نے بھی اختیار کیا۔'' (ایضاً صفحہ 174)

ایک حق بات نوٹ کرلیں

ساتویں مثال کے بعد لکھا ہے کہ: ''امام شافعی نے اس توجیہہ کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ چونکہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں خون بہا کا ذمہ دار قاتل کا قبیلہ ہوا کرتا تھا اس لئے آنحضرتؐ کے عملدرآمد کے خلاف کوئی فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔'' (ایضاً صفحہ 174)

(7) قرآن وسُنتِ رسولؐ سے انحراف کا نتیجہ کیا ہوا؟

(i) اسلام اور قرآن کی معطّلی اور رعایا کا تعاون حاصل کرنے کیلئے خودساختہ نظام حکومت

قارئین نے دیکھا تھا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی سے اُس گروہ کو پیش کیا ہے جو اسلامی قوانین کو قومی وملکی مصلحت کے ماتحت تبدیل کرنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اور جُوں جوں اسے قومی حمایت حاصل ہوتی گئی اُس نے بتدریج مسلمانوں کے اندر ایک طاغوتی ادارہ قائم کرلیا اور مسلمانوں میں اندر ہی اندر وہ عقائد پھیلاتا رہا جو بعد رسولؐ نافذ کرنا ضروری تھے۔ اِن حالات سے متاثر ہو کر اور ساری قوم کو قرآن سے منحرف ہو جانے کی تیاری میں مصروف پا کر آنحضرتؐ نے اللہ سے شکایت کی کہ قوم نے اپنے لئے ایک شریعت ساز ادارہ بنالیا اور اُسے قرآن پر حاکم مقرر کر دیا ہے۔ اللہ نے اُس صورت حال کی تصدیق کر کے قرآن سے انحراف کرنے والوں کو مجرم اور دشمنانِ خدا و رسولؐ قرار دے دیا۔ لیکن مذکورہ قوم اور قوم کا راہنما ادارہ ہر آیت اور ہر حدیث کی ایک ایسی توجیہہ وتاویل کرتے چلے گئے جو اُن کے منصوبے پر چسپاں رہے۔ اُسی کشمکش میں آنحضرتؐ کی رحلت وقوع میں آگئی۔ اب اُسی قوم کے دباؤ کے ماتحت حکومت قائم ہوئی۔ اور قومی وملکی مصالح اور خودساختہ تقاضات وغیر معمولی وغیر فطری حالات اور حادثات سے نمٹنے کیلئے جلدی جلدی جیسا وقت دیکھا احکامات نافذ کرنا پڑے۔ اس سلسلے میں حضرت علیؑ کے تفصیلی بیانات سامنے آچکے۔ ہنگامی حالات میں اسلام وقرآن کا معطل ہو جانا دیکھا جا چکا،

حکام جو کچھ کررہے تھے وہ بحیثیت مجموعی سامنے آچکا۔اور ابھی ابھی سابقہ عنوان میں وہ حالات قابل فہم ہیں جن کے دباؤ سے حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں احکاماتِ قرآن اور احکاماتِ رسوؐل کو منسوخ کر کے اپنی ذاتی رائے سے انتظام و نظام حکومت برقرار رکھا۔

یہ ہم بتا چکے ہیں کہ رعایا کی خوشنودی اور مفاد عامہ کو ملحوظ رکھنے والے حاکم سے اُسکی رعایا، اراکین حکومت، قاضی، مفتی، افواج، پولیس الغرض تمام متعلقین تعاون کیا کرتے ہیں۔ اسلئے کہ اُنکا حاکم، بادشاہ، خلیفہ یا امیر اُنکے مقابلہ میں کسی دوسری چیز کو نہ عزیز سمجھتا ہے نہ ترجیح دیتا ہے۔اور جب دانشورانِ ملک و کارپردازانِ حکومت کو عملاً یہ یقین ہو جائے کہ اُنکا حاکم اُنکے مقابلہ میں اُن کی سہولت اور خوشنودی کیلئے قرآن وسنت کے واضح احکام میں بھی ردوبدل کردینے سے نہیں گھبراتا تو اُس حاکم سے زیادہ پبلک تعاون اور کسی کو نہیں مل سکتا۔ یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ حضرت عمر سے پہلے یا بعد کسی حاکم کو رعایا سے ایسا تعاون حاصل نہیں ہوا۔ رسولؐ اللہ کی مجبوری یہ تھی کہ آنحضرتؐ دن رات اُترنے والے احکاماتِ خداوندی کو نافذ کرتے تھے۔ کسی حکم کی خلاف ورزی نہ خود کرتے تھے نہ کسی اور کو انحراف کرنے دیتے تھے، بڑے بڑے سرداران قوم کی رعایت نہ کرتے تھے، ذراسی حکم عدولی برداشت نہ کرتے تھے۔ اسلئے روز اوّل سے رحلت کے وقت تک ایک مستقل محاذ قائم تھا۔ گھر کے اندر سے لے کر باہر تک اور مسلمانوں سے لے کر کافروں تک میں ایسے لوگ موجود تھے جو مخالفانہ ذہنیت رکھتے تھے اور موقعہ ملنے پر سب کچھ کر گزرنے کیلئے آمادہ رہتے تھے۔ قرآن کریم اس مستقل محاذ کی تاریخ اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔

بہر حال یہ ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عمر نے جس محنت اور تدبر سے عربی ذہنیت کو تیار کیا تھا وہ اُن کے بعد کسی کے قابو میں نہ آسکی۔ پے در پے اُن کے جانشین قتل کئے گئے۔ آخر وہی حکومت کامیاب ہوئی جس کی داغ بیل خود حضرت عمر نے ہی ڈالی تھی۔ حضرت معاویہ تنہا وہ شخص تھے جو حضرت عمر کی پالیسیوں کو دوبارہ نافذ کرنے میں کامیاب ہوئے اور آخر قوم و ملک کو دوبارہ اُسی راہ پر چلا گئے جو حضرت عمر کا منشا تھا۔ اُنہوں نے اُن تمام افراد و قبائل کی فہرست بنائی جو حضرت عمر کے بعد سرکشی یا سرتابی کے مجرم پائے گئے تھے۔ اور رفتہ رفتہ اُن تمام سروں کو تن سے جدا کرنے کا منصوبہ بنایا جن میں حکومت سے بغاوت کے خیالات جمع تھے۔ اُن نسلوں کو فنا کرنے کا انتظام کیا جن میں قرآن وسنت کی اتباع میں قومی حکومت کا مخالف خیال پرورش پا رہا تھا۔ وہ تمام تعلیماتِ قرآنی اور تصوراتِ اسلامی اور تاریخ بدل ڈالنے کی بنیادیں رکھیں جو حضرت عمر کے تصورات و اعمال و اقدامات پر انگشت نمائی کا سبب بن سکتی تھیں۔ اور ہم نے حضرت معاویہ کے کامیاب اور دُوربین انتظامات پر داد دینے کیلئے ہزاروں صفحات لکھے ہیں۔ اور یہ کتاب بھی اُن ہی دونوں بزرگوں کے حسن انتظام پر ایک معمولی سی کوشش ہے۔

یہ حضرت معاویہ ہی کا انتظام تھا جس کے نتیجے میں وہ وقت بھی آیا کہ آج ہر مسٹر اور ہر مُلّا جو کچھ کہتا ہے وہ شریعت کا حکم

سمجھا جانے لگا ہے۔یعنی آج صرف سربراہان اقوام وممالک ہی شریعت سازی کے مجاز نہیں ہیں بلکہ ہر علامہ اور ہر تانگہ والا اور ہر ٹیکسی ڈرائیور اللہ و رسولؐ کے جانشین ہیں۔ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ موقعہ بموقعہ کتاب وسنت کا جملہ دُھرایا جائے۔ مناسب وقفوں کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا حوالہ بھُولنے نہ پائے۔کبھی کبھی نظام مصطفیٰؐ بھی زبان سے نکلتا رہے۔ اوران چند مقدس جملوں کے سایہ میں جو دل چاہے اسلامی کہہ کر منوالیا جائے۔

بڑی جانکاہ کوششوں اور بڑی دینی و دنیاوی قربانیوں کے بعد لایا گیا ہے یہ زمانہ جس میں آج ہم ایسے سرپھرے لوگ بھی موجود ہیں۔جنہیں رجعت پسند کہہ کر اپنے سابقین واوّلین بزرگوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔یعنی وہ لوگ جو اس زمانہ کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے بجائے رسولؐ اللہ اور ماضی میں گزرے ہوئے لوگوں کو یاد کرتے رہتے ہیں، جو گزرے ہوئے مقدس ادوار کے خواب آج بھی دیکھتے ہیں اوراُن زمانوں کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ بہرحال ہم فخریہ کہتے ہیں کہ اس چودھویں صدی میں پیدا ہو کر اور آپ ہی کے زیرانتظام چلنے والے مدرسوں میں، آپ ہی کا تیار کردہ نصابِ تعلیم پڑھ کر بھی خود کو اُن جذبات و احساسات سے مالا مال رکھا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے سے پیدا ہونا چاہئیں۔اور ہم ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم آج سے دو ہزار سال بعد آنے والے دور سے زیادہ موڈرن تصورات کے حامل اور مبلغ ہیں۔اوراس میں بھی جناب امیر معاویہ اور حضرت عمر کا کافی دخل ہے۔وہ نہ ہوتے تو ہماری فہم وفراست میں یہ گہرائی اور دُوررسی نہ ہوتی۔یہی نہیں بلکہ دنیا کی اس محفل میں گرمی اور حرارت نہ ہوتی۔کارخانہ حیات کا وہی حال ہوتا جو حرارت کے فقدان سے تصور میں آسکتا ہے۔ یہ جوش یہ ولولہ اور یہ تفحص وتجسس کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہ وہی تھے جنہوں نے ایک پیہم انقلاب کو جنم دیا۔اُن کی وجہ اور وسیلے سے مقام نبوت وامامت کا تعین وتحقق لازم ہوا،حق و باطل واضح ہوا، دلائل و براہین کی تلاش ہوئی اور بال کی کھال نکالی گئی۔اور خدا کا شکر ہے کہ ہر آنے والا دن اور طلوع ہونے والا سورج اسلامی حقانیت کو روشن تر کرتا جارہا ہے۔

(ii) فکرفاروقی نے جوانقلاب چاہا تھا وہ ابھی تک برپا نہیں ہوا ہے

کاش ہماری تصنیفات شائع ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہوتیں تاکہ لوگوں کی عقل اُن بنیادوں اور مقاصد کو سمجھ سکتی جن کے لئے حضرت عمر نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔افسوس ہے کہ بعد کی حکومتوں نے اُس پروگرام کو جاری رکھنے کے بجائے، جو حضرت عمر نے اپنے حلقہ فکر کو سونپا تھا، ذاتی و جماعتی مقاصد کو سامنے رکھ لیا۔ ورنہ آج نہ مُلّا ہوتے نہ علامہ نظر آتے نہ کلمہ کی بحث ہوتی نہ نمازوں میں جھگڑے ہوتے۔ نہ مسجدوں اور امام بارگاہوں کا ٹکراؤ ہوتا۔نہ پیش نمازوں کی شیرازہ بندی کی احتیاج ہوتی نہ ڈھکوا زم ہوتا نہ چمچے ہوتے نہ ڈھکن کی ضرورت پڑتی۔ بہت کم لوگ ہیں جو فکر فاروقی سے آشنا تھے۔لیکن جس

طرح حضرت عمر کو سمجھنے والے نایاب رہے ہیں اسی طرح ان کے سمجھنے والوں کو پہچاننا مشکل رہا ہے۔ آیئے آپ کو چند ایسے لوگوں سے ملوائیں جو حضرت عمر کے مسلک کو کسی قدر سمجھ کر بیان کر سکے۔

(iii) حضرت معاویہ کے بعد حضرت عمر کی پالیسی سے واقف لوگ

(الف) امام نجم الدین ابوالربیع سلیمان بن عبدالقوی طوفی (متوفی 716ھ)

آپ حنبلی مذہب کے مشہور علما میں سے ہیں۔ نیز وہ اُن آئمہ میں سے ہیں جنہوں نے علی الاعلان مصلحت وقت کو نص و اجماع پر مقدم کیا ہے۔امام مذکور نے حدیث لَا ضَرَرٌ وَ لَا ضَرارٌ یعنی شریعت اسلامی کا مطمع نظر نقصان پہنچانا نہیں ہے کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جب مصلحت وقت کا نص اور اجماع سے مقابلہ ہو جائے تو مصلحت کو نص (واضح حکم خدا ورسولؐ) و اجماع (اُمت کے متفقہ فیصلے) پر ترجیح دی جائے گی۔اور نص و اجماع کو وقتی خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔'' (فلسفۃ التشریع فی الاسلام کا اردو ترجمہ ''فلسفہ شریعت اسلام'' از مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 179-178)

فکر فاروقی کا جہاں ساز اصول

مولانا نجم الدین حضرت عمر کے اس قانون القوانین کو نہ صرف یہ کہ بالکل صحیح سمجھے بلکہ اُنہوں نے اس بنیادی قانون کا زندگی بھر پرچار کیا، اپنی زندگی اس قانون کے سانچے میں ڈھالی۔لیکن بُرا ہو رجعت پسندی کا کہ لوگوں نے اُن سے تعاون نہ کیا ورنہ آج یہ اسلامی اصلاحات اور کانفرنسوں اور کانگرسوں کی آڑ لینے کی ضرورت نہ رہتی۔ ہمارے زمانہ میں جناب علامہ پرویز صاحب نے اسی قانون کو نافذ کرنے اور تقاضائے وقت و مصلحت عامہ کے ساتھ چلنے کیلئے پاکستانی حکومتوں کو مشورے دیئے اور بتایا کہ کوئی ایسا اسلامی قانون نہیں ہے جسے حاکم وقت بدل نہ سکے۔اسلام میں یا مولانا کے پاس صرف دو ہی تو خوفناک الفاظ ہیں ایک ہے نَص اور دوسرا ہے اجماع۔ سارا دین اور دین کا ہر ہر معاملہ، عبادت ہو یا عقائد ہوں اُن ہی دونوں الفاظ کے ماتحت ہیں اور جب یہ معلوم ہے کہ مصلحتِ وقت یا تقاضائے زمانہ کے سامنے نص اور اجماع کی اسلامی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ کام جائز ہے جو مفید ہو۔ ہر وہ حکم منسوخ ہے جو مضر ہو۔ مثلاً نماز فریضہ پر نص ونصوص بھی ہیں اور اجماع بھی ہے۔لہٰذا اگر مصلحت اور مفید یہ ہو کہ نماز کو ترک کر دیا جائے تو بلا تکلف نماز کا پڑھنا منع کر دینا چاہیئے۔ آج کل روزہ سے کوئی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچتا۔ کم از کم کوئی ایسا فائدہ نہیں بتایا جا سکتا جو رمضان سے پہلے یا بعد کے دنوں میں کسی اور طرح حاصل نہ ہو سکتا ہو؟ البتہ روزہ کے نقصانات ہر آدمی دیکھتا ہے سمجھتا ہے۔اور روزہ سے ہونیوالے نقصانات اور ضرر کو سہتا ہے۔ رمضان کی آمد قریب آنے پر ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہمہ گیر نقصان کے سوا اور کیا ہے؟ گھروں کے اندر خورد ونوش کا خرچ الگ سے بڑھ جاتا ہے اور ہوٹلوں میں گھر والوں سے چھپ

کر کھانے پر الگ سے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مولانا حضرات کی تنی ہوئی گردنیں، کھنچے ہوئے ابرو اور بگڑے ہوئے چہرے دیکھ کر جہنم کے فرشتے سامنے پھر جاتے ہیں۔ روکھی روٹی کھا کر روزہ رکھنا چار پانچ منزل مکانوں کی تعمیر میں بلاک اور سیمنٹ لیکر چڑھنا اور اُترنا، یہ سب کیا ہے؟ چونکہ مذکورہ بالا قانون انسانوں کی اسی تکلیف کو دور کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ انسانی فطرت میں سہولت پسندی سب سے نمایاں جذبہ ہے اور یہ قانون اِسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے۔ لٰہذا مسلمانوں کی کثرت نے رگِ فاروقی سے فطری طور پر اثر لیا اور مولانا کی رجعت پسندی کو رخصت کر دیا۔ اُدھر ہمارے دانشور طبقہ کے لوگ اور اُمرا وُرَؤسا وُزرا تو روزِ اوّل ہی سے عقلمند ہیں۔ اگر آج مسلمانوں کی حکومتیں حضرت عمر کے اس قانون کو اپنی اسمبلیوں میں منظور کر لیں تو بہت سے کھٹ راگ خود بخود ختم ہو جائیں۔ نہ کانفرنسوں کے چکروں کی ضرورت رہے نہ سیرت کانگریس کی مقدس آڑ لینا پڑے۔ بلکہ ہر پاس ہونے والا قانون اسلامی قانون کہلائے تاکہ علامہ حضرات سے ہماری جان چھوٹ جائے اور یہ کلمہ اور نماز کی بحثیں بھی ختم ہو جائیں۔ روس اور چین کے عوام کی طرح مسٹر و ملا دونوں شانہ بشانہ کام کرتے اور ہنستے کھیلتے نظر آئیں، جان بنے اور پیٹ چھٹ جائیں۔

(ب) <u>امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس</u> (متوفی 684ھ) جو ''قرافی مصری'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ: ''جب معاشرہ کے حالات بدل جائیں تو کیا وہ فتوے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں بیکار ہو جائیں گے۔ اور جدید تقاضوں کے مطابق فتوے دیئے جائیں گے؟ یا یہ کہا جائے گا کہ ہم تو مُقلِّد ہیں۔ اور اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے کے باعث ہمیں یہ حق نہیں کہ کوئی نیا فتویٰ دے سکیں۔ لٰہذا ہم وہی فتویٰ دیں گے جو آئمہ مجتہدین (ابو حنیفہ، مالک، ابن حنبل، اور شافعی) سے منقول ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 178-177)

قارئین اب علامہ قرافی مصری کا جواب سنیں، یہ حضرت مالکی عالم ہیں۔

''چونکہ شرع کے تمام <u>احکام اسباب وعلل کے تابع ہیں</u>۔ اس لئے رسم ورواج بدلنے سے شرع کا حکم بھی بدل جائے گا۔ اور اس قسم کی تبدیلی مقلِّدین کا نیا اجتہاد نہ کہلائے گا جو اُس میں اجتہاد کی اہلیت کی شرط اُڑائی جائے۔ بلکہ یہ تو ایسا قاعدہ ہے جس میں علما نے متفقہ طور پر اجتہاد کیا ہے چنانچہ ہم بھی اُن ہی کا اتباع کرتے ہیں اور کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے۔'' (ایضاً صفحہ 178)

<u>رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی</u>

قارئین نے غور کیا ہوگا کہ جناب فاروق کا وہی قانون اِس مالکی مذہب کے عالم نے اس انداز سے پیش کر دیا کہ کوئی جدت اور بدعت بھی نہ ہوئی اور پورے کے پورے اسلامی ڈھانچے کو بدلنا ممکن بھی ہو گیا اور ساتھ ہی سو فیصد قدیم مذہب برقرار بھی رہ گیا۔ یعنی اسلام ایک ایسا مستقل غیر متبدل دین ہے جو کتنا بھی بدل جائے، الٹ جائے، حرام حلال اور حلال حرام ہو

جائے وہ پھر بھی مستقل اور غیر متبدل ہی رہتا ہے۔ یعنی اسلام نام ہے اُس طرزِ زندگی کا جسے کثرت الناس پسند کرتی ہو اور مستفید ہوتی ہو یعنی ہر معاشرہ پر مستقلاً فِٹ (Fit) رہنے والا دین۔

فاروقِ اعظم کے قانون کی ایک اور تشریح: فلسفہ التشریع کے مصنف علامہ صبحی محمصانی مندرجہ بالا اقتباس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

نوع انسان کی عادت کے مطابق رہنا اسلام کی ذمہ داری ہے

’’علامہ قرافی کے اس جواب کا تعلق (بظاہر نظر) بلا شبہ اجتہادی مسائل سے ہے۔ نہ کہ نصوص کو بدل ڈالنے سے (محمصانی خوفزدہ ہیں) لیکن جواب مذکور کے بعد ایک ضمیمہ علی الاطلاق (بلا کسی مستثنیٰ کے) وارد ہوا ہے۔ جسکی عبارت یہ ہے ’’جمیع ابواب الفقه المحمولة عَلَى العوائد، اذا تغيّرت العادة تغيّرت الاحكام فى تلك الابواب۔‘‘ یعنی فقہ کے وہ تمام مباحث جو اسباب و علل پر مبنی ہیں۔ اُن کے تمام احکام رسم و رواج بدل جانے سے تبدیل ہو جائیں گے۔‘‘ اگر اس عبارت کو مطلق رکھا جائے (وہ تو ہے ہی مطلق اور بلا کسی قید اور مستثنیٰ کے) تو اُس میں بلا استثناء تمام احکام داخل ہوں گے اور اس لحاظ سے یہ عبارت ابو یوسف کے اُس قول کے مطابق ہے جو ابھی گزرا۔‘‘ (ایضاً صفحہ 178)

علامہ محمصانی نے بھی علامہ مودودی کی طرح غلط ترجمہ کیا ہے

ہم ذرا دیر بعد ابو یوسف کا قول ناظرین کو دکھائیں گے۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ علامہ قرافی نے اپنے قول میں نہ لفظ اسباب بولا نہ لفظ عِلَل لکھا۔ نہ وہاں الفاظ رسم و رواج ہیں اور چونکہ یہ چاروں الفاظ عربی زبان کے ہیں اس لئے یقیناً علامہ قرافی ان چاروں الفاظ سے واقف ہوں گے۔ انہوں نے لفظ مباحث بھی نہیں لکھا اور یہ بھی عربی ہی کا لفظ ہے۔ مگر محمصانی صاحب نے یہ پانچ الفاظ ترجمہ میں لا کر اصل مطلب کا ستیاناس کر دیا ہے۔ علامہ قرافی نے فقہ کے تمام ابواب کو بدل جانے والا لکھا ہے بحثوں کو نہیں لکھا۔ ابواب کا مطلب یہ ہے کہ باب الوضو، باب الطہارت، باب الرکوع، باب السجود، باب التشھد، باب القنوت، باب الاذان اور باب الاقامت وغیرہ وغیرہ۔ علامہ قرافی تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ روزہ ہو یا نماز ہو، حج ہو یا زکاۃ ہو، خمس ہو یا جہاد ہو، رکوع ہو یا سجدہ ہو۔ تشہد، اذان اور اقامت کے اجزا کلمہ، اللہ اکبر، کعبہ کا رخ وغیرہ ہوں سب تبدیل ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں۔ پھر علامہ قرافی نے جن چیزوں کو معیار بنایا ہے اور جن کے بدل جانے سے اسلام کے تمام احکامات بدلنا لازم قرار دیا ہے وہ رسم و رواج نہیں۔ بلکہ اُن کے الفاظ اَلْعَوَائِد (عادت کی جمع عادتیں) اور اَلعادَۃ (عادت) ہیں۔ یعنی جب عادتیں بدل جائیں تو پچھلی شریعت کے تمام احکام بدل کر نئی عادت کے ماتحت لانا حقیقی اسلام ہے۔ پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ رسم و رواج تو پوری قوم یا ملک سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن عادت انفرادی اور ہر خاندان اور ہر فرد اور ہر طبقہ ہر پیشہ والوں کی الگ الگ ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس بنیادی فاروقی قانون کی یہ تشریح چاہتی ہے کہ اسلامی ضابطۂ حیات ہر فرد کو الگ الگ بھی مطمئن رکھے

اور اُنہیں اُن کی عادت کے مطابق شرعی احکام دے اور اجتماعی حیثیت سے بھی کسی کو اس کی عادت کے خلاف شرعی حکم نہ دے۔ یہ ہے وہ وسیع ترین وہمہ گیر مقصد جو نظام اجتہاد کے سوا اور دوسرا انظام پورا نہیں کرسکتا۔

(ج) <u>امام ابو یوسف حنفی (قاضی القضات)</u>: یہاں بھی رسم و رواج بدل جانے پر احکام بدل جانے کا مسئلہ زیر بحث آیا اور لکھا کہ: ''مسئلہ مذکورہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک حکم شرع کا اتباع واجب ہے نہ کہ جدید رسم و رواج کا۔ لیکن بغداد کے قاضی القضاۃ ابو یوسف کی رائے اِن دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ اُنکے نزدیک استحساناً حکمِ شرع ترک کردینا اور رواج کا اتباع کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حکم شرع کا مطمعِ نظر رسم و رواج ہی تھا۔ مجلّہ احکام عدلیہ نے اِسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ اپنے اُس صریح حکم کی رُو سے جو دو ضابطوں میں بیان کیا گیا ہے۔

<u>پہلا ضابطہ</u>: "اِسۡتِعۡمَالُ النّاسِ حُجَّة یَجِبُ الۡعَمل بِهَا و لا ینکر تغیر الاحکام بتَغیر الازمان"

یعنی لوگوں کا تعامل (عملدرآمد) حُجت ہے۔ اور اُس پر عمل جاری رکھنا واجب ہے۔ زمانہ بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔''

<u>دوسرا ضابطہ</u>: ''اِنَّہٗ یتبدل الاعصار تتبدل المسائل الّتی یلزم بِناء ھا عَلَی العرف و العادۃ'' یعنی زمانہ بدلنے سے وہ احکام بدل جاتے ہیں جو رسم و رواج پر مبنی ہوں۔'' (ایضاً صفحہ 176-175)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ اس دوسرے ضابطہ میں بھی رسم و رواج کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہاں ایک لفظ عُرف ہے دوسرا عادۃ۔ العرف اس مجموعۂ اعمال و اقوال و رسم و رواج کو کہتے ہیں جسے تمام باشندگان مُلک بلا تفریق مذہب و ملت پسند کرتے ہوں۔ اور عادۃ کو آپ جانتے ہیں۔

(د) <u>نصوصِ قرآن و حدیث اور اجماع کی خلاف ورزی شریعت سازی میں لازم رہی</u>

مذکورہ بالا تمام بحثیں اور فیصلے لکھ چکنے کے بعد ڈاکٹر صبحی محمصانی آخر میں یہ نتائج بھی مرتب کرتے ہیں کہ:۔

(1) ''فقہاء (اہلسنت) کے نزدیک متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت قرآن اور حدیث کے واضح احکام (نصوص) کی مخالفت جائز ہے۔'' (صفحہ 180)

(2) ''خلفاء سیاستِ شرعی اور مصلحتِ عامہ کے پیش نظر قرآن اور حدیث کے بعض احکام تبدیل کرنے میں بھی پس و پیش نہ کرتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 197)

(3) ''شرع اسلامی خلیفۂ وقت کے مذہب اور عقائد سے بھی متاثر ہوتی رہی ہے، چنانچہ خلفائے بنی اُمیہ اور خلفائے بنی عباسیہ

ہمیشہ اُن مذاہب کی مخالفت کرتے رہتے تھے جو اُنکے ذاتی عقائد اور سیاست ملکی کے خلاف ہوتے تھے۔'' (ایضاً)

(4) ''بعض علما کا خیال ہے کہ شرع اسلامی رومی قانون سے متاثر ہوئی ہے۔اور بعض لوگوں نے اس کی تردید کی ہے اور بعض نے اس بارے میں راہِ اعتدال اختیار کی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 211)

(8) شریعت سازی نے موجودہ شریعت کو اللہ و رسولؐ سے بے تعلق کر دیا

جو شریعت آج مسلمانوں کے ریکارڈ میں موجود ہے۔اُس کی تیاری میں جو ہاتھ اور جذبات وحالات مصروف رہے وہ مختصر مگر حتمی طور پر قارئین نے دیکھ لئے ہیں۔اگر ہم اُن تمام سوالات سے چشم پوشی بھی کر لیں جو یہاں سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ تب بھی یہ تسلیم کئے بغیر چھٹکارہ نہیں مل سکتا کہ وہ احکام اور شریعت ہم تک نہیں پہنچی جو اللہ و رسولؐ نے تیار کی تھی۔اور جو کچھ ہم تک شریعت کے نام سے پہنچا ہے اُس کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس سے خوش ہیں، ناممکن ہے۔اور جس اصول پر یہ موجودہ شریعت تیار ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔آج اُسی اصول کے ماتحت شریعت کا یہ سارا پلندہ اور طومار غلط ہے۔ یعنی مسلمانوں کی کثرت نے اُسے ترک کر دیا ہے۔اس لئے کہ آج کل اُن کی ضروریات وحالات ورسم ورواج وعادات اُس شریعت کے مخالف ہیں۔مسلم کانفرنس اور سیرت کانفرنس اِسی کے ثبوت ہیں۔

(9) وہ شرائط جن سے موجودہ شریعت اللہ و رسولؐ کی شریعت کہلا سکتی ہے؟

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ جو شریعت اِس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی تیاری میں علما وخلفائے وقت کے ہاتھ اور جذبات وقومی اور ملکی مصلحتیں ومیلانات وذاتی عقائد کے تعصّبات اور مخالفتِ اجماع، اور مخالفتِ احادیث وآیات برابر مسلسل شامل رہے ہیں۔ پہلے تو یہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے کہ فلاں کلمہ یا نماز غلط ہے اور فلاں فرقہ کا کلمہ اور نماز صحیح ہے۔یا یہ کہ فلاں حدیث فلاں کتاب میں غلط ہے۔اور صحیح حدیثیں فلاں کتاب میں ہیں فلاں میں نہیں ہیں۔اس لئے کہ جس زمانہ تک شریعت ساز ادارہ کا یعنی خلفا اور علما کا تسلط تسلیم کیا جائے گا، اُس زمانہ میں تاریخ وحدیث وتفسیر اور فقہ یا شریعت کی کتابیں اور مسلمانوں کی کثرت کو شریعت ساز ادارہ کی منشا ومصلحت کے ماتحت ماننا لازم ہوگا۔اور جب یہ ماتحتی تسلیم کر لی جائے گی تو تاریخ وحدیث و تفسیر کی کتابوں کو بھی مشکوک ماننا لازم ہو جائے گا۔اس لئے کہ علمائے تاریخ ومحدثین ومفسرین اور فقہا حکومت کے خلاف عمل کر کے محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔اور مزید برآں وہ خود بھی شریعت ساز ادارہ کے ارکان تھے اور خود اپنے خلاف یا اپنی حکومت کے خلاف یا اپنی خود ساختہ شریعت کے خلاف نہ کوئی حدیث لکھ سکتے تھے، نہ تفسیر کر سکتے تھے۔ بلکہ عقلاً اور ضرورتاً اُن پر لازم تھا کہ اپنی شریعت سازی کے جواز میں ایسی روایات تیار کریں جو معترضین کا منہ بند کر دیں۔اور ہر چیز اسلامی والہامی نظر آئے۔اُس

شریعت ساز ادارہ کا تسلط بلکہ یوں کہئے کہ اس کا ہمہ گیر تسلط جب ختم ہو گیا تو جدید شریعت سازی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی اقلیتیں جنہیں دبا کر رکھا جا رہا تھا آزادانہ مذہبی مذاکرات کرنے لگیں۔ چاروں طرف سے سابقہ شریعت سازی پر اعتراضات اور غور وخوض کی گرم بازاری ہوئی۔ طرفداران حکومت نے وہ طریقے سوچنا اور گھڑنا شروع کئے جن سے شریعت ساز اداروں کو جواز کا سہارا دیا جا سکے۔ لیکن مسلسل صدیوں کی کوشش کے باوجود آج تک اس خود ساختہ شریعت کو اللہ ورسولؐ کی سند فراہم نہ کر سکے۔ آخر تنگ آ کر ترکستان وعراق وعرب کی حکومتوں نے از سرنو شریعت سازی شروع کر دی اور اب تو پاکستان بھی جدید شریعت سازی اور کفر وایمان کے فیصلے کرنے کی منزل سے گزر رہا ہے۔ اور علما کا ایک گروپ اپنی دینی خرابیوں اور خامیوں کو چھپانے کے لئے دوسرے مخالف فرقوں کے کفر کی چادر اوڑھ لینا چاہتا ہے۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ وہ پہلے اپنے مذہب اور خود ساختہ شریعت کو اللہ ورسولؐ کا مذہب اور شریعت ثابت کریں اور قرآن کریم کے سادہ ترجمہ سے مندرجہ ذیل شرائط پوری کر کے دکھائیں تاکہ تمام اہل عقل یہ ماننے کو تیار ہو جائیں کہ شریعت ساز ادارہ جو کچھ کرتا رہا وہ قرآن کی رُو سے صحیح ہے۔

اوّل۔ قرآن سے وہ آیات پیش فرمائیں جن میں اللہ ورسولؐ کے بعد کسی اور کو شریعت سازی کی اجازت ہے؟

دوم۔ وہ آیات دکھائی جائیں جن میں مصلحت عامہ یا مفاد عامہ یا کثرت الناس کی پسند کو حق کا معیار اور شریعت سازی کے جواز کی دلیل بنایا ہو؟

سوم۔ وہ آیات درکار ہیں جن سے قرآن ورسولؐ کے واضح احکام وشریعت کو منسوخ کر کے خود ہی شریعت گھڑ لی جائے اور لوگوں سے اُس خود ساختہ شریعت کی پابندی کرائی جائے اور اُسے اللہ ورسولؐ کے احکام اور شریعت بتایا جائے؟ دوسرے الفاظ میں قرآن سے ثابت کیا جائے کہ خدا اور رسولؐ کے نصوص کی مخالفت کرنا جائز ہے؟

چہارم۔ قرآن سے دکھایا جائے کہ حاکم وقت کے عقائد ومذہب ہی خدا اور رسولؐ کے نزدیک صحیح مذہب اور عقائد ہوتے ہیں۔

پنجم۔ وہ آیات پیش کریں جن میں خلیفہ وقت کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنے مخالفین کے مذاہب کی مخالفت کرتا رہے؟

(10) قرآن کریم سے باطل کو قیامت تک سہارا نہ ملے گا

(i) ہم نے عرض کیا ہے کہ شریعت ساز اداروں کے طرفدار صدیوں کی کوششوں میں ناکام رہے ہیں۔ ہم یہ بھی قرآن کریم سے دکھا چکے ہیں کہ ''جو کوئی قرآنی احکامات کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے احکام نافذ کریں وہ کافر وظالم وفاسق ہوتے ہیں (مائدہ 5/44، 5/45، 5/47) اور سابقہ بیان میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی جگہ اپنی اور قومی وملکی مصلحت کے ماتحت اپنی رائے سے احکام دیئے جاتے تھے۔ بلکہ قرآن اور حدیث کے واضح اور اُمت کے مسلّمہ احکام کے خلاف احکام دیئے جاتے رہے اور قرآن کریم کی رُو سے یہ بھی کفر صریح ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَلا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (سورہ نساء 4/65 وغیرہ)

''اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں (یعنی طاغوتی شریعت ساز ادارہ کو نہ چھوڑ دیں۔ احسنؔ)، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔ 95 ''

اس ترجمہ پر علامہ مودودی کی تفسیر دیکھئے:

''95 اس آیت کا حکم صرف حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت وراہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے۔ اور اُس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ **لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنُ ھَوَاہُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ** تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُسکی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 369-368)

(ii) ہم اس عنوان میں اس سے زیادہ لکھ کر اچھے دل بُرے نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ یہ ضرور عرض کریں گے کہ اُمت کے وہ افراد کچھ پسندیدہ لوگ نہیں ہو سکتے جن کی مصلحت اور مفاد وفلاح، رسولؐ اللہ یا اللہ کے احکام کے خلاف احکام پر منحصر ہو۔ اور اُن لوگوں کی وجہ سے حکومت مجبور ہو کر قرآن وحدیث کی مخالفت میں احکام یا شریعت نافذ کرے۔ اور سب سے بُری بات یہ ہے کہ اللہ ورسولؐ اور قرآن وعقل کا یہ مستقل فیصلہ ہے کہ انسان اچھے ہوں یا بُرے ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں، دو چار ہوں یا دو چار کروڑ ہوں، وہ سب نہ فرداً فرداً نہ سب مل کر مستقبل کے لئے حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اُن کی اجتماعی رائے اور بصیرت میں ہمیشہ غلطی اور غلط فہمی کا امکان ہوگا۔ اس لئے اللہ کا حکم ہے کہ اے رسولؐ اُن سے کہہ دو کہ:

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَo وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَo (سورہ انعام 116-6/114)

''پھر جب حال یہ ہے تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اُس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق

کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔لہٰذا تم شک کرنے (زیادہ نچوڑنے) والوں میں شامل نہ ہو۔تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اُس کے فرامین (فرمانوں) کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔اور اے محمدؐ اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلنے لگو جو زمین میں بستے ہیں۔تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 575-574)

(iii) ہم اِن آیات کی تشریح بھی علامہ مودودی کے قلم سے پیش کریں گے۔لیکن پہلے قارئین اس ترجمہ کے لئے دو ایک ضروری باتیں نوٹ فرمالیں۔سب سے پہلے آخری بات ذہن نشین کرنا چاہیے۔یعنی دینِ اسلام میں زمین کے تمام انسانوں کی کثرت، جس میں ساری نوعِ انسان یعنی حضرت عمر اور سارے شریعت ساز ادارے بھی شامل ہیں، کی رائے اور بصیرت و تجربات نا قابلِ اطاعت ہیں۔دوسری بات یہ کہ وحی کے علاوہ انسانوں کی تمام تحقیق و تجربات اور فیصلے ظن و تخمین اور قیاسات پر منحصر ہوتے ہیں۔یعنی شیعہ اور اہلسنت مومنین یہ بات یاد رکھیں کہ اسلام میں ظن اور قیاس سے کیا ہوا ہر فیصلہ باطل ہوتا ہے۔یعنی تمام اجتہادی مسائل قرآنی احکام و اصول کی رُو سے باطل ہوتے ہیں۔تیسری بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ آیاتِ مذکورہ بالا جس ماحول میں لکھی گئی ہیں، وہاں پہلے سے طاغوتی شریعت ساز ادارہ کی بات ہوتی چلی آرہی ہے۔لہٰذا آپ تفہیم القرآن کے سیاق و سباق کو ضرور دیکھ لیں۔اِسی بنا پر اُس ادارہ کو ممترین کا گروہ قرار دیا اور مسلمانوں کو ممترین سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے۔چونکہ شیعہ وسُنی مترجمین نظامِ اجتہاد کے ستائے ہوئے ہیں، اس لئے غریب ایک دوسرے کی نقل مارتے رہتے ہیں۔کبھی نہیں سوچتے کہ فلاں لفظ کے مصدری یا بنیادی و حقیقی معنی کیا ہیں؟ اِس لئے بیچارے ریب کے معنی بھی شک کرتے ہیں اور مِریہ کے معنی بھی شک رگڑ دیتے ہیں۔حالانکہ شک خود عربی زبان کا لفظ ہے۔اور تینوں الفاظ تین مختلف تصورات کو ظاہر کرنے کیلئے وضع کئے گئے تھے۔بہرحال ممترین کے معنی وہ لوگ ہیں جو زیادہ سے زیادہ دودھ (Milk) نکالنے کیلئے تھنوں کو مَل مَل کر زخمی کر دیں۔ یعنی مسلمانوں میں وہ شریعت ساز ادارہ جو قرآن اور رسولؐ کے بیانات کو اپنے مقاصد پر ڈھالنے کیلئے آیات و احادیث کو موڑ اور مروڑ کر نچوڑ نچوڑ کر اپنی شریعت کشید کرتا ہے۔اور آخری بات اور سب سے شاندار بات مومنین حضرات یہ نوٹ فرمائیں کہ اہلِ کتاب کو قرآن کے حق ہونے میں ساری دنیا سے زیادہ شک اور انکار تھا۔وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ جھوٹا نبی کہتے تھے اور آج تک کہتے ہیں اور یہ حقیقت قرآن و احادیث سے ثابت اور مسلّمات میں سے ہے کہ قرآن کو منجانب اللہ نہ سمجھتے تھے۔لہٰذا مندرجہ بالا آیت (6/114) میں جن حضرات کو کتاب دینے کا ذکر ہے۔وہ محمد و علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام ہیں۔جن کو روزِ ازل سے علومِ قرآن و لوحِ محفوظ کی تعلیمات سے نوازا جا رہا تھا۔مگر نظامِ اجتہاد نزولِ قرآن کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ محمدؐ مصطفیٰ کا علم تیئیس (23) سال میں نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔یعنی بقول ڈھکو بھی جس روز پہلی وحی آئی اُس روز تک (ڈھکو

جاہل تھا) معاذ اللہ رسوؐل اللہ قرآن سے ناواقف تھے حالانکہ قرآن نے تمام انبیاؑ اور تمام رسوؑلوں کے ساتھ ساتھ اُن کی کتابوں کا اترنا فرمایا ہے(اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡكِتٰبَ ۔سورہ بقرہ 2/213 اور سورہ الحدید 57/25)اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گواہ ناطق ہیں (مریم 19/30)۔قرآن کریم کے اس دباؤ کی بنا پر ہم نے علامہ کے ترجمہ میں دولفظی تغیر کر دیا ہے۔

(iv) مندرجہ بالا آیات کی ابوالعالائی تشریح اور شریعت سازی کا جنازہ

’’81 اس فقرہ میں (6/114) متکلم (بولنے والے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خطاب مسلمانوں سے ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنی کتاب میں صاف صاف (مفصل) یہ تمام حقیقتیں بیان کر دی ہیں اور یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ فوق الفطری مداخلت کے بغیر حق پرستوں کو فطری طریقوں ہی سے غلبۂ حق کی جدوجہد کرنی ہوگی ،تو کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور ایسا صاحب امر (فیصلہ کرنے والا) تلاش کروں جو اللہ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے۔اور ایسا کوئی معجزہ بھیجے جس سے یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں؟‘‘

’’82 یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو واقعات کی توجیہ میں آج گھڑی گئی ہو۔تمام وہ لوگ جو کتب آسمانی کا علم رکھتے ہیں اور جنہیں انبیاء علیہم السلام کے مشن سے واقفیت حاصل ہے۔اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے۔ٹھیک ٹھیک امرِ حق ہے اور وہ ازلی وابدی حقیقت ہے جس میں کبھی فرق نہیں آیا ہے۔‘‘

’’83 یعنی بیشتر لوگ جو دنیا میں بستے ہیں علم کے بجائے قیاس وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اُنکے عقائد ،تخیلات ،فلسفے ، اصولِ زندگی اور (شریعت سازی کے) قوانین عمل سب کے سب قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں۔بخلاف اسکے اللہ کا راستہ ،یعنی دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ جو اللہ کی رضا کے مطابق (قرآن میں غیر متبدل تفصیل سے) ہے ،لازماً صرف وہی ایک ہے جس کا علم اللہ نے خود دیا ہے نہ کہ وہ جس کو (شریعت ساز ادارہ کے) لوگوں نے بطور خود اپنے قیاسات سے تجویز کر لیا ہے۔لہٰذا کسی طالب حق کو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستہ پر جا رہے ہیں بلکہ اُسے پوری ثابت قدمی کے ساتھ اُس راہ پر چلنا چاہئے جو اللہ نے (قرآن میں) بتائی ہے۔چاہے اُس راستہ پر چلنے کیلئے وہ دنیا میں اکیلا ہی رہ جائے۔‘‘

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 576-575)

(v) قارئین کو کیسا بے وقوف سمجھا گیا ہے؟

مفسرینِ قرآن کا جب یہ حال ہو تو اسلامی جماعت کا کیا حال ہوگا ؟ اِس تفسیر کے پہلے حاشیے 81 کو دیکھئے اور پھر آیت (انعام 6/114) کے عربی قرآنی الفاظ اور علامہ کے ترجمہ کے الفاظ کا مقابلہ کیجئے اور سوچئے کہ جناب علامہ نے 1: صاف صاف

حقیقتیں 2: فوق الفطری مداخلت 3: حق پرستوں کو فطری طریقوں سے 4: غلبہ حق کی جدوجہد 5: نظر ثانی کرے 6: ایسا کوئی معجزہ بھیجے 7: یہ لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ وغیرہ کون سے الہام سے اور کیوں لکھ مارا؟ اِنکا اس آیت یا تینوں آیات سے کیا تعلق ہے؟ بار بار غور فرمائیں اور ممکن ہو تو بذریعہ خط و کتاب معلوم کریں۔ یہی ہیں وہ علامہ جنہوں نے اپنی تفہیم اور تفسیر کو اسلئے پیش کیا تھا کہ ''سابقہ ترجموں اور تفسیروں سے نہ کسی کو وجدآتا تھا نہ کسی کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ نہ دل پگھلتا تھا۔ نہ دلوں میں گرمی اور نرمی پیدا ہوتی تھی'' (جلد اوّل دیباچہ صفحہ 7)۔ ذرا ٹٹول کر دیکھیں کہ دل ہے بھی یا پگھل گیا؟

(vi) قرآن یہاں بھی شریعت ساز ادارہ سے خبردار کر رہا ہے

رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر بتایا ہے کہ تم لوگ مسلسل ایک جداگانہ حَکَمُ فیصلہ کنندہ چاہتے ہو جسے اللہ نے طاغوت قرار دے دیا ہے۔ میں اللہ ہی کو تمہارے اور اپنے لئے حَکَم سمجھتا ہوں۔ جس نے ہر چیز، ہر قضیہ، ہر مقدمہ کے فیصلوں کی حامل کتاب تمہارے لئے ارسال کر دی ہے۔ صاحبانِ قرآن جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے حقائق لے کر نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد کسی اور حَکَم کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا تم لوگ اس کتاب کو مجمل، نامکمل اور ناکافی کہہ کر اپنی گھریلو شریعت کشید کرنے سے باز آجاؤ۔ اللہ نے اپنے کلام کو عدل و صدق کے ساتھ مکمل کر دیا ہے۔ اور اب اُس کے فیصلوں میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور وہ تمہارے مشوروں اور شریعت سازی کے منصوبوں کو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے۔ اَے رسولؐ تم نے اگر زمین کے انسانوں کی کثرت کو معیارِ حق بنایا اور اُن کی مصلحت و مفاد و بصیرت کی اطاعت کی تو وہ لوگ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ اس لئے کہ اُن کا سارا دارومدار ظن و تخمین اور اجتہادی رائے اور قیاس پر منحصر ہے۔

3۔ شریعت سازی میں قرآن اور حدیث کہاں تک ملحوظ رہے؟

قرآن کریم، نہج البلاغہ اور تاریخ تشریع اور فلسفۂ تشریع سے یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم سے ہی عربوں نے قومی حیثیت سے قرآن کو چھوڑ کر نیا اسلام اور نئی شریعت سازی شروع کر دی تھی۔ اور برابر اُسی طریقہ پر عمل جاری رکھتے ہوئے اسلام اور قرآن کو برائے نام بطور تقدس باقی رکھا تھا۔ اب یہ ضرورت نہیں رہتی کہ یہ دکھایا جائے کہ شریعت سازی میں قرآن کریم اور حدیث شریف کو کہاں تک راہنما بنایا گیا تھا؟ لیکن ہمارا ماحول چونکہ کتاب وسُنت کے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہے۔ اور عوام الناس کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ روزِ اوّل سے قرآن وسُنت کو ہر ہر معاملے میں راہنما بنایا جاتا رہا ہے۔ البتہ جن معاملات میں قرآن وحدیث خاموش ہیں اُن کو حل کرنے کے لئے قرآن وسنت کی بصیرت رکھنے والوں نے اپنی اجتہادی رائے اور قیاس سے شریعت سازی کی ہے۔ قارئین نے یہ دیکھ لیا ہے کہ قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا

کہ اللہ نے قرآن میں تمام انسانی ضروریات اور تقاضات کا حل نازل نہیں کیا، قرآن کی کھلی ہوئی تکذیب اور دین اسلام پر سب سے بڑا اتہام ہے۔ پھر قارئین یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ شریعت سازی قرآن میں موجود فیصلوں اور آیات کے خلاف ہوتی رہی ہے۔ اور سُنت میں موجود آنحضرتؐ کے فیصلوں اور احادیث کی مخالفت میں شریعت سازی ہوئی ہے۔ اور شریعت سازی کو جائز سمجھنے والوں نے خود اس کا تحریری اقبال کیا ہے۔ اِس سب کے بعد بھی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام کو مزید اطمینان ہوجائے کہ قرآن وحدیث یا کتاب وسنت کو محض آڑ بنایا جاتا رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علما اور حکومتوں نے محض اپنی پالیسیوں کو منوانے کے لئے اُن پر کتاب وسنت کی چادر ڈالے رکھی۔ آیئے ہم آپ کو اُن ہی کے ریکارڈ سے اس چادر کے نیچے پوشیدہ سامان دکھائیں۔ مگر اس نقاب کشائی کے دوران آپ قرآن کی اس پوزیشن کو ضرور یاد رکھیں جو ادارۂ اجتہاد یا شریعت سازوں نے تجویز کی ہے۔ یعنی قرآن متشابہات ومُجملات ومُبھمات و مُطلق، مُقیدات وعام وخاص میں لپٹا ہوا ایک اصولی مجموعہ ہے جس میں جزئیات نہیں ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو ایسی آیات سارے قرآن میں ملتی ہیں جو واضح ہیں جن پر یقین وقطع حاصل کرنے کے لئے کم از کم ایک مجتہد کی بصیرت درکار ہے (ناسخ ومنسوخ بھی قرآن میں ہے)۔

(1) شریعت سازی میں قرآن کس طرح نظرانداز کیا گیا؟

ہم یہ اعتراف کرکے آگے بڑھتے ہیں کہ اوّلین اَدوار میں جو بے لگام شریعت سازی ہوئی اُس کی قباحت سے متاثر ہوکر بعد والوں نے یقیناً یہ کوشش کی ہے کہ جس طرح ہوسکے اُس بے مہار شریعت سازی پر قرآن وحدیث کا تاویلی لیبل لگایا جائے۔ ورنہ آپ فقہ کی تمام تاریخیں پڑھ جائیں آپ کو دو چار آیات بھی مشکل سے ملیں گی جن کو فیصلے سے پہلے ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ورنہ دھڑا دھڑ فیصلے ہوتے ہوئے ملیں گے اور آپ قرآن وحدیث کا نام تک لکھا ہوا نہ دیکھیں گے۔ آیئے اِس کے خلاف یہیں ملاحظہ کرلیں:

(الف) ''حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا کہ کتاب اللہ میں بقیہ کا ثلث ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ اور تم اپنی رائے سے کہتے ہو۔''

یہ لیجئے دونوں حضرات کا قرآن سے مستقلاً قطع نظر کرکے شریعت سازی میں اپنی ذاتی رائے کا کھلا استعمال ثابت ہوگیا اور تصدیق ملاحظہ ہو:

(ب) ''حضرت عمر سے روایت ہے کہ وہ ایک آدمی سے ملے تو فرمایا کہ ''تمہارے معاملہ میں کیا ہوا؟'' اُس نے کہا کہ علیؓ اور زید نے یہ فیصلہ کیا۔ بولے اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا۔ اُس نے کہا کہ آپ کو کس نے روکا ہے؟ خلیفہ تو خود آپ ہیں۔ بولے کہ اگر میں تم کو قرآن وحدیث کی طرف لوٹا سکتا تو اُن ہی کی طرف لوٹاتا'' لیکن میں

تم کو اپنی رائے کی طرف لوٹاتا ہوں۔'' اور رائے ایک مشترک چیز ہے۔ اِس بنا پر اُنھوں نے حضرت علیؑ اور حضرت زید کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا۔'' (دونوں بیانات تاریخ فقہ یا تاریخ تشریع صفحہ 170)

قارئین کرام کے لئے فی الحال یہ دونمونے کافی ہیں۔ دراصل قرآن کے بیانات کے بعد کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مگر عامۃ المومنین کا اطمینان ملحوظ ہے۔ چونکہ اُن کے ذہن کو اللہ ورسولؐ یا قرآن وحدیث سے وابستہ کرنا ہمارا پہلا مقصد ہے۔ اس لئے ہم اُن علمائے کرام کے بیانات دکھاتے ہیں جو خود اُس شریعت سازی کے حامی ہیں۔

(2) چمچہ ٹائپ کے لوگ اپنے شریعتمداروں کے احکام پر حدیث چپکا دیا کرتے تھے

شریعت سازی کے اُس دَور میں ایک مخالف آواز کبھی کبھی کانوں تک پہنچتی معلوم ہوتی ہے۔ نظارہ یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعود کا شریعت کدہ مقدمہ سے متعلق لوگوں، کارندوں اور مشیروں سے آراستہ ہے۔ جب آپ نے فیصلہ سُنا دیا تو حسبِ قاعدہ اعلان فرمایا کہ اگر یہ فیصلہ صحیح ہو تو خدا کی جانب سے ہے۔ اور غلط ہو تو میری جانب اور شیطان کی جانب سے ہے۔ خدا اور خدا کے رسولؐ اُس کے ذمہ دار نہیں۔ اِس پر اُن کے ہم نشینوں میں سے ایک آدمی یعنی معقل بن سِنان الاشجعی، جو صحابی رسولؐ تھے نے کہا کہ خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو خود رسولؐ اللہ نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملہ میں کیا تھا۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فتویٰ رسولؐ اللہ کے فتویٰ کے مطابق پڑ گیا تھا اس لئے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اُس سے پہلے کبھی اس قدر خوش نہ ہوئے تھے۔ لیکن حضرت علیؑ اس فتوے میں اُن کے مخالف ہیں۔ وہ اُس عورت کو وراثت دلواتے ہیں۔ اُس کے لئے عدت لازم قرار دیتے ہیں۔ اور اُس کو مہر نہیں دلواتے اور کتاب اللہ کے مقابلہ میں قبیلہ اشجع کے ایک بدّو کا قول تسلیم نہیں کرتے۔'' (تاریخ تشریع اسلامی صفحہ 174)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ جس طرح عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت اپنی ذاتی رائے اور سوجھ بوجھ سے فتویٰ دیا کرتے تھے اُسی طرح جناب عبداللہ بن مسعود حضرت عمر کی پیروی کرتے تھے۔ اور قرآنی احکام کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے۔ بلکہ عـــامۃ المسلمین کو عادت ڈال رہے تھے کہ وہ پلٹ کر یہ دریافت نہ کریں کہ جناب آپ کا یہ یا وہ فیصلہ کون سی آیت یا حدیث کے ماتحت ہے۔ بالکل یہی طریقہ ہمارے مجتہدین حضرات کے یہاں ایک ہزار سال سے چلا آرہا ہے۔ آپ تحفۃ العوام یا کوئی اور مسائل واحکام کی کتاب اُٹھا کر دیکھیں ہرگز کسی آیت یا حدیث کا نام تک نہ ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ کتاب کسی مستند یا لوگوں میں مشہور مجتہد کی ہو۔ یُوں ہونا چاہئے، یوں نہیں ہونا چاہئے، یہ سورہ پڑھو، رکوع یوں کرو، تشہد میں یہ پڑھو، یہ پڑھنا بدعت ہے، اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے، یہ سنت ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، یہ احوط ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور بفضل اجتہاد ہمارے مومنین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ طریقہ کہاں سے آیا ہے کس نے قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دینے کو رواج دیا ہے۔ کس نے ہم

سب کو مستقلاً مُقلِّد اور جاہل رکھنے کا پروگرام بنایا تھا؟ اور جب ہم کہتے ہیں کہ مذہبِ حقہ شیعہ اثنا عشریہ میں اجتہاد حرام اور مجتہدانہ شریعت سازی حرام کاری ہے، تو احادیث وآیات کا ثبوت موجود ہوتے ہوئے بھی جناب شیخ محمد صدیق ہی خفا نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام شیخ وشیوخی وشیخی ادارے ہمارا بائیکاٹ کرنے اور ہمارے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اور ہماری ایک دلیل اور ایک اعتراض کا جواب تک دینے کی علمیت وجرأت نہیں رکھتے۔ حالانکہ اُن کے اور اُن کے علمائے سُوء کے عقائد اور تحریروں کی بنا پر شر پسند لوگ اذان واقامت سے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ وَصِیُّ رَسُولِ اللّٰہ وَخلیفتہٗ بلا فصل کو نکلوانے کے لئے مقدمات دائر کررہے ہیں۔ اِس لئے کہ اِن دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے متفقہ طور پر مانا اور لکھا ہے کہ شہادت ثالثہ کے بغیر اذان و اقامت سو فیصد صحیح ہے۔ لامحالہ عدالت میں ایسے مقدمات کا فیصلہ مذہبِ شیعہ کے خلاف ہونا چاہئے۔ لیکن ہم نے یہ ثابت کردیا ہے اور بارہ سال سے اُردو زبان میں بھی اُن حضرات کو دشمن آئمہؑ اور دشمن مذہبِ شیعہ لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس داخلی دشمن گروہ کے چہرے سے نقاب ہٹا چکے ہیں۔ اور عدالتوں میں اُن کے بیانات کو چیلنج کرچکے ہیں۔ مقدمات کو خارج کراتے آرہے ہیں۔ اور ثابت کررہے ہیں کہ شہادت ثالثہ دین کے ہر کام میں عموماً اور اذان واقامت ونماز میں خصوصاً واجب ہے۔ اور جان کے خطرہ کے علاوہ جس وجہ سے بھی کوئی شیعہ شہادت ثالثہ کو ترک کرتا ہے اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں ہے اور وہ ولایت محمدؐ وآل محمدؐ سے خارج ہے۔

(3) شریعت سازوں کے متعلق خوش فہمی اور عقیدت مندی

قرآن اور حدیث دونوں کو نظر انداز کرنے کے ثبوت کے بعد بھی الگ سے حدیث کا تذکرہ صرف عوام مومنین کے اطمینان کی غرض سے کیا جارہا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ آج چونکہ حقائق پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور دن رات صدیوں سے عامۃ المسلمین کے قلوب واذہان میں تاریخ وحدیث وقرآن کے خلاف، شریعت سازوں کی عقیدت اور جھوٹی عزت قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے غلط قصے گھڑتے سُناتے چلے آرہے ہیں۔ اور جو کوئی اصل حقیقت لکھنا یا بیان کرنا چاہتا تھا اُس کا منہ بند کرنے، اسے تباہ کرڈالنے پر پورا زور لگا دیا جاتا تھا۔ بہرحال اب ہمیں یہ بھی دکھانا پڑ رہا ہے کہ شریعت سازی کرنے والوں کے پاس نہ قرآن تھا نہ قرآن اُنہیں زبانی یاد تھا۔ نہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پوری زندگی گزاری تھی۔ نہ ایسا ممکن تھا نہ انہیں آنحضرتؐ کی ہر حدیث اور ہر فیصلہ معلوم تھا۔ ایسی حالت میں وہ اپنی شریعت سازی کو کیسے قرآن وحدیث کے ماتحت رکھتے؟ یہ اُن کی مجبوری تھی کہ جو کچھ اُنہیں قرآن میں سے یاد تھا، جو چند احادیث انہوں نے سنی تھیں، زندگی میں جو قومی رسم ورواج معلوم تھے، تجارت اور سفر کے دوران ایران وروم وشام ویونان وغیرہ ملکوں اور حکومتوں کے

جوقوانین ورسم ورواج معلوم ہوئے تھے، اُس سب سامان کے نتیجے میں جو بھی بصیرت اور تجربہ پیدا ہوا تھا یا جو آپس میں مشورہ کے بعد بہتر معلوم ہوتا تھا اُس سے فیصلے صادر کردیتے تھے۔اور فیصلے دینے والے بھی مسلمان تھے اور رعایا بھی مسلمان تھی اس لئے اُن فیصلوں کا نام اسلامی شریعت رکھنا پڑا تھا۔ورنہ اُن فیصلوں کی وہی پوزیشن تھی جومختصراً قرآن اور علامہ مودودی کے بیانات سے سامنے آچکی ہے۔ چونکہ یہ سب حضرات ہمارے بزرگ تھے۔ ہماراچولی دامن کا ساتھ تھا۔اس لئے ہمیں اُن کی طرف انگشت نمائی خود اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ یہ فطری چیز ہے اور ہمہ گیر ہے کہ کسی کو بھی اپنے بزرگوں کی مذمت پسند نہیں آتی۔ کانے کو کانا اور گنجے کو گنجا کہنا کبھی پسند نہیں آتا۔لوگ چاہتے ہیں کہ سچ مچ کا عیب بھی کسی طرح پوشیدہ رہ جاتا۔ بات صرف اُس حد تک کی جاتی جہاں تک ضروری ہو۔طعن وطنز سے احتراز کیا جاتا تو مسلمانوں کے مختلف طبقات میں نفرت نہ پھیلتی۔لوگ غور سے بات سُنتے ، سمجھتے اور حق کو رفتہ رفتہ اختیار کرتے چلے جاتے۔

(4) شریعت سازادارہ کاعِلمُ القراٰن

قارئین کرام مندرجہ بالافطری صورتِ حال میں اس قدر اور اضافہ فرمالیں کہ قرآن کریم تیئیس (23) سال میں بتدریج سُنایا گیا تھا۔اور آخری وحی اور آیت رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چندروز پہلے نازل ہوئی تھی۔اور اِس تیئیس سالہ مدت میں قریب ترین صحابہ بھی ہر وقت ساتھ نہ رہے تھے۔اُن میں مزدور بھی تھے تاجر بھی ،اُن میں پیشہ ور افراد بھی تھے کاشتکار بھی۔ الغرض اِن حالات میں صحابہ کو جس قدر قرآن ملا اُس کا تذکرہ سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری اور تاریخ التشریع الاسلامی سے ملاحظہ فرمائیں:

باب جمع القراٰن حدثنا موسٰی بن اسماعیل عن ابراهیم بن سعد قال حد ثنا ابن شهاب عن عبید بن السَّبَّاق اَن زید بن ثابتٍ قال اَرسَلَ اِلَیَّ ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابوبکر اَنَّ عمراتانی فقال ان القتل قد استحرّیوم الیمامة بقرّآء القراٰن وانی اخشٰی ان اسۡتَحَرَّ القتل بالقُرّآ ء بالمواطن فَیَذۡهبُ کثیر مِنَ القراٰنِ وانی اَرٰی ان تامر بجمع القراٰن ۔قُلۡتُ لِعُمر کیف نفعل شیٔا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال عمر هٰذ ا واللّٰه خیر فَلَمۡ یزل عمر یراجعنی حتّٰی شرح اللّٰه صدری لِذٰ لک وَرَاَیت فی ذٰلک الذی رای عمر۔ قال زید قال ابوبکر انک رجل شابّ عاقل لانتهمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتتبع القراٰن فَاَجۡمَعۡهُ فواللّٰه لَو کَلّفونی نقل جبل من الجبال ما کان اَثۡقَلَ عَلَیَّ مِمَّا امرنی به مِن جمع القراٰن۔ قلت کیف تفعلون شیئًا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ؟ قال هوواللّٰه خیر ۔ فلم یزل ابو بکر یرا جعنی حتّٰی شرح اللّٰه صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وَ عُمَرَ فَتَتَبّعتُ القراٰن اجمعه من العُسُبِ واللِّخَاف و صد ور الرجال حَتّٰی وجدتُ اٰخر سور ۃ التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیره لقد جآء کم رَسُوۡلٌ مِّن

اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حتّی خاتمة بَرَآءَ ةً فکانت الصُّحُفُ عند ابی بکرٍ حتّی توفّاہُ اللّٰہ ثُمَّ عند عمر حیاتہ ثم عند حفصة بنت عمر ۔(بخاری جلد2 صفحہ 746-745 نور محمد چھاپ)

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ یمامہ کی شہادت کے بعد مجھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلوایا۔ میں پہنچا تو حضرت عمر بن خطاب بھی اُن کے پاس موجود تھے تو 1: مجھ سے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے آکر بیان کیا کہ 2: جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ قرآن شہید ہوئے۔3: اگر اسی طرح اور لڑائیوں میں بھی حفاظ نے شہادت پائی تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔4: اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا حکم دیں۔5: میں نے عمر سے کہا کہ کیا ہم وہ کام کریں جس کو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا؟ 6: بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔7: غرض وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے۔8: یہاں تک کہ خدا نے اس کیلئے میرے دل کو کھول دیا۔9: اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی جو عمر کی تھی۔ 10: زید بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے فرمایا کہ 11: تم جوان، عاقل آدمی ہو تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے۔ 12: اور تم رسولؐ اللہ کے کاتب وحی تھے۔13: اس لئے قرآن مجید کو ڈھونڈو اور جمع کرو۔ 14: تو خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کی تکلیف دیتے تو مجھ کو قرآن کے جمع کرنے سے زیادہ گراں نہ گزرتی۔ 15: میں نے کہا کہ آپ لوگ وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہیں جس کو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا؟ 16: بولے خدا کی قسم یہی بہتر ہے۔17: الغرض ابوبکر بھی مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے۔18: یہاں تک کہ خدا نے میرے دل کو بھی اُس چیز کے لئے کھول دیا جس کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دلوں کو کھول دیا تھا۔19: تو میں نے قرآن کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا۔20: یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابوخزیمہ انصاری سے ملا۔21: ابوخزیمہ کے علاوہ سورہ توبہ کا یہ آخری حصہ اور کسی کے پاس نہ تھا (یقیناً تمہارے پاس تمہارے ہی نفوس میں سے ایک رسولؐ آیا ہے۔ آخر سورۃ براۃ تک)۔ تو یہ صحیفے تادمِ وفات حضرت ابوبکر کے پاس رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر کی زندگی میں حضرت عمر کے پاس رہا۔ پھر حضرت حفصہ کے پاس رہا۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 158-157)

(5) قرآن کریم سے رسولؐ کریم اور صحابہ کرام کا تعلق واقعات کے آئینہ میں

صحیح بخاری کا یہ بیان اپنے اندر وہ تمام حقائق لپیٹے ہوئے ہے جن کا انکار کرنے کے لئے بعد والے مؤرخین و محدثین و اہلِ کارانِ حکومت طرح طرح کے حیلے حوالے اور روایتیں تراشتے اور تاویلیں کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اُنہوں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ اُمت کے عوام اُن کی اِن کوششوں سے واقف ہو جائیں۔ یہ کام ہمارے حصہ میں رکھا گیا تھا کہ ہم مفسدہ پردازان اسلام کو بتائیں کہ تم لوگوں نے مذہب اسلام میں جن احکام وعقائد وشریعت کو رواج دیا اور اُمت کے عوام کو فریب میں مبتلا کیا وہ

نہ خالص اسلام کی تعلیم ہیں نہ رسولؐ اللہ سے ماخوذ ہیں، نہ وہ قرآن کے احکام ہیں۔ بلکہ مختلف زمانوں کی حکومتوں نے اپنی مصلحتوں کو، ضرورتوں کو معیار بنایا اور دھڑا دھڑ شریعت سازی کر کے خودساختہ مسائل اور فیصلوں پر اسلام کا ٹھپہ لگا دیا۔ اور جن لوگوں نے اُن کے خانہ ساز احکام اور شریعت کے خلاف منہ کھولا یا قرآن وحدیث سے صحیح حکم پیش کیا، اُن کا منہ بند کرنے کے لئے دلیل و برھان کے بجائے کفر والحاد وارتداد کا فتویٰ جڑ دیا اور موقعہ ملا تو دار پر چڑھا دیا۔ سر کٹوا دیا، جلاوطن کر دیا ورنہ لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے رضا کار اور تنخواہ دار اسٹاف کو ملک میں پھیلا دیا۔

ہم بخاری کی اس حدیث کا پوسٹ مارٹم کریں گے۔ اپنے شیعہ سُنی مومنین کو دکھائیں گے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھلی تکذیب ہوتی ہے۔ قرآن کریم کو مشکوک اور تحریف کا شکار دکھایا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں مذکور راسخونؑ فی العلم کے علوم القرآن کو چھپا لینا مقصود ہے۔ اور قرآن وحدیث کا انکار کر کے ذاتی عقل ورائے سے شریعت سازی کا جواز پیدا کیا گیا ہے۔ یہود ونصاریٰ کی تعلیمات اور نظامِ اجتہاد کو اختیار کر کے مندرجہ بالا قسم کی شریعت واحکام وعقائد تیار کر لینا اور اسلام کو بدل ڈالنا مطلوب تھا۔ اور اس طرح ہنگامی حالات کی آڑ میں بیٹھ کر ایک اسلام نُما کفر اسلام کی جگہ نافذ کرنے کا جواز نکالا گیا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اُمت کے عوام خواہ شیعہ ہوں یا سُنی عوام ہوں۔ بخاری شریف کے بیان سے نکلنے والے نتائج سے حیران بھی ہوں گے اور اُنہیں قبول کرنے میں تکلف بھی فرمائیں گے۔ اس لئے کہ علما نے عوام کے سامنے کبھی وہ چیزیں بیان نہیں کیں جو اُن کی کتابوں اور قلوب واذہان میں پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر عوام کے عقائد کو خراب کرنے کے لئے سامنے لائی جایا کرتی ہیں۔ مگر یہ نوٹ کر لیں کہ علما نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ صحیح بخاری قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے۔ اور علما کو تو یہ اختیار ہے کہ وہ بخاری میں مذکور جس حدیث کا چاہیں انکار کر دیں۔ لیکن اگر عوام میں سے کوئی شخص صحیح بخاری کی بات سے انکار کرے یا ماننے میں تکلف کرے تو وہ صرف مذہب اہلسنت ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انکار کرنے والے ہوشیار رہیں۔ ہمارے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا حدیث کے جملوں کو نمبر وار پڑھیں، غور فرمائیں، اپنے موجودہ عقائد اور مسلّمات سے مقابلہ کر کے ہمارے اخذ کردہ نتائج کو قبول فرمائیں یا رَدّ کرتے چلے جائیں۔ مگر آپ کا رد وقبول اگر آپ کے اپنے اپنے ایمان کے تحفظ میں ہے تو ہمیں آپ کا انکار بھی منظور ہے اور آپ کے اقرار سے بھی ہم متفق ہیں۔

(الف) صحیح بخاری کے بیان کا پس منظر تنقید کی روشنی میں

اس بیان کا ہر جُملہ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد تک مسلمانوں کے پاس کوئی قرآن ایسا نہ تھا جیسا حضرت عمر کے مشورہ کے بعد زید بن ثابت نے جمع کر کے دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق کا یہ فرمانا کہ جو کام رسولؐ اللہ نے بھی

نہیں کیا وہ کام میں کیسے کرسکتا ہوں؟ اور اُن کا ہر دفعہ انکار کرتے رہنا بتاتا ہے کہ اُن کی اسلامی بصیرت اور زندگی بھر کی اسلامی تعلیمات اور تجربہ کی رُو سے قرآن کا جمع کرنا سراسر رسولؐ اللہ کی سُنت اور عملدرآمد و پالیسی کے خلاف تھا (جملہ نمبر 4، 7،5)۔ یہی کچھ جناب زید بن ثابت کا عقیدہ تھا (جملہ نمبر 15، 17)۔ لہٰذا یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نہ آنحضرتؐ نے قرآن جمع کرایا، نہ حضورؐ نے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ نہ اپنی رسالت کے دوران قرآن جمع کرنے پر اظہار خیال فرمایا، نہ اُس ضرورت کو محسوس کیا جو آپؐ کے انتقال کے چند ماہ بعد پیش آنے والی تھی۔ اور جس خطرناک پوزیشن کو حضرت عمر نے محسوس کیا وہ آنحضرتؐ اور تمام صحابہ کرام کی نظر و بصیرت سے اوجھل رہی۔ آج جو تاریخ ہمارے پاس ہے اُس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اہم ترین اسلامی ضرورتوں کو نظرانداز کردیا کرتے تھے۔ اور ایسے مواقع پر حضرت عمر ہی اُس قسم کی خامیوں کو رفع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اپنی جانشینی ایسے اہم ترین اور اُمت کے خطرناک ترین مسئلہ کو بھی (معاذ اللہ) اُسی طرح چھوڑ گئے تھے جس طرح قرآن کو کوئی اہمیت دیئے بغیر ایسے حال میں چھوڑ گئے کہ اگر حضرت عمر اپنی دُور بین نگاہوں سے اس تباہ کن صورت حال کو نوٹ نہ کرلیتے اور پھر خلیفہ اوّل حضرت صدیق کو پریس (Press) کر کے رضامند نہ کرلیتے اور جناب زید بن ثابت دن رات محنت کر کے ہر پتھر اور ہر اینٹ، کھجور کی ہر ٹہنی اور ہر ہڈی اور ہر جھلی کو اُلٹ پلٹ نہ کرتے، گھر گھر در در پھر کر جو جہاں سے ملے آیات جمع نہ کرتے تو یہ قرآن جو آج اُمت کے ہاتھوں میں ہے فنا کے گھاٹ اُتر گیا ہوتا۔ (جملہ نمبر 1 تا 4، 6، 8، 11، 16 تا 21)

(i) اُمت کے ہر ہر فرد کو حضرتِ عمر کا شکر گزار ہونا چاہیے

یہ عنوان ہمارے ملک کے بے نظیر عالم کے حکم سے متاثر ہو کر قائم کیا گیا ہے۔ اُمت کیا کہتی ہے؟ ہمیں اُس کی اِس وقت پرواہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن پر کیا اثر پڑتا ہے؟ قارئین جانیں۔ ہمیں تو بڑے پُرخلوص مقلّد کی طرح اپنے علما کے فرمان آپ تک پہنچانا ہیں۔ چنانچہ جناب شمس العلما حضرت شبلی نعمانی نے اپنی کتاب الفاروق میں بخاری کی زیر بحث حدیث لکھ کر ہر ایسے تصور کو باطل ثابت کردیا ہے جس سے کسی طرح یہ وہم پیدا ہوتا ہو کہ رسولؐ اللہ نے کوئی قرآن جمع کر کے اُمت کو دیا تھا۔ اس کے بعد اُنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک فیصلہ لکھا ہے سنئے۔ سر کو جھکایئے اور سجدہ شکر بجا لایئے، ارشاد ہے کہ:

''امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوائف مسلمین مِنّت فاروقِ اعظم در گردنِ اُوست۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 58)

''آج مسلمانوں میں کسی بھی فرقہ یا گروہ کے ہر اُس شخص کی گردن پر حضرت فاروق اعظم کا احسان ہے جو قرآن پڑھتا ہے۔''

(ii) قارئین کرام ایک عاجزانہ سوال کا جواب سوچیں

عاجزانہ اس لئے کہ سوال آپ سے نہیں بلکہ جناب فاروق اعظم سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضور جب یہ طے ہو گیا کہ آپ کے پاس یا کسی اور صحابی کے پاس پورا جمع شدہ یا حافظہ میں محفوظ قرآن نہ تھا۔ بلکہ قرآن جزوی طور پر کچھ لوگوں کے دماغوں میں محفوظ تھا، کچھ اِدھر اُدھر مختلف اور غیر محفوظ چیزوں پر لکھا ہوا تھا (جملہ نمبر 2، 3، 13، 14، 18 تا 21) تو جناب کے اس فرمان سے کون سی کتاب مراد لی جائے کہ ''ہمارے لئے تو اللہ کی کتاب کافی ہے (حَسْبُنَا كِتَابَ اللّٰهِ)؟'' کیا ہم اس فرمان سے وہ قرآن مراد لے لیں جو آپ نے انتقالِ رسولؐ اور جنگ یمامہ کے حادثہ سے متاثر ہو کر ایک سال بعد جمع کرانے کا بندوبست کیا تھا؟ جس کا آپ کو اور کسی بھی صحابی کو علم نہ تھا کہ کتنا حصہ کس کے پاس اور کہاں ہے؟ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کو وہ تمام احکامات و علوم معلوم نہ تھے جو پورا قرآن یاد ہونے کی صورت میں ہی ممکن تھا۔ یقیناً آپ نے وہ قرآن مراد نہیں لیا ہوگا جو انتقالِ رسولؐ کے وقت کہیں ایک جگہ موجود نہ تھا۔ اور اگر آپ نے قرآن مراد لیا ہوتا تو آپ ایک وسیع الاطراف اور تین لفظی جُملہ کے بجائے ایک دو لفظی محکم جملہ بولنا جانتے تھے۔ قرآن مقصود ہوتا تو حَسْبُنَا القراٰن ہمیں قرآن کافی ہے کہنا آپ کی علمیت کا تقاضہ ہوتا۔ پھر آپ نے تو حَسْبُنَا فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہی نہیں ہیں کہ ''ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔'' اس لئے کہ آپ نے لفظ ''کافی'' استعمال ہی نہیں فرمایا ہے۔ حَسْبُنَا کے معنی مقلّدین نے بلا دلیل کافی کر لئے ہیں۔ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ''اللہ کی کتاب ہمارے حسب حال ہے۔'' یعنی ہمارے ملکی و قومی اجتماعی حالات و تقاضات کے حساب سے تعلیمات خداوندی ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ انفرادی تصورات و میلانات و حالات و تقاضات خدا کی ہر کتاب میں ناپسندیدہ ہوتے ہیں؟ ہم کو اپنے اس سوال کا اور متعلقہ سوالات کا جواب آپ کے بیانات میں کہیں نہیں ملتا۔ رہ گئے وہ جوابات جو آپ کی تصدیق کے بغیر آپ کے غلط پیروؤں اور آپ کے نام پر روزی کمانے والوں یا آپ کی آڑ میں اپنا سکہ اور حکومت چلانے والوں نے گھڑے ہیں؟ وہ ہمیں اسی لئے قبول نہیں کہ وہ خود غرض، اپنے تحفظ میں مشغول اور آپ کی رضامندی کے بغیر جواب دینے والے لوگ ہیں۔ ہمیں آپ کا وہ بیان درکار ہے جو آپ سے منسوب مگر مسلّمہ ہو۔ ورنہ ہم آپ کے متعلق وہی کچھ سمجھیں گے جو ہمیں آپ کی اسلامی زندگی کے دوران آپ کے اور کتاب اللہ کے تعلق سے معلوم ہوگا۔

(iii) صرف قرآن ہی کتاب اللہ نہیں، توریت بھی تو مصدقہ کتاب اللہ ہے

ہمارے قارئین گھبرائیں نہیں غور فرمائیں بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ جس طرح سب کو بات کرنے کا موقع دیتے ہیں ہمیں بھی موقع دیں۔ ہم یہ دکھا چکے ہیں اور ابھی اور دکھائیں گے کہ حضرت عمر ایک قانون دان بزرگ تھے۔ اُن کی ہر رائے اور

ہر فیصلہ اسلام کا قانون بنتا چلا گیا۔ اُن کی قانونی سوجھ بوجھ نے قرآن و رسولؐ کے اُن فیصلوں کو منسوخ کر دیا جو مفادِ عامہ کے خلاف جاتے تھے۔ اِس کی چند مثالیں آپ کے سامنے سے گزر چکی ہیں۔ ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت عمر کے فیصلوں اور اُن کی ذاتی رائے اور شریعت سازی کی بنیاد کیا تھی؟ عوام الناس سے بے دھڑک کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے فیصلے اور قانون سازی کتاب وسنۃ کے مطابق ہوتی تھی۔ یہاں پہلے تو وہی سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ کتاب سے آپکی کیا مراد ہے؟ اور سُنّت سے کس کی سنّت مقصود ہے؟ اور کیوں آپ علما حضرات اور خود حضرت عمر قرآن اور رسوؐل کی سنت کہنا پسند نہیں کرتے۔ یہ گول مول مبہم جملے تو قانون کی زبان میں زیب نہیں دیتے۔ وہ کھسیانی آواز میں فرماتے ہیں کہ لفظ گیری نہ کریں۔ کتاب وسنت سے ہماری اور حضرت عمر اور تمام مجتہدین کی مراد بہرحال قرآن اور رسولؐ ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر جب اُنہیں گن گن کر اور مثالیں اور حوالے دے کر دکھایا جاتا ہے کہ فلاں فلاں آیت قرآن میں موجود ہوتے ہوئے، اور فلاں فلاں رسوؐل کا فیصلہ سنّت میں موجود و معمول بہ ہوتے ہوئے، حضرت عمر دونوں کے خلاف قانون سازی کرتے ہیں، سزا مقرر کرتے ہیں، لفظ حلال وحرام کرنا بولتے ہیں اور حد جاری کرتے ہیں تو اب وہ حضرت عمر کا تو کوئی بیان پیش نہیں کرتے۔ بلکہ لاجواب ہو کر یہ فرمایا کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر قرآن کے الفاظ کی نہیں بلکہ پورے قرآن کے الفاظ کی اسپرٹ (Spirit) کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔'' ہم اس جواب کو قبول کر لیتے اگر یہ جواب حضرت عمر کے اپنے الفاظ یا بیان میں ہوتا یا کسی طرح اُن کے بیانات یا واقعات وحالات سے یہ ثابت ہو جاتا یا اب کوئی آگے بڑھ کر ثابت کر دکھائے کہ حضرت عمر پورے قرآن کے عالم تھے۔ اور یہ علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دیا تھا، قرآن کے مفاہیم اور ظاہری و باطنی تفسیر یا قرآن کی سپرٹ (Spirit) رسولؐ اللہ سے سیکھی تھی۔ اس لئے ہمیں یہ بہتر معلوم ہوا کہ اسلام کی حقیقی نماز تک پہنچنے سے پہلے پہلے اُن حضرات کا مختصر سا حال دکھاتے چلیں جنہوں نے آنحضرؐت کے بعد دین کے تمام مسائل واحکام وعقائد کے ساتھ ساتھ عبادات روزہ، نماز حج وزکاۃ اور خمس وجہاد میں بھی اپنی پسند و ناپسند کو دخیل رکھا۔ اسلئے ہم نے عنوان بدلا اور بخاری ومسلم ایسی کتابوں سے اُن حضرات کا علم القرآن اور علم الحدیث دکھانے کے لئے زیرِ تنقید حدیث قارئین کے سامنے رکھ دی۔ جس کو بڑے فخر کے ساتھ الفاروق میں، تاریخ الخلفاء میں اور ہر اُس کتاب میں لکھا گیا ہے جو حضرت عمر کے حالات زندگی، طرزِ حکومت اور شریعت سازی کے سلسلے میں لکھی گئی ہے۔ اور اُس حدیث کی موجودگی میں تمام صحابہ میں سے کسی ایک صحابی کو بھی نہ پورے قرآن کا حافظ کہا جا سکتا ہے، نہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کسی صحابی کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ ورنہ جناب زید بن ثابت کے در در مارے پھرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ قرآن کا حافظ و عالم تو تنہا بیٹھ کر چند روز میں پورا قرآن مع تفسیر وتاویل وشانِ نزول کے ساتھ لوح محفوظ کی ترتیب اور ترتیبِ نزولی کے ساتھ لکھ کر دے سکتا تھا۔ اور ایسا وہی شخص ہو سکتا تھا جو یا خود نبیؐ ہوتا یا جس کا پالنے اور تربیت کرنے والا خود اللہ کا رسولؐ ہوتا۔ جو ہر لمحہ وحی کے

نزول وصعود پر مطلع رہتا۔ جس کو خود قرآن کریم پورے قرآن کا یا علم الکتاب کے مفصل عالم ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتا (رعد 13/43)۔ چنانچہ جس کتاب کی روشنی میں شریعت سازی اوراجتہاد کیا جاتا تھا وہ کتاب توریت تھی۔اور نظام اجتہاد اور علم الفقہ کی تعلیم وتائید جہاں سے حاصل کی تھی وہ یہودی علما تھے جنہیں قرآن کی آیات سے ہم نے طاغوت ثابت کر دیا ہے۔اب یہ دکھانا ہے کہ حضرت عمر کا توریت ویہود سے کیا تعلق تھا۔

4۔ توریت کے نام پر قانون سازی کا مرکزی ادارہ

قارئین جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک جن خاندانوں کے پاس تعلیماتِ خداوندی کا ورثہ چلا آرہا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی دو شاخیں تھیں۔یعنی اسماعیلؑ خاندان اور اسرائیلی خاندان۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد حضرت نابت علیہ السلام اپنے والد کے جانشین امام ہوئے اور اُن کے بعد امامت کا سلسلہ اس خانوادہ میں برابر جاری رہا اور اس سلسلۂ اسماعیلی کا آخری امام حضرت ابو طالب علیہ السلام کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پال پوس کر تمام سابقہ ہدایات وتعلیمات وتبرکات اور کتبہائے قدیم وجدید معہ خاندانی ریکارڈ و تاریخ سرکارؐ دوعالم کے سپرد کر دیئے اور یوں امامت ونبوت ورسالت اپنے آخری نقطۂ عروج اور خاتم النبینؐ تک جا پہنچی اور ملت ابراہیمی کی تکمیل کا دور شروع ہوا۔اُدھر حضرت اسحٰق علیہ السلام عہد اسماعیلؑ میں مرکز کے ماتحت نبیؑ رہے۔اُن سے دو بیٹے حضرت عیسوؑ اور حضرت یعقوب علیہ السلام توام یعنی جڑواں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور نبوت حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے مقدر تھی۔وہ حضرت اسحٰاق کے قدرتی جانشین ہوئے۔مگر لوگوں میں حضرت عیسو علیہ السلام کی مقبولیت زیادہ تھی۔اس لئے کہ جڑواں ہونے کے باوجود اُن کو حضرت یعقوبؑ سے بڑا اور بزرگِ خاندان اور جانشین اسحاق علیہ السلام سمجھا جارہا تھا۔وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے رحم مادر سے باہر آئے تھے۔اور حضرت علیؑ کے فیصلے سے قبل کے ادوار میں بزرگی کا یہی معیار تھا کہ جو بچہ پہلے پیدا ہو وہ دنیا میں اُس بچے سے پہلے آیا پہلے سانس لیا وغیرہ جو بعد میں پیدا ہوا۔اور حساب ہے بھی صحیح۔یعنی پہلے سانس سے آخری سانس تک ہی تو عمر کو شمار کرنا چاہیئے۔حضرت علیؑ نے رحم مادر سے بعد میں باہر آنے والے بچہ کو بڑا قرار دیا تھا۔یعنی رحم مادر میں جس کا نطفہ پہلے پہنچا وہ پہلے تخلیق کے ہاتھوں میں آیا۔اور بعد میں داخل ہونے والا ادارۂ تخلیق کے حضور لیٹ پہنچا اور اُس کا بننا بعد میں شروع ہوا۔پہلے والے کی تکمیل پہلے ہوئی لیکن پیدا ہونے میں پہل وہ کرے گا جو بعد میں داخل ہوا۔اور رحم کے منہ کے قریب رہا۔یہ راستے سے ہٹ لے تو پہلا بچہ باہر آئے گا۔بہرحال حضرت عیسوؑ جناب یعقوب کی شہرت اور مقبولیت کی راہ میں رکاوٹ بننا پسند نہ کرتے تھے۔اس لئے ایک عمدہ اور جائز عذر پیدا کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور وطن مالوف کو ہمیشہ کے لئے خاندان سمیت چھوڑ دیا۔حضرت اسماعیلؑ نے سرپرستی کی، اپنی بیٹیؑ سے شادی کی اور وہ خاندان اسماعیلی کے معزز

ممبر اور خاندان کی طرح رہنے لگے۔

حضرت اسحٰاقؑ کے خاندان کے انبیاؑ اور حکمران بادشاہ و مَلِک اور سلطان ہمیشہ مرکزی امامت کے ماتحت رہتے آئے۔ یہ سبب تھا کہ اِن دونوں خاندانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دوستانہ و رشتہ دارانہ محبت کے تعلقات تھے۔اُن تعلقات کی گہرائی اور مذہبی پوزیشن دکھانے کے لئے اللہ نے ساٹھ (60) آیات کے ایک مجموعہ کا نام سُوْرَۃُ الرُّوْم مملکت روم سے منسوب سُورہ رکھ دیا اور یہ پیشگوئی فرمادی کہ عنقریب وہ دشمنوں سے چھینا ہوا علاقہ واپس لے کر اُن پر غالب ہو جائیں گے۔اور دونوں (اہل کتاب اور مسلم) طرف کے مومنین کو خوشی اور جشن منانے کا حکم دیا گیا (روم 30/1-8)۔چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا ہر امامؑ ہر بادشاہ اور ہر حکمران اس مذہبی حکومت کی نصرت کرتا رہا اور آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو کامیابی رومی حکومت کو ہوئی تھی وہ نبطی حکومت کی مدد سے ہوئی تھی۔یعنی خانوادۂ رسولؐ میں قرآن کی مذکورہ ابراہیمی مملکتِ عظیمہ (نساء 4/54) نبطی بادشاہوں اور اسرائیلی حکمرانوں کی صورت میں مسلسل اڑھائی ہزار سال سے چلی آرہی تھی۔اسی وجہ سے عربوں کو دنیا کے تمام ممالک میں آزادانہ جانے اور ٹیکس سے آزاد تجارت کرنے کی سہولت حاصل تھی۔

حضرت عیسوؑ کی اولاد حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے شانہ بشانہ ہر جگہ آباد ہوتی اور ہر انتظام میں شریک کار رہتی چلی آرہی تھی۔دونوں میں نام کے علاوہ مذہبی اختلاف نہ تھا۔شادی بیاہ اور مرنا جینا اور دیگر رسومات بلا کسی امتیاز کے منائی جاتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ مدینہ میں قبیلہ اوس و خزرج خانوادہ رسولؐ کے نبطی قبائل تھے۔جنہیں بعد میں انصار کا خدائی لقب ملا۔ مدینہ ہی میں حضرت عیسوؑ کی اولاد کے قبائل بھی آباد تھے۔چونکہ اسرائیلی حکومتوں کے اشارہ پر مذہبی اداروں نے قانون سازی میں اجتہاد شروع کر دیا تھا۔اور ہر نئی خود کاشتہ ضرورت اور تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے وہاں بھی نظام اجتہاد نے توریت کی شریعت کو اپنے حالات پر فٹ (FIT) کر لیا تھا۔اسلئے جب اسلام آیا تو وہ تمام قوانین تعلیمات قرآن کے سامنے باطل قرار پا گئے جو اجتہاد کے ذریعہ سے مجتہدین اور اُن کی حکومتوں نے ایجاد کئے تھے۔زانی کو سنگسار کرنے کے بجائے خود ایجاد کردہ سزا دینے کا قصہ آپ نے سابقہ اوراق میں دیکھا ہے۔

قومی دباؤ اور مملکتی مصالح کی بنا پر اہل کتاب شریعت سازی پر مجبور ہوئے تھے۔اور حضورؐ کے زمانہ تک اہل کتاب کا مرکزی قانون ساز ادارہ کم از کم دو ہزار سال کا قانونی تجربہ رکھتا تھا۔اسلئے کہ توریت کا قانون پندرہ (15) سو سال قبل مسیح سے نافذ چلا آرہا تھا۔اسرائیلی حکومتوں کے یہاں تمدن کے تمام تقاضے پورے کرنے کا انتظام تھا۔خصوصاً سلطنت روم کے یہاں فوجیں بھی تھیں، پولیس بھی برسر کار تھی، سمندری افواج اور محکمے بھی تھے، بیت المال بھی تھے، کان کنی کے محکمے بھی تھے، محکمہ مال بھی تھا، محکمہ زراعت بھی تھا، دفاتر تھے، قوانین سے ہر محکمہ مالا مال تھا۔مختلف رجسٹر، فارم (Form) میزانیے، فائلیں (Files) تھیں،

نقشے تھے اور مرکزی نگرانی کے لئے محکمہ جاسوسی (C.I.D) بھی تھا۔ ہر محکمہ کے الگ قوانین کے ساتھ ساتھ مرکزی قانون بھی تھا۔ ہر محکمہ کے عہدوں کے نام مقرر و معروف تھے۔ قانون ساز (اسمبلی) ادارہ بھی مختلف مدارج میں تقسیم تھا۔ عدالتیں تھیں، جیل خانے تھے، ہسپتال تھے، درسگاہیں تھیں۔ اقلیتوں کے لئے با قاعدہ نظام تھا، مسافر خانے اور محتاج خانے بھی تھے۔ الغرض شریعت موسوی کو تقاضائے وقت، مفاد عامہ، اجتماعی مصلحت وغیرہ کی مشینوں میں سے گزار کر ہر بات اور ہر فرضی خیال تک کے لئے قانون کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ وزارت امور مذہبی اور وزارتِ امور خارجہ کی طرف سے دنیا کے تمام ممالک میں مذہبی تبلیغ کے ادارے قائم تھے۔ عرب میں مدینہ یہود کا مرکزی مقام تھا۔ ویسے پورے ملک میں ہر نمایاں مقام پر ہر شہر اور ہر منڈی میں یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہیں تھیں۔ وہی تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ پورے ملک کے یہودیوں پر مدینہ کے مرکزی ادارہ کا کنٹرول تھا۔ یہودی خود بھی سرمایہ دار و خوشحال تھے اور مملکت روم وغیرہ بھی انہیں ہر مدد دیتی تھی۔ وہ چیزیں جو نایاب یا کمیاب تھیں جیسے نوشت و خواند کا سامان کاغذ کتابیں وغیرہ سب اُن حکومتوں کی طرف سے ملتا رہتا تھا۔ ملک عرب کے لوگ جو جنسی اشتراکیت اور لادینی سے محفوظ تھے وہ سب یہود و نصاریٰ کے یا یوں کہئے کہ رومی حکومت کے مذہبی اجتہادی قانون سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

اسلام آیا تو اہل کتاب نے نظام اجتہاد کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اور جب ہجرت کے بعد رسول اللہؐ خود مدینہ آگئے تو یہاں سے کشمکش شروع ہوتی ہے۔ جسے قرآن طاغوت اور اسلام کے مابین کشمکش قرار دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہود و نصاریٰ مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کو نظام اجتہاد کی وسیع اور حسین راہ پر ڈال دیں۔ اُنہوں نے خفیہ و اعلانیہ اُس اجتہادی تعلیم مسلمانوں میں راسخ کرنا شروع کی جو بعد میں شریعت سازی میں بڑا مفید اور اثر انگیز ثابت ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ایک جماعت کو خریدا گیا۔ اپنے ماہرین و مجتہدین کو کلمہ اور نماز کی اجازت دے کر مسلمانوں میں گھل مل جانے اور نظام اجتہاد کے فوائد بتانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ نبیؐ پر نظام مشاورت کو قائم کرانے کا دباؤ ڈلوایا گیا۔ شخصی حکومت کے نقصانات اور خاندانی اقتدار کی مذمت پر زور دیا گیا۔ توریت کے طرز پر قانون سازی کی طرح ڈالنے کے اقدامات کئے گئے۔ تعلیمات وحی کو مفاد عامہ کے ماتحت قرار دینے اور کثرت الناس کی رضا جوئی کو لازم کہہ کر مسلمان دانشوروں کو متوجہ کیا گیا۔ اور اُدھر کھل کر تعلیماتِ توریت اور رومی قوانین کی افادیت نمایاں کرنے کے لئے یہودی علما کو بھی آگے بڑھایا گیا اور بتدریج رسول اللہؐ کی پوری قوم کو رضامند کرلیا گیا کہ وہ قرآن کو شریعت ساز ادارہ کے ماتحت لاکر چھوڑے گی۔ (سورہ فرقان 25/30-31)

(1) یہودی تعلیمات دانشورانِ اسلام میں پھیلانے کی کوشش

پہلے سب سے مقدس کتاب سے ملاحظہ فرمائیں کہ یہودیوں کا مدنی ادارۂ اجتہاد کس طرح دانشوران قوم کو اجتہاد کی جانب مائل کر رہا تھا؟ اور رسول اللہؐ کس اصول کے ماتحت مسلمان مفکرین کو اجتہاد سے بچانا چاہتے تھے؟ جناب علامہ محمد اسماعیل

بخاری نے مدنی ادارہ اجتہاد کی ان کوششوں کو باقاعدہ ریکارڈ کرنے کے لئے یہ عنوان قائم کیا تھا۔

''بَاب مَا یَجُوزُ مِنْ تَفْسِیرِ التَّوْرٰۃِ وَ کُتُبِ اللّٰہِ بِالْعَرَبِیَّۃِ وَ غَیْرَ ھَا'' وہ باب جس میں یہ لکھا جائے گا کہ توریت اور اللہ کی دوسری کتابوں کی زبان عربی وغیرہ میں کتنی تفسیر کرنا جائز ہے؟'' پھر وہ لکھتے ہیں کہ:

(الف)۔ اِنّ ھِرَقلَ دَعَا تَرْجُمانه ثم دَعَا بِکِتَابِ النّبِیؐ فقرأہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم من محمدٍ عبد اللّٰہ و رسوله الی ھِرَقلَ ویا اھل الکتاب تعالوا اِلٰی کلمة سواءٍ بیننا و بینکم۔(پارہ تیس صفحہ 1125)

''ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے اپنے ترجمان کو بلایا پھر آنحضرتؐ کا خط منگایا۔ترجمان نے پڑھا اللہ کے نام سے ابتدا کرتا ہوں جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔یہ خط اللہ کے بندے اور رسول محمدؐ کی طرف سے ہرقل کے نام ہے کہ اے اہل کتاب آؤ ہم اور تم اُن حقائق پر متفق ہو جائیں جو ہم دونوں میں برابر کے مسلّمات میں داخل ہیں۔'' پھر یہ لکھا کہ:

(ب)۔ قال کان اھل الکتاب یقرؤُن التورٰۃ بالعِبْرانیّۃِ ویفسّرونھا بالعربیّۃ لاھل الاسلام فقال رسولؐ اللّٰہ لَا تُصَدِّقوا اھل الکتاب ولا تکذّبو ھم و قولوا اٰمَنّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنزِلَ اِلَیْنَا و ما اُنزِل الیکم۔(ایضاً پارہ30 صفحہ 1125)

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر مسلمانوں کو توریت کی تفسیر عربی میں سنایا کرتے تھے،اس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ تم لوگ توریت کی تفسیر کی نہ تو تکذیب کرنا اور نہ اُسے مان لینا بلکہ اُن اہل کتاب مفسرین ومترجمین کو یہ کہا کرو کہ ہم اُس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔''

اس کے بعد وہ حدیث ہے جو یہودیوں کے اجتہاد کے سلسلے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ توریت میں حکم تو سنگسار کرنے کا ہے۔مگر اُس سزا کو اجتہادی مصلحت سے تبدیل کر دیا گیا تھا۔یہاں قارئین سوچیں کہ جناب بخاری نے عنوان لکھ تو دیا تھا۔مگر بعد میں کوئی مصلحت سامنے آئی اور بس یہ تین حدیثیں لکھ کر آگے بڑھ گئے۔بہرحال آنحضرتؐ کے جواب سے معلوم ہوا کہ تفسیر کی تصدیق کرنا اس لئے غلط ہوگا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کی معصوم تفسیر نہیں تھی۔اس میں خودساختہ اصول ومسلّمات اور اجتہادی تصورات بھی تھے جو اس تفسیر کو منشاءِ خدا اور رسولؐ سے الگ اور مختلف کر دیتے ہیں۔اور تکذیب سے اس لئے منع کیا کہ اس تفسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں۔اب آپ دو باتیں سوچیے کہ آپ کے اپنے یہاں کی تفسیروں کا کیا حال ہے؟ کیا اُن سب تفسیروں کو اللہ و رسولؐ پسند کر کے اُن کی تصدیق کر دیں گے؟

(2) رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں مدنی ادارۂ اجتہاد کامیاب ہوتا گیا

قارئین اگر آپ عہد رسولؐ میں ہوتے تو رسولؐ اللہ کے مندرجہ بالا حکم کے بعد یہود کی درسگاہوں میں جانا فضول سمجھ کر چھوڑ دیتے۔اس لئے کہ وہاں جانا تو اُسی وقت ضروری ہوتا جب کہ یا تو صحابہ علم کے اُس مقام پر ہوتے جہاں سے اُس مجتہدانہ

تفسیر کی عالمانہ اور معصوم تصدیق ہوسکتی یا اس میں سے غلط پہلو نکال کر باقی کی تصدیق اور تکذیب الگ الگ ممکن ہوتی ۔ یہ تو ایک ایسا طریقہ بتایا گیا تھا جو جاہل سے جاہل شخص کو بھی گمراہی سے بچانے کے لئے ممکن تھا۔مگر وہ لوگ بدستوراُن محفلوں میں جاتے رہے جنہیں مجتہدانہ اندازِ فکر کو سیکھنا تھا۔جنہیں توریت کی طرح قرآن کو بھی قانون سازی کے لئے اپنی قومی وملکی مصلحتوں اور ضرورتوں پر ڈھالنا تھا۔آخرایک دن وہ آیا کہ اُن حضرات سے یہ سوال کیا گیا کہ:

(الف)۔ عَنْ ابن عباس قال کیف تسألون اھل الکتاب عَنْ کُتُبھم و عند کم کتاب اللّٰہ اقرب الکتب عھدًا باللّٰہِ تقرؤنہ محضًا لَمْ یُشَب ۔(صحیح بخاری پارہ تیس،صفحہ 1122)

عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ تم لوگ قرآن کو چھوڑ کر اہلِ کتاب کی کتابوں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو حالانکہ جو کتاب تمہارے پاس ہے وہ باقی تمام الہامی کتابوں کے مقابلہ میں اللہ سے قریب ترین عہد کی ہے اور ابھی تم نے پڑھنا ہی شروع کیا ہے پرانی نہیں ہوئی ہے کہ دل اُکتا جائیں۔

(ب)۔ اِنّ عبداللّٰہ بن عباس قال یا معشر المسلمین کیف تسألون اھل الکتاب عن شیءٍ و کتابکم الذی انزل اللّٰہ عَلٰی نبیّکم احدث الاخبار باللّٰہ محضًا لَمْ یُشَبْ و قد حدثکم اللّٰہ اِنَّ اھل الکتاب قد بدّلوا مِنْ کُتُبِ اللّٰہ وغَیَّرُوا فکتبوا بایدیھم الکُتُبَ قالوا ھُوَ من عنداللّٰہ لِیشتروا بہ ثمنًا قلیلا اَو لَا ینھاکم ماجاء کم من العلم عن مسالتھم وَلَا واللّٰہ ما رَأَیْنَا رَجُلًامنھم یسالکم عن الذی اُنزل علیکم ۔(بخاری پارہ نمبر 30 صفحہ 1122 کتاب الرد علی الجھمیة)

دوسری حدیث میں اُن ہی نے کہا کہ ''اے مسلمان معاشرہ کے لوگو تم کس وجہ سے اہلِ کتاب سے کسی بھی چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے ہو؟ جب کہ تمہارے لئے اللہ نے تمہارے نبیؐ پر ایسی کتاب نازل کردی ہے جو اللہ کی تمام باتیں بیان کرتی ہے۔اور ابھی پُرانی نہیں ہوئی ہے۔اور پھر تم ایسی صورت میں بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے جب کہ تم کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب نے اللہ کی تمام سابقہ کتابوں میں تغیر وتبدل کر دیا ہے۔اور اُنہوں نے اپنے اجتہادی روزگار کو چالو رکھنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ اپنے لکھے ہوئے کو بھی اللہ کے بیانات واحکام قرار دیتے رہتے ہیں۔اور کیا تمہیں کتاب خداوندی میں یہ ممانعت نہیں کردی گئی ہے کہ اہلِ کتاب سے کچھ بھی دریافت نہ کیا کرو؟ اور قسم بخدا ہم نے اہلِ کتاب میں کا ایک شخص بھی تو ایسا نہیں دیکھا جو مسلمانوں سے قرآن کے متعلق کوئی سوال کرتا ہو۔''

(یہ تمام احادیث صحیح بخاری کتاب **الرد علی الجھمیة** پارہ نمبر 30 صفحہ 1122 اور 1125 کی ہیں)

قارئین نوٹ کرلیں کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کا ایک پورا معاشرہ یہودی مرکز اور تورات واجتہاد سے تعلق رکھتا تھا اور کسی طرح باز نہ آتا تھا۔اب ہم جناب علامہ شبلی کو آگے بڑھاتے ہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟ اُن کا مقصد کیا تھا؟ اور

وہ کیوں قرآنی ممانعت کی خلاف ورزی کرتے تھے؟

(3) شبلی صاحب کا محتاط قلم اور حضرت عمر کا یہودی علما سے ربط وضبط

قارئین علامہ شبلی اعلی اللہ مقامہٗ بڑے زوروں میں ہیں، حضرت عمر کے ذاتی حالات، اخلاق وعادات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

(الف) ''قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اُنہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔روایات سے ثابت ہے کہ اُس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔آنحضرتؐ کے زمانہ میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔صحیح بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہے:

کان اھل الکتاب یقرؤن التورٰة بالعبرانیة و یفسرونھا بالعربیة لاھل الاسلام ۔یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے۔اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔'' مسند دارمی میں روایت ہے کہ:۔

(ب) ''ایک دفعہ حضرت عمر توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اُس کو پڑھنا شروع کیا۔وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت خود پڑھ سکتے تھے۔یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے یہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے۔اُن کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن اُن کے ہاں جایا کرتا تھا۔چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیوں کہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 132-131)

(4) شبلی صاحب کی دوہری خیانت کے باوجود حضرت عمر روشنی میں آگئے

قارئین کرام نے ذرا دیر پہلے بخاری سے ابوہریرہؓ والی روایت دیکھی تھی۔وہاں اُسے یہودیوں کی تبلیغ قرار دیا گیا ہے۔اور رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یہودیوں کی تفسیر کا بالکل اثر نہ لیں۔اپنے تاثرات ظاہر نہ کریں یعنی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب میں الجھیں اور اگر بولنا ہی پڑے تو کتبہائے سماوی پر ایمان کا اعلان کر کے اُنکی ہمت شکنی کردیں۔(پیرا نمبر 1 کا ب)

اس روایت کو شبلی صاحب نے مسلمانوں کی اپنی ضرورت بنا کر لکھا ہے۔اور اس خیانت کو چھپانے کے لئے حدیث کے لفظ یفسرونہ کو ترجمہ کرنا بنا دیا ہے۔اُنہوں نے یہ تاثر دیا ہے کہ جب رسولؐ اللہ کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو یہودیوں سے مدد لیتے تھے۔وہ کتاب تورات لے کر آجاتے اور عربی میں ترجمہ سنا دیتے تھے۔حالانکہ یہ اُسی درسگاہ میں تفسیر توریت کا بیان ہے

جہاں حضرت عمر کا اکثر جانا مان لیا ہے۔اور درس اجتہاد لینا ثابت کر دیا ہے۔

پھر قارئین نے بخاری کی باقی احادیث میں یہود سے مسائل دریافت کرنے کی ممانعت بار بار دیکھی۔لیکن مولانا شبلی اس ممانعت کا قطعاً ذکر نہیں کرتے۔تاکہ حضرت عمر کا یہود کے درسوں میں جانا مذموم نہ ہو جائے۔پھر مولانا نے حضرت عمر کے توریت لانے ،رسولؐ کے سامنے پڑھنے اور رسولؐ اللہ کے چہرہ کا متغیر ہونا لکھ کر پوری صورت حال پر پردہ ڈال دیا اور عبرانی زبان کے علم سے حضرت عمر کو واقف لکھ کر چل دیئے، گویا توریت پڑھ کر سنانے میں کوئی قباحت نہ تھی۔رسولؐ کے سامنے عموماً ایسا ہوتا رہتا تھا۔بہر حال ہمیں جناب شبلی کا احسان مند ہونا چاہئے کہ انہوں نے بھی ہماری اس بحث میں جان ڈالدی اور تائید فرمادی کہ حضرت عمر نے مدینہ میں آتے ہی عبرانی زبان میں دستگاہ حاصل کی۔یہودی درسگاہوں میں توریت کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی اور یقیناً آپ نے اجتہاد اُسی درسگاہ سے سیکھا۔علم الفقہ ،اصول فقہ یہودی مرکز سے حاصل کیا اور انتہائی بات یہ کہ حضرت عمر سارے مسلمانوں کے مقابلہ میں علمائے یہود کو بہت عزیز تھے۔یعنی آپ خالصتاً وہ ہستی ہیں جنہوں نے یہودیوں کے قدیم اجتہاد کو مسلمانوں میں جاری کیا اور ظاہر ہے کہ آپ کی قانون سازی میں یہودی مجتہدین ہمیشہ مددگار رہے ہوں گے۔

(5) حضرت عمر کا یہودی مرکز اور توریت سے ربط وضبط رسولؐ اللہ کی نظر میں

شبلی صاحب نے جس روایت میں خیانت کی ہے۔وہ ہمارے قلم سے ملاحظہ ہو اور دیکھیں کہ حضرت عمر کی مجتہدانہ پوزیشن رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی نظر میں کیا مقام رکھتی تھی۔اور تعلیمات اسلام کے مقابلہ میں حضرت عمر کا رویہ اُنہیں کس طرف لے جا رہا تھا؟ ہم اُس روایت کی عربی عبارت بھی لکھیں گے،ملاحظہ ہو:۔

عن جابرؓ اَنَّ ابن الخطّاب آتی رسولؐ اللّٰہ بِنُسخة مِنَ التّوراة فقال یا رسولؐ اللّٰہِ ھٰذہ نُسخة مِن التَّوراة ۔ فَسَکَتَ ۔فجَعَلَ یقرء ووجه رسولؐ اللّٰہ یتغیّر ۔فقال ابو بکر ثکلتک الثواکل مَا تَرَی مَا بوجه رسولؐ اللّٰہ فَنَظَرعمر اِلٰی وجه رسولؐ اللّٰہ فقال آعُوذُ باللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہ وَ غَضَبِ رسوله رضینا باللّٰہ رَبًّا وبالاسلام دِینًا و بِمحد نبیًّا ۔فقال رسوؐل اللّٰہ والذی نفس محمدؐ بیدہ لوبدا لکم موٗسٰی فا تبعتموہ و ترکتمونی لَضَلَلْتُمْ عن سواء السبیل ولو کان حیًّا وادرک نبوّتی لَاَ تبعنِی۔(مشکوۃ برحاشیہ مرقاۃ مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 215)

''حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ خطاب کے صاحبزادے حضرت عمر توریت کا نسخہ لئے ہوئے رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور کہا کہ یارسولؐ اللہ یہ توریت ہے۔رسولؐ اللہ نے بات تو الگ حرکت بھی نہ کی چپ سادھے رہے۔اس معنی خیز خاموشی کے باوجود حضرت عمر نے توریت پڑھ کر سنانا شروع کر دی۔اور اُدھر رسولؐ اللہ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے متغیر ہوتا گیا۔ حضرت ابوبکر نے یہ صورتحال دیکھ کر عمر سے کہا کہ تجھے رونے والیاں خوب روئیں دیکھتا نہیں ہے کہ رسولؐ کے چہرہ کا

غصہ سے کیا حال ہوگیا ہے؟ اب عمر نے آنحضرتؐ کے چہرہ کو دیکھا۔ جلدی سے کہا کہ میں اللہ کے اور رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم راضی ہوئے اللہ سے ایک پروردگار مان کر۔ اور اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمدؐ کو اپنا نبیؐ قبول کر کے۔ اس توبہ اور طلب معافی پر بھی رسولؐ نے قسمیہ فرمایا کہ اُس ہستی کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر موسیٰ تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم مجھے چھوڑ کر موسیٰ کی پیروی اختیار کر لو گے اور اس طرح سیدھے راستہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو یقیناً وہ ضرور میری اتباع کرتے۔''

یہاں ہم قارئین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا رسولؐ اللہ کا یہ قسمیہ بیان غلط ہے؟ یا غلط ہوسکتا ہے؟ یعنی کیا رسولؐ اللہ ایسے کمزور ضمیر انسان تھے کہ غصہ میں ایسی باتیں کہہ گزریں جو حقیقتاً صحیح نہ ہوں؟ کیا یہ اتنا خطرناک بیان حضرت عمر کے قلبی جذبات وتصورات کی حقیقی ترجمانی ہے؟ اور اگر یہ حقیقی ترجمانی نہیں ہے؟ یعنی حضرت عمر اتفاق سے، خلوص دل کے ساتھ، بھولے پن سے توریت اُٹھا لائے تھے۔ وہی توریت جسکی حضورؐ نے قرآن کے الفاظ میں تصدیق کی ہے (بقرہ 2/97، سورہ انعام آیت نمبر 92 یا 93) اُس کا پڑھنا اتنا بڑا جرم نہ تھا کہ طلب معافی اور اقرار توحید و نبوت کے بعد بھی یہ سب کچھ کہہ دیا جائے؟ اور اللہ کی قسم بھی کھا لی جائے۔؟ قارئین کو دونوں میں سے ایک کو بدترین جرم کا مجرم ماننا ہوگا۔ بہر حال یہ تھی وہ روایت جسے یوں ٹہلا کر شبلی صاحب گزر گئے۔ اب قارئین حضرت عمر کا یہودیوں کی درسگاہوں میں جانا اور اس قدر یہود سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہو جانا کہ وہ انہیں سارے مسلمانوں سے زیادہ پسند کریں۔ اور پھر سوچیں کہ کیا یہ ہر درس میں جانا کوئی پوشیدہ اور صیغہ راز کا عملدر آمد ہوگا؟ کیا رسولؐ اللہ کو وحی کے ذریعہ سے بھی اس تعلیم وتعلم کی اطلاع نہ ہوئی ہوگی؟ جب رسولؐ اللہ ایک دن توریت پڑھنے پر یہ کچھ فرما سکتے ہیں تو نظام اجتہاد سے شیر وشکر رہنے اور تعلیماتِ اجتہاد وفقہ اور قانون سازی سیکھنے پر رسولؐ اللہ کے تصورات کیسے ہوں گے؟ ایسا تو نہیں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر کا شریعت سازانہ مستقبل دیکھ کر نہ اُن کی توبہ کا لحاظ کیا نہ اقرارِ توحید و اسلام اور نبوّت کی پرواہ کی اور اپنا آخری فیصلہ سنا دیا؟

(6) اللہ ورسولؐ کی باتیں وہ جانیں ہم تو اس قدر سمجھے کہ دونوں ہمارے ہمدرد تھے؟

بات کچھ یوں معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر کا بار بار توریت اور مدینہ کے یہودی مرکز سے رابطہ رکھنے پر دھمکیاں کھانا اور آخر تک اس سے باز نہ آنا کسی معمولی مقصد کیلئے نہیں ہوسکتا تھا۔ یقیناً اُن کو انتہائی حدود تک یہ یقین تھا کہ آنحضرتؐ کا طرزِ تبلیغ چند روز میں غیر موثر ہو جائے گا۔ یہ محدود اور بے لچک احکام لوگوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور رفتارِ ترقی کا ساتھ نہ دے سکیں گے۔ اور لوگ بدستور اپنے رسم ورواج، اپنی رائے یا پڑوسی ممالک کے قوانین کو اپنا راہنما بنا لیں گے۔ لہٰذا اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ وہ دنیا کے

قدیم ترین قانون ساز ادارے کے دو ہزار سالہ علم و تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں اور وہ اصول وقوانینِ فقہ سیکھیں جن سے قرآن وسنت کو ہمہ گیر صورت دی جانا ممکن ہے۔ جن سے آیات واحادیث میں ایسی لچک پیدا ہو جائے کہ جس آیت نے جو مقصد بیان کیا ہے اس کو بھی بحال رکھا جائے اور اُسی مقصد کی مختلف اقسام بنا کر وہ مقصد بھی حاصل کر لیا جائے جسکی کسی وقت ضرورت پیش آنا ممکن ہو۔ اُنہوں نے غالباً یہ سوچا کہ دنیا میں ہر مذہب اللہ کی طرف سے آیا تھا۔ لوگوں نے اُس میں کانٹ چھانٹ کر کے کسی خاص مطلوبہ صورت پر ڈھال لیا۔ یوں مذاہب میں حقیقی تعلیم کے خلاف اختلافات اور تنازعات پیدا ہوئے۔ اگر ہم اُس کا اُلٹ کرتے رہیں تو ہمارا ہر فیصلہ منشائے خداوندی کے مطابق ہوتا چلا جائے گا۔ یعنی ہم یہ کریں کہ:

1: محدود مقاصد کی جگہ ہمہ گیر مقاصد کو سامنے رکھیں 2: کسی خاص صورتحال کے بجائے تمام متعلقہ حالات و اسباب کو ملحوظ رکھیں 3: کسی ایک الہامی کتاب کو راہنما بنانے کے بجائے تمام کتب خداوندی سے استفادہ کا اصول اختیار کریں۔ اور آخری بات یہ کہ 4: نوع انسان کی پوری عقل وبصیرت کو یا کم از کم کثرت الناس کی عقل وبصیرت کو استعمال کر کے اپنے احکام اور فیصلے صادر کریں۔ اِن چار اصولوں کے ماتحت جو بھی حکم، فتویٰ یا فیصلہ ہوگا وہ سو فیصد وہی ہوگا جو وحی خداوندی یا علم الٰہی سے معلوم یا صادر ہوگا۔

ہماری پوری تحقیق اور غیر جانبدارانہ رائے کا یہ فیصلہ ہے۔ ساری دنیا سُنے اور شیعہ وسُنی مومنین ومحققین وقارئین نوٹ کریں کہ میں حضرت عمر کو منافق نہیں کہتا۔ بلکہ جن لوگوں نے اُن کو از اوّل تا آخر منافق سمجھا ہے اُنہیں ناسمجھ اور فریب خوردہ کہتا ہوں۔ حضرت عمر ایک زمانہ میں ایسے کام یقیناً کرتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ وہ ایک گروہ میں منافق مشہور ہو جائیں چنانچہ واقعی مسلمانوں کا ایک گروہ یہ مغالطہ کھا گیا۔ میں جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ میں لوگوں کے پیدا کردہ مواقع سامنے دیکھ کر اس لئے موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں بے وقوف بنانے کے لئے کسی عقل مند یا عقل مندوں نے مواقع کا جال نہ بچھایا ہو۔ ذرا سوچیں کہ یہ بہت ہی سوچنے کا مقام ہے کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے دشمنوں کے تمام خفیہ منصوبوں پر مطلع رہیں تو صرف اس قدر کافی نہیں ہے کہ آپ اُن دشمنوں کے دوست بن جائیں۔ بلکہ اُن دشمنوں کا پوار پورا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ لوگ کُھل کر اور چپکے چپکے آپ سے اس لئے نفرت کریں کہ وہ آپ کو اُن دشمنوں کا معتمد اور دوست ورازدار سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ اُدھر ایسے کام کریں جن سے آپ کی دوستی ثابت ہو اور اِدھر ایسی حرکتیں کریں کہ آپ کی جماعت میں آپ کے خلاف منافق ہونے کا شہرہ وغوغا بلند ہو جائے۔

غور فرمایئے کہ اُدھر وہ برابر ایسے کام کرتے رہے کہ یہود نے اُن کو عزیز ترین دوست اور اپنا معتمد ہونے کی سند دی تھی اور ادھر وہ حضرت جو کچھ کرتے رہے اُسی سے گھبرا کر تو یہ بیان دیا جا رہا ہے۔ بھرے مجمع میں رسولؐ اللہ کیا کیا کچھ حضرت عمر کے لئے

فرماتے رہے؟ اُس کے لئے ہمیں دو ہزار صفحات لکھنے کی ضرورت ہے۔اور رسولؐ کے مذمتی بیانات سن کر یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے ربط وضبط دیکھ کرعوامِ اُمت مشکوک ہوتے اور باتیں بناتے رہے۔اور بزعم خود جوصحابہ خودکوعوامِ اُمت سے بلند درجہ کا سمجھتے تھے وہ حضرت عمرکومنافق مشہور کرتے رہے۔اوراُنہیں اس غلط یقین پر پختہ کرنے کے لئے جناب عمر نے بھری محفل میں اعلان بھی کردیا کہ بِاللّٰہ یَا حذیفۃ اَنَا مِنَ المنافقین ’’قسم بخدا اے حذیفہ میں منافقین میں سے ہوں‘‘ لیکن باوجود حضرت عمر کی اس کوشش کے کہ اُنہیں منافقین میں سے سمجھا جائے نہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اُن کو اُس اسکیم میں مدد دی۔اور نہ ہم نے ایک منٹ کے لئے حضرت عمرکو منافق سمجھا۔ بلکہ ہزاروں مومنین کو اس زبردست اسکیمی مغالطہ سے نکالا۔اور بتایا کہ حضرت عمر ایک مخصوص مومن تھے۔وہ ایک مخصوص خدا پر ایمان لائے تھے۔وہ نبوت ورسالت کو ایک مخصوص حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ اُن کا اسلامی تصور بھی منفرد اور مخصوص تھا۔وہ توحید ونبوت وقیامت وعبادت اور وحی اور کتبہائے الٰہیہ پر ایمان لائے تھے اور ایسا ایمان کہ اُس میں اُنہیں ہرگز کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہیں ہوا۔جن چیزوں میں اُنہیں شک ہوا یا شک رہا وہ اُن کے ایمان سے باہر کے فروعات ومتعلقات ہیں۔وہ اپنے ایمان میں بے نظیر اور مستقل مزاج تھے۔یعنی جو چیز ایک دفعہ اُن کے ایمانیات و یقینیات میں داخل ہوگئی۔پھر اُس کے خلاف اُنہوں نے کسی کی بات نہیں مانی حتّٰی کہ رسولؐ اللہ کے اصرار وتکرار سے بھی اپنے ایمانی تصورات اور فیصلوں کونہیں بدلا۔اگر کسی آیت سے اِس کا وہم ہوا کہ وہ فاروقی ایمان کے خلاف جاتی ہے تو آپ نے اپنے ایمان ویقین کو بدلنے کے بجائے اُس آیت کی عوامی یا عمومی تفہیم کو غلط کہہ کر اپنی مخصوص تاویل وتفہیم پیش کردی۔مگر اُن کے ایمان کی نظیر کہیں نہیں ملتی حتّٰی کہ خود نبیؐ کا ایمان بھی اُن سے مختلف تھا۔اِسی لئے حضرت عمر مختلف احکام میں اپنا اختلافِ نظر بلا دھڑک پیش فرما دیا کرتے تھے۔وہ لا اِلٰہ الا اللہ کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔اُنہیں نہ حج کا متعہ پسند تھا نہ عورتوں سے متعہ مفید سمجھتے تھے۔وہ طلاق کو سرے سے ناپسند کرتے تھے۔الغرض انہیں عوام وخواص وصحابہ سے ہی نہیں آنحضرتؐ سے بھی اختلاف تھا۔الغرض وہ اسلام کی تمام تعلیمات کو ایک مخصوص انداز میں نافذ کرنے کے لئے بے چین رہے۔وہ ازاوّل تا آخر آنحضرتؐ کے اندازِ تبلیغ و تنفیذ کو بنظر غائر دیکھتے رہے۔جہاں جہاں انہوں نے موقعہ مناسب دیکھا وہاں اندازِ نبویؐ اور اندازِ فاروقی کا فرق واضح کیا ورنہ وہ خاموش رہے اور اندازِ فاروقی کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہے۔اندازِ فاروقی واندازِ نبویؐ کے فرق اور اُن کی افادیت اور مضرت لوگوں کو بتاتے رہے۔جہاں ضروری ہوا انہوں نے ٹوک کر، خم ٹھوک کر اندازِ نبویؐ کو روک دیا۔ورنہ حالات سازگار ہونے اور اُمت کی کثرت کے اجتماعی ضمیر کو تیار کرنے میں دن رات مصروف رہے۔اور کسی ملامت کرنے والے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔وہ یہ انتظار کرتے رہے کہ اگر رسولؐ اللہ اُن کی فہم وفراست کے معیار پر اپنے اُن لامحدود اختیارات کو استعمال کرنے پر رضامند ہوجائیں تو وہ ایک عالمی انقلاب برپا کرکے دکھا سکتے ہیں۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ بات بات میں اور

ہر بات پر وحی کا انتظار کریں اور ہر بات اور ہر حکم وحی کے الفاظ پر منحصر رکھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہؐ اپنے احکام وارشاد سے یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ اُن کی ہر رائے، ہر خیال اور ہر گمان وحی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں ساری کائنات اُن کے اقوال کو ثابت کرنے میں مصروف ہو جاتی ہے اور ہر واقعہ اُن کے تصور اور گمان کے مطابق وقوع میں آتا ہے۔ بہر حال اُن کا کام عہد نبوی میں مشورہ دینے اور اپنا موقف واضح کرتے رہنے کا تھا۔ ورنہ وہ اُس زمانہ میں بھی وہی کچھ کر دکھاتے جو اپنے عہد میں کر کے دکھا دیا۔ عنوان بدلنے سے پہلے جناب علامہ شبلی سے حضرت عمر کا مقام بلند ملاحظہ فرمالیں، وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''حضرت عمر کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے۔ کہ ''میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے'' تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا۔ جو اُن کا گمان ہوتا تھا'' اس سے زیادہ اصابت رائے کی اور کیا دلیل ہوگی؟ کہ اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 133)

یہ تھا حضرت عمر کا منشا کہ آنحضرتؐ دھڑا دھڑ اور فٹا فٹ احکام نافذ کرتے چلے جائیں۔ اگر کوئی حکم، بالفرض محال، غلط ہو بھی جائے گا تو وحی نازل کر کے اللہ خود اُس کی اصلاح کر دے گا۔ جیسا کہ (معاذ اللہ) اکثر کرتا رہا ہے۔ اور اگر آنحضرتؐ مذکورہ اصول اربع کے مطابق حکم دینے کے پابند ہو جائیں تو غلطی ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔ اور یہ سب کچھ نہ کر سکیں تو ہر حکم سے پہلے حضرت عمر سے مشورہ کرنے میں تو کوئی مشکل نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اُن کو اُن کی شکایت (هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ۔ کیا ہمیں دین کے امور میں کوئی اختیار دیا گیا ہے؟ آل عمران 3/154) کے مطابق احکامات اور فیصلوں میں اختیار دے دیا جاتا تو ہر نتیجہ اور ہر مقصد اُن کی منشا کے مطابق ظہور میں آتا۔ اور اُمت ہزاروں نقصانات سے محفوظ رہ جاتی۔ مگر افسوس کہ وقت گزرتا چلا گیا اور معاملات اُلجھتے چلے گئے۔ اور ابھی اور اُلجھتے اگر آپ نے خالص کتاب اللہ کے کافی ہونے کا نازک وجذبات شکن اعلان نہ کر دیا ہوتا۔

(7) حضرت عمر دو (2) ہزار سالہ علم واجتہادی بصیرت ضائع نہ ہونے دیں گے

قارئین ناپسند کریں یا کوئی اور کوتاہ آستین ناک بھوں چڑھائے، حضرت عمر اُس علمی سرمائے سے استفادہ ضرور کریں گے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب موسیٰ علیہ السلام تک تعلیماتِ خداوندی کے نتیجہ اور فکر انسانی کے ثمرہ کے طور پر یہود کے پاس موجود تھا۔ اُن کی نظر عربی زبان بولنے والی اقوام تک محدود نہ تھی۔ وہ پورے کرۂ ارضی کو اسلام کے زیر نگیں لانے کا اعلان کر چکے تھے (بقرہ 205-2/204)۔ انہیں دنیا کی تمام اقوام پر اُمتِ مسلمہ کی اطاعت لازم کرنا تھی۔ عالمی حکومت چلانے اور پوری دنیا کا انتظام کرنے کے لئے اُن کو نوع انسانی کی بصیرت اور تجربہ کی الفاظ سے ارفع واعلیٰ، کتاب درکار تھی تاکہ قرآن کے مجمل ومختصر اصولی بیانات پلک جھپکنے میں مفصل بیّنات بن جائیں۔ یہ تھا وہ منتہیٰ جہاں تک لانے کے لئے حضرت عمر بار بار

دھمکیاں کھاتے تھے۔لعن وطعن سنتے تھےمگر مایوس نہ ہوتے تھے۔انہوں نے سوچا کہ توریت کے مطالعہ سے اگر توہینِ قرآن و رسولؐ ہوتی تھی؟ تو چلو آئندہ براہ راست توریت پڑھ کر نہ سناؤں گا۔ چنانچہ اُنہوں نے رسولؐ اللہ کو متوجہ کرنے کے لئے نئے نئے انداز اختیار کئے تاکہ کسی طرح رسولؐ اللہ کی نظر جیب وداماں سے آگے جا سکے۔

(الف) انبیائے ماسبق کی احادیث وتاریخ پر تبصرہ کا مشورہ

''حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ حضور جو احادیث ہم اہل کتاب سے سنتے ہیں ہمیں تو وہ بڑی مفید معلوم ہوتی ہیں۔اگر آپ اُن پر تبصرہ فرما کر ہمیں استفادہ کا موقعہ دیں تو میں اُن احادیث کو یہودیوں سے لکھ کر پیش کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہو باوجود اس کے کہ میں ایک ایسا روشن دین لے کر آیا ہوں کہ اگر حضرت موسیٰ آج زندہ ہوتے تو بجز میری پیروی کے اُن کو چارہ نہ ہوتا۔'' (مشکوٰۃ۔روایت احمد بیہقی)

(ب) حضرت عمر سابقہ علوم اور نظام اجتہاد پر قلمی ریکارڈ تیار کر رہے تھے

قارئین نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کی تجویز پر یہ نہیں کیا کہ اُن کو یہودی احادیث کا مجموعہ مرتب کرنے کی اجازت دیتے اور پھر تبصرہ کرتے ہوئے اُن احادیث کی مفید ومضر اور صحیح وغلط باتوں کو واضح کر دیتے۔اور اس طرح حضرت عمر کو یقین ہو جاتا کہ یہود کے ساتھ اپنا وقت ضائع کرنا فضول ہے۔صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تحکم سے حضرت عمر کا ایمان ڈانواں ڈول نہیں ہو سکتا تھا اور وہ اپنے موقف میں اور بھی متشدد ہوتے جا رہے تھے۔چنانچہ اُنہوں نے طے کر لیا کہ وہ اپنے لئے یہود کے دو ہزار سالہ علم وتجربہ کا نچوڑ اپنے پاس لکھ کر رکھتے جائیں گے۔رسولؐ اللہ دیکھنا چاہئیں گے تو دکھا دوں گا۔ چنانچہ ایک روز کا واقعہ خود ہی سنایا کرتے تھے کہ:

فَقَالَ انْطَلَقْتُ فَانْتَسَخْتُ کِتَابًا مِنْ اَهْلِ الکتاب ثُمَّ جِئْتُ به فی ادیم ۔فقال لِیْ رَسُولُ اللّٰہِ مَا ھٰذَا فِی یدِکَ یَا عُمَر؟ قُلْتُ یَا رسولَ اللّٰہ کِتَابًا نَسَخْتُهُ لِنَزْدَادَبِهِ عِلْمًا اِلٰی عِلْمِنَا. فَغَضِبَ رسولُ اللّٰہ حَتّٰی اَحْمَرَتْ و جنتاه ثُمَّ نُودِی بِالصَّلٰوۃ جامعة۔فقالت الانصار اغضب نبیّکم السّلاح السّلاح فَجَاؤُا حَتّٰی احد قوا بمنبر رسولُ اللّٰہ ۔فقال یَا اَیُّهَا الناس اِنّی اعطیت جوامع الکلم و خواتیمه وَا خْتَصَرَ لِیْ اخْتِصَارًا و لقد اتیتکم بِهَا بَیْضَاءِ نقیّة فَلا تتهوکوا وَلا یغرنّکم المتهوکون ۔قال عمر فَقُمْتُ وَقُلْتُ رضیتُ اللّٰہ رَبًّا وَ بالاسلام دینا وَ بِکَ رَسُوْلًا ۔ثُمَّ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہ۔(ازالۃ الخفا مقصد اوّل، جلد دوم صفحہ 123-122)

''میں معمول کے مطابق اہل کتاب کے پاس پہنچا۔اور اُن کی کتابوں میں سے ایک کتاب لکھ کر تیار کی اور اُسے ایک چمڑے کے

کَوَر میں رکھے ہوئے مسجدِ نبوی میں آیا۔ رسولؐ اللہ نے اُس کور (Cover) کو دیکھ کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جسے میں نے اپنے اسلامی علم کے اضافہ کے لئے لکھا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ رسولؐ اللہ اس قدر غضب آلود ہوئے کہ اُن کے گال سرخ ہوگئے۔ آخر کار رسولؐ اللہ نے بلند آواز سے پکارا ''یہ خاص نماز اجتماع چاہتی ہے''۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ انصار میں کھلبلی مچ گئی اُنہوں نے ایک دوسرے کو پکارنا شروع کردیا جلدی جلدی مسلح ہوکر پہنچو کسی نے رسولؐ اللہ کو غضبناک کردیا ہے۔ چنانچہ انصار ہتھیاروں سے لیس ہوکر مسجد نبوی میں آگئے اور رسولؐ کو منبر پر بیٹھے ہوئے چاروں طرف سے حلقہ میں لے لیا۔ اُس کے بعد اب رسولؐ اللہ نے کہنا شروع کیا اَے لوگو مجھے تمام علوم مکمل صورت میں عطا کردیئے گئے ہیں اور تمام علوم کو جاری کرنے کی مہریں بھی دے دی گئی ہیں۔ اور علوم کی وسعتوں کو میرے لئے سمیٹ کر نہایت مختصر سا کردیا گیا ہے۔ پھر میں نے اُن علوم میں سے چھانٹ کر وہ سہل اور واضح علم تمہیں دے دیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تابناک اور نمایاں ہے۔ اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ علمی بدہضمی کا شکار ہوجانے سے بچ کر رہو۔ ایسا نہ ہو کہ علمی بیماری میں مبتلا یہودی گروہ تمہیں خوش نما مغالطوں میں اُلجھا کر رکھ دے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ یہ صورت حال دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور حالات کو سنوارنے کے لئے میں نے مجمعِ عام میں پھر اقرار کیا کہ اَے رسولؐ خدا میں راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر مجھے اسلام دین کی حیثیت سے منظور ہے اور میں آپ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہوں۔ یہ اقرار سُن لینے کے بعد رسولؐ اللہ منبر سے اُتر آئے۔'' اور بات ختم ہوگئی۔

(ج) دوراہنماؤں میں سے کس کا سلوک اشتعال انگیز ہے؟

(i) اگر ہمارے سامنے سے نبوت کا دباؤ ہٹا کر ہمیں آزادیِ ضمیر وتقریر مل جاتی، اگر ہمیں عاقبت اور قیامت میں مواخذہ کا خوف نہ ہوتا تو ہم حضرت عمر کو قطعاً بے قصور، حق بجانب اور مظلوم کہہ دیتے۔ مگر میں مجبور ہوں، میری بہت سی مجبوریاں میرے سامنے ہیں۔ پہلی مجبوری یہ ہے کہ میں خطائے اجتہادی کو جائز نہیں سمجھتا اسلئے مجھے سچ بولنا ہے۔ لگی لپٹی یا مجتہدانہ طریقہ پر بات نہیں کرنا ہے۔ صحیح بات خواہ دشمن کی ہو یا کافر ومنافق کی ہو یا کسی مجتہد کی صحیح بات ہو اُس کا انکار نہیں کرنا ہے۔ دوسری مجبوری یہ ہے کہ میں حضرت عمر اور تمام مجتہدین کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات ہر خیال وتصور وعمل وقول کو اللہ کی منشا سمجھتا ہوں اور اُنؐ سے خطا ولغزش اور غلطی کو ناممکن مانتا ہوں۔ اور تیسری مجبوری یہ ہے کہ میں ہر کتاب اور ہر مضمون میں آنحضرؐت اور حضرت عمر کی پوری سرگزشت اور پس منظر کی تفصیل نہیں لکھ سکتا ہوں۔ مجبوریوں کے ساتھ لپٹی ہوئی چند ذمہ داریاں بھی ہیں۔ مثلاً مجھے علمائے سوء کے اُس خطرناک حربے کو ناکام کرنا ہے جو وہ عوام میں کسی کے خلاف نفرت پھیلانے اور منہ بند کرادینے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ یعنی دوڑو، دوڑو اسلام خطرہ میں ہے، بزرگوں کی اور صحابہؓ کی توہین کی جارہی ہے، چودہ سو سالہ مسلّمات اور

دینی ضروریات کا انکار کیا جا رہا ہے، قادیانی سرمایہ گردش میں ہے (علامہ شورش آنجہانی کا نعرہ)، مسلمانوں میں انتشار وافتراق پھیلانے کیلئے ایک گروہ سرگرم عمل ہے، حکومت متوجہ ہو مسلمان متفق ہو جائیں (اخبار اسد، رضا کار اور معارف القرآن) وغیرہ۔ حالانکہ اسلام اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق کے ذمہ دار خود یہی حضرات ہیں۔ اور اُن میں کا ہر علامہ چلتا پھرتا، جیتا جاگتا اور بولتا چالتا مجسم خطرہ ہے۔ پھر مجھے اُس غلط عقیدت کی پٹی کو اُتار پھینکنا ہے جو اُن ہی خطرناک علما نے چودہ سو سال سے عوام کی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے۔ اسلئے اپنی گفتگو میں سے جائز غم وغصہ کے باوجود ترشی سے بچنا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ بعض جوشیلے اور قابلِ قدر نوجوان میری نرم روی پر خفا ہوں گے۔ میں اُن ہی سے یہاں مخاطب اور معذرت خواہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ میری مجبوریوں اور ذمہ داریوں کو سمجھ کر خود بھی انہیں اختیار فرمالیں۔ ہم دو ایسے راہنماؤں کے شرعی تصورات اور تعلقات کو بیان کر رہے ہیں جن میں سے ایک کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم آنے والی وحی کی پیروی کرنا (یونس 10/109 ، احزاب 33/2-3) اور رسولؐ نے فرمایا اور اُن سے حکمیہ کہلوایا گیا کہ میں تو صرف آنے والی وحی کی اتباع کرتا ہوں اور اپنی ذاتی بصیرت سے حکم وحی میں ردوبدل نہیں کر سکتا (یونس 10/15، اعراف 7/203، انعام 6/50، احقاف 46/9) اللہ نے ذمہ داری لی کہ آنحضرتؐ کے منہ سے نکلنے والی ہر بات ہر لفظ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہوتی ہے۔ اور وہ ہرگز اپنی خواہش سے بات نہیں کر سکتا (نجم 53/3-4)۔ اور یہی احکام امت کو دئے گئے کہ وہ نہ یہود کی پیروی کریں، نہ کثرت کے عمل اور سنت کو اپنا راہنما بنائیں۔ وحی میں نازل حکم کی اطاعت کریں ہر حکم وحی سے دیں ورنہ کافر و ظالم و فاسق ہو جاؤ گے۔

(ii) اس کے برخلاف قرآن وحدیث کی سند کے بغیر دوسرے راہنما کے لئے حکمرانوں اور اُن کے تنخواہ دار علما نے یہ مشہور کر دیا کہ دنیا میں ہر واقعہ حضرت عمر کے گمان وخیال کے مطابق واقع ہوتا تھا۔ وہ وحی اترنے سے پہلے ہی حقائق پر مطلع ہو جاتے تھے۔ اور وحی بھی اُن کے فیصلوں کی تصدیق کے لئے اترتی تھی۔ اور بلا کسی الہامی سند اور حدیث کے یہ بھی لکھ دیا کہ:۔

(iii) ''اکثروں کا خیال ہے کہ نبیؐ کا ہر قول وفعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبیؐ جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امُورِ وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کیا کسی نے نہیں کیا۔'' (الفاروق حصہ دوم 98)

(iv) یہ ہے وہ پوزیشن جو حضرت عمر نے خود اختیار کی اور پھر اُس پوزیشن پر حکومتوں نے قبضہ کیا اور ہر حاکم نے اُسی پوزیشن کے ماتحت شریعت سازی کی اور اسلامی وقرآنی احکام میں نبیؐ کی سنت اور عمل درآمد وفیصلوں میں جس طرح وقت اور ضرورت کا تقاضہ ہوا تبدیلیاں کیں اور ڈنڈے، پروپیگنڈے، رشوت وتنخواہ، تخویف وترہیب ولالچ وجاگیر وعہدے اور قتل وغارت وفوج

کشتی کے ذریعہ اُسی پوزیشن کو مشہور کیا، منوایا، کتابوں میں لکھا اور ہمارے زمانہ تک پہنچایا۔ اُمت کی کثرت کو علوم سے جاہل رکھنے کے لئے اجتہاد و تقلید جاری کی تاکہ لوگ اصل حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ آج بھی اختلافی مسائل پر گفتگو منع ہے۔ چونکہ حضرت عمر کی مذکورہ بالا پوزیشن قرآن و حدیث نے بیان نہیں کی اس لئے ہر اُس شخص کے خلاف شور مچا دیا جاتا ہے جو اُن کے اقوال و اعمال کو روشنی میں لانا چاہتا ہے۔ تاکہ فساد و نقص امن پیدا ہو جائے اور حکومت نہ فساد چاہتی ہے نہ نقص امن اُسے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس لئے موجودہ ماڈرن اور غیر متعصب حکومتیں بھی متنازع بحثوں کو چھیڑنے سے روکتی ہیں اور مصنوعی اتحاد پر زور دیتی حقائق کو دباتی چلی جاتی ہیں۔ مگر ہماری تحریک نے وہ مواقع پیدا کئے ہیں جن میں اُس مصنوعی غیر قرآنی اور خود ساختہ پوزیشن پر برابر تنقید ہوتی چلی آئی ہے۔ سنئے شبلی صاحب خود ہی مندرجہ بالا بیان میں مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''اخراج کی تشخیص، جزیہ کی تعین، ام الولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ (یعنی جتنی تبدیلیاں حضرت عمر نے کی تھیں وہ سب) مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا (چیلنج) کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اُن مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے۔ لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کر دیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔'' (الفارق حصہ دوم صفحہ 98)

(v) یہاں ہم اپنے اہلسنت قارئین کو صرف دو باتیں بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اہلسنت کے یہاں جو مذہب مروج ہے اُس کا دارومدار ان چار اماموں پر ہے، نوٹ فرمالیں:۔

1۔امام ابوحنیفہ	پیدائش 80 ہجری، 699 عیسوی	وفات	150 ہجری، 769 عیسوی
2۔امام مالک	پیدائش 95 ہجری، 714 عیسوی	وفات	179 ہجری، 795 عیسوی
3۔امام شافعی	پیدائش 150 ہجری، 767 عیسوی	وفات	204 ہجری، 819 عیسوی
4۔احمد بن حنبل	پیدائش 164 ہجری، 780 عیسوی	وفات	241 ہجری، 855 عیسوی

ان چاروں کے تصورات اور مذاہب میں اختلاف کی وجہ سے اہل سنت میں چار فرقے ہیں۔ اور تمام فرقے اِن چاروں فرقوں کو برحق سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ ٹوٹل حق چاروں میں تقسیم شدہ ہے۔ لہذا یہ نہ کہنا چاہئے کہ اُن میں سے فلاں فرقہ حق پر ہے۔ کیوں کہ ایسا کہنے سے تین فرقوں کو باطل پر ماننا لازم آتا ہے۔ لہذا امام شافعی اور اُن کا فرقہ بھی حق پر ہے۔ گویا اہل سنت کا ایک امام اور اس کا فرقہ، جو اہل سنت کی کثرت میں ابوحنیفہ یا حنفیوں کے بعد دوسرے نمبر پر ہے، حضرت عمر کی شریعت سازی کو باطل اور مذموم مانتے ہوئے بھی حق پر ہے۔ لہذا حضرت عمر کی شریعت سازی کا انکار کرنا اُسے باطل سمجھنا آپ کو مذہب اہلسنت سے اور حق سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اس لئے لکھا گیا ہے کہ آپ ہمارے بیانات پڑھتے ہوئے یہ خوف محسوس نہ

کریں کہ کہیں آپ خدانخواستہ حق سے دور نہ ہو جائیں۔لہٰذا آیئے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی طرح ہم بھی اُن تمام فیصلوں اور شریعت سازی پر غور وفکر کریں جو قرآن اور سنت رسولؐ کے خلاف ہوں اور جب یقین آجائے کہ وہ اللہ و رسولؐ کے خلاف ہیں تو اُسے باطل قرار دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

دوسری بات یہ بتانا ہے کہ علما حضرات جہاں پھنس جاتے ہیں یا جب کسی کو پھنسانا چاہتے ہیں تو جھٹ کتاب وسنت کی رٹ لگانا شروع کردیتے ہیں۔اور صرف یہی چاہتے ہیں کہ یہ حضرات خواہ شیعہ ہوں یا اہل سنت ہوں قرآن وحدیث کے پابند ہو جائیں۔

اگر وہ سب یہ شرط مان کر اُس پر عمل کرنے لگیں تو ہم ٹھیکہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام جھگڑے اور تمام اختلافات دو سال میں ختم کرا کے سب کو منہاج قرآن وسنت پر متفق کرسکتا ہوں۔مگر وہ لوگ سب کچھ مان سکتے ہیں، کر سکتے ہیں مگر قرآن اور رسولؐ کی سنت پر متفق نہیں ہوسکتے۔لہٰذا علامہ شبلی ہی نہیں بلکہ ہر فریب ساز عالم کتاب وسنت کا نعرہ مارتا ہے۔پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ سنت کی فلاں بات ذاتی تھی منصب نبوت سے متعلق نہ تھی۔لہٰذا منسوخ کر کے دوسرا قانون بنانا جائز ہوا۔لیکن ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ سنت تو سنت ہے حضرت عمر کے مسلک میں تو رسم ورواج اور پبلک کی عادت اور مفاد کے مقابلہ میں تمام نصوص یعنی قرآن و رسولؐ کے واضح اور متعین احکامات منسوخ کر کے رسم ورواج و عادت وافادیت کو برقرار رکھنا اسلام ہے۔اس بہانہ بازی اور فریب سازی کا توڑ تین سوالات سے ہوسکتا ہے۔آپ اُن سے کہئے یا لکھئے کہ حضور آپ جو کچھ بطور فیصلہ فرماتے ہیں یا اِدھر اُدھر کی غپ شپ کے بعد جو نتیجہ نکالتے ہیں،ہمیں ایسی آیات دکھائیں جنکا وہی ترجمہ ہو جو آپکا نتیجہ یا فیصلہ ہے۔مثلاً ہم نے اسلامی تعلیمات سے یہ نتیجہ نکالا ہے یا یہ فیصلہ کیا ہے کہ:۔ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰیo اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیo (سورہ نجم 53/3-4)

"آنحضرتؐ کی کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی۔ جسے اُنکی ذاتی بات کہا جاسکے بلکہ اُن کی ہر بات اللہ کی طرف سے اُترنے والی وحی ہوتی تھی۔" لہٰذا رسول اللہؐ کی بات اللہ کی بات ہوتی تھی۔"

قارئین ساری دنیا کے علما مل کر اس معیار پر آپ کو یہ نتائج دکھائیں کہ:

1: نبیؐ کا ہر قول وفعل منصبِ نبوت کے ماتحت نہیں ہوتا، یا یہ کہ: بعض اقوال وافعال منصب نبوت کے ماتحت ہوتے ہیں اور بعض اقوال وافعال منصب نبوت کے ماتحت نہیں ہوتے۔

2: نبیؐ کے ذاتی اقوال وافعال کی اطاعت واجب نہیں ہوتی ہے۔

3: نبیؐ کے ذاتی اقوال وافعال کی جگہ تقاضائے وقت یا ضرورت کے ماتحت منسوخ کرنا اور دوسرے موزوں احکام جاری کرنا جائز ہے؟

قارئین یہ ہے وہ عقیدہ جس کے ماتحت شریعت ساز ادارہ نبیؐ کے احکام منسوخ کرتا ہے۔جب تک وہ قرآن سے یہ تینوں

مطالب آیات کی صورت میں نکال کر نہ دکھا دیں وہ شریعت سازی کے مجرم ہیں اور یہ جُرم نا قابل معافی ہے۔ پھر اُنہیں ایسی آیات دکھانا ہوں گی جن کا ترجمہ یہ ہو کہ:

"قرآن کے فیصلوں کو بھی مناسب صورت میں منسوخ یا تبدیل کیا جا سکتا ہے۔" تا کہ وہ فیصلے حق بجانب کہلا سکیں جو حضرت عمر یا قبل و بعد کے خلفا نے قرآن کے خلاف صادر فرمائے۔ مثالیں گزر چکی ہیں۔ تاریخ فقہ اسلامی اور فلسفۂ شریعت اسلام میں قرآن کے مخالف احکام بھرے پڑے ہیں۔

(8) شریعت ساز لوگ رسولؐ اللہ کو کس طرح بے دخل کرتے ہیں؟

(الف) ہمارے قارئین نے آج تک کبھی کسی عالم کو مجمعٔ عام میں یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ آنحضرتؐ بھی ایک مجتہد تھے۔ جن معاملات کو اللہ وحی کے ذریعہ نہیں بتاتا تھا اور مسلمانوں کو اُن معاملات میں فیصلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو رسولؐ اللہ اپنی ذاتی رائے سے فیصلہ سنا دیا کرتے تھے۔ ایسے اجتہادی فیصلوں میں رسولؐ اللہ سے (معاذ اللہ) غلطیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جب غلط حکم دے چکتے تھے تو اللہ وحی بھیج کر نبیؐ کو غلط فیصلے پر ڈانٹتا تھا اور غلطی کی اصلاح بھی کرتا تھا۔ لہٰذا وہ تمام فیصلے جو رسولؐ اللہ نے ذاتی رائے سے کئے تھے اُن فیصلوں کو بعد والے شریعت ساز ادارے منسوخ کر کے دوسرے فیصلے صادر کر سکتے ہیں۔

یہ ہے وہ عقیدہ جس کے ماتحت بعد انتقالِ نبیؐ شریعت سازی جائز رہی۔ یہاں تک کہ اللہ و رسولؐ کے زمانہ کی پوری شریعت کو بدل کر رکھ دیا گیا۔ اور شریعت گھڑنے کا یہ سلسلہ چوتھے امام جناب احمد بن حنبل تک جاری رہا۔

(ب) یعنی یہ سب حضرات حضرت عمر کی پیروی میں یہ مانتے ہیں کہ:

1: آنحضرتؐ کو اللہ اُمت کی تمام ضرورتوں میں راہنمائی نہ کرتا تھا لہٰذا؛

2: خدا کی (معاذ اللہ) اس کوتاہی کی وجہ سے رسولؐ اللہ کو اجتہادی تُک بندیاں کرنا پڑتی تھیں اور جو کچھ وقت پر سمجھ میں آتا تھا وہی کہہ ڈالتے تھے۔ اس لئے معاذ اللہ؛

3: رسولؐ اللہ سے اکثر غلطیاں، غلط فہمیاں اور اُمت کو نقصان پہنچانے والے احکام اور فیصلے صادر ہوتے رہے۔ پھر

4: وہی اللہ جو پہلے صحیح حکم نہ بتاتا تھا، غلط فیصلہ صادر ہو جانے کے بعد وحی بھیج کر رسولؐ اللہ کو اُن کے غلط فیصلہ پر ڈانٹ پلاتا اور صحیح فیصلہ بتا کر اُمت کو غلط پیروی سے بچاتا رہتا تھا۔ لیکن اگر یہ چوتھی بات صحیح ہے تو؛

5: رسولؐ اللہ کے تمام غلط فیصلوں کی اُن کے انتقال سے پہلے پہلے اللہ نے اصلاح کر دی۔ لہٰذا؛

6: شریعت سازوں کی یہ بات غلط نکلی کہ وہ رسولؐ اللہ کے ذاتی فیصلوں کو منسوخ کرنے اور نئی شریعت گھڑنے کا حق رکھتے تھے۔

7: کیونکہ جب نبیؐ کی زندگی ہی میں اُن کے غلط فیصلوں کی اللہ نے وحی سے ساتھ کے ساتھ اصلاح و درستی جاری رکھی اور صحیح

فیصلوں کو بحال رکھ کر اُن کی تصدیق کر دی تو رسولؐ کے تمام فیصلے اب اللہ کے فیصلے ہو گئے۔ یعنی؛

8: بعد انتقالِ نبیؐ جس نے بھی رسولؐ اللہ کے فیصلوں کو منسوخ کیا یا تبدیل کیا، اُس نے اللہ کے فیصلوں کو منسوخ کرنے اور بدلنے کا جرم کیا۔ اور جس نے نئی شریعت گھڑی وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور یہ بات تاریخ التشریع فی الاسلام اور فلسفۂ شریعت اسلام سے باقاعدہ ثابت کر دی گئی ہے۔ اور یہ دکھایا جا چکا ہے کہ قرآن وحدیث کے واضح احکام یا نصوص کو رسم و رواج اور عادات کے بدلنے پر تبدیل کر دینا واجب ہے۔ (اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون)

(9) وہ طریقہ جس سے شریعت ساز گروہ نبیؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کر دیتا ہے

(الف) اسلامی شریعت کی جگہ اپنی قومی وملکی شریعت جاری کرنے والوں کو معلوم تھا کہ اُمت میں نبیؐ معصوم مشہور ہو چکا ہے۔ قرآن میں اللہ نے رسولؐ کے اقوال واعمال وتصورات کو اپنے اقوال واعمال ومشیت قرار دیا ہے۔ رسولؐ اللہ کے علم کو لامحدود ولا تحصٰی فرمایا ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ وہ سب فرداً فرداً بھی اور اجتماعی صورت میں بھی معصوم نہیں خاطی وخطا کار ہیں۔ علومِ کائنات اور علومِ قرآن کی تفصیلات اُنہیں معلوم نہیں۔ اِسکے باوجود پوری امت پر تسلط حاصل کرنا قومی ضرورت کا تقاضہ ہے۔ قرآن سے باغی مکہ کی باشندہ قوم (فرقان 25/30) کا دشمنانِ نبوت اور ماہرینِ سیاسیات (فرقان 25/31) پر یہ دباؤ پڑ رہا تھا کہ نبیؐ کے بعد نبوت کے نام پر بنی ہاشم کا تسلط ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہم اپنے باپ، بھائی، بیٹوں اور رشتہ داروں کے قاتلوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سروں کو کاٹ کر پھینک دیں گے۔ اُن کو اور اُن کے انصار کو تباہ کر دیں تب چین لیں گے۔ لہٰذا سارے مسلمانوں پر تسلط حاصل کرنا ضروری ہے۔ اُس منشور پر عمل کر کے دکھانا پڑے گا جس کی وجہ سے قوم نے تعاون کیا ہے (بقرہ 2/204-206)۔ اُس منشور پر عمل کرنے کے لئے وہ تمام پابندیاں ختم کرنا ہوں گی جو قرآن نے حکومت نبویؐ کے لئے لازم قرار دی ہیں۔ نت نئے احکام جاری کرنا ضروری ہوں گے تاکہ عہد نبویؐ کے تمام تصورات وشعائر وعبادات وعقائد بدلے جا سکیں۔ اس مقصد کو حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک رسولؐ کے لامحدود اور کائناتی علم کی تاویل وتردید نہ کی جائے، جب تک نبوت کو اُس کے خدائی مقام سے نیچے اتار کر اپنی سطح پر نہ لایا جائے، اُنہیں کرسیٔ عصمت سے نیچے اتار کر مجتہدین کے ساتھ زمینِ اجتہاد پر نہ بٹھایا جائے، پھر اُن سے اجتہادی غلطیوں کی فہرست قرآن سے نہ پیش کی جائے اور اُن کے فضائل و مناقب کی احادیث کو نہ مٹایا جائے، لکھے ہوئے احادیث کے مجموعے نہ جلا دئے جائیں، قرآن کو جمع شدہ چھوڑنے کا انکار نہ کیا جائے اور نئے سرے سے نبوی تفسیر وتنزیل کے بغیر جمع نہ کیا جائے، اور بلا جمع قرآن انتقال کر جانے کو شہرت نہ دی جائے۔ گھر گھر جا کر؛ ہر آیت پر گواہیاں لیکر لوگوں کو پُر یقین نہ کیا جائے کہ اگر جمع شدہ قرآن چھوڑا ہوتا تو یہ پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تھی وہ قوم اور اُس قوم کی اسکیم جس نے قرآن کو مہجور کیا تھا اور اپنا حاکم طاغوت کو بنا لیا تھا۔ لہٰذا طاغوتی ادارہ کو اُن تمام مقاصد کیلئے

کوئی آیت نہ مل سکتی تھی۔ اِسلئے اُس نے حیات رسولؐ ہی میں قرآن کی معنوی تحریف کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تمہیدات شروع کردی تھیں۔ یہ بات علامہ مودودی کے قلم سے اور حضرت حذیفہ کی زبان سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ حضرت حذیفہ نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اُن کے زمانہ یعنی عہد رسولؐ میں قرآن کو بدلنے والے دانشور یہود ونصاریٰ کے قدم بقدم چلیں گے (مائدہ 47، 5/44،45) (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 476 حاشیہ نمبر 77) چنانچہ اُس گروہ کا عہدِ رسولؐ ہی میں قرآن سے پتہ چلتا ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ گروہ قرآن کو کس طرح اپنے مقاصد پر فِٹ کرتا ہے۔ قرآن کریم سے ملاحظہ فرمائیں بتایا گیا کہ:

(ب) قرآن فہمی کا طاغوتی طریقہ

''وہ گروہ اپنے باطل مقاصد کو ذہن میں رکھ کر قرآن کریم کی ورق گردانی کرتا رہتا ہے۔ چاہتا یہ ہے کہ کسی آیت میں کوئی ایسا لفظ یا جملہ ملے جو اُس کے متعینہ مقصد سے مطابقت یا مشابہت رکھتا ہو۔ جہاں انہیں اپنا مطلوبہ لفظ یا جو جملہ ملتا ہے جو اُن کے قلبی مقصود (زیغ) سے مشابہت رکھتا ہے تو ایسی آیات کو الگ لکھ لیتے ہیں۔ پھر مشابہت کو حقیقی صورت دینے کے لئے اُس آیت میں معنوی لچک پیدا کرتے ہیں۔ الفاظ کے حقیقی معنی کی جگہ مجازی یا بعید ترین معنی لکھتے ہیں۔ مطلوب سے قریب تر کرنے لئے ترجمہ میں بریکٹ لگاتے ہیں۔ حاشیہ لکھتے ہیں تا کہ رہی سہی خامی بھی دور ہو جائے۔ اس تمام مجتہدانہ ٹیکنیک کے ساتھ جب وہ آیت یا آیات کو اپنے زیغ پر فٹ کر چکتے ہیں تو اب مسلمانوں میں اُن تصورات اور خود ساختہ مطالب کو پھیلانے کے لئے اثر ورسوخ استعمال کرتے ہیں، قومی ذرائع اور تعصب کو بر سر کار لاتے ہیں، کرائے کے اور تنخواہ دار مبلّغ تعینات کرتے ہیں، موقع ملے تو جبر و تلوار بھی استعمال کرتے ہیں، مخالفین کا بائیکاٹ کرتے ہیں، مخالفین کے خلاف غلط عمل وعقائد منسوب کرتے ہیں۔ کسی کو مشرک کسی کو منافق بناتے ہیں، آنحضرتؐ کے فدا کاروں پر محمدؐ کی پرستش کا الزام لگاتے ہیں اور یُوں اپنے اسلام نما کفر کو پھیلا کر مسلمانوں میں فتنوں کا دروازہ چوپٹ کھول دیتے ہیں۔'' (آل عمران 3/7 وغیرہ)

(ج) مجتہدین کا یہ طریقہ برابر جاری رہا۔ ہمارے زمانہ کی ایک مثال

ہمارے زمانہ میں شریعت کو تبدیل کرتے چلے جانے کا سب سے بڑا حامی اور مُبلّغ جناب غلام احمد پرویز ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے ایک خود ساختہ نبی کے ہمنام اور ہموطن ہونے کی بنا پر نبوت محمدؐ یہ کو یہاں تک ارزاں کر چکے ہیں کہ ہر اُس شخص کو مرکز ملت بنا کر تخت نبوت پر بٹھانا چاہتے ہیں جو کسی طرح بھی مسلمانوں پر مسلط ہو جائے۔ اور اُسے تمام وہ اختیارات سونپنا جائز سمجھتے ہیں جو قرآن میں اللہ اور رسولؐ کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ اس ابلیسی مقصد کو دلوں میں اُتارنے کے لئے انہوں نے چار بنیادی اور ضخیم کتابیں لکھیں اور ہم نے بائیس (22) مجلدات میں اُن کے مشن کو خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے وہ سب کام کئے جو سابقہ پیرے

میں قرآن سے لکھے گئے ہیں۔اُنہوں نے بھی طرح طرح آنحضرتؐ کو(معاذ اللہ) خاطی اور مجتہد لکھا ہے۔آنحضرتؐ کی غلطیاں گنوا کر پبلک کو گمراہ کیا ہے۔ہم یہاں اُن کا وہی عملی طرزِ عمل دکھاتے ہیں جو قرآن فہمی میں زیغ کے ماتحت لکھا گیا ہے۔محفل کو گرم کرنے کے لئے آپ معارف القرآن کی فہرست سے دو تین عنوان سن لیں۔پھر اُن کی وہ بحث آپ کو دکھائیں گے جو رسولؐ اللہ کو(معاذ اللہ) غلط کار مجتہد ثابت کرنے کے لئے قرآن کے نام پر کی گئی ہے۔اور قرآن کو مجتہدین کے زیغ پر فٹ کیا گیا ہے۔

(د) حضرتِ عمر کو شاہکارِ رسالت کہنے کے لئے کن عقائد کی ضرورت رہی ہے؟

اوّل: ''آپؐ کے فیصلے احوال وظروف اور واقعات وبیانات سے استنباطِ نتائج پر مبنی ہوتے تھے۔لہٰذا اُن میں غلطی کا بھی امکان ہوتا تھا۔''(معارف القرآن جلد 4 صفحہ 24 فہرست دوسرا کالم)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ دونوں جملے وہ نتیجہ ہیں جو قرآن اور حکومتوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ کی ورق گردانی اور اپنے زیغ سے مشابہ ہونے کی بنا پر نکالے گئے ہیں۔ورنہ اُن کو پندرہ سال پہلے چیلنج کیا گیا تھا کہ قرآن سے اس مطلب پر آیات دکھائیں۔اُس یتیم عقل سے ہماری کتاب پر تبصرہ بھی نہ ہو سکا اور رفتہ رفتہ ان کا نظام ربوبیت موت کی نیند سو گیا،اور ملاحظہ ہو۔

دوم: ''آپؐ کے ذاتی فیصلوں کے متعلق ہر ایک کو حقِ اختلاف حاصل تھا۔''(ایضاً وہی حوالہ)

کسی خبیث کی مجال نہیں ہے کہ قرآن کریم سے کسی مردود کو رسولؐ اللہ سے اختلاف کرنے کا حق دکھا دے۔البتہ قرآن میں اللہ نے رسوؐل کو ہر ہر فیصلے میں اپنے برابر رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاؕ (احزاب 33/36) پاکستان کے مسلمانوں کی کثرت سُنے اور اگر پسند آئے تو عمل بھی کرے۔

ترجمہ علامہ مودودی: ''کسی مومن مرد(حضرت عمر بھی اگر مومن ہوں) اور کسی مومن عورت کو یہ حق(خیرۃ کے معنی حق نہیں اختیار ہیں۔احسنؔ) نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسوؐل کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسوؐل کی نافرمانی کرے(خواہ پرویز ہو یا عمر ہوں) تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 98-97)

اس آیت اور سینکڑوں دوسری آیات کی رُو سے ہم تمام شریعت سازوں کو گمراہی میں اعلیٰ درجہ پر مانتے ہیں۔اور اس ترجمہ کے بعد علامہ نے حضرت زید وزینبؓ کا قصہ لکھا ہے پھر اپنا فیصلہ سنایا ہے کہ:۔

''یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے،مگر جو حکم اُس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اِطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔اِس کی رُو سے کسی مسلمان فرد،یا قوم،یا ادارے،یا عدالت،یا پارلیمنٹ،یا

ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ (یہاں سے پرویز اور پرویزی راہنما خاص طور پر سنیں) کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لئے اِس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان اِن دونوں رَویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اُس کو لازماً حکمِ خدا اور رسولؐ کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا (یا کسی اور کے مسلمان ہونے کا) وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد 4، صفحہ 99-98، حاشیہ نمبر 66)

پرویز اینڈ کمپنی کا مذہب کیا ہے قارئین فیصلہ کریں اور پھر یہ طے فرمائیں کہ پرویز کا شاہکار اُس مذہب کا بھی شاہکار ہوگا یا نہیں؟

(10) پرویز اینڈ کمپنی رسول اللہؐ کو (معاذ اللہ) غلط کار ثابت کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئی؟

اب ہم پرویز کے وسیلے سے شریعت ساز گروہ کی وہ دیانت پیش کرتے ہیں جس کے برتے پر یہ گروہ قرآن فہمی کا مدعی ہے اور ساری دنیا کو بے وقوف بنائے ہوئے ہے۔

قرآن پر ایک تہمت: پرویز صاحب ایک ایسی تہمت اور ایک اتنا بڑا جھوٹ گھڑ کر قرآن کے ذمہ لگاتے ہیں جس کے مقابلہ میں دشمنانِ اسلام کے سارے جھوٹ اور تہمتیں بھی شرما کر رہ جاتی ہیں۔ یہاں سے پرویز کا عنوان و بیان غور سے پڑھیں:

حضورؐ کا ذاتی اجتہاد: ''پھر قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ جن معاملات میں حضورؐ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اُن فیصلوں میں غلطی کا بھی امکان تھا۔'' (معارف القرآن جلد 4 صفحہ 669)

یعنی یہ مسٹر پرویز کے ذمہ ہے کہ وہ ایسی آیت یا آیات پیش کریں جن سے حضورؐ کا اجتہاد یا ذاتی اجتہاد کرنا ثابت ہوگا۔ اور وہ آیت دکھانا بھی اُن ہی کے ذمہ ہے کہ حضورؐ کے فیصلوں میں غلطی کا امکان تھا۔ اور یہ ثابت کرنا تو اُن کے راہنما ابلیس سے بھی ناممکن ہے۔ ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن نے لفظ اجتہاد کو ایک ملعون و مردود لفظ ثابت کرنے کے لئے خود کو اُس سے پاک اور محفوظ رکھا ہے۔

(i) رسولؐ کے (معاذ اللہ) غلط کار ہونے کا تصور کیسے پیدا کیا گیا تھا؟

علامہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ: ''جنگ تبوک میں جن لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے اُنہیں عدم شمولیت کی اجازت دے دی تھی۔ اُن کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

عَفَا اللّٰهُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَکَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ o (توبہ 9/43)

پرویزی ترجمہ: ''(اَے پیغمبرِ اسلام!) اللہ تجھے معاف کرے! تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہ (انکی منافقانہ عذرداریوں پر) اُنہیں (پیچھے رہ جانے کی) رخصت دے دی،؟ اُس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا کون سچے ہیں؟ اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟ (ایضاً جلد 4 صفحہ 670)

(ii) **پرویزی ٹیکنیک اور اجتہاد پر ایک مومنانہ نظر**

پہلی نظر: قارئین اس آیت میں کل تیرہ الفاظ آئے ہیں۔ جن میں ایک لفظ **عَفَا** ایسا لفظ تھا جو شریعت ساز گروہ کی ذہنیت یا قلبی زیغ سے مشابہت رکھتا تھا۔ اس سے یہ تصور نچوڑا گیا کہ آیت میں **عَفَا اللّٰہُ عنک** کہنے سے یقیناً رسولؐ اللہ سے غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ معاف کرنے کے اور کوئی معنی نہیں ہوتے۔ اور پرویز صاحب تو بہت ہی مطمئن ہو گئے۔ اس لئے کہ اردو اور پنجابی زبانوں میں قصور کے بعد معافی ملا کرتی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو جنگ سے واپس چلے جانے کی اجازت دینا یقینی طور پر ایک غلطی تھی جسے اللہ نے اس آیت میں معاف کر دیا ہے۔ اور چونکہ آیت کو نچوڑنے والا مجتہد تھا۔ لہٰذا یہ خود اپنی طرف سے سمجھ لیا گیا کہ اجازت دینے میں حضورؐ نے اجتہاد کیا تھا۔ اور اُس اجتہاد میں حضورؐ سے غلطی ہو گئی تھی۔ لیکن اللہ نے اُس غلطی کو اجتہادی غلطی جائز ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا۔ یوں اُدھر (معاذ اللہ) رسول اللہ ایک مجتہد ثابت ہو گئے اور اُن کے اجتہاد کا غلط ہو جانا بھی ثابت ہو گیا۔ اب بتائیے کہ وہ شیعوں کا عصمت کا ڈھونگ کدھر گیا؟ یہ وہ طریقہ تھا کہ شریعت ساز گروہ خود بھی مطمئن ہو گیا اور قوم بھی چین سے ہو گئی۔ شریعت سازی کی مشین نہایت اطمینان سے چلتی رہی۔ نئی شریعت ہر سانچہ میں ڈھلتی رہی، جس ضرورتمند نے جو مال پسند کیا جو مسئلہ مَن کو بھایا جمع کر لیا۔ مال چونکہ ایک ہی کمپنی کا تھا لہٰذا جس جس نے جو کچھ پسند کر لیا وہ اُن کا جائز حق تھا، سب حق پر تھے۔ اُن کی پسند کا نام خواہ حنفی رکھ دو یا مالکی کہہ دو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی۔ شرط یہی ہے کہ اُن کے پاس ہر مال اور ہر مسئلہ اوّلین شریعت ساز کمپنی کا تیار کردہ یا پسندیدہ ہو اور بس۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ:

(iii) **دوسری گہری نظر:** پرویز صاحب کے ترجمہ میں برابر کا بریکٹی اضافہ کون سی آیت یا ادارہ کی اجازت سے کیا گیا ہے؟ آیت میں کل تیرہ لفظ تھے۔ یہاں ترجمہ تو بعد میں ہوتا رہے گا پہلے یہ تیرہ الفاظ الگ کر لیجئے۔ پھر اذن کا ترجمہ اجازت کیجئے لفظ رخصت عربی کا لفظ ہے اُسے نکال دیجئے۔ اور پھر پرویزی ترجمہ میں سے یعنی بریکٹ کے علاوہ آٹھ الفاظ کا یہ جملہ نکال دیجئے کہ ''اُس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ۔'' اس کے بعد جو ترجمہ ہونا چاہئے وہ عام مترجمین کے نزدیک اتنا سا ہے کہ:

شاہ محمد احمد رضا خان مرحوم: ''اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں انہیں اِذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔'' (مترجمہ قرآن)

اس سادہ اور پورے ترجمہ میں کوئی بریکٹ نہیں اسلئے کہ قلب میں زیغ نہیں لیکن وہ ایک مستند اور مسلّمہ مقدس بزرگ اہل سنت

ہیں۔مگر پرویز اور شریعت ساز گروہ کا مذہب جو کچھ بھی رہا ہو وہ ہرگز سنتِ رسولؐ پر عمل کرنیوالے لوگ نہ تھے۔وہ سنتِ رسولؐ کے مٹانے والے دشمن، مجرم اور قرآن و شریعتِ اسلام کو بدلنے والے دانشور تھے۔(فرقان 31-25/30، یونس 10/15)

(iv) عَفَااللّٰہ عَنکَ کے معنی اہلسنت بزرگ اور عالم کی نظر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور مقام بلند کے ماننے میں وہ اہلسنت مومنین کثرت میں ہیں جو حضرت مولانا مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحبؒ کے شہر بریلی شریف کی وجہ سے بریلوی کہلاتے ہیں۔وہ حضرات خاص طور پر مندرجہ ذیل بیان سنیں۔شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

”ف105۔ **عفا اللّٰہ عنک** سے ابتدائے کلام وافتتاح خطاب مخاطب کی تعظیم وتوقیر میں مبالغہ کے لئے ہے۔اور زبان عرب میں یہ عرف شائع ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے موقع پر ایسے کلمے استعمال کئے جاتے ہیں۔قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے کتاب شفا میں فرمایا کہ جس کسی نے اس سوال کو عتاب قرار دیا اُس نے غلطی کی کیونکہ غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہونے اور گھر رہ جانے کی اجازت مانگنے والوں کو اجازت دینا نہ دینا دونوں حضرتؐ کے اختیار میں تھے اور آپؐ اس میں مختار تھے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا **فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ** آپ اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دیجئے تو **لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ** عتاب کے لئے نہیں ہے۔بلکہ یہ اظہار ہے کہ اگر آپ انہیں اجازت نہ دیتے تو بھی وہ جہاد میں جانے والے نہ تھے۔اور **عَفَا اللّٰہ عَنْکَ** کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔گناہ سے تو تمہیں واسطہ ہی نہیں۔“ الخ (مترجم قرآن صفحہ 281)

یہ ہے اہلسنت کے علمائے صالحین کا عقیدہ وہ ہرگز آنحضرتؐ سے غلطی، لغزش اور خطا کو نہیں مانتے۔سوچنے کی بات ہے کہ وہ کس منہ سے خود کو مسلمان کہتے ہیں جو اللہ کے رسولؐ ہی کو غلطیوں میں مبتلا ہونے والا مانتے ہوں۔یعنی اللہ نے دین بھی غلطی سرزد ہونے والے کے ہاتھ سے پہنچایا تو دین کا اعتبار کس بنیاد پر کیا جائے گا جب نبیؐ ہی غلطی اور خطا سے محفوظ نہ ہو؟

(v) رسولؐ اللہ کو اختیار دینے کے بعد اللہ اعتراض نہیں کرسکتا تھا: بہرحال جناب شاہ صاحب نے اشارہ فرمادیا ہے کہ جنگ کے انتظامات میں رسولؐ اللہ کو خدا نے مختار بنایا تھا۔اور ظاہر ہے کہ اختیار سپرد کرکے اعتراض کرنا خلافِ عدل خداوندی ہے۔آپ خود وہ آیت ملاحظہ فرمالیں جو شاہ صاحب نے بطور اشارہ لکھ دی ہے۔ارشاد رب العزت ہے کہ:

......اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (نور 24/62)

”یقیناً جولوگ بلا اجازت جہاد سے رُکنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کی اجازت سے رکنا چاہتے ہیں وہ تو یقیناً اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے جنگ میں نہ جانے کی آپؐ سے اجازت مانگا کریں تو آپؐ اُن میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔ اور اللہ سے اُن کے محفوظ رہنے کی دعا بھی کیا کریں۔ یقیناً اللہ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔“

قارئین دیکھیں کہ رسولؐ اللہ کو اس آیت میں جنگ تبوک سے برسوں پہلے اختیار دے دیا تھا۔ اور اجازت مانگنے والوں کو اس بنا پر مومن قرار دیا تھا کہ انہیں اتنا خیال تو ہے کہ بلا اجازت رسولؐ جنگ سے رُکنا گناہ ہے۔

(vi) تیسری نظر: کیا واقعی کوئی غلط بات ہوئی یا وہم ہوا؟

یہاں تک پرویز اینڈ کمپنی کے خلاف خود قرآن نے بتا دیا کہ زیر بحث آیت میں رسولؐ اللہ نے اپنا اختیار استعمال کیا تھا۔ لہٰذا **عفا اللہ عنک** کا مطلب باز پُرس اور غلطی کی گرفت اور معافی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ غلطی کی ہی نہیں گئی ہے۔ مگر یہ سوال ہم اُٹھاتے ہیں کہ مان لیا کہ رسولؐ اللہ سے غلطی نہیں ہوئی تھی مگر کیا اس جائز اجازت دینے سے کوئی نقصان ہوا تھا؟ اگر نقصان ہوا تھا تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ یہ رسوؐل کی بصیرت اور علم کی کمی کی دلیل ہے۔ اور ہمارے عقائد میں یہ بھی بُری بات ہے جو ہم رسولؐ کے متعلق نہیں مانتے۔ چنانچہ آپ آیت زیر بحث سے آگے پڑھیں۔

(1) آپ کو آیت نمبر 9/46 بتاتی ہے کہ: اللہ نے بھی اُن لوگوں کا جنگ میں جانا ناپسند کیا تھا۔ اور اُن کے دلوں میں اللہ ہی نے سُستی بھر دی تھی۔ اور اُن کے دلوں میں جنگ سے باز رہنے کا ارادہ جما دیا تھا۔ مطلب واضح ہے کہ رسوؐل کا اُن کو اجازت دینا بلا وحی کے بھی مشیت و مرضی خداوندی کے عین مطابق تھا۔ یعنی رسوؐل کی خواہش، پسند و ناپسند وغیرہ بھی عین اللہ کی مشیت تھی۔

(2) آیت نمبر 9/47 بتاتی ہے کہ: اگر یہ لوگ جنگ تبوک میں ہمراہ ہوتے تو تمہیں نقصان ہی نقصان پہنچتا اور تمہارے مابین فتنہ وفساد کی کاروائیاں کرتے۔ اس لئے کہ تمہارے اندر ایسے مسلمان بھی ہیں جو ان لوگوں کے اقوال کا گہرا اثر قبول کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کا اجازت دینا ہر طرح اور ہر حیثیت سے مفید ہوا۔ اور اللہ کو بہت پسند آیا۔ لہٰذا عَفَا اللّٰہ کے وہ معنی جو شریعت ساز گروہ کرتا ہے، غلط ہیں۔

(11) شریعت سازی کا ہر پہلو قرآن وحدیث سے باطل نکلا

قارئین نے دیکھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوچنا، اُنکے احکامات واقدامات اور نتائج عین خدائی اسکیم یا مشیت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اور کیوں نہ رہتے جبکہ آنحضرؐت خود مرکز وحی ہیں، خود ہی مشیت اللہ ہیں۔ جب کہ اللہ کا ہر ارادہ

قلبِ محمدؐی کے ذریعہ سے کائنات کو متاثر کرتا ہے۔ ہر حکم پہلے قلبِ محمدؐ پر وارد ہوتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔ لہٰذا وہ مقام جسے باطل پرستوں نے اپنا سہارا بنایا تھا اُلٹا اُن کے لئے مصیبت بن گیا۔ یہ تو وہ مقام نکلا جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو جو وحی ملتی ہے وہ اللہ کا داخلی انتظام ہے۔ جبرائیلؑ خود نظامِ محمدؐیہ کا ایک آلہ یا پرزہ ہے جو پوری کائنات میں رسائی رکھتا ہے اور کسی لمحہ آنحضرتؐ کی رسائی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور کسی لمحہ کے لئے اللہ کے ارادے اور مشیت سے حضورؐ لاعلم نہیں ہوتے۔

(i) شریعت سازوں کو چھٹی ملی تھی

اللہ نے آنحضرتؐ کے فیصلے کے فوائد بتاتے ہوئے اُس زمانہ کے شریعت ساز گروہ کو بھی بے نقاب کر دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَo لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ... الخ (توبہ 9/47-48)

یہ گروہ جن لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا چکا ہے وہ اس خطرناک حالت میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔ جس گروہ کو آپ نے چھٹی دی ہے اگر وہ جنگ کے لئے ہمراہ چلتا تو تمہارے اندر سازش پھیلانے کے سوا اور کوئی مفید اضافہ نہ کرتا۔ اور وہ یقیناً بالضرور تمہارے اندر خلل ڈالنے اور فتنہ پھیلانے کی ایجادات جاری رکھتے جیسا کہ اس سے پہلے ہی وہ شریعت ساز گروہ تمہارے دینی احکام و مسائل میں انقلاب پیدا کرتا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت حال واضح کرتے رہنے کا انتظام بر سر کار لے آیا گیا۔

قرآن کریم کے اس قسم کے بیانات پر ہمارے علما نے نہ کبھی تقریریں کیں نہ اُن پر اپنی کتابوں میں تبصرہ کیا۔ اور انتقالِ رسولؐ کے بعد اُن لوگوں کے متعلق اُمت کو کبھی بھول کر بھی نہ بتایا کہ وہ کون لوگ تھے؟ انتقالِ رسولؐ کے بعد وہ کہاں غائب ہو گئے؟ وہ کیسے بتاتے جب کہ وہ خود ہی بتانے والے تھے؟ لیکن اُن لوگوں کا پروگرام اس جگہ آپکے سامنے آ گیا ہے کہ اُن کا کام اور مقصد آنحضرتؐ کے احکام میں تغیر و تبدل کر کے ایک شرعی انقلاب (قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ) تیرے خلاف برپا کرنا تھا۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَo (توبہ 9/50) تیری ہر بات اور خصوصاً ہر اچھا نتیجہ اُن کو ناپسند و ناگوار رہتا چلا آیا۔ اور تم پر آنے والی ہر مصیبت میں وہ خوش ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یقیناً ہم نے رسولؐ کے ذاتی احکام کے نتائج سے غیر متاثر دین پہلے ہی سے تیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ خوش خوش اُسی خود ساختہ نظامِ اجتہاد کے تَوَلّا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

(ii) شریعت سازوں کے وجود و مقاصد پر مودودی کی تصدیق

علامہ مودودی بھی ایک مجتہد ہیں، اس کے باوجود اُن کے ترجمہ کو دیکھئے:

''اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے

دوڑ دُھوپ کرتے ،اورتمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جواُن کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ اِن ظالموں کوخوب جانتا ہے۔اس سے پہلے بھی اِن لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمہیں ناکام کرنے کے لئے یہ ہرطرح کی تدبیروں کا اُلٹ پھیر کر چکے ہیں......(اگلی آیت کے بعد) تمہارا بھلا ہوتا ہے توانہیں رنج ہوتا ہے۔اورتم پرکوئی مصیبت آتی ہےتو یہ منہ پھیر کرخوش خوش پلٹتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ ٹھیک کرلیا تھا۔''(توبہ 50،48-9/47)(تفہیم القرآن جلدنمبر2 صفحہ نمبر198-199)

نظام اجتہاد کی سُنت کے مطابق علامہ مودودی نے چار الفاظ (خَبَالًا، اَوْضَعُوْا، خِلَال، قَلَّبُوْا) کا حقیقی ترجمہ نہیں کیا تو نہ کریں۔پھر بھی یہ تو ثابت ہے کہ مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ بظاہر مِل جُل کر رسولؐ اللہ کا قرآنی پروگرام چلا رہے تھے۔اُن میں ایک گروہ ایسا تھا جوصرف بقول علامہ خرابی ہی خرابی چاہتا تھا۔یعنی رسولؐ کے فرمان کے خلاف عمل درآمد کرنا اُس کا مقصد تھا۔وہ مسلمانوں کوفتنہ میں الجھانے کے لئے مسلمانوں کے اندر دوڑ دھوپ کرتے تھے۔یعنی اپنے مخالفانہ منصوبہ کومسلمانوں میں پھیلانے، سمجھانے اور منوانے کے لئے ہر فرد تک جاتے آتے رہتے تھے۔دوسرا گروہ تھا جواوّل الذکر کی دوڑ دھوپ اورکوشش و تبلیغ سے تیار ہوا تھا۔اور پہلے گروہ کا ہمنوا و ہم مسلک تھا۔یہ دونوں گروہ ظالم اس لئے قرار پائے کہ وہ چاہتے تھے کہ ہر حکم قرآن کے الفاظ میں نافذ نہ کیا جائے بلکہ کثرت الناس کے مقاصد اور مصالح کے ماتحت قرآن کے الفاظ کی تعبیر کی جائے اور مفاد عامہ کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ایسے تصورات رکھنے والوں کوقرآن نے کافر وظالم وفاسق قرار دیا ہے۔ (5/44،45،47 قارئین یہ پورا رکوع ضرور پڑھ لیں)۔پھر علامہ نے یہ بھی مان لیا کہ اوّل الذکر گروہ رسوؐل کو ناکام کرنے کے لئے پہلے ہی سے کوشاں ہے اور برابر فتنہ وانقلاب برپا کرنے کی پے درپے تدابیر کرتا چلا آرہا ہے۔ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو دوسرے گروہ میں ہیں وہ رسوؐل کی مرضی کے خلاف ہر خرابی اور ہر کوشش اور فتنہ کی ہر تدبیر میں پہلے گروہ کے ساتھ شامل ہیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ اُن دونوں گروہوں نے اُن نتائج سے محفوظ رہنے کیلئے جو رسولؐ اللہ کی ذاتی بصیرت سے برآمد ہونا ہیں اپنا الگ طرز عمل یا اسلامی تصور اپنا رکھا ہے اور ہم یہی کچھ ثابت کرتے آرہے ہیں کہ ایک گروہ اللہ ورسولؐ کے احکامات بلا چوں وچرا بجالانا صحیح اسلام سمجھتا ہے۔ایک گروہ دانشوروں اور مجتہدین کا ہے جو رسولؐ اور قرآن کے احکامات کو بلا اصلاح تسلیم نہیں کرتا وہ آنحضرؐت کے زمانہ ہی سے اپنا مسلک وشریعت الگ سے تیار کرتا اور عوام میں پھیلاتا چلا آرہا تھا۔ایک پوری قوم اُسکی ہمنوا ہوچکی تھی جو مندرجہ بالا آیات میں دوسرا گروہ ٹھہرتا ہے۔لہٰذا یہ دیکھا جاچکا ہے کہ حضرت عمر حیاتِ نبویؐ میں بھی اور انتقال کے بعد بھی اپنی مجتہدانہ بصیرت اور تجربہ کے ماتحت شریعت سازی میں پیش پیش تھے۔بلکہ بعد میں بننے والی شریعت کے بھی وہی پیشوا اور امام تھے یہ سب کچھ قارئین کے سامنے بار بار اور طرح طرح سے ثابت ہو چکا ہے۔اب ہم تیزی کیساتھ آگے

بڑھیں گے اور جلد جلد شریعت سازی کے پورے کاروبار اور سلسلہ کی کوششوں اور انتظام پر سے مختصراً گزریں گے۔

5۔ موجودہ شریعت کی تیاری وتنفیذ میں فاروقی حصّہ؟

سابقہ عنوانات میں یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ عہد رسولؐ میں برابر شریعت سازی ہو رہی تھی۔قرآن کریم مذہبی آزادی اور اتمامِ حُجت کے اصول پر متعلقہ لوگوں کے نام تو نہیں بتاتا مگر اُنکے اغراض ومقاصد اور تمام اقدامات کی تفصیلات بتانے میں کمی بھی نہیں کرتا۔ہم اس سلسلے میں جتنا لکھ آئے ہیں اُس سے یہ چیز واضح طور پر معلوم ہو سکتی ہے کہ زیر پردہ شریعت سازی کرنے والا گروہ بھی یہی چاہتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے اور بصیرت سے مفادِ عامہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔وہ آنحضرؐت کو انسانی جذبات ومیلانات کی بنا پر (معاذ اللہ) ممکن الخطا کہتا تھا۔اور یہی عقیدہ تمام علمائے اہلسنت نے حضرت عمر کے سر چپکا کر اختیار کیا ہے۔وہ آج بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔یعنی موجودہ اہلسنت علما کے عقائد اُسی زیر پردہ شریعت ساز ادارہ سے ماخوذ ہیں۔وہ ادارہ بھی یہی کہتا اور چاہتا تھا۔اور یہ اہل سنت علما بھی یہی کہتے اور چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی ذاتی رائے وبصیرت کے فیصلوں میں اجتہادی غلطی کا امکان تھا۔اور یہ کہ (معاذ اللہ) آنحضرؐت سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔وہ ادارہ بھی چاہتا تھا کہ حضورؐ کوئی حکم یا فیصلہ صادر کرنے سے پہلے دانشور صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں (آل عمران 3/154-155) اور آخر کار اللہ نے اُن سے معافی اور استغفار کی شرط پر مشورہ کر لینے کا مشورہ دے بھی دیا تھا۔(آل عمران 3/159) اور اُنکی سفارش کر دی تھی۔بالکل یہی عقیدہ آج تمام علمائے مجتہدین کا ہے۔لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ عہد رسولؐ میں جو شریعت زیر پردہ تیار ہو رہی تھی بعد میں کسی طرح وہی شریعت اُبھری اور بڑھتے بڑھتے ہمارے زمانہ تک آ پہنچی۔ہم شریعت کے اِسی ارتقا کو علمائے اہلسنت کے ریکارڈ سے اس زیرنظر عنوان میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔تاکہ آج کے نام نہاد اہلسنت علما سے یہ دریافت کر سکیں کہ حضور ذرا ہمیں اپنے کلمہ، نماز اور دیگر عقائد وعبادات پر قرآن کریم اور رسولؐ کریم کی سندات دکھاؤ۔

(1) حیاتِ رسولؐ میں بعد انتقال رسولؐ شریعت سازی کی تمہید وتیاری

(الف) کہنے کو تو علمائے اہلسنت یہ کہتے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کہتے ہیں کہ ''تمام صحابہ ستاروں کی طرح مستقل طور پر راہنما ہیں۔جس کی بھی سو فیصد پیروی کی جائے گی ہدایت ہی ہدایت ملے گی۔'' مگر عملاً اُنہوں نے اپنے عقائد اور اعمال وعبادات وشریعت میں حضرت عمر کو اپنا خاص نشانہ بنایا ہے اور اپنے اعمال وکردار کی ذمہ داری اُن کی گردن میں ڈالی ہے۔اُن کے ریکارڈ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمر عہد رسولؐ میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ یہود ونصاریٰ کے اجتہادات وتعلیمات حاصل کرنے کے لئے یہودیوں سے درس لینے جاتے تھے۔اور خود رسولؐ اللہ کو بھی توریت کی تعلیمات پر

راغب کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔اوراپنی دینی بصیرت میں اضافہ کے لئے سابقہ کتبہائے خداوندی اور دیگر انسانی علوم کا ماحصل اپنے پاس کتاب کی شکل میں مرتب کرتے جارہے تھے۔ پھر یہ بھی ریکارڈ کیا گیا ہے کہ:

(ب) ''حضرت عمر نے مسائل فقہیہ میں جس قدر غور وخوض کیا تھا۔صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔اُنہوں نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ (عام فہم الفاظ میں شریعت) کو مطمح نظر (نشانہ) بنا لیا تھا۔قرآن مجید میں جو مسائل فقہ (شریعت) مذکور ہیں اُن میں جہاں ابہام یا ایہام (گنجلک یا وہم) ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے۔اور جب تک پوری تسلی نہ ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی۔کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص بھی رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سُننے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے اُنہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا کہ ''سورہ نساء کی آخری آیت تیرے لئے کافی ہوسکتی ہے (مسند امام احمد حنبل) جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُن کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے۔وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُس کو قلمبند اور زیادہ غور وفکر سے اُس میں بھی محو واثبات (ترمیم اور کاٹ چھانٹ) کیا کرتے تھے۔پھوپھی کی میراث کے متعلق جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُس کو محو (مٹا دیا) کر دیا اُس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے (صفحہ 216)۔قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالے سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر نے ایک سو (100) مختلف رائیں قائم کیں۔بعض بعض مسائل کے متعلق اُن کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق اُنہوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اُس کو منگوا کر مٹا دیا۔اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 110)

(2) عہد رسولؐ میں حضرت عمر نے عہدِ خلافت کے لئے اپنی شریعت تیار کر لی تھی

اگر علمائے اہلسنت کے یہ دونوں بیانات صحیح ہیں تو قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ:۔

اوّل۔حضرت عمر سابقہ کتبہائے خداوندی کی تعلیمات اور تمام سابقہ علمائے یہود ونصاریٰ کے اجتہادات پر عبور رکھتے تھے اور اُن سابقہ علوم کا بذات خود ریکارڈ تیار کر چکے تھے۔

دوم۔حیاتِ رسولؐ میں آنحضرتؐ کے تمام فیصلوں کو مندرجہ بالا ریکارڈ اور معلومات کے معیار پر جانچتے تھے۔مشکل مسائل رسولؐ اللہ سے معلوم کرتے تھے اور جواب نوٹ کر لیا کرتے تھے۔

سوم۔جو جواب معیار پر پورا نہ اُترتا تھا اُسے بار بار دریافت کرتے تھے اسکی پرواہ نہ کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ جواب دیتے دیتے

تنگ آ جائیں۔ چنانچہ کلالہ کے مسئلہ کا جواب رسولؐ اللہ سے آخر تک نہ دیا جاسکا۔ جو آیت زیر بحث تھی؛ جسے حضرت عمر اپنے علمی میعار پر سمجھنا چاہتے تھے۔ دق ہو کر اُسی آیت کو بلا سمجھے پڑھنے اور خود سمجھنے کیلئے کہہ دینا حضرت عمر کو پسند کیسے آتا۔

چہارم۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنا چاہئے کہ وہ تمام مسائل جن کا جواب آنحضرتؐ کے سمجھانے کے بعد بھی سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اُن کو مزید تحقیق کے لئے الگ نوٹ کرتے تھے اور اپنے علمی ذخیرہ اور دیگر ذرائع سے مدد لے کر سمجھ کر چھوڑتے تھے۔ چنانچہ یہودی علما کے درس میں شامل ہونا اسی ریسرچ سے متعلق ہوسکتا ہے۔

پنجم۔ حضرت عمر کے پاس مرتے دم تک ایسے مشکل مسائل کا موجود ہونا بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ اور حضرت عمر دونوں مل کر بھی شریعت کے بہت سے مسائل کو سمجھ نہ سکے۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ بعض مسائل کو نہ خود سمجھتے تھے نہ حضرت عمر کے معیار پر سمجھا سکتے تھے۔

ششم۔ حضرت عمر کے لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام لانے کے بعد وفاتِ ابوبکر تک اپنا ہر لمحہ اسلامی قوانین کو سمجھنے میں صرف کیا۔ ہر مسئلہ کی فروعات وتفصیلات اپنے مجتہدانہ انداز میں مرتب کیں اور خلافت ملنے سے پہلے پہلے آپ اعلیٰ درجہ کے قانون ساز انسان بن چکے تھے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ:

(3) فہم وفراست میں عربوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد بازو ہوں

لَوْ لَا رِجَائِی اَنْ اَکُوْن خَیْرکم لکم اَقْوَاکم عَلَیْکُمْ وَاَشدّ کُمْ اصلاحًا ینوب مِن مھم امر کم مَاتَوَلَّیْتُ ذٰلکم منکم ۔

''اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد، سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لئے سب سے زیادہ شدت پسند بازو ہوں تو میں تمہاری یہ ولایت وحکومت قبول نہ کرتا۔''

ہفتم۔ یہ نوٹ کریں کہ شریعت سازی کا سب سے زیادہ حق حضرت عمر ہی کو تھا۔ اِسی حق کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عمر احکاماتِ نبویؐ میں مداخلت اور ترمیم وتنسیخ کیا کرتے تھے۔

(4) شریعت سازی میں فاروقی مداخلت اللہ ورسولؐ کو پسند تھی؟

قارئین یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ وہ شریعت جو قرآن اور رسولؐ کے احکام کے ماتحت مسلمانوں کو دی جارہی تھی وہ بھی خالص اللہ، رسولؐ اور قرآن کی شریعت نہ تھی بلکہ اُس میں بھی حضرت عمر کی قانونی بصیرت کا بڑا حصہ شامل بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ:۔

(الف) ''حضرت عمر کو اس امتیازِ مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں جب اُنہوں نے دخل دیا

تو آنحضرتؐ نے اُس پر ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار کیا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الٰہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

یہاں قارئین یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت عمر نہ نبی تھے نہ اُن پر وحی آتی تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمر کی ذاتی رائے اور بصیرت آنحضرتؐ سے بہتر اور ہر دفعہ صحیح ثابت ہوتی چلی جارہی تھی۔ چنانچہ ایک دوسرا بیان سنئے:

(ب) ''کتب سیَر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازہ پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمر نے کہا کہ آپ منافق کے جنازہ پر نماز پڑھتے ہیں؟ قیدیان بدر کے معاملے میں اُنکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں اُنہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے؟ (اگلے صفحہ پر لکھا کہ) قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز جنازہ منافق۔ ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کے موافق آئی۔ اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ (قانون شریعت) کے مسائل پر بہت بڑا اثر پڑا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 113-112)

مومنین غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں جو مسلمان یہ دیکھ رہے تھے کہ شرعی احکام اور قانون نافذ کرنے میں حضرت عمر کا فیصلہ وحی کے عین مطابق ہوتا ہے اور رسولؐ اللہ کے فیصلے (معاذ اللہ) غلط نکل جاتے ہیں۔ اُن کی نظر میں حضرت عمر کا کس قدر احترام و اعتبار رہوگا؟ اور وہ آنحضرتؐ کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے؟ اگر یہ تمام بیانات صحیح ہیں؟ تو ہمیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کی وہ رائے بھی غلط تھی جس میں آپ نے ایسی تحریر لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جس سے پوری اُمت تا قیامت گمراہ نہ ہوتی۔ اور حضرت عمر کا ایسی تحریر لکھنے سے روک دینا بھی صحیح تھا۔ اور وحی ختم نہ ہوگئی ہوتی تو حضرت عمر کی تائید میں اُترتی۔ بہرحال علمائے حدیث نے حضرت عمر کی تائید فرمادی ہے۔ اور چونکہ قرآن کے بعد صحیح بخاری شریف کا درجہ ہے۔ لہٰذا بخاری سے تصدیق دیکھ کر اطمینان کرلیں کہ حضرت عمر انتقالِ پیغمبرؐ تک اپنے ہر فیصلے میں حق پر تھے۔ اور غالباً حضرت عمر کی اس پوزیشن ہی کا تقاضہ تھا جو رسوؐل کی زبانی یہ لکھا گیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا قرآن سے ہجرت کرنے والی قوم (سورہ فرقان 25/30) کا تعاون و اعتماد یقیناً حضرت عمر کو حاصل ہونا چاہئے تھا۔ اور رسوؐل اللہ کی ہر اُس بات سے انکار ضروری تھا جو حضرت عمر کی رائے کے خلاف جاتی تھی۔

(5) حضرت عمر کی نافرمانیاں بھی اللہ کی ہدایت و شریعت بنادی گئیں

حضرت عبداللہ ابن عباس اُس زمانہ میں اور اُن کے بعد آج تک جو لوگ حضرت عمر کی بعض باتوں پر ناک بھوں

چڑھاتے رہے ہیں وہ ہماری اس کتاب کے بعد اپنی رائے میں ضرور تبدیلی پائیں گے۔آیئے اور دیکھئے کہ حدیثِ قرطاس کے ساتھ کیا گزری؟اور علمائے اہل سنت نے کیا سمجھا؟

عن ابن عباس قال لَمّا اشتدّ بالنّبیؐ وَجَعُه قَال ائتونی بکتابٍ اَکْتُب لکم کتابًا لَا تَضِلُّوا بعدہٗ قال عمر ان النبیؐ غَلَبه الوجع وعند نا کتاب اللّٰه حَسْبُنَا فاختلفوا و کثر اللغطُ ۔قال قومُوا عَنّی وَلَا ینبغی عندی التنازُعُ ۔فخرج ابن عباس یقول انّ الرزیة کل الرزیّة ماحال بین رسولؐ اللّٰه و بین کتابہٖ ۔(بخاری کتاب العلم جزاوّل صفحہ 22 نور محمد چھاپ)

''ابن عباس نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرؐت کی بیماری کی شدت بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک کتاب لا دو تاکہ میں تمہارے لئے کتاب میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو۔حضرت عمر نے جواب دیا کہ نبیؐ پر بیماری نے غلبہ پالیا ہے۔اور ہمارے پاس پہلے ہی اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمارے حسب حال ہے (لہٰذا اُس تحریر کی چنداں ضرورت نہیں ہے)۔ایسا کہنے پر اختلاف پیدا ہوگیا اور شوروغوغا مچ گیا۔اس اختلاف اور چیخ وپکار پر آنحضرؐت نے فرمایا کہ میرے پاس سے دُور ہوجاؤ۔میرے پاس جھگڑا کرنا موزوں نہیں۔چنانچہ ابن عباس بھی باہر نکل آئے اور کہتے جاتے تھے۔یقیناً یہ نہایت نقصان پہنچانے والی مصیبت تھی بلکہ ساری مصیبتوں کی ایک مصیبت تھی یہ جو آنحضرؐت کی تحریر لکھنے سے مانع ہوئی۔''

قارئین نے دیکھ لیا کہ رسوؐل کی ایسی بات بھی جس میں ساری اُمت کا اور خود حضرت عمر کا اپنا بھی بھلا تھا اس لئے نہیں مانی گئی کہ حضرت عمر کی رائے اس کے خلاف تھی۔یہاں یہ یقین کر لینا پڑے گا کہ قرآن سے مہاجر قوم کی نظر میں حضرت عمر آنحضرؐت سے بہتر سوچتے ہیں۔اوراُن کے مقابلہ میں (معاذ اللہ) آنحضرؐت کی نافرمانی بھی مفید ہوتی ہے۔

(6) حضرت عمر کی نافرمانیٔ رسولؐ بھی اللہ کی فرمانبرداری تھی؟

(الف) بخاری شریف میں اور حدیث کی باقی کتابوں میں جو کچھ بھرا پڑا ہے اگر وہ سب کچھ شیعہ وسنی عوام تک پہنچنے دیا گیا ہوتا تو آج یہ شیعہ سنی کا جھگڑا ہی نہ ہوتا۔لیکن دونوں طرف کے مجتہدین و مدبرین نے جھگڑوں اور تنازعات کو قائم رکھ کر ہی تو اپنی حکومت چلانا تھی اس لئے اِدھر امت کو جاہل رہنے میں پوری مدد دی۔تقلید کا جال پھیلا کر تحقیق کا راستہ بند کیا۔اُدھر اُن تمام احادیث پر معنوی اور تاویلی غلاف چڑھادیئے جو کسی طرح دلوں سے نکل کر کتابوں تک پہنچ گئی تھیں۔آیئے مندرجہ بالا حدیث کو پردوں اور غلافوں سے باہر نکالیں۔ایک شارح لکھتا ہے:

قوله فخرج ابن عباس ظاهره یدل عَلٰی اِنّ ابن عباس کان معهم فی تلک الحالة فخرج قائلًا بِهٰذِه المقالة ولَیْسَ کَذٰلک فی الواقع بل قول ابن عباس انّما کان عند الروایة بهذا الحدیث ای خَرَجَ من

المکان الذی کان فیہ عند التحدیث بِهٰذا الحدیث و اظهر التکلف حین تحدیثه لما رای من وقوع الفتن۔ (خیر جاری وکذا فی فتح الباری) (ایضا صفحہ 22 بخاری حاشیہ نمبر 6)

''بخاری کا یہ قول کہ ابن عباس باہر نکلے بظاہر یہ ثابت کرتا ہے کہ ابن عباس رسولؐ اور عمر کے مابین گزرنے والے حالات میں باقی لوگوں کے ساتھ وہیں موجود تھے اور گویا واقعہ کے وقت حاضر تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ وہاں نہیں تھے بلکہ ابن عباس نے جو کچھ کہا تھا وہ اُس وقت کی بات ہے جب اُنہوں نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ اور جس مکان میں بیان کی تھی وہاں سے نکلتے ہوئے وہ جملہ کہا تھا۔ اور یہ جو انہوں نے حدیث میں تکلف برتا ہے یہ فتنوں سے متاثر ہو کر کہا تھا۔''

قارئین نوٹ کریں کہ لکھی ہوئی حدیث کو اور وہ بھی بخاری میں لکھی ہوئی حدیث کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن؛

(ب) ایسے عالم بھی تھے جنہوں نے صحیح مانا اور صحیح مان کر حضرت عمر کی تائید کی ہے

'' قوله ایتونی بکتاب''لَعَلَ المراد به ما یکتب فیه و بقوله اکتب لکم کتابًا ما یکتب ولذلک قلی بالمظهر قیل انما کان هذا الا مر من النبیؐ اختبارًا لِاَ صحابه فهدی اللّٰه عمر لمراده و مَنَعَ من احضار الکتاب وخَفِیَ ذلک علیٰ ابن عباس''(حاشیہ السندی ایضاً بخاری صفحہ 57 پر)

''آنحضرتؐ کا یہ کہنا کہ مجھے کتاب لا کر دو۔ اُس سے شاید یہ مقصد تھا کہ مجھے وہ چیز دو جس پر تمہیں تحریر لکھ دوں۔ اسکے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ نبیؐ کی طرف سے یہ حکم اپنے صحابہ کو کوئی خبر دینے سے متعلق تھا۔ چنانچہ اللہ نے حضرت عمر کو نبیؐ کی مراد کی ہدایت کر دی اور انہوں نے اللہ کی ہدایت کے مطابق مذکورہ کتاب حاضر کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن عبداللہ ابن عباس سے یہ حقیقت پوشیدہ رہ گئی۔''

علامۂ السندی نے مسلسل یہ حاشیہ لکھا ہے، بڑی شان سے لکھا ہے۔ مگر ہم پہلے ہی کافی طول دے چکے ہیں بہر حال یہ علامہ نہایت مردانگی اور حریت پسندی کے ساتھ واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس کی طرح سوچنے والوں کا سامنا کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے انکشافِ حقیقت سب سے پہلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پہلے ہوا کرتا تھا۔

(7) وہ محدود وحی جو رسولؐ پر نازل ہوتی تھی حضرت عمر کی وسعت نظر میں حارج تھی

قارئین یہ بھی سمجھتے چلیں کہ آنحضرتؐ قرآن کریم سے جو شریعت یا قانون پیش فرماتے تھے۔ وہ اُن ضروریات کے سامنے نہایت محدود اور تنگ دامن ہوتے تھے جو حضرت عمر کے عالمی تجربے اور علم میں ہر لمحہ سامنے کھڑی رہتی تھیں۔ حضرت عمر کے ذہن میں وہ ساری شریعتیں تھیں جو ازآدمؑ تا عیسیٰؑ، اللہ نے سابقہ کتابوں میں نازل کی تھیں۔ اُن کے سامنے مشرق و مغرب کی تمام قدیم و جدید حکومتوں کے قوانین اور تعزیرات مستحضر تھیں۔ وہ اقوامِ عالم اور اقوامِ عرب کی ارتقائی و انقلابی ترقی اور قدیم و

جدید تقاضائے حیات کو سامنے رکھتے تھے۔ اُن کے سامنے آنے والی تاریخ اور زیرِ قدم انقلابات ناچتے، چیختے اور الْمدد کہتے ہوئے گزرتے رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلامی تعلیمات کے بعد اب مسلمانوں میں جرگہ سسٹم (System) یا یہ پنچائتی اور خاندانی یا سرداری حکومت ہرگز نہ چلے گی۔ دنیا کی دوسری حکومتوں کے مستحکم انتظامات کے سامنے مسلمانوں کی یہ حکومت، یہ محدود قوانین، یہ اللہ واسطے کے مجاہد اور فوج، یہ فی سبیل اللہ چندوں سے سامان جنگ کی خریداری و تیاری اُن مملکتوں کے مقابلہ میں کتنے دن ٹھہر سکے گی جہاں مسلح افواج، آزمودہ اور ہر موسم اور ہر میدان میں لڑنے والے جوان اور تنخواہ اور اعزاز یافتہ افسران موجود ہوں؟ محکمہ ڈاک، فوجی قوانین اور محکمہ جات برسرِ کار ہوں۔ جہاں افراد کی چھٹیاں اور بیماری و دیگر مصروفیات حکومت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتی ہوں۔ وہ اسلامی حکومت کو بچگانہ رجعت پسندی سے نکال کر ساری دنیا اور پوری نسل انسانی پر چھا جانے والی پوزیشن دینے کا اعلان کرتے رہے تھے (بقرہ 2/204-206)۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کے عالمی تصورات ذاتی و انفرادی و محدود مفادات رکھنے والوں کی نظر میں فساد فی الارض ہے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ عالمگیر تعمیری پروگرام میں کسی خاص قوم یا افراد کے تصورات کو اہمیت دینا تخریب ہے۔ اور کوئی انسانی تعمیر، تخریب کے بغیر ہو بھی نہیں سکتی۔ لہٰذا چند فصلیں اور کوئی بستی یا قبیلہ عالمی امن قائم کرنے والی افواج کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جا سکتا۔ وہ فصلیں، وہ بستی یا وہ قبیلہ اگر عالمی و آفاقی امن و امان اور انسانی فلاح و بہبود پر خود کو قربان نہیں کرتے تو اللہ کی راہ میں انہیں جبراً قربان کر دیا جائے گا اور اب شاید وہ ثواب سے بھی محروم رہیں۔ ٹھیک ہے آنحضرتؐ کے زمانہ کا وہی تقاضہ تھا جو مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔ اور اُن حالات میں اس عالمی پروگرام پر عمل کرنا واقعی فساد فی الارض ہوتا۔ مگر اُس عالمی پروگرام کو مدِنظر رکھ کر اقدامات کرنے کی تو قرآن میں کہیں ممانعت نہیں ہے؟ نہ حضرت عمر نے یہ کہا کہ فوراً اور ابھی اِسی وقت اُس پر عمل کریں۔ مگر جو کچھ ذہن میں ہے اُس کا بیان کرنا اس لئے ضروری تھا کہ رسولؐ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ اُنؐ میں اور حضرت عمر میں کیا فرق ہے؟ تاکہ آئندہ دونوں میں تصوراتی تصادم نہ ہو۔ اور اُن کی وسعت نظر سے احکام و شریعت سازی میں حسب ضرورت مدد لی جا سکے۔ رسولؐ اللہ کی نبوتی مجبوریاں حضرت عمر کو معلوم تھیں۔ اور اکثر حضرت عمر کو نبوت کے پُرشکوہ اور سخت الفاظ و احکام برداشت کرنا پڑتے تھے۔ لیکن برداشت کرنا اور طرح دے جانا اور بات ہے مگر وسعتِ نظر اور عالمی پروگرام کو انہوں نے کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ یہی سب کچھ کہنا چاہا تھا شبلی نعمانی نے مگر افسوس کہ وہ شمس العلما ہوتے ہوئے بھی کھل کر بات نہ کر سکے اور اتنا لکھ کر رہ گئے کہ:

"جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے ہوتے تھے۔ اُن میں اس بات کا موقع نہ رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اس کے امام

شافعی کو یہاں تک کدّ ہے کہ ترتیب فوج،تعین شعار،تشخیصِ محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں۔اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت کہتے ہیں کہ ''رسولؐ اللہ کے سامنے کسی کے قول وفعل کی کچھ اصل نہیں۔''(الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

قارئین نوٹ کریں کہ جناب شبلی اسی لئے نعمانی ہیں کہ جناب امام اعظم ابوحنیفہ یعنی نعمان بن ثابت نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت عمر کے جاری کردہ قوانین اور قواعد کو جمع کیا اور شریعت سازی میں وہ وُسعتِ خیال پیدا کی کہ خود عمر حیران رہ جاتے۔ اُنہوں نے انسان کی مختلف حالتیں فرض کر کر کے ہر حال وضرورت پر پیشگی قوانین تیار کردیئے۔مثلاً سردی کے زمانہ میں بڑا استنجا کرتے ہوئے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے لانا چاہئے اس لئے کہ سردی کی وجہ سے راستہ میں پیش آنے والی رکاوٹ سکڑ کر اُوپر اُٹھ جاتی ہے۔مگر گرمی میں یہ راستہ میں اڑی رہتی ہے اس لئے ہر دفعہ ڈھیلا آگے سے پیچھے کی طرف جانا چاہئے۔

یہاں ایک تشریحی جملہ سُنانا آپ کی بوریت کو اور دُور کرے گا۔ یہ مسئلہ لکھ چکنے کے بعد ہمیں خیال آیا کہ خبر نہیں ہمارے قارئین ہمارے الفاظ کی کمزوری سے بلند ہو کر اس مسئلہ کو سمجھیں گے یا نہیں؟ ہم نے بیٹی سے نہیں بلکہ ایک اور قریبی فرد کو مسئلہ سُنایا۔ہم نے دیکھا کہ سامع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگیا۔ہم نے ہنسی کو ضبط کئے رکھا اور پوچھا کہ تمہارے ہنسنے سے یقین ہوتا ہے کہ عام قاری مسئلہ کو سمجھ جائے گا۔ جواب ملا ٹھیک تو ہے خود بخود سمجھ میں آئے گا۔اُس راستے میں کوئی ٹریفک تھوڑی ہوتی ہے۔یقین کیجئے کہ اب ہم بھی بفضلِ امام اعظم بچوں کی طرح ہنس رہے تھے۔

(8) شبلی کے زمانہ تک ہندوستانی مسلمان علما ذرا جھجکتے رہے

شبلی صاحب اُنیسویں صدی کے تربیت یافتہ عالم تھے اسلئے اُنہوں نے تمام تلخ حقائق کو غلاف (Capsules) میں لپیٹ لپیٹ کر نگلوانے کی کوشش کی ہے۔انہیں کیا معلوم تھا کہ بیسویں صدی میں اُنکے بھائی بند مجتہدین برہنہ ہو کر اپنے حقیقی مذہب اور حقیقی راہنماؤں کو نام بنام پیش کریں گے۔اور جن لوگوں پر وہ خود اور پوری اُمت نام بنام لعنت کرتی تھی اُن ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھیں گے۔شبلی کے زمانہ میں کسی بُرے سے بُرے آدمی کو یزید وشمر کہنا بُرا سمجھا جاتا تھا۔اور ابھی کل تک ایسے لوگ موجود تھے کہ جب انتہائی مجبوری کے عالم میں کسی کو یزید کہتے تھے تو پہلے سے کشت وخون کی امید دل میں رکھتے تھے، آستینیں چڑھ جاتی تھیں اور ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔آج بھی دوسرے ممالک میں ہندو اور یہود تک یزید کو گالی سمجھتے ہیں۔لیکن ماشاء اللہ اس پاک سرزمین کی زرخیزی کہ یہاں معصوم وبے گناہ بچوں کو نہایت پیار سے یزید ومعاویہ کے ناموں سے پکارا جارہا ہے۔ چاروں طرف بیتُ الیزید اور کاشانۂ یزید کی تعمیر ہو رہی ہے۔ہم بہت خوش ہیں کہ آخر تیرہ سو سال کی محنت اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔

یہ ہے وہ مذہب جو صدیوں غلافوں، تاویلوں اور توجیہات کے پردوں میں چھپایا جاتا رہا۔ بہرحال شبلی صاحب کا چڑھایا ہوا غلاف اتار لینے کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ قارئین نے دیکھ لی ہے۔ وہ دیکھ چکے کہ رسولؐ اللہ، اللہ کے حکم سے مجبور تھے اور حضرت عمر منصب رسالت کے سامنے کافی حزم و احتیاط برت رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمیشہ رسولؐ اللہ کے فیصلوں کو ناپسند کیا۔ اور جہاں بات حد سے بڑھتی دیکھی رسولؐ اللہ کو برسر عام ٹوک کر، روک کر اپنا حکم جاری کرایا اور جہاں رسولؐ اللہ نے اختلاف کیا کھٹ سے ایک عدد وحی نازل کرا کے آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) خاطی ثابت کر دیا۔ یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا فیصلہ مندرجہ ذیل احکام و مسائل میں رسولؐ اللہ کے فیصلے کے خلاف اور اللہ کی منشا کے مطابق نکلا:

اوّل۔ منافقین کے جنازہ پر نماز پڑھنا غلط نکلا۔

دوم۔ صلح حدیبیہ دب کر کر لینا قابل اعتراض تھا۔

سوم۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق فیصلہ غلط نکلا۔

چہارم۔ ازواج رسوؐل کو پردہ کا حکم حضرت عمر نے دلوایا تھا۔

بقول جناب شبلی ان تمام مسائل میں اللہ نے وحی نازل کر کے حضرت عمر کا برسر حق ہونا اور اپنے بھیجے ہوئے رسوؐل کا (معاذ اللہ) خاطی ہونا ثابت کیا۔ اور آخری بات ابھی ابھی ثابت ہوئی کہ آنحضرتؐ کا اُمت کے لئے گمراہی پروف (Proof) تحریر لکھنا بھی اللہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ اور چونکہ رسولؐ پر وحی بند ہو چکی تھی اس لئے بقول امام السندی، اللہ نے حضرت عمر کو کسی دوسرے خدائی ذریعہ سے ہدایت کی کہ ہرگز کاغذ و قلم دوات نہ لانے دینا۔ چنانچہ حضرت عمر نے منع فرما دیا اور بات ختم ہو گئی۔ پھر رسولؐ اللہ کا ایسے خدارسیدہ لوگوں کو قُومُوا عَنِّی یعنی میرے پاس سے دُور ہو جاؤ، کہنا بھی کچھ اچھی اور صحیح بات معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تھی شریعت سازی کے معاملہ میں جناب عمر کی بے داغ پوزیشن۔ اور کیوں نہ بے داغ ہوتی جب کہ وہ دن رات اسی فکر میں غلطاں رہتے تھے کہ رسولؐ اللہ ہر مسئلہ اور ہر حکم ایسے انداز سے دیں جو بعد میں پیش آنے والی قومی ضرورتوں میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اُنہیں جس قدر مستقبل میں مسلمانوں کی فکر تھی۔ جناب شبلی سے سنئے فرماتے ہیں کہ:

(9) شریعت کی تیاری و تنفیذ میں حضرت عمر کی کدّ و کاوش

''مسائل فقہیہ (شریعت کے مسائل) کے متعلق اُن کو جو کدو کاوش رہتی تھی۔ اُس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو لفظ کلالۃ (نساء 4/12، اور 4/177) سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ کلام مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں۔ اسلئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالۃ میں کون کون ورثا داخل ہیں۔ حضرت عمر نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا اُس پر تسلی نہ ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسولؐ اللہ سے

دریافت کرنا۔ پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن اُن تمام باتوں پر اُن کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ 1: خلافت 2: کلالہ 3: ربا (سُود)۔'' چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث علاؤ الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 111 -110)

(10) انتقالِ رسولؐ کے بعد بھی حضرت عمر رسولؐ اللہ کی خامیاں بیان کرتے رہے

قارئین اس عنوان میں مسلسل دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ اللہ نے جو کام رسولؐ کو سونپا تھا، وہ ہرگز اُن سے انجام نہ دیا جا سکتا تھا اگر حضرت عمر ایسا فطری اور پیدائشی مقنّن مدد کے لئے نہ دیا ہوتا۔ چنانچہ یہ کتنی بڑی خامی (معاذ اللہ) قرآن اور قرآن لانے والے میں رہ گئی کہ مسئلہ کلالہ کی تعریف اور تعین نہ قرآن نے کیا نہ اللہ نے آنحضرتؐ کو بتایا۔ نہ حضورؐ ہی اُمت کے مُقنّن حضرت عمر کو سمجھا سکے۔ حالانکہ حضرت عمر نے زبانی اور تحریری دونوں طرح اس قانون کو سمجھنے کا انتظام کیا اور آنحضرتؐ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ یعنی رسولؐ اللہ بھی قرآن کی بات کو نہ سمجھتے تھے تو اگر بعد کے حاکم اور خلفا بھی کوئی آیت یا حدیث نہ سمجھیں یا غلط سمجھ جائیں تو رسولؐ اللہ کے برابر ہی تو خاطی ہوئے۔ لہٰذا جس طرح رسولؐ کی اطاعت خاطی ہونے کے باوجود واجب ہے۔ اُسی طرح خلفا سے غلطیاں اور غلط فہمیاں معاف کرنا پڑیں گی۔ اور اسی قاعدے سے جانشین رسولؐ کا خاطی و خطا کار ہونا جائز ٹھہرتا ہے۔ اسی جگہ یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر اور رسولؐ کے تمام صحابہ میراث کے مسائل کو کما حقہ نہ جانتے تھے۔ لہٰذا میراث میں مجتہدین سے جتنی غلطیاں یا اختلاف سرزد ہوا اُس کی ذمہ داری خدا اور رسولؐ پر آتی ہے۔ اور مجتہدین کی خطائے اجتہادی اسی جگہ سے ہمیشہ کے لئے معاف ہو جاتی ہے۔ اور شریعت سازی کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ و ممانعت باقی نہیں رہتی۔ ہر خلیفہ بننے والا شخص سو فیصد مختار ہے کہ اپنی اور رعایا کی مصلحتوں کے ماتحت جو حکم دے، جو قانون بنائے وہ سب اسلامی شریعت کے قانون ہوں گے۔ اُن قوانین اور قانون سازوں کی اطاعت اللہ و رسولؐ کی اطاعت ہو گی۔ اُن کی مخالفت خدا و رسولؐ کی مخالفت ہو گی۔

جب یہ مان لیا گیا کہ اُن کے بعد جو خلافت قائم ہوئی تھی وہ رسولؐ اللہ کے کسی حکم یا مشورے یا رضامندی سے نہیں ہوئی تھی تو پھر وہ حکومت یقیناً حضرت عمر کے قدیم پلان (بقرہ 2/204-205) کے مطابق وجود میں آئی تھی۔ بہرحال وہ اللہ و رسولؐ و قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ چونکہ حضرت عمر کا اس میں ہاتھ ہے اس لئے وہ بھی شرعی قانون کی طرح حضرت عمر کی رہین منت ہے اور قانون سازی کے لئے ضروری ہے۔ تا کہ جہاں جہاں تک اسلامی اقتدار جائے وہاں ہر جگہ حضرت عمر کے تیار کردہ قوانین و شریعت نافذ ہوتی اور فلاح اُمت کی ضامن بنتی چلی جائے۔ تیسرا مسئلہ جو حضرت عمر کو رسولؐ اللہ نہ بتا سکے سود کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا

مالی لین دین میں بھی قانون سازی حضرت عمر کے ہاتھوں سے لازم ہے۔

یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اس بیان میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ '' کلالة '' کا مسئلہ رسولؐ اللہ نے اور تمام صحابہ نے حضرت عمر کو سمجھایا لیکن رسولؐ اللہ اور تمام صحابہ نے اس مسئلہ کو عالمی معیار پر نہ خود سمجھا تھا نہ حضرت عمر کی اُنکے سمجھانے سے تشفی و تسلی ہوئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ منوالیا گیا کہ تمام صحابہ اور آنحضرت کی بصیرت مجموعی حیثیت سے بھی حضرت عمر کے مقابلہ میں کم تھی۔

(11) قرآن فہمی اور شریعت سازی کو عقلی معیار پر کس نے بلند کیا؟

قارئین اب جو بیان آنے والا ہے اس میں چند اہم چیزیں نوٹ کئے بغیر حضرت عمر کی حقیقی پوزیشن اجاگر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ دیکھنا ہوگی کہ 1: حضرت آدمؑ سے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کون شخص دین اور احکام خداوندی کو عقلی کسوٹی پر جانچنے میں اوّلیت رکھتا ہے؟ اور دیگر صحابہ رسولؐ اور خود رسوؐل کا کیا مقام ثابت ہوتا ہے۔ 2: دوسری چیز یہ سمجھنے کی ہوگی کہ جو لوگ احکام خداوندی میں چون و چرا اور اپنی عقل کو دخل دیئے بغیر مانتے چلے جاتے ہیں وہ حضرت عمر کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں؟ آخری بات یہ ہوگی کہ 3: ہر وہ حکم یا قرآن و رسوؐل کا فیصلہ قابلِ رد و بدل ہوگا جو حضرت عمر کے عقلی معیار پر پورا نہ اُترے۔ بس اب علامہ شبلی سے تمام مجتہدین کا مسلّمہ بیان سنئے:

''مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو (2) خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ اُن میں عقل کو دخل نہیں دوسرا یہ کہ اُس کے تمام اصول عقل پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال علمِ اَسرارِ دین (دین کے رازوں) کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں ہے تاہم ہر زمانہ میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے۔ جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ اُسی دوسرے اصول کے قائل تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اَسرارِ دین (دین کے رازوں) کی گویا بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ نے اس علم سے بحث کی ہے اور اس کے وجوہ ظاہر کئے ہیں'' (صفحہ 6) شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا اُن میں عبداللہ بن عباس کی عمر آنحضرؐت کی وفات کے وقت 13 برس کی تھی۔ حضرت علیؑ کا سِن جناب رسولؐ اللہ کی بعثت کے وقت دس برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت کا سِن آنحضرؐت کی ہجرت کے وقت 11 برس کا تھا۔ حضرت عائشہ آنحضرؐت کی وفات کے وقت کل 18 برس کی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگ اس علم کی ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اَوّلیّت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔ حضرت عمر مسائلِ شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ اور اُن کے

خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۔(نساء 4/101)

چنانچہ اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں دوران نماز فتنہ میں مبتلا کر دیں گے تو نماز میں کمی کر دینے سے تم پر کوئی خرابی عائد نہیں ہوتی ہے۔ (علامہ نے فَلَیۡسَ لکھنا عقل و مصلحت کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ احسن)

لیکن جب راستے مامون ہو گئے (اور کافروں کا خوف ختم ہو گیا۔ تمام کافر مسلمان ہو گئے) تب بھی قصر کا حکم باقی رہا (جو عقل و مصلحت کے خلاف تھا) حضرت عمر کو اُس پر (یعنی خدا کے خلافِ عقل و مصلحت حکم پر) تعجب ہوا۔ اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا: ''کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟'' آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے (صحیح مسلم احادیث سفر)۔ حج کے ارکان میں رمل ایک رُکن ہے۔ یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سُن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم) اس کے بعد یہ (دوڑ) معمول ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد حنبل) اُس (دوڑ) کو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر نے صاف کہا کہ ''مَالَنَا وَلِلرَّمَلِ اِنَّمَا كُنَّا رَأَيۡنَا بِهِ المشركين وَقَدۡ اَهۡلَكَهُمُ الله ۔ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض؟ اِس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔'' حضرت عمر نے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ رمل کے ترک کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو حضرت عمر کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو کہا کہ غلط سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے فقہ (شریعت) کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ اُن تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں۔ اِس سے بداھتاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر اس علم اَسرار الدین (دین کے رازوں) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔''

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 99-98)

(12) حضرت عمر کی عقل قرآن و رسولؐ کی صحت کا معیار تھی

(الف) قارئین نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ہم نے بطور تمہید بتایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ چند اور حقائق بھی ثابت ہوتے

چلے گئے ہیں۔ علامہ شبلی یہ پسند نہیں کرتے کہ شریعت سازی میں کوئی دوسرا فرد حضرت عمر کے برابر کے درجہ میں مانا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے شاہ ولی اللہ کے تجویز کردہ ناموں کو خارج کر دیا۔ اور کم سنی کی بنا پر حضرت علیؑ و حضرت عائشہ تک کو حضرت عمر کے ساتھ شمار کرنا غلط بتایا۔ اُدھر سابقہ عنوانات میں رسوؐل کو بڑی تفصیل سے آوٹ (out) کر ہی چکے تھے۔ اور اس تازہ بیان میں یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرؐت نے قرآن کے واضح الفاظ کے باوجود نمازِ قصر کو برقرار رکھا۔ حالانکہ اب کوئی کافر نہ بچا تھا۔ اور یہی نہیں کہ نماز قصر کو قرآن اور عقل اور ضرورت دین کے خلاف باقی رکھا بلکہ بلاکسی قرآنی آیت کے برقرار رکھنے کو خدا کا انعام بھی سمجھا۔ پھر حضرت عمر نے حج کے رکن یعنی رمل کرنے سے لاتعلقی ظاہر کی۔ حج میں سے اس رکن کو خارج کرنے کا ارادہ کیا مگر کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر یہ کہہ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ یہ رسولؐ اللہ کی یادگار ہے۔ حالانکہ وہ آنحضرؐت کی یادگاروں کو مٹانے میں کوشاں رہے ہیں تاکہ رسوؐل کی پوجا شروع نہ ہو جائے۔

(ب) یہ اصول سو فیصد صحیح ہے کہ قرآن و رسولؐ کے یا اُن دونوں کی شریعت کے احکام عقل کے معیار پر صحیح ہیں۔ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ کس شخص کی عقل کو قرآن اور سنت کے احکام پر آخری فیصلہ کرنے والا مانا جائے گا؟ اس لئے کہ عقل ایک ترقی پذیر قوت ہے۔ اور ہر شخص کی عقل کا فیصلہ مختلف ہوتا ہے۔ اور کسی بھی انسان کی عقل کا کوئی بھی فیصلہ آخری نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس کی عقل اپنی ترقی کی انتہا پر نہیں ہوتی۔ اس میں ابھی ترقی کی گنجائش ماننا لازم ہے۔ یعنی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں شخص کی عقل مکمل ہو چکی ہے اُس وقت تک کسی کا عقلی فیصلہ قرآن وسنت کے فیصلوں میں سے کسی حکم یا فیصلے کو عقل کے خلاف کہہ کر تبدیل یا باطل نہیں کرسکتا۔ چونکہ یہاں تک بار بار اور کئی طرح سے یہ مانا گیا ہے کہ حضرت عمر نے اکثر رسولؐ اللہ کے قرآنی فیصلوں کو غلط ثابت کیا اور حضرت عمر کے عقلی فیصلوں کی قرآن اور وحی نے تائید کی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عمر کی عقل بالکل مکمل تھی اور وہ یہ حق رکھتے تھے کہ قرآن اور سنت کے احکام اور فیصلوں میں اپنی عقل اور مصلحت کے مطابق جو تبدیلی چاہیں کریں۔ جس حکم کو چاہیں عارضی اور وقتی کہہ کر معطل یا فقہا کی زبان میں منسوخ کر دیں اور اگر ضروری ہو تو نئے قوانین واحکام بنائیں۔ اور تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت عمر کے بلا وحی ذاتی فیصلے کو اللہ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر عمل کریں۔ یہ ہے وہ مقام جو مجتہدین نے حضرت عمر کے لئے اُمت میں مشہور کیا۔ اور یہی ہیں وہ اختیارات جن کی رُو سے آج کی پوری شریعت وعقائد وعبادات حضرت عمر کی مہربانیوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا صحیح ہے کہ آج جو شریعت مسلمانوں کے پاس اُن کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے، وہ وہ شریعت نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں تیار کر کے مسلمانوں کو دی تھی بلکہ یہ وہ شریعت ہے جو حضرت عمر نے اپنی عقل وبصیرت کے معیار پر نقد ونظر کے بعد امت پر نافذ کی تھی۔ اور اب آئندہ عنوانات میں اسی پہلو کو سامنے لایا جائے گا۔ لیکن پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ حضرت عمر کی شریعت ساز نگاہ میں رسولؐ اللہ کی

یادگاریں قائم کرنا کیسا تھا؟اس کی ایک دو مثالیں دیکھ کر عنوان بدل دیجئے۔

(13) رسولؐ اللہ کی یادگاروں سے بُت پرستی کا اندیشہ تھا

(الف) قارئین جانتے ہیں کہ بزرگانِ دین کی قبروں پر فاتحہ خوانی ،قصیدہ اور قوالی کی محفلیں قائم ہوتی ہیں ،لنگر جاری رہتے ہیں،عُرس قائم ہوتے ہیں،منّتیں اور مُرادیں برآتی ہیں۔بادشاہانِ عالم کے درباروں اور تاجپوشی کے جلوسوں سے زیادہ رونق اُن مزاروں پر رہتی ہے۔اُمت میں بزرگوں کے مختلف ایام بڑی شان سے منائے جاتے ہیں۔مگر شیعہ اور اہلسنت کی اُس عظیم کثرت کو جو یہ سب کچھ مانتی اور مناتی چلی آئی ہے،مجتہد حضرات شرک و بدعت کہتے ہیں۔اِن کاموں کو بت پرستی قرار دیتے ہیں اور جہاں جہاں اُن کو موقع ملتا ہے ایسی تمام قبروں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں جن پر اُمت کا ہجوم ہوتا ہے،جن سے مومنین کی مرادیں اور تمنائیں وابستہ ہوتی ہیں۔اُن کا ایمان اس قدر مضبوط ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار کو (معاذ اللہ) دنیا کا سب سے بڑا صنم (بُت) کہتے اور لکھتے ہیں۔افسوس ہے کہ اُمت کے عوام کو اُن علما کے قلبی و کتابی عقائد معلوم نہیں ہیں ورنہ وہ اُن سب پر تین حرف کہہ کر اُن سے اپنا دینی رشتہ منقطع کرنے میں ذرہ برابر تکلف نہ کریں۔ہم اُمت کو ساری عمر سے یہی بتاتے ہوئے آرہے ہیں اور اس کتاب میں بھی اُن کی نقاب کشائی کی جارہی ہے۔

(ب) علامہ شبلی نے بڑے مزے سے اُمت کو شرک و بدعت سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک مقدس سہارا لیا ہے۔ذرا غور سے اور محبت رسوؐل کو اُبھار کر سُنیں:

> ''اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے۔لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اِسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ہے۔ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا کہ: ''اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَ اَنَّکَ لَا تَضرو لَا تَنْفَع۔میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔''حضرت عمر کا یہ فعل مذاقِ عام سے جس قدر الگ تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اُسی وقت حضرت علیؑ نے اُنکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی شہادت دیگا۔لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔(چند سطروں کے بعد لکھا) ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرؐت نے نماز پڑھی تھی۔اس خیال سے لوگ اس مسجد کی طرف دوڑے۔حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب اِن ہی باتوں کی بدولت تباہ

ہوئے کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبروںؑ کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 98-97)

یہاں قارئین دو باتیں نوٹ کرلیں اوّل یہ کہ اُمت کے عوام کا وہی طریقہ اُس زمانہ میں بھی تھا جو اَب ہے۔اور حضرت علیؑ اس معاملہ میں اُمت کے ہم خیال ہیں۔اور چونکہ حضرت عمر آنحضرؐت کی یادگاروں کو باقی نہ رکھنا چاہتے تھے اور حجر اسود کے لئے وہ احتیاطی بات فرمائی تھی جو رسولؐ اللہ کو بھی نہ سوجھی تھی۔اس لئے تمام محدثین کو کاذب کہنا زیادہ بہتر ہے۔بہرحال دوسری بات وہی ہے کہ حضرت عمر ہرگز رمل کے معاملہ میں یادگار سمجھ کر خاموش نہ ہوئے تھے۔بلکہ کوئی زیادہ وزن دار بات تھی۔

6۔ آنحضرؐت کے بعد جو دین وشریعت حکومت کی طاقت سے دُنیا میں پھیلے؟

پچھلے عنوانات میں محققینِ اہلسنت کی تحقیق قارئین کے سامنے سے بار بار گزرتی اور ثابت کرتی رہی کہ قرآن اور صاحب قرآن صَلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسَلَّم کی پیش کردہ شریعت اور دین حضرت عمر کی دینی بصیرت کے اکثر خلاف ہوتا تھا۔اور حضرت عمر احکامِ خدا ورسوؐل کو اکثر خلافِ عقل دیکھ کر آنحضرؐت سے سوالات کیا کرتے تھے اور رسولؐ اللہ کے جوابات سے حضرت عمر مطمئن نہ ہوتے تھے۔مگر بعض اوقات مصلحتًا اپنے اختلاف پر اصرار نہ کرکے وقتی طور پر رسوؐل کا حکم برداشت کرلیتے تھے۔اور اُس وقت کا انتظار کرتے تھے جب وحی کے الفاظ کی جگہ وحی کی عقلی ومعنوی اسپرٹ (SPIRIT) کو آزادی سے استعمال کیا جانا ممکن کرلیا جائے گا۔چنانچہ حیاتِ رسولؐ ہی میں حضرت عمر نے مستقبل کے لئے پروگرام بنالیا تھا اور وہ تمام پیش بندیاں کردی تھیں جو قومی حکومت کے لئے ضروری تھیں۔چونکہ انتقالِ رسولؐ کے بعد حضرت عمر اور اُن کی زیرتربیت دانشوارنِ قوم اور اُن کی ہمنوا قوم یہ نہ چاہتی تھی کہ آنحضرؐت کی قائم کردہ حکومت خاندانِ نبوت میں رہے (الفاروق) اور پوری قوم اور سارا ملک شخصی حکومت کی غلامی میں پھنس جائے۔اس لئے ضروری تھا کہ انتقالِ رسولؐ سے قبل ہی اُن تمام سربرآوردہ لوگوں پر خاص نظر رکھی جائے اور اُن کی روک تھام کی جائے جو نبوتؐ کی طرح حکومت کو بھی خاندان نبوت میں رکھنا پسند کرتے تھے۔اور چاہتے تھے کہ دنیا کو آزادیٔ رائے اور حکومت سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا جائے۔قرآن کریم نے یہ پوری اسکیم بیان کردی ہے جو ملکی قوم کی کثرت کا مطمحِ نظر رہتی چلی آرہی تھی۔اُس قوم نے قرآن کریم اور رسول کریمؐ کے وہ تمام احکام ذاتی اور وقتی مصلحت کہہ کر ماضی اور حال سے مخصوص کردیئے تھے جن سے خاندانِ نبوت میں امامت وخلافت وحکومت کا قائم رہنا ثابت ہوتا تھا۔اور طے کرلیا تھا کہ مستقبل میں قومی حکومت قائم کی جائے گی اور قرآن ورسولؐ کے تمام احکام مفادِ عامہ اور مصلحت قومی اور دانشورانِ قوم کی بصیرت کے ماتحت نافذ ہوا کریں گے۔اسی مقصد کی تمہید تھے وہ مسائل جن میں حضرت عمر نے عہد رسالت میں کھل کر نہایت شدت کے ساتھ اختلافات کیئے اور اپنی بصیرت سے احکامِ رسوؐل کی اصلاح کی حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت عمر کی تائید میں اور آنحضرؐت کی

مخالفت میں وحی تک نازل کرنا پڑتی رہی۔اور حضرت عمر نے اپنی مذکورہ قوم سے اپنا لوہا منوالیا تھا۔ یہ ہی وہ قوم تھی جو ہرگز رسوؐل کی خاندانی حکومت نہ چاہتی تھی۔

(1) فری اسٹائل (Free Style) حکومت اور شریعت خاندانِ نبوت سے ممکن نہ تھی

زیرِگفتگو قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے جناب علامہ شبلی تمام مجتہدانہ بحثوں اور خاندانِ نبوت سے حکومت نکال لینے کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔اُن کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اُس سے حضرت عمر کے خیالات کا ''سربستہ راز'' معلوم ہوگا۔مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباس علیؑ ہمارے ساتھ کیوں شریک نہیں ہوئے؟

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔ (قارئین نوٹ کریں)

حضرت عمر: تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی پھر قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟

عبداللہ بن عباس: میں نہیں جانتا۔ (حضرت عمر سے اعلان کرانے کی ترکیب)

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں۔تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس: کیوں؟ (پھر تفصیل اُگلوائی)

حضرت عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کردیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی۔اگر وہ تم کو خلافت دیتا بھی تو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔(یہاں ذراسی خیانت ہوگئی۔یہ بھی کہا تھا کہ)''مبادا تم اپنی قوم سے (حکومت ملنے کے بعد) بدسلوکی کرو۔اس لئے قریش نے حکومت کو اپنے لئے پسند کیا۔اُن کی رائے درست تھی اور اس میں وہ کامیاب رہے۔'' (طبری حصہ سوم خلافت راشدہ صفحہ 281)

یہاں آکر علامہ فرماتے ہیں کہ: ''دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے۔کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں اور کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت عمر: کیوں عبداللہ ابن عباس تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سُنا کرتا تھا۔لیکن میں نے اس خیال سے اُس کی

تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر: میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے خلافت ہمارے خاندان سے حَسداً اور ظُلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے۔ لیکن حسداً؟ تو اس کا تعجب کیا ہے؟ ابلیس نے آدمؑ پر حسد کیا۔ اور ہم لوگ آدمؑ ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر: افسوس! بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباس: ایسی بات نہ کہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔؟؟؟

حضرت عمر: اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس: بہت مناسب ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 104-103)

علامہ شبلی غالباً یہ سمجھتے تھے کہ کون طبری کو دیکھتا پھرے گا؟ جو ہم نے لکھ دیا ہے اُس پر لوگ کیوں شک کریں گے؟ لیکن ہم قارئین کو یہ ضرور بتائیں گے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مقابلہ جب بھی صحابہ سے کیا جائے گا۔ اہلسنت مجتہدین پر خیانت واجب ہو جاتی ہے۔ وقت اگر ملا تو ہم ''مجتہدین کی دینی خیانتیں'' نام کی ضخیم کتاب پیش کریں گے۔ یہاں تو اُس دوسرے مکالمہ کی نئ باتوں میں شمس العلما کی خیانت دیکھ لیں تو آگے چلیں۔

عبداللہ ابن عباس: اے امیر المومنین وہ کیا باتیں ہیں؟ اگر وہ صحیح ہیں؟ تو آپ کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ میرا مرتبہ گھٹائیں اور اگر وہ جھوٹی ہیں؟ تو میرے جیسا انسان اُسے دور کر سکتا ہے۔'' (اور)

عبداللہ ابن عباس: اے امیر المومنین ٹھہریے۔ آپ ایسے لوگوں کے دلوں پر الزام نہ لگایئے جن کی آلائش کو اللہ نے دُور کر دیا ہے۔ اور اُن کے دلوں کو حسد اور فریب اور مکر کی آلائش سے بالکل پاک و صاف کر دیا ہے۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کا قلبِ مبارک بھی بنو ہاشم کے قلوب کا ایک حصہ ہے۔ (آپ نے فرمایا۔)

حضرت عمر: اے ابن عباس تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا) بہت بہتر۔ (جب میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔)

حضرت عمر: اے ابن عباس تم بیٹھے رہو۔ مجھے تمہارے حقوق کا خیال ہے اور مجھے تمہاری خوشی پسند ہے۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) اَے امیر المومنین میرے آپ پر اور ہر مسلمان پر کچھ حقوق ہیں جو کوئی اُن حقوق کی

حفاظت کرے گا تو وہ خوش نصیب ہے۔اور جس نے حق تلفی کی تو وہ بدنصیب ہے۔'' اس کے بعد آپ (عبداللہ ابن عباس) اُٹھ کر چلے گئے۔(طبری حصہ سوم خلافت راشدہ صفحہ 281 تا 283)

علامہ شبلی صاحب نے دوسرے مکالمہ میں ہی نہیں بلکہ پہلے مکالمہ میں بھی ایک خاص پہلو کو چھپا لیا ہے۔وہ بھی نوٹ کرلیں:۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) اَے امیر المومنین اگر آپ مجھے گفتگو کرنے کی اجازت دیں۔اور مجھ پر ناراض نہ ہوں تو کچھ عرض کروں؟

حضرت عمر: اے ابن عباس تمہیں بولنے کی اجازت ہے۔

عبداللہ ابن عباس: (میں نے کہا کہ) آپ نے فرمایا ہے کہ قریش نے اپنے لئے خلافت کو انتخاب کیا اور اس معاملہ میں وہ درست تھے اور کامیاب ہوئے۔اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اگر قریش اپنے لئے خلافت کا انتخاب اُس وقت کر لیتے جب اللہ بزرگ و برتر نے اُنہیں اختیار دیا تھا تو اُس وقت یہ صحیح معاملہ نا قابل رَدّ اور نا قابل حسد ہوتا۔وہ لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت وخلافت دونوں چیزیں ہمارے اندر جمع ہو جائیں۔تو خدائے بزرگ و برتر نے بھی ایک جماعت کی ناپسندیدگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔(محمدؐ 47/7-9)

''یہ اس وجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اس (وحی کو) جو اللہ نے نازل فرمائی تھی۔پسند نہیں کیا اِس لئے اُس نے اُن کے اعمال اکارت کردیئے۔''(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ 282-281)

(2) قارئین حضرتِ عمر اور شبلی کا سَر بمُہر اور سر بند قدیم منصوبہ آپ کے سامنے ہے

اِن مکالموں سے جو حقائق بلا شک وشبہ ثابت ہوتے ہیں۔وہ ہم قرآن کریم سے براہ راست لکھ چکے ہیں۔لیکن وہاں ایک قاری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ہمارے ترجمہ اور تفہیم کو یک طرفہ تصور قرار دے کر رد کردے۔مگر اب حضرتِ عمر نے یہ ''سربستہ راز'' کھول دیا اور صاف الفاظ میں اقرار کرلیا کہ:

اوّل: قریش مکہ نے اپنی قومی مصلحت کی بنا پر، اللہ ورسوؐل کی منشا کے خلاف یہ سر بند منصوبہ بنا رکھا تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد خاندان نبوت میں حکومت کو ہرگز نہ جانے دیا جائے گا۔اس لئے کہ اس طرح اس مقدس قوم کو نقصان کا یقین تھا۔

دوم: حضرتِ عمر اور حضرتِ ابوبکر قوم کے اس منصوبے اور فیصلے کے قائد یا راہنما لیڈر تھے۔اِن دونوں بزرگوں کا ہم خیال و ہم آہنگ ہونا اور دونوں میں محبت اور دوستی اِدھر تمام مسلمانوں میں مُسلّمہ ہے۔اُدھر قرآن کریم اس دوستی کا نچوڑ یہ بتاتا ہے کہ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ (منصب رسالت کے خلاف سمجھ کر) چھوڑ کر دوسری، خود فہمیدہ راہ اختیار کرلی تھی۔اور جب یہ منصوبہ برسر کار آیا تھا، اُسی وقت رسولؐ نے اللہ سے شکایت کی تھی کہ میری قوم نے

قرآن کے ماتحت رہنے کے بجائے دوسری قیادت اختیار کرلی ہے۔ اللہ نے اُس قوم کو سابقہ انبیاءِ کرام کی مخالف جرائم پیشہ اقوام میں شامل کر کے رسولؐ اللہ کو تسلی دی تھی۔ (الفرقان 31-25/27)

سوم: حضرت عمر کا یہ کہنا کہ ''خلافت وحکومت حاصل کرنے میں قوم کی رائے صحیح تھی اور اُس میں وہ قوم کامیاب ہوئی'' ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر وحضرت ابوبکر اور قوم قریش نے اپنے اس مقصد کے لئے حیاتِ رسولؐ ہی میں اسکیم بنائی اور حصولِ حکومت کی تمام ممکنہ کوششیں کیں اور رسوؐل کی آنکھ بند ہوتے ہی اپنی قومی حکومت قائم کرنے اور اپنا تصوراتی اسلام وشریعت جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اور رسولؐ اللہ کے خاندانی حکومت کے تصور کو ناکام وپسپا کر دیا۔ اور آخر آج اس قابل ہے کہ خاندانِ رسوؐل کا مُنہ چڑا سکے۔

چہارم: اسی مکالمہ میں یہ ثابت ہوگیا کہ 1: خاندانِ نبوت پر ظلم وستم کیا جارہا تھا اور مدینہ کا ہر ذی ہوش شخص اُس ظلم سے مطلع تھا۔ 2: اور یہ بھی کہ حسد کیا گیا 3: اور حسد کرنے والوں کو عبداللہ ابن عباس نے ابلیس کے ساتھ شمار کیا 4: حضرت عمر دونوں حقیقتوں کے اظہار پر بوکھلا جاتے ہیں 5: اور اعلان کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کے ساتھ اُن کی اور اُن کی قوم کی بہت پرانی چشمک اور کینہ وبغض وحسد چلا آرہا ہے۔ 6: عبداللہ ابن عباس حضرت عمر کو یاد دلاتے ہیں کہ حضور آپ جن پر اتہام لگا رہے ہیں اُن کی شان میں آیت تطہیر (احزاب 33/33) نازل ہوئی تھی۔ وہ اور رسوؐل خدا، اللہ کی ذمہ داری کی بنا پر بُغض وحسد اور کینہ وفریب سازی وغیرہ کی ناپاک آلائشوں سے پاک ہیں 7: اور یہ کہ یہ سب کچھ یاد آنے پر حضرت عمر شرمندہ ہوئے۔ اعتراف حقوق کیا اور ازراہِ شفقت بزرگانہ اپنے پاس بٹھالیا۔ اور عبداللہ کی رضا جوئی کی۔

پنجم: آخری حقیقت یہ کہ عبداللہ ابن عباس نے حضرت عمر کو دعوت ذوالعشیرۃ یاد دلائی۔ جب آنحضرتؐ نے تمام اہل خاندان کو اور قریش کے تمام بزرگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے اپنی نبوت ورسالت اور زیر بحث حکومت میں تعاون طلب کیا تھا۔ اور اپنے لئے ایک ایسا شخص مانگا تھا جو حکومت وخلافت ونبوت ورسالت کی ذمہ داریوں میں رسولؐ اللہ کا بھائی، وزیر اور خلیفہ بن جائے اور تمام آنے والی مشکلوں اور جان لیوا مخالفتوں میں سینہ سپر رہتا اور کامیاب ہوتا چلا جائے۔ عبداللہ ابن عباس نے یہ کہا کہ اگر اُس روز تم یا ابوبکر یا کوئی اور قریشی آگے بڑھتا اور دنیا کے مقابلہ میں خلافت وجانشینیٔ رسوؐل کو انتخاب کرتا تو اُس پر حسد کا الزام نہ لگتا اور میں تم کو یُوں ردّ نہ کرتا۔ تمام قریش اُس وقت مذاق کرتے ہوئے اُٹھ گئے۔ چند روز بعد خطرہ محسوس کیا تو محمدؐ وآل محمدؐ کو فنا کرنے پر متفق ہوگئے، تباہ کن جنگیں لڑیں، اپنے مخصوص لوگوں کو اسلام لانے اور داخلی محاذ بنانے پر مامور کیا، قومی اور جمہوری قسم کی حکومت قائم کرنے اور نبوت کی خاندانی حکومت کے خلاف مہم چلانے پر لگایا، ہر خطرہ سے بچ کر رہنے کی تاکید کی، رسولؐ کے بشری جذبات کو آڑ بنایا، ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں دخل دیا، قوم نے تائید کی آخر ساری قوم کلمہ پڑھ کر ساتھ ہوگئی۔ اُدھر رسولؐ کے حکم

کے بغیر جائز فکر بھی منع تھا، حفظ ماتقدم بھی رسولؐ کے ہاتھ میں تھا۔متبعین رسولؐ کے ہاتھ بندھے ہوئے اور وحی کے پابند تھے۔تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے، ہر ترکیب جائز، ہر بات قوم کی نظر میں وحی تھی۔ وہ فرائض کی ادائیگی میں مجبور تم ہر حال میں جس طرح بھی ہو سکے حکومت حاصل کرنے پر مامور، یوں تم کامیاب ہو گئے۔ہم نے اپنا دین محفوظ رکھا تم نے حکومت حاصل کر لی۔

(3) جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں قومی حکومت لے لی گئی

جس طرح حضرت عمر کو خدا نے ایک دن اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اپنا قومی منصوبہ بیان کرنے میں کوئی خطرہ محسوس نہ کر سکے۔اسُی طرح جناب شبلی صاحب اپنے زمانہ میں اپنے اور اپنے تمام بزرگوں کے مذہب کو مسمار کر دینے والی باتیں لکھنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔اور چند تنکوں کے سہارے اپنا سفینۂ مذہب ڈبوتے ہوئے بلا تکلف لکھتے ہیں کہ:

''یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرؐت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی۔اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسولؐ اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو اُنؐ کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اُن کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ جائے۔تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں (حضرت ابوبکر وعمرؓ) سے سرزد ہوا جو (شبلی کے نزدیک) آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔اس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرؐت سے فطری تعلق تھا۔یعنی حضرت علیؑ اور خاندانِ بنی ہاشم، اُن پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرؐت کے درد وغم اور تجہیز و تکفین سے (حصول حکومت اور قریش کی) اِن باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔'' (اور یاروں نے تخت وتاج سنبھال لیا) (الفاروق حصہ اول صفحہ 32-31)

قارئین کرام ہمیں اس بیان پر بھی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ ہم تو اس کتاب میں مومنانہ انداز سے علمائے اہلسنت کی تقریباً ہر بات مانتے چلے جانے کے مُوڈ میں ہیں۔اور ہر بات اور ہر فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑتے چلے جا رہے ہیں۔البتہ کہیں ضرورت ہوتی ہے تو ذرا ورا سی وضاحت، وہ بھی خود علمائے اہلسنت کے قلم سے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ہمیں دو باتیں یاد دلانا ہیں۔

پہلی بات یہ کہنا ہے کہ علامہ شبلی اگر اتنا اور لکھ دیتے کہ وفاتِ رسولؐ پر حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کا ردعمل اور بھی بدترین صورت اختیار کر لیتا ہے جب تاریخ کا یہ بیان سامنے آتا ہے کہ اُن پر اپنے مشفق ومہربان رسوؐل کی وفات کا صدمہ تو کیا اثر انداز ہوتا بلکہ انہوں نے رسولؐ اللہ پر رنج وغم میں مبتلا لوگوں کو مشرک قرار دیا۔اور رسوؐل اللہ کو بھول جانے اور اللہ کو یاد کرنے کا مشورہ

بھی دیا تھا۔ چنانچہ بخاری میں یہ الم انگیز واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان رسوؐل اللّٰہ مات و ابوبکر بالسُّخ قال اسماعیل یعنی بالعالیة فقام عمر یقول واللّٰہ مامات رسولؐ اللّٰہ ۔قالت وقال عمر واللّٰہ ما کان یقعُ فی نفسی اِلَّا ذاک ولَیَبْعَثَنَّهُ اللّٰہ فلیقطعَنَّ ایدیَ رِجَالٍ وارجُلَهم ۔فجاء ابوبکر فکشف عن رسولؐ اللّٰہ فقبّله فقال بابی انت و اُمّی طِبْتَ حَیًّا وَ مَیِّتًا والذی نفسی بیدہٖ لا یُذِیقکَ اللّٰهُ الموتَتین ابدًا ثُمَّ خَرَجَ فقال اَیُّهَا الْحَالِفُ عَلٰی رسلک فَلَمَّا تکلّم ابو بکر جَلَسَ عمر فَحَمِدَ اللّٰهَ ابوبکر واثنٰی علیه وقال اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ محمدًاؐ فانَّ محمدًا صلی اللّٰہ علیه و سلم قدماتَ وَ مَنْ کَانَ یَعبُدُاللّٰہَ فانَّ اللّٰہ حیٌّ لا یموت .. الخ (بخاری پارہ نمبر 14 فضائل اصحاب النبی صفحہ 517 چھاپ نور محمد)

"حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ جب رسولؐ اللہ مرے تو ابوبکر اُس وقت (اپنے گھر محلّہ) سُخ میں تھے۔اُس وقت حضرت عمر یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ خدا کی قسم رسولؐ اللہ مرے نہیں ہیں۔عائشہ نے یہ بھی کہا کہ عمر کا کہنا یہ تھا کہ خدا کی قسم اُس وقت میرے دل میں اس کے سوائے دوسری کوئی اور بات ہی نہ آئی اور میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ یقیناً اللہ آنحضرؐت کو دوبارہ مبعوث کرے گا۔ پھر وہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔اتنے میں ابوبکر آ گئے۔رسولؐ اللہ کا چہرہ کھولا،بوسہ دیا اور کہا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں۔آپ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی پاک ہیں۔قسم بخدا اللہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا۔ پھر ابوبکر باہر نکلے اور عمر سے کہا کہ اے بے تحاشہ حلفیہ بیان دینے والے۔ابوبکر اتنا ہی بولنے پائے تھے کہ عمر بیٹھ گئے۔ابوبکر نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد کہا۔خبردار ہو جاؤ کہ جو لوگ محمد کو پوجتے تھے وہ مایوس ہو جائیں اس لئے کہ محمد یقیناً مر گیا۔جو خدا کی عبادت کرتے تھے وہ اطمینان رکھیں کہ خدا زندہ ہے کبھی نہ مرے گا۔"

اگر علامہ یہ لکھ دیتے تو ہمیں شکایت نہ ہوتی۔اور عوام الناس کو پتہ لگ جاتا کہ وفاتِ رسولؐ، اہلبیت علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لئے کوئی غم انگیز حادثہ نہ تھا۔اور یہ کہ اُن کے اسلامی تصور میں کچھ لوگ رسوؐل کی پرستش کیا کرتے تھے۔مگر یہ حضرات خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

دوسری شکایت یہ ہے کہ جناب علامہ شبلی نے اپنے عنوان "سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف" کے بعد بارہ سطروں میں وفاتِ رسوؐل اور حضرت عمر اور حضرت ابوبکر اور بنی ہاشم کا تذکرہ کیا ہے۔ان سطور میں چھ جگہ "آنحضرؐت" اور "رسولؐ اللہ" وغیرہ لکھا مگر احترام کی علامت (ؐ) نہیں لکھی اسی طرح "علی" بلا احترام (ؑ) کے لکھا۔مگر حضرت عمر کا نام ایک ہی جگہ لکھا تو ان پر (رضؓ) احترام کی علامت کو واجب سمجھا۔قارئین اس قسم کی توہین رسولؐ اس علامہ سے اور اُن کے ہم مذہب علما سے برابر دیکھتے چلے جائیں گے۔یعنی مجتہدین کے دلوں میں جو بغضِ رسولؐ و آلِ رسولؐ پوشیدہ ہے وہ اکثر و بیشتر اسی

صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بہر حال ابھی وفاتِ رسولؐ پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے اقدامات کے متعلق علامہ شبلی سے چند جملے اور سن لیں تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ خاندانِ رسولؐ میں حکومت کا چلا جانا حضرت عمر کو ہرگز منظور نہ تھا۔ اور یہ کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد جناب عمر اور اُن کی زیرِ قیادت قوم نے جو اقدامات کئے وہ اچانک نہ تھے۔ بلکہ سوچے سمجھے اور قصداً وعمداً کئے گئے تھے۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ:

(4) حضرت عمر نے زبردستی خاندانِ نبوت میں حکومت نہ جانے دی

(الف)۔ ''یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ وابوبکر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز وتکفین چھوڑ کر (اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے) سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32)

(ب)۔ ''یہ بھی سچ ہے کہ انہوں (ابوبکر وعمر) نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار سے بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32)

(ج)۔ ''اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب کے بہت سے صاحب اِدعا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ ''خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے۔'' اور عمر (ان دونوں خاندانوں میں سے) کسی میں نہیں ہیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 82)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ جن لوگوں کو شبلی صاحب نے **مؤلفۃ القلوب** کہا ہے وہ یقیناً بنی امیہ ہی کے لوگ تھے۔ ورنہ خاندان رسولؐ کے ساتھ حکومت کے حق دار بنی امیہ کو نہ کہتے۔ یعنی حضرت عمر جس قوم کے تعاون سے حکومت پر قابض ہوئے تھے ان میں بنو امیہ شامل تھے۔ لیکن جب حکومت حضرت ابوبکر اور اُن کے بعد حضرت عمر تک جا پہنچی تو بنو امیہ کو احساس ہوا کہ یہ دونوں حضرات نہ بنی ہاشم میں سے ہیں اور نہ بنو امیہ میں سے ہیں۔ اور اب عمر نہ معلوم اپنے بعد حکومت کس کو سونپ جائیں۔ یہی ادعا اور دباؤ تھا کہ حضرت عمر نے اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کیا۔ بلکہ نہایت تدبر سے حکومت کو بنو امیہ کی طرف جھکا دیا اور حضرت عثمان خلیفہ بن سکے۔

(د) ''بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں اسلئے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں (اور حضرت عمر یہ حق نہ دینا چاہتے تھے) اُنہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس کو اس کی جگہ مقرر کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ اُن کی طرف سے مطمئن نہ

تھے۔اس لئے بلا کراُن سے کہا کہ: فِی نَفْسِیْ مِنْکَ شَیْءٌ ۔ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ اُنہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا: ''اِنّی خَشِیتُ علیک اَنْ تاتی علی الفئی الذی ھو آت ۔یعنی مجھ کوڈر رہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔'' (حصہ 2 صفحہ 91-90)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ عبداللہ بن عباس سے نہ کوئی محبت تھی نہ حقیقی طور پر اُنہیں قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا۔نہ عبداللہ نے سرِ تسلیم خم کر کے عہدہ لیا تھا۔

(ہ) ''حضرت عمر نے باوجود حضرت علیؑ کے طلب وتقاضے کے آل نبیؐ کوفدک اور خمس سے محروم رکھا۔''
(الفاروق حصہ دوم صفحہ 121) اور

(و) ''جب حضرت عباس اور حضرت علیؑ عمر کے پاس فدک کے دعویدار ہوکر آئے تھے تو عمر نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہوسکتا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 124)

قارئین نوٹ کرلیں کہ حضرت عمر نے حکومت کو جبراً خاندان نبوت سے نکالکر ملکی وقومی مصالح کو پورا کیا اور بنی ہاشم اور علیؑ کو اُس قومی حکومت میں کوئی عہدہ تک نہ دیا۔اور خاندان نبوت سے وہ تمام حقوق چھین لئے جو انہیں اللہ ورسولؐ نے دیئے تھے۔اور یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ حضرت عمر کے نزدیک رسولؐ کے فیصلے ہمیشہ (معاذاللہ) غلط ہوا کرتے تھے اور اصلاح ضروری تھی۔

قارئین کرام یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ ہم اس کتاب میں استحقاق خلافت کی گفتگو سے بچ کرنکل رہے ہیں۔اور صرف یہ دکھارہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جس قسم کی حکومت اور قانون بن رہا تھا وہ ضروریاتِ قومی ومصلحتِ عامہ کو پورا نہ کرتا تھا۔اس میں وحی کی لفظی پابندیاں تھیں اور معنوی وسعت نظر کا ہر جگہ فقدان تھا۔حضرت عمر کے سامنے ایک عالمگیر حکومت کا تصور تھا۔جس کو اگر برسرکار نہ لاجائے تو گویا مقصد رسالتِ خاتم الانبیاؐ تباہ ہوجائے گا۔اسلئے حضرت عمر روزاوّل سے حضورؐ کے سامنے اصلاحات پیش کرنے میں اصرار وتکرار لازم سمجھتے تھے، وہ ہرقدم پر وسعت نظر کی اپیل کرتے تھے۔اس کے باوجود بعض احکام واقدامات میں اُن کا مشورہ نظرانداز کردیا جاتا تھا۔بار بار تجربے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر آنحضرتؐ کو من مانی کرنے دی گئی تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کچھ لوگ رسولؐ اللہ کے نام پر جدید قوانین بنانے میں حارج ہوں گے بلکہ یہ حکومت الٰہیہ خاندانی اور موروثی حکومت بن کررہ جائے گی۔اور مقصدِ خداوندی فوت ہوجائے گا۔اُنہوں نے مقاصدِ دینی اور منشائے خداوندی کو بحال رکھنے کے لئے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا شرعاً جائز سمجھا جو اسلام اور اسلامی حکومت کو رجعت پسندی اور تنگ دامنی سے محفوظ رکھے۔خواہ بعض کوتاہ اندیش اُن کے اقدامات کو ناجائز، خلاف منشا وخلاف احکام رسولؐ ہی کیوں نہ قرار دیں۔ وہ انسانی طبائع پر کامل اطلاع ونظر رکھتے تھے۔وہ قبل ازوقت جانتے تھے کہ جب حکومت اُن کے منصوبے کے مطابق اپنی گرفت اور

نظام قائم کرلے گی تو تمام معترضین اور تمام ناک بھوں چڑھانے والے حقیقت کو سمجھ جائیں گے۔ جب اُن پر چاروں طرف سے نعمتوں اور دولت کی موسلا دھار بارش ہوگی تو اعتراضات کے لئے قرآن کی آیات شمار کرنے کے بجائے اپنا سرمایہ اور دولت گننے میں لگ جائیں گے۔ چاروں طرف سے جب ''عمر زندہ باد'' کے نعرے گونجتے ہوئے سنیں گے تو بھیگی بلیوں کی طرح سمٹ سمٹ کر اپنا پہلا سائز اور دینی قدو قامت بھی کھو بیٹھیں گے۔ پبلک اُن کی رجعت پسندی کو نفرت کی نظر سے دیکھا کرے گی۔ اور اگر میری قائم کردہ خلافت الٰہیہ چوتھائی صدی بھی چل گئی تو مخالفین پر لعنت و ملامت کرنا دینی فرائض میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر مخالفت پر اصرار جاری رہا تو مومنین و صالحین اُمت مخالفوں کی نسل کو بھی تباہ کردیں گے۔ اور وہ وقت بھی آئے گا جب محققین اور دانشورانِ اُمت حقیقت حال کو سمجھ کر میری ظاہری بے اعتدالیوں کو اُمت پر احسان عظیم سمجھیں گے۔ قارئین نوٹ کریں کہ یہ سب کچھ اُسی طرح وقوع میں آیا جیسا کہ سوچا گیا تھا۔ اور یہ آخری بات بھی آخر علامہ شبلی نے لکھ دی، وہ فرماتے ہیں:

> ''ابن ابی شیبہ نے کتاب مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ ''یا بنتِ رسولؐ اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپکے یہاں اسی طرح لوگ مجمع کرتے رہے تو میں اُن لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔'' اگرچہ ہم سند کے اعتبار سے اس روایت پر اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس روایت کے روّات کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی و سرگرمی کیساتھ جو کاروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اُن ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور معاویہ میں واقع ہوئیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 35-34)

محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ غصہ کے بجائے ہماری بات سنیں ہم دو منٹ بعد غصہ کریں گے۔

(5) حضرت علیؑ کی حکومت فتنہ سازی اور سازشوں کا پیش خیمہ ہوتی

پہلے آپ ''حق چار یار'' کا نعرہ ماریں اور سوچیں کہ یہ چار یار کون کون حضرات ہیں؟ اس یارانہ میں حضرت علیؑ تو اس لئے شامل نہیں مانے جا سکتے کہ وہؑ اور اُنؑ کا گھر ابوبکر و عمر کے خلاف دشمنی اور سازش اور سازش کرنے والوں کا اڈہ اور قابل سوختنی تھا۔ پھر آپ غصہ کو اس لئے تھوک دیجئے کہ ہم اپنی نرم روی سے اور ہر بات ماننے کی پالیسی پر چل کر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مخالف مجتہد محاذ نہ ہماری سخت گوئی سے قبول حق کے لئے آمادہ ہوتا ہے، نہ وہ ہماری نرم روی سے اقرارِ حق کرتا ہے۔ وہ بے

لاگ زبان سنتا ہے اور حقائق کی بھر مار دیکھتا ہے تو ہم پر سخت کلامی کا الزام لگا کر ہمیں کنڈم کرنے اور ہمارا بیان کردہ حق قبول کرنے کے بجائے ہماری آڑ میں حق کو کنڈم کر دیتا ہے تو ہمارے احباب ہم پر خفا ہوتے ہیں کہ اگر آپ سخت کلامی نہ کرتے یا آئندہ نرم رویہ اختیار کرلیں تو مخالفین ضرور حق کو قبول کرلیں گے۔ لہٰذا ہم اپنے تقیہ زدہ، مرنجاں مرنج اور صلح کل ٹائپ کے احباب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ مغالطوں اور فریبوں کی تیار کردہ تہذیب واخلاق کی عینک میں سے غلط دیکھتے ہیں اور غلط نتیجہ نکالتے ہیں۔ بہرحال آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر ہرگز نہیں چاہتے کہ انتقالِ رسولؐ کے بعد اُنکے علاوہ کوئی اور جانشینِ رسولؐ بن کر رسولؐ کی قائم کردہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ یہی ہمارا عنوان ہے۔ اور یہ ہمارے ہر جملہ سے ثابت ہوتا چلا آرہا ہے۔ جو چیزیں درمیان میں آپڑتی ہیں اُن میں اُلجھنے سے بات پھیلتی چلی جاتی ہے اور مخالف مجتہد کو راہ فرار تلاش کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ورنہ ہم یہاں رک کر علامہ شبلی اینڈ کمپنی سے یہ معلوم کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ جناب آپ کا حدود اربع کیا ہے؟ آپ نہ محدث ہیں نہ آپ اصولِ حدیث واصول فقہ واصول تفسیر کی سند ہیں۔ آپ کو اگر کسی حدیث کے رُوَّاۃ کا علم نہ ہو تو وہ حدیث کیوں قابل اعتبار نہ ہوگی؟ اس قسم کا دعویٰ تو آپ کے بڑے راہنما نے بھی نہیں کیا۔ پھر آپ تو دو صفحات پہلے (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 32) تمام کتب حدیث وسیَر کا انکار کر چکے ہیں۔ قارئین ہمیں آگے بڑھنا ہے ورنہ ہم حضرت فاطمہؑ کے مکان پر حملہ آور ہونے، مکان میں سچ مچ آگ لگانے، حضرت فاطمہؑ پر مکان کا دروازہ گرانے کے ثبوت میں احادیث کا ڈھیر لگا دیتے۔ اور جن حضرات کو یہ ڈھیر دیکھنا ہو وہ کتاب الفرق، التحریف وغیرہ پڑھیں۔ ہم تو اپنے قارئین کے سامنے اسلام کے دو راہنماؤں کو مخالفین کے ریکارڈ سے اُن ہی کی زبان میں پیش کررہے ہیں۔ جس کا دل جس کو چاہے اپنا راہنما سمجھ لے۔ رسولؐ کی پوزیشن بھی اُن کے قلم سے سامنے ہے۔ اور جناب عمر بھی ایک کامیاب خندہ فرمارہے ہیں۔ ہمیں غصہ اور خلافت کی بحث کی کیا ضرورت ہے؟ جو لوگ نبوت وقرآن سے زیادہ علم وبصیرت کے حامل مانے گئے۔ اُن کو راہنما بنانا اگر کفر نہیں ہے تو اُس کا نام یقیناً اہلسنت والجماعت ہی ہوسکتا ہے۔ یعنی وہ جماعت جس نے رسولؐ اللہ کے زمانہ میں بنو ہاشم کو دوبارہ شکست دے کر حضرت عمر کے نقش قدم پر حکومت قائم کی، اپنی پالیسی کے مطابق احادیث وتواریخ وتفاسیر لکھوا کر اسلام کا نیا ریکارڈ تیار کرکے، ایک نئی نبوت ونئی خلافت ونیا اسلام وشریعت دی۔ اور ثابت کر دکھایا کہ علیؑ کو چار یاروں میں چوتھے نمبر پر بھی جگہ نہیں ملتی۔ بلکہ وہ چوتھا یار حقیقی معنوں میں ''خلیفہ جی'' تھا۔ وہ وہی بزرگ ہستی ہے جس سے ساری دنیا میں خلافت اور خلیفہ جی پھیل گئے۔ اور اُن چاروں یاروں کا پورا کارنامہ قرآن کریم اور نہج البلاغہ میں مفصل لکھا ہوا رکھا ہے۔ ہم مولویوں کو نہیں، مجتہدین کو نہیں، بلکہ اُمت کے اُن عوام کو مخاطب کررہے ہیں جو اُن حضرات کے فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ تاکہ وہ حق وباطل کا فرق نوٹ کرتے اور صحیح نتیجے پر پہنچتے چلے جائیں۔

(6) حضرت ابوبکر کو بھی زبردستی سے اپنا آلۂ کار خلیفہ بنایا گیا تھا

(الف) ہم نے اپنی تصنیفات میں قرآن کریم سے بار بار دکھایا ہے کہ قیامت میں ایک یار اپنے یار کی زبردستی اور ہیرا پھیری کا اقرار کررہا ہے، سروسینہ پیٹ پیٹ کر اپنے اُن ہاتھوں کو چبا چبا کر بیان دے رہا ہے جن ہاتھوں کو زبردستی پکڑ کر معاہدہ کرایا گیا تھا.

وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًاo یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا o لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًاo وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًاo وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ وَکَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّنَصِیۡرًاo (فرقان 31-25/27)

اُس روز ایک بے محل کام کرنیوالا ظالم اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا کہ اَے کاش میں نے رسولؐ والا راستہ یا طریقہ اختیار کرلیا ہوتا۔ ہائے میری خرابی۔ اے کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا ''یار'' نہ بنایا ہوتا۔ یقیناً اُس یار نے مجھے ایسی حالت میں بھی گمراہ کردیا کہ مجھے میرے پاس آکر یاد دہانی کرائی جا چکی تھی اور بات سمجھ میں آچکی تھی۔ اور وہ یار شیطان کی طرح مخصوص انسانوں کو رُسوا کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اور رسولؐ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ کر اپنے لئے قوانین کا دوسرا ماخذ اختیار کرلیا ہے۔ اور اسکے جواب میں اللہ نے اُس عملدرآمد کو جرائم پیشہ لوگوں کا کاروبار بتایا جس طرح ہر نبیؐ کے مدمقابل جرائم پیشہ لوگوں کو ان کا دشمن بنائے رکھا تھا اور رسولؐ کو اپنی ہدایات اور نصرت کے وعدہ پر قناعت کرنے کا حکم دیا تھا۔

قارئین کرام پھر ''حق چار یار'' کا نعرہ ماریں اور حضرت ابوبکر صدیق کی ایک اور صدق بیانی سنیں تا کہ یہ عنوان مکمل ہوجائے کہ قومی حکومت اللہ ورسولؐ کی تنگی نظر کی بناپر قوت وطاقت وجبر کیساتھ قائم کی گئی تھی اور قومی حکومت نے خاندانِ رسالت کو سازشوں کی وجہ سے تمام ملکی عہدوں اور سرمایہ سے محروم رکھا اور آخرکار اُس خاندان کو تباہ کردیا تا کہ قومی حکومت بے روک ٹوک چلے۔

(ب) حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر کی جانشینی کی تحریر لکھ دی ہے، زبانی بھی اعلان کردیا ہے۔ قرآن سے ہجرت کرجانے والی مہاجر قوم کے سربرآوردہ اور بقول شبلی صاحبانِ ادعا لیڈر موجود ہیں۔ حضرت ابوبکر اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہے ہیں، موت کی جھلکیاں دنیا کو رخصت کرنے کا پیغام دے رہی ہیں۔ آپ اپنے اعمال کا جائزہ لے رہے ہیں، جن حضرات کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی وہ سامنے بیٹھے ہیں مگر تیوریاں چڑھی ہوئی ہیں۔ حضرت ابوبکر نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ: (راوی عبدالرحمٰن بن عوف ہے)

''ابوبکر نے کہا کہ میں نے تمہاری حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے۔ مگر اس سے تم سب کی ناکیں پھول گئیں۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب خود اُس کو مل جائے۔ اب تم لوگوں نے دنیا (دولت) کو

آتے دیکھ لیا ہے۔ دنیا جب آئے گی (یعنی حضرت عمر کے زمانہ میں) تو اُس وقت تم ریشم کے پردے اور دیبا کے گدے استعمال کروگے۔ (اور وہ تمہیں ایسا نازک مزاج بنادے گا کہ) اذری اُون پر لیٹتے ہوئے تمہیں ایسی تکلیف ہوا کرے گی کہ جیسے کسی کو کانٹوں پر لیٹنے سے ہوتی ہے (حق چار یار زندہ باد)۔ دنیا داری میں گرفتار ہونے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ حد شرعی کے بغیر تمہاری گردنیں اڑادی جاتیں۔ تم ہی لوگوں کو سب سے پہلے گمراہ کرنے اور راہِ راست سے ہٹانے والے ہو (25/27-31 کو یاد رکھیں) اے اللہ اے راہِ مستقیم دکھانے والے بلاشبہ وہ (نہ معلوم یہ کس کا ذکر ہے؟) یا تو صبح کی روشنی کی مانند ہے۔ (یقین حاصل نہیں ہوا ہے) یا پھر ڈبو دینے والے سمندر کی مانند ہے۔''

حضرت ابوبکر چونکہ مہاجر قوم کی گمراہی اور گمراہ کن پالیسی کا اعلان کررہے تھے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ابوبکر صدیق کو سچ بولنے سے روکا جائے۔ لہٰذا جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے بات کا رخ بدلا اور کہا:

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان: ''اے امیر المومنین اس قدر جوش میں نہ آیئے اس سے آپ نڈھال ہوئے جاتے ہیں۔ لوگوں میں ہر شخص دو حال سے خالی نہیں ہے۔ 1: یا تو اُسکی رائے بھی وہی ہے جو آپکی رائے ہے۔ تو وہ آپ سے متفق ہے۔ 2: یا آپکی رائے کے خلاف کہنے والا ہے۔ تو وہ آپ کو مشورہ دے رہا ہے۔ مگر آپکی پسند اور منشا کے ساتھ متفق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صرف خیر خواہی چاہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ صالح اور مصلح رہے ہیں۔ اور آپکے دل میں دنیا کی کسی چیز کی حسرت نہیں ہے۔''

قارئین نوٹ کرلیں کہ اس محفل میں اُس وقت خالص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی قوم کے لوگ تھے۔ یعنی دل سے مخالف کوئی بھی وہاں پر موجود نہ تھا۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ عبدالرحمٰن نے اُنہیں صالح اور مصلح کہہ کر اور امت کا یا قوم کا خیر خواہ بتا کر تسلی دینا چاہی تھی مگر حضرت ابوبکر کے روبرو اُنکی ساری زندگی کی تصویر آکر کھڑی ہوگئی اور آخر انہوں نے فرمایا کہ:۔

حضرت ابوبکر کا دوسرا بیان: حضرت ابوبکر نے کہا۔ ''ہاں میرے دل میں دنیا کی کوئی حسرت نہیں ہے۔ مگر تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کی ہیں۔ مگر کاش میں نہ کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے چھوڑ دی ہیں۔ مگر کاش اُنکو کرتا۔ اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ کاش میں رسولؐ اللہ سے اُن کے متعلق دریافت کرلیتا۔ وہ تین چیزیں جن کو میں چھوڑ دیتا تو اچھا ہوتا۔ یہ ہیں کہ:

1: کاش میں نے فاطمہؑ کا گھر نہ کھولا ہوتا۔ اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لئے اُس کا دروازہ بند کرتے۔

2: اور کاش میں الفجاءۃ سلمٰی کو زندہ نہ جلاتا۔ بلکہ یا تو اُس کو باندھ کر قتل کردیتا۔ یا آزاد چھوڑ دیتا۔

3: اور کاش سقیفہ کے روز میں اُس خلافت کو دو میں سے کسی ایک شخص کے گلے میں ڈال دیتا۔ ابوبکر کا اشارہ عمر اور ابوعبیدہ جراح کی طرف تھا۔ دونوں میں سے کوئی ایک امیر ہوتا۔ اور میں وزیر ہوتا۔''

(ہم تین باتوں کو ''کاش اُن کو کرتا'' عنوان سے غیر متعلق سمجھ کر چھوڑتے ہیں)

وہ تین چیزیں جن کے متعلق رسولؐ اللہ سے دریافت کرلیتا

1: اور کاش میں رسولؐ اللہ سے دریافت کرلیتا کہ یہ حکومت کس کو ملنی چاہئے۔تاکہ پھر کسی کو نزاع کا موقعہ نہ رہتا۔

2: اور کاش میں رسولؐ اللہ سے یہ بھی پوچھ لیتا کہ اس حکومت میں انصار کا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں؟

3: اور کاش میں آپؐ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق دریافت کرلیتا۔کیونکہ میرے دل میں اس کے متعلق کچھ بے اطمینانی ہے۔'' (یہ تمام بیانات تاریخ طبری خلافت راشدہ ابوبکر کی وفات جلد 2 صفحہ 277-276)

(7) اے کاش یٰلَیۡتَنِیۡ، یٰوَیۡلَتٰی نو دفعہ؛ کیا ظاہر کرتا ہے

اوّل: قارئین سب سے پہلے تو یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت عمر نے اپنی قومی حکومت بلا رضامندی خدا اور رسولؐ اپنی اور اپنی قومی مصلحت کے ماتحت قائم کی تھی۔

دوم: پھر یہ مان لیں کہ قومی حکومت قائم کرنے میں اُنہوں نے بنی ہاشم اور انصار کے ساتھ ہر ظلم وزیادتی اور بقول شبلی ہر بے اعتدالی بلادریغ استعمال کی تھی،اور:

سوم: یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے خود حضرت ابوبکر کو ترکیب سے مجبور کیا اور حکومت میں اُن کو اپنا آلہ کار بنایا پھر یہ مانیں کہ:۔

چہارم: سورۂ فرقان میں حضرت ابوبکر کا وہی بیان مذکور ہے جو انہوں نے مرنے سے پہلے نو (9) مرتبہ اے کاش (یٰلَیۡتَنِیۡ) کہہ کر دیا تھا (فرقان 31-25/27)۔ پھر یہ قبول فرمائیں کہ:

پنجم: حضرت ابوبکر کے پاس جو لوگ جمع تھے، وہی وہ لوگ تھے جنہوں نے امت کو گمراہ کیا تھا۔اور یہ کہ وہ سب بلا تکلف اور جُرم عائد کئے بغیر بھی گردن زدنی تھے۔اور یہ کہ حضرت عمر کی قومی حکومت دولت کی فراوانی کے وعدوں پر قائم ہوئی تھی۔

(8) حضرت عمر نے عہدِ رسولؐ کے تمام سربرآوردہ صحابہ کو باندھ کر رکھ دیا تھا

قارئین کرام یہ بھی نوٹ کریں کہ حضرت عمر نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے تمام بڑے بڑے اور صاحبانِ علم صحابہ کو اپنی حکومت میں نظر بند رکھا۔اور جو لوگ عہد رسولؐ میں باغیانہ خیالات رکھتے تھے یا جنہیں افرادی قوت حاصل تھی انہیں اپنا پشت پناہ بنایا۔اور انہیں پبلک پر مسلط کرکے ایک مطلق العنان حکومت کو رواج دیا۔اس سلسلے کے چند چوکنا اور محتاط جملے علامہ شبلی کی دماغی زنبیل سے ٹپک گئے ہیں۔

(الف) جبراً قابو میں رکھنے کی تدابیر ملاحظہ فرمائیں: ''خاص عرب میں اُن (عمر) کو مختلف پولیٹکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ 1: یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔2: بڑے بڑے ملکی افسروں کو اکثر بدلتے رہتے

تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے علاوہ کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ 3: ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ 4: جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے اکثر اُن کو دارالخلافہ (مدینہ) سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُن لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا آپ لوگ یہ دولت (جہاد کا ثواب) بہت جمع کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا لَا تخرجوا فَتَسَلَّلُوْا مینًا۔ (تم لوگ مدینہ سے باہر نہ نکلو ورنہ تم لوگ بیمار پڑ جاؤ گے۔ یا یہ کہ تم لوگ چپکے سے نکل بھاگو گے۔ یا یہ کہ تم لوگ جھوٹ پر تیغ بکف ہو جاؤ گے۔ اس پُر پیچ صورت کی وجہ سے شبلی نے ترجمہ نہیں کیا۔ بہرحال نظر بندی سے آزاد ہو کر یہ لوگ حضرت عمر کے لئے عظیم خطرات کا سبب بن سکتے تھے۔ اور اسی مطلب کو حضرت عمر نے ایسے الفاظ میں کہا جو مخاطب سمجھ سکتے تھے) 5: ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے.... 6: بنی ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں بھی زیادہ تر یہی (نظر بند رکھنے کی) مصلحت ملحوظ تھی۔'' (الفارق حصہ دوم صفحہ 86)

قارئین نوٹ کر رہے ہوں گے کہ بڑے بڑے اہل علم صحابہ کو اور تمام صاحبان اثر و اقتدار کو کیوں باہر نہ نکلنے دیتے تھے؟ ہم تو اس کی صرف ایک وجہ سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کے مدینہ سے باہر نکلنے پر اُن کا منہ بند رکھنا مشکل تھا۔ یہ لوگ اسلام کی صحیح صورت اور قرآن کے صحیح مفاہیم بیان کر دیتے۔ فضائل محمدؐ و آل محمدؐ لوگوں تک پہنچ جاتے۔ خلافت وحکومت کے متعلق رسولؐ اللہ کی قرآنی پالیسی واضح ہو جاتی۔ حضرت عمر کے تمام اقدامات خدا اور رسولؐ کی منشا کے خلاف ثابت ہو جاتے اور دو ماہ بھی یہ قومی حکومت پاؤں نہ چلتی۔ مدینہ سے باہر اور عرب کے اندر اندر جو لوگ اسلامی اسپرٹ اور احادیث و قرآن سے واقفیت رکھتے تھے وہ ابتدا ہی میں تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے۔ قیدی اور غلام بنا کر مدینہ میں اور باہر بھیجے جانے والوں میں بھی وہی صاحبان علم تھے۔ مگر ہم تو نہایت خاموشی سے نظام اجتہاد اور حکمرانوں کے پاسبانوں کے بیانات آپ کے سامنے رکھتے چلے جا رہے ہیں اور ہمارے عنوانات صرف اُن کے پُرکارانہ اور مکارانہ بیانات سے بھی ثابت ہوتے جا رہے ہیں۔ جو کمی رہ جاتی ہے دوسرے بیان سے پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آیئے ایک ایسے شخص کا بیان سنیئے جو ماشاء اللہ خارجیوں اور ناصبیوں سے بھی کہیں بڑھ کر شیعوں کا اور اہل بیتؑ اور علیؑ کا دشمن گزرا ہے۔ جس نے پرویز ایسے منکرِ حدیث وفضائل اہلبیتؑ تیار کئے وہ لکھتے ہیں:

(ب) ''حضرت عمر نے اپنے عہد (حکومت) میں اعیان قریش (قریشی سرداروں) کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔ اُن کو کہیں دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔ کبھی اُن میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو ایک مدت معینہ کی اجازت لے کر جاتا (یہ رعایت ہر ایک کے لئے نہ تھی۔ حضرت علی کو کبھی اجازت نہ ملی) اور پھر واپس آ جاتا۔ اگر کوئی کسی جنگ میں

بھی شریک ہونا چاہتا تھا تو اُس کو اجازت نہ دیتے تھے۔ اور فرماتے کہ رسول اللہؐ کے عہد میں جن جہادوں میں تم شریک ہو چکے ہو اُن کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے۔ ہر چند کہ یہ لوگ اس (نظر بندی) کو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے۔ لیکن وہ اُن کو مدینہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہو جاؤ گے تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہیں رہے گا اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری اُمت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔'' (مسلسل لکھا ہے کہ) ''حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ کو اُٹھا دیا اور رؤسائے قریش جا بجا دیار و امصار میں پھیل گئے۔ قریش کی خلافت کی وجہ سے یہ لوگ بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے جہاں جہاں گئے اُن کی عزت و حرمت ہوئی۔ اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مختلف شہروں میں اُن کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائیدادیں ہو گئیں۔ لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور چونکہ استحقاق خلافت کے شرائط اُن میں مجتمع تھے اس لئے اُن کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے کہ ایک دن یہ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور اُن کی وجہ سے خیالات اور آرا میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت عمر کی دور اندیشی کی تعریف کرنا پڑتی ہے کہ انہوں نے اِن ہی نتائج کو پیش نظر رکھ کر اُن رؤسا کو اپنے پاس روک (نظر بند) کر رکھا تھا اور کہیں جانے نہیں دیتے تھے۔''

(تاریخ امت جلد 2 خلافت راشدہ صفحہ 162-161)

(9) نظر بند صحابہ سے مشاورت کی عقلی حیثیت

قارئین یہ بھی سمجھ لیں کہ اس حکومت کی سب سے بڑی مدح وثنا اور بہتری و برتری دکھانے اور شریعت سازی کا جواز اور حقانیت ثابت کرنے کے لئے یہ دھوم اور دُند مچائی جاتی ہے کہ یہ حکومت اپنی قانون سازی اور احکام کو تمام اہلِ علم صحابہ کی صوابدید اور مشورے کے بعد نافذ کرتی تھی۔ لیکن یہ بیانات اس بات کو پروپیگنڈے کا ایک گھناؤنا حربہ بنا دیتے ہیں۔ جو لوگ بیس پچیس (20-25) کی تعداد میں ہر وقت نظر بندی اور مجرموں ایسی زندگی بسر کرنے پر مجبور رکھے جا رہے ہوں، اُن سے مشورہ کرنا اور اُن کا صحیح مشورہ دینا اور ایسے مشورہ کو متفقہ یا اجماعی فیصلہ کہنے کو سوائے مجتہدین کے کوئی صاحب عقل تو کوئی اہمیت نہ دے گا۔ ساتھ ہی یہ کہنا کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں صحابہ اور اُمت میں اختلاف نہ تھا، ایسی ہی بات ہے جیسے کسی گھر کے افراد کو تلوار و نیزہ کی چھاؤں میں خاموشی پر مجبور کر کے یہ کہا جائے کہ اُن لوگوں نے اپنا تمام سامان و سرمایہ اتفاق رائے اور خوشی خوشی سے دیا ہے اور کسی نے ذرہ برابر اختلاف نہیں کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر صحابی میں خلافت کے مستحق ہونے کے شرائط کی موجودگی بھی تسلیم کی گئی ہے۔ اگر یہ دریافت کر لیا جائے کہ جناب خلیفہ بن سکنے کی کیا شرائط ہیں؟ اور یہ کہ وہ شرائط قرآن و حدیث میں

ہیں؟ تو سوائے اس کے کہ حضرت ابوبکر وعمر اپنی کوششوں سے خلیفہ بن گئے تھے۔اس لئے اُن سے بہتر لوگ ضرور خلیفہ بن جانے کا حق رکھتے ہیں۔اور کوئی دلیل مجتہدین کے پاس نہیں ہوتی۔رہ گیا قرآن وحدیث؟اس کی نفی تو پہلے دونوں خلفا نے خود ہی یہ کہہ کر کردی کہ اُنہیں خلافت کے استحقاق کے متعلق آنحضرتؐ سے دریافت کرنا چاہئے تھا۔

7۔ تمام تعلیماتِ رسولؐ کا بلیک آؤٹ اور احادیثِ رسولؐ پر پابندی وسزا

بے روک شریعت سازی کے لئے اہلِ علم صحابہ اور مخالف مہاجرین اور انصار کے پورے قبیلے کو عمر قید یا نظر بند کرنا ہی کافی نہ سمجھا گیا۔ بلکہ اِن قیدیوں کو بھی اور تمام اُن لوگوں کو بھی احادیثِ رسولؐ بیان کرنے کی ممانعت کردی گئی جو مدینہ سے باہر جنگی، انتظامی یا دیگر خدمات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔اور وہی عذر وحیلہ کیا گیا کہ تم میں اختلاف ہے۔لہٰذا عرب اور دیگر ممالک کی رعایا میں بھی اختلاف پھیل جائے گا۔گویا یہ مستحکم انتظام کردیا گیا کہ حکومت کی پالیسی کے خلاف کسی کی زبان سے کوئی بات نہ نکلنے پائے۔ظاہر ہے کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے والے حضرات چند عُذر وحیلے کئے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔لہٰذا ہم عذرات اور فریب کارانہ جملوں کو چھوڑ کر اصل مقصد آپ کے روبرو لاتے ہیں۔

(1) مدینہ میں حدیث بیان کرنے کی عام ممانعت کردی گئی

انتقالِ رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکر نے مدینہ کے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور کہا کہ:۔

''تم لوگ رسولؐ اللہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے۔اور تمہارے بعد جو لوگ ہوں گے اُن میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا۔لہٰذا تم رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث بیان ہی مت کرو۔جو شخص تم سے سوال کرے اس سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھو۔'' (تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 161)

(2) حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہ کی پالیسی سمجھ کر آگے بڑھیں

اس بیان میں پولیٹکل انتظام کو یوں سمجھیں کہ حاکم وقت یہ نہیں چاہتا کہ مسئلہ خلافت کی بحث شروع ہو۔اور لوگ رسولؐ اللہ کی وہ احادیث بیان کریں جن میں حضرت ابوبکر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ وہاں حضرت علیؑ دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر تیئیس (23) سال سے برابر خلیفۂ رسولؐ اور وزیر ہیں۔تمام مومنین کے مولیٰ اور ولی وحاکم ہیں۔ ہزاروں صحابہ مع شیخین کے اُن احادیث پر گواہ ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ احادیث اِس حکومت کی بنیاد غلط قرار دیتی ہیں۔لہٰذا حکومت کی طرف سے جو عذرات کئے جاتے ہیں وہ آج بھی مجتہدین کی زبان پر ہیں۔چنانچہ حکومت کے طرفدار لوگ اُن احادیث کی منشاومراد پر اختلاف کرتے تھے۔

چونکہ یہ بحث رفتہ رفتہ حضرت علیؑ کے حق کی طرف لے جاتی ہے اس لئے کہا گیا کہ تم میں اختلاف ہوتا ہے، لہٰذا حدیث کا بیان کرنا بند کر دو تا کہ حاکم اور حکومت زیر بحث نہ آنے پائیں اور حق واضح نہ ہو سکے۔ اب چونکہ حدیث کی روایت کو منع کر دیا گیا تو قرآن خود بخود کافی ہو گیا۔ یعنی اس میں خلیفہ کا نام نہیں اور اگر نام ہے تو ولدیت مذکور نہیں۔ لہٰذا جو بھی خلیفہ بن گیا سو بن گیا۔ اُس کی اطاعت کرو، زندگی کی تمام سہولتیں اس سے مانگو، خوشحالی و فارغ البالی سے زندگی بسر کرو، خواہ مخواہ کی بحثوں اور احادیث کے الجھاؤ اور آپس میں بدمزگی اور شکر رنجی سے اب کیا فائدہ ہو گا؟ حکومت قائم ہو گئی اب اس کا توڑنا مفید نہ ہو گا۔ آخر خلیفہ جو بھی ہو گا وہ آدمی ہی ہو گا، رسولؐ اللہ بھی آدمی تھے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ تمہارا خلیفہ تمہیں دنیا کے تمام رنج و آلام اور دشواریوں سے محفوظ کرتا ہے یا نہیں، تمہیں مستغنی و دولتمند بنا دیتا ہے، ساری دنیا پر تمہاری اپنی حکومت اور برتری قائم کرتا ہے اور تمہیں کیا درکار ہے؟ پھر حکومت کے انتظام کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے اور تمام علما متفق ہیں کہ ہر حدیثِ رسولؐ ہر ہر مسلمان کو معلوم نہ تھی۔ لہٰذا جنہیں معلوم نہ تھی وہ اختلاف کرتے تھے۔ خود حضرت ابوبکر و عمر کو بقول اُن کے تمام احادیث معلوم نہ تھیں۔ حدیث سن کر وہ خود اختلاف کرتے رہتے تھے اور گواہیاں مانگتے تھے۔ لہٰذا یہ صحیح ہے کہ حدیث پر اختلاف تھا۔ دوسرے الفاظ میں قومی و خود ساختہ حکومت سے اختلاف تھا۔ اور بھیا یہ صحیح ہے کہ کوئی حاکم اپنی رعایا میں ایسا اختلاف برداشت نہیں کر سکتا جو حکومت ہی کا ڈِبّہ گول کر دے۔ لہٰذا احادیثِ رسوؐل کا بیان کرنا حکومتِ وقت کی سطح سے بند ہو گیا تھا۔

یہ جو فرمایا گیا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں کتاب اللہ ہے۔ اس سے بھی اُنکا یہ منشا نہ تھا کہ تم قرآن کریم سے آنحضرتؐ کی حکومت اور جانشین کا فیصلہ کر لو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے سابقہ انبیاؑ کی جانشینی اور حکومت کا فیصلہ بھی ایسا کیا ہے جو حضرت علیؑ کے حق میں جاتا ہے۔ اُنکا منشا قرآن سے یہ تھا کہ تم صرف مسائل حلال و حرام تک محدود رہو اور بس۔ لیکن اگر کوئی یہ سوال کر لے کہ جناب ہم صرف اتنی ہی نماز پڑھیں گے اور اُسی طرح پڑھیں گے جتنی اور جس طرح قرآن میں ہے تو حکومت کیلئے قرآن کافی نہ تھا۔ اسلئے یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کی کثرت جو کچھ کر رہی ہو اُسے سنت رسوؐل سمجھ کر اختیار کر لیں۔

اس تفصیل اور وضاحت کے بعد اب رواں دواں چند احکام میں تعلیمات و احادیث کا بلیک آؤٹ دیکھ لیں۔ کتاب مذکور میں اُسی صفحہ (161) پر حضرت عمر کا فرمان لکھا ہے جو عراق جانیوالوں کو دیا تھا اس سے مدینہ چھوڑ کر جانیوالوں کا حال معلوم ہو گا۔

(3) احادیث بیان کر کر کے تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہ بن جانا۔ تم لوگ صرف قرآن مجید پر بس کرو۔ (صفحہ 161) چنانچہ:

(4) جب قرظہ عراق پہنچے اور لوگوں نے حدیث رسولؐ سنانے کو کہا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمیں حضرت عمر (خلیفہ وقت) نے منع کر دیا ہے۔ (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 162-161)

(5) ابو ہریرہ سے ابی سلمہ نے دریافت کیا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسی طرح احادیث بیان کرتے تھے۔ جواب

دیا کہ اگر میں عمر کے زمانہ میں حدیث بیان کرتا تو عمر مجھے کوڑوں سے مارتے۔" (ایضاً صفحہ 162)

(6) امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں حدیثِ رسولؐ کے متعلق کہا کہ تم لوگ حدیث کے ساتھ وہی سلوک کرو جو حضرت عمر کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ کیونکہ رسولؐ اللہ کی حدیث بیان کرنے والوں کو عمر دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ (صفحہ 162)

(7) حضرت ابوبکر نے اپنا خود لکھا ہوا پانچ سو (500) احادیث کا مجموعہ جلا دیا۔ اور حدیث بیان کرنے سے ممانعت کی۔ حضرت عمر نے اپنے عہد میں اور بھی سخت رویہ اختیار کیا اور لوگوں کو حدیث میں پڑنے سے روک دیا۔

(مقام حدیث جلد اوّل صفحہ 205-204)

(8) احادیث بیان کرنے والے بزرگ صحابہ کو قید اور سزائیں

"حضرت عمر نے تین اشخاص یعنی ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابو مسعود انصاری کو اس لئے قید کر دیا کہ اُنہوں نے رسوؐل اللہ کی بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے کا جرم کیا تھا۔ (تاریخ فقہ صفحہ 162)

(9) حدیث بیان کرنے والوں کو اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا

حکومت کی گرفت اور تعزیری نظام کا خوف اس قدر ہمہ گیر تھا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کے متعلق حضرت عمر کے عہد حکومت میں زبان کھولنے میں اپنی جان کا خطرہ مول نہ لیا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا قول یہ لکھا ہے کہ:-

قَالَ حَفِظتُ مِن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وِعَائِین فامّا احد ھما فبثثتہٗ وَامّا الاٰخرفَلَو بثثتہٗ قُطِعَ ھٰذَا البُلعُوم قال ابوعبداللّٰہ اَلبُلعُوم مجری الطعام۔

میں نے آنحضرتؐ سے علم کے دو ظرف یعنی برتن بھر کر محفوظ کر لئے تھے۔ اُن میں سے ایک برتن کا علم تو میں پھیلاتا رہا۔ لیکن دوسرے ظرف والے علم کو اگر عام کرتا تو میرا گلا کاٹ دیا جاتا۔ ابوعبداللہ نے بلعوم کے معنی نرخرا بتائے ہیں جس میں سے کھانا پانی وغیرہ گزرتا ہے۔ (بخاری کتاب العلم جلد اوّل صفحہ 23 چھاپ نور محمد)

اس تشدد کا نتیجہ پرویز سے سنئے جو حضرت عمر کے بڑے مداح ہیں۔

(10) صحابہ احادیث بھول گئے تھے یا ڈر کی وجہ سے بہانہ کرتے تھے

"یہی وجہ تھی کہ اکثر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے حدیثیں بیان کرنی چھوڑ دی تھیں۔ حضرت زید بن ارقم سے ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ کوئی حدیثِ رسولؐ سنایئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بوڑھے ہوگئے اور بھول گئے۔ حضرتِ زبیر سے اُنکے بیٹے عبداللہ نے فرمائش کی کہ آنحضرتؐ کی کوئی حدیث بیان کیجئے۔ اُنہوں نے بھی اسی طرح کا جواب دیا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن مالک کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک گیا مگر ایک روایت بھی نہ سُنی۔ امام شعبی کا

بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں ایک سال تک رہا لیکن اُنہوں نے کوئی حدیث بیان نہ کی۔''(مقام حدیث جلد اوّل صفحہ 206)

(11) کون سی احادیث ممنوع قرار دی گئی تھیں؟

اب صاف الفاظ میں یہ پڑھ لیجئے کہ جن احادیث کا بیان کرنا جُرم تھا وہ تمام احادیث ایسی تھیں جن سے کسی نہ کسی طرح خلفا کی ذات پر یا اُن کی حکومت پر ضرب پڑتی تھی۔ مثلاً اگر پبلک کو یہ بتایا جاتا کہ آنحضرؐت نوری انسان تھے، اللہ نے اس کائنات کو اُن کے لئے پیدا کیا، وہ معصوؐم تھے، ساری کائنات اور انبیاؑ کے بھی نبیؐ تھے۔ اور کائنات کی ہر شے اور ہر شے کی تفصیل کا علم رکھتے تھے تو لامحالہ ایسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین خاطی و جاہل نہیں ہوسکتا تھا۔ اور یہ تمام بحثیں جن احادیث سے نکلتی تھیں وہی ممنوع تھیں۔

(الف) کیا علامہ شبلی اور حضرت عمر آنحضرؐت کے عقیدت کیش نہیں؟

جناب شبلی نے آنحضرؐت کے عقیدت مندوں میں سے حضرت عمر کو الگ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:۔

''سب سے پہلے حضرت عمر نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل توجہ کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو رسولؐ اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینۂ مراد ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اَلْاَ هَمُّ فَالْاَ هَمّ (اہمیت تو اہم تر ہی کو دی جایا کرتی ہے) اس پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے۔ اور جو حدیثیں اِن تین مضامین سے الگ تھیں اُن کی روایت اور اشاعت پر چنداں اعتنا نہیں کی۔ اِس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرؐت کے وہ اقوال و افعال جو منصبِ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے نہیں بلکہ بشری (ممکن الخطا) حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں باہم مُختلِط (گڈ مڈ) نہ ہونے پائیں۔''(الفاروق حصہ 2 صفحہ 103)

(ب) جو احادیث عبادات، معاملات اور اخلاق کے علاوہ تھیں کیوں نا قابل توجہ تھیں؟

اس بیان کو ذرا سنبھل سنبھل کر اور سمجھ سمجھ کر مطالعہ فرمائیں۔ اور سوچیں کہ حضرتِ مولانا شبلی نعمانی کس کھلے دل سے اور واضح الفاظ میں اُس بنیاد کو مسمار فرمارہے ہیں جس پر نبوت و رسالت کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض باتیں اور اُن کے بعض کام نا قابلِ توجہ اور غیر اہم ہوتے ہیں۔ جن کے کرنے کے وقت وہ نبیؐ نہیں رہتے بلکہ عام بشری اور غیر معصوم حالت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اُس بشری حالت میں کی ہوئی باتیں اور کام اللہ سے کوئی تعلق نہیں

رکھتے اور عام انسانوں کی طرح غلطیاں اور خطا اُن سے ممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر وہ مقصد تخلیق کائنات بتائیں اور اُس مقصد میں انسان کے کردار اور گفتار پر روشنی ڈالیں اور وہ طرزِ حیات بتائیں جس سے کائناتی تسخیر و تعاون حاصل ہو جائے تو شبلی اینڈ کمپنی کے نزدیک وہ تمام اقوال یعنی احادیثِ رسولؐ ناقابل اعتنا ہیں۔ اگر رسولؐ اللہ مقصدِ عبادات کی ذیل میں یہ بتائیں کہ انسانوں کی عبادت سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور سارے انسان اگر عبادت نہ کریں تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اللہ نہ انسانوں کی اطاعت کا محتاج ہے نہ سرکشی سے انسان اُس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ عبادت اور اطاعت سے انسانوں کو فائدہ پہنچانا مطلوب ہے۔ اور فلاں عبادت سے فلاں فائدہ ہو گا جو کسی دوسری عبادت یا کسی اور طریقے سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور اس طرح ہر ہر عبادت، روزہ، نماز، حج و تسبیحات وغیرہ کے الگ الگ مقاصد اور مفاد کا تعین فرمائیں تو ایسی احادیث ناقابل اعتبار اور ناقابلِ اعتنا ہیں؟ اگر رسولؐ اللہ ایسی دعائیں اور التجائیں بیان فرمائیں جن سے کائنات کے اعلیٰ قوانین میں تحریک پیدا ہو جائے اور ماتحت قوانین اور مادی رکاوٹ ترقی کی انقلابی راہ سے ہٹ جائیں۔ جیسے ہوا اور طوفانی آندھیوں کو بادبانوں وغیرہ کے ذریعہ مائل و منتشر و ملتفت (Converge-Diverge) کر کے کشتیوں اور جہازوں کو ہواؤں اور جھکڑوں کے خلاف بے روک اور سریع ترین رفتار سے چلایا جاتا ہے۔ اور عام قانونی رکاوٹ اور تصادم کو مسخر کر لیا جاتا ہے۔ ایسی احادیث مادہ پرستوں کے لئے ناقابل اعتنا ہوتی ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نوع انسانی کو فرش سے عرش تک بلند کرنے کے سلسلے میں اپنا آسمانی، فضائی، خلائی اور کائناتی سفرنامہ سُنائیں تو زمین پر رینگنے والے لوگ اُسے خواب نہ سمجھیں تو اور کیا کریں اور مدعیان ترقی اُسے دیو مالائی فسانہ اور ناقابل توجہ غپ نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مجتہدین کی اندھی تقلید نے اُمت مرحومہ کو یہود و نصاریٰ کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلانے پر مجبور کر دیا ہے۔ غیر مسلموں کی تخلیقات کی پرستش کرا کے چھوڑی ہے۔ کم و بیش بھیک ملنے پر آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ ہمیں محمدؐ کے پجاری ہونے کا طعنہ دینے والے؛ ہمیں اللہ، رسولؐ، قرآن، قبلہ، قیامت، ختم نبوت اور تمام اسلامی و قرآنی عقائد و اعمال بجالاتا دیکھنے کے باوجود، صدیوں سے مسلمان مانتے اور لکھتے چلے آنے کے باوجود کافر قرار دینے کے لئے حکومتِ پاکستان پر مقدمات دائر کئے جا رہے ہیں۔ یعنی یہ لوگ کفن بدوش اپنی قبریں خود اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں۔ اُن پر اپنی کثرت کا بھوت ہمیشہ سوار رہا ہے۔ لیکن اُنہیں بتا دو کہ اب وہ وقت آچکا ہے جب یہ بھوت تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں موت کی نیند سلا دینے پر آمادہ ہو چکا ہے۔

(ج) آنحضرتؐ کی ساخت وصفات و عادات والی احادیث مسترد کر دی گئیں

علامہ شبلی نے اپنے موقف کو قوت دینے کے لئے جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مندرجہ ذیل عبارت لکھی مگر مصلحتاً اُس فارسی عبارت کا ترجمہ نہیں کیا، ہم مع ترجمہ لکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ:۔

''بااستقرار تام معلوم شد کہ فاروق اعظم نظر دقیق در تفریق میانِ احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افرادِ بشر تعلق دارد از غیر آن مصروف می ساخت۔ لہٰذا احادیثِ شمائل آنحضرت صلعم و احادیثِ سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت میکردید۔ و وجہ یکے آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست۔ محتمل کہ چُون اھتمام تام بروایت آن بکار برند بعض اشیاء از سُنن زوائد بہ سُنن ھدٰی مشتبہ گردد۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 103)

''بار بار اور مکمل تحقیق و تفتیش سے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک جا پہنچی ہے کہ فاروق اعظم نے بڑی دقیقہ رَسی اور بصیرت سے اُن احادیث میں تفریق پیدا کر دی تھی جو احادیث 1: شریعت کی تبلیغ کے لئے اور افراد انسانی کی تکمیل کے لئے لازم تھیں۔ 2: اور جو احادیث اِن دونوں مقاصد سے ہٹ کر تھیں۔ لہٰذا دوسری قسم کی احادیث کو یک سَر نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ آنحضرؐت کے شمائل یعنی اُنؐ کی اپنی ساخت و پرداخت وصفات و عادات و اطوار والی تمام احادیث اور مختلف قسم کے لباس اور یونیفارم اور متعلقہ اقوام و موسم و حالات اور قوانین فاضلہ سے متعلق تمام احادیث سے کم از کم تعلق رکھا۔ اور ایسا کرنے کی ایک وجہ وہ احتمال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمام احادیث کو مجموعی حیثیت سے روایت و اشاعت کرنے سے ہدایت کرنے والی سنت اور ہدایت نہ کرنے والی فالتو سنت مشکوک اور مشتبہ نہ ہو جائیں۔''

یہاں قارئین اس لطیفہ پر غور فرمائیں کہ شاہ جی تکمیل افراد انسانی تو چاہتے ہیں اور اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے جملہ تکمیل افراد بشر بھی لکھتے ہیں۔ لیکن تکمیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمائل کی نفی کے بعد کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات اور قدرتوں کا مظہر بنا کر بھیجا تھا، جس کا بولنا اللہ کا بولنا اور جس کے کام اللہ کے کام تھے، جس سے محبت اللہ سے محبت تھی، جس کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا اور عبادت تھا، جس کے لئے یہ ساری کائنات مخلوقات پیدا کی گئی تھی (لولاک لما خلقت الافلاک) جسکو ظہور خداوندی کے لئے پیدا کیا گیا تھا، اُس کی پوزیشن سے جاہل رکھ کر جو تکمیل انسانی ہو سکتی تھی، وہ یہی تو تھی کہ آنحضرؐت کی زندگی ہی میں آنحضرؐت کے خلاف گھر سے لے کر عرب کے آخری کناروں تک ایک مستحکم مخالف محاذ بنا ہوا تھا (تحریم 66/4، مائدہ 5/67)۔ اور کہیں اللہ اپنی اور ملائکہ کی پشت پناہی کے وعدہ کر رہا ہے۔ کہیں تکمیل شدہ انسانوں کے جان لیوا خطرات سے محفوظ رکھنے کا اعلان کر رہا ہے۔ کہیں یہ مکمل افرادِ بشر، رسولؐ اللہ کو موت کے منہ میں دھکیل کر مسلمانوں کے لاشوں کے اوپر سے روندتے پھلانگتے بدحواسی میں بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ رسولؐ اللہ مدد کے لئے پکار رہے ہیں کوئی پلٹ کر نہیں دیکھتا (عمران 3/153)۔ اس لئے کہ اب مزید تکمیل کی ضرورت نہیں ہے۔ امن و امان کے زمانہ میں رسوؐل کو نماز میں تنہا چھوڑ کر تکمیل کی تلاش میں چل دیتے ہیں (جمعہ 62/11)۔ قرآن کو اسی لئے جمع نہ کرنا سنت رسولؐ بتایا گیا تھا کہ اگر قرآن پبلک کی دسترس میں پہنچ گیا تو پھر قومی حکومت واقعات تاریخی میں اُسے اُلٹ پلٹ کرنے کے باوجود تاریخ عہد رسوؐل لوگوں تک جا

پہنچے گی۔اورقرآن پرذراسی آزادانہ توجہ سے سارا ملمع اُتر جائے گا۔بہرحال جن احادیث کو بقول شاہ جی تکمیل افرادِ بشر کے لئے اختیار کیا گیا اور جو مجتہدانہ شکل اُن احادیث کو دی گئی اور جو تکمیل یافتہ قوم تیار کی گئی ، اُس قوم کے اعلیٰ تکمیل یافتہ حضرات میں سے جناب امیر معاویہ اور اُن کے چشم و چراغ خلیفۃ المسلمین اور اُن کے امیر المومنین یزید وشمر وابن زیاد تھے۔اور جو شریعت تیار کی گئی اُس کی رُو سے حضرت علیؑ اور خاندان رسول علیہم السلام پر ہر نماز کے بعد ہر مسجد میں ہر جمعہ و جماعت میں تبرّا بھیجنا واجب ہو گیا تھا۔حضرت امام حسین علیہ السلام اُسی شریعت کی رُو سے باغی اور مع اہل وعیال واجب القتل ہو گئے تھے۔اور اُسی شریعت کی رو سے آج شیعہ اثناعشریہ کو کافر قرار دینے کا سامان برآمد کیا جارہا ہے۔

(د) حضرت عمر آنحضرتؐ کے زمانہ کی جنگوں اور جہاد کے حالات پر صحابہ کا منہ بند رکھنا چاہتے تھے

قارئین غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی قومی حکومت کے مخالفین کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا گیا۔دن رات فوج کشیاں اور جنگ وجدل جاری رہا۔ایک سال میں جب عربی مخالفت سے فراغت ملی تو مسلسل بیرونی ممالک سے جنگ و قتال جاری رہا۔یعنی حضرت عمر کے مسلسل بارہ تیرہ سال جنگ اور جنگی انتظامات میں گزرے۔عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے طریقہ جہاد پر تمام احادیث جمع کرانا چاہئیں تھیں۔یہ کیا بات ہے؟ کہ بقول شبلی حضرت عمر صحابہ کو وہ احادیث بیان کرنے سے جبراً روکتے ہیں جن میں آنحضرتؐ کے غزوات و جہاد اور نظامِ جنگ وصلح اور مال غنیمت وفتح اور ہزیمت کے قواعد وضوابط محفوظ تھے؟ سنئے:

> ''مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جاوے۔اس سے فرائض اور سُنن (سُنتیں) مقصود نہیں۔شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔کیونکہ اُن احادیث سے کوئی شرعی غرض متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ وضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔(اب شبلی صاحب اپنا خیال لکھتے ہیں کہ) ہمارے نزدیک اِن تاویلات کی ضرورت نہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 106-105)

ہمارے قارئین پہلے تو یہ دیکھیں کہ قومی حکومت کے سرپرست علما طرح طرح کی تاویلیں یعنی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے میں کوشاں اور ایک دوسرے سے نمبر لے جانا چاہتے رہے۔حدیث میں یا آیت و روایت میں صریح اور واضح الفاظ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ ''میرے نزدیک''۔''ہمارے نزدیک''۔''میں کہتا ہوں کہ'' کی قسم کے جملے لکھ کر عیب کو صواب اور کفر کو ایمان بنانے میں تکلف نہیں کرتے۔حالانکہ جس واقعہ پر حکم لگایا جارہا ہے اُس کے 12 سو سال بعد اُن کو جنم ملا اور اُن کی دینی بصیرت اپنے پیشرو علما کے سامنے ایک چپراسی کی بھی نہیں۔مگر مقلدین پر رعب ڈالنے اور ریسرچ کی دھوم مچانے کے لئے بخاری و مسلم ہی

نہیں بلکہ قرآن کی آیات کے معنی بھی بدل ڈالتے ہیں۔لیکن غزوات سے متعلق احادیث کو کھلے عام بیان کرنے سے اُن تمام لوگوں کی دائمی شرمندگی کا بندوبست ہو جاتا جو بار بار میدان جنگ سے فرار کر جاتے تھے۔پھر اُن کے بزرگوں کے مظالم اور میدان جنگ میں ذلیل ورُسوا ہونے کے واقعات عرب وعجم میں مشہور ہو جاتے۔اُن ہی احادیث میں مرحب وعمروابن عبدود کے قتل کا ذکر ہوتا۔لوگوں کو معلوم ہوتا کہ انہیں قتل کرنے کے بعد لُوٹا نہیں گیا تھا۔یہ بات قومی حکومت کے جنگی مجاہدوں کو مالِ غنیمت کے لالچ سے روکتی۔اُن ہی احادیث میں ایک ضرب دونوں جہانوں کی عبادت سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی۔الغرض غزوات کی احادیث تمام جنگی پالیسی کا ستیاناس کر دیتیں۔حضرت عمرتو کہاں کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی ایسی خطرناک احادیث کو ہرگز عام نہ ہونے دیتا۔رہ گئے رسولؐ اللہ کے وہ صحابہ جوایسی خطرناک احادیث سے واقف تھے،اُن کی طرف سے اُنہیں مدینہ میں نظر بندومقید کر کے اطمینان کر لیا گیا تھا۔لیکن یہ قید وبند کہاں تک باقی رہتا؟ یہ دبایا ہوا طوفان ایک دن پھٹ پڑنا تھا۔
(دیکھوفتنۃ الکبریٰ اور بخاری ومسلم وصحاح ستہ)

8۔ حضرت عمر نے اپنی تیار کردہ اور پسندیدہ شریعت اور مذہب کو کس طرح نافذ کیا؟

ہم قارئین کرام کیلئے اس سے زیادہ تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔اوراب ایک دم حضرت عمر کے اُس انتظام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اُنہوں نے عہد رسولؐ سے لے کر اپنی خلافت تک زبردست ولاجواب تیاری کی تھی۔اور جس کے بل بوتہ پر وہ آنحضرؐت کے زمانہ میں ہر مسئلہ اور ہر حکم میں رسولؐ اللہ کو اصلاح دیا کرتے تھے۔اُنکی علمی قابلیت کی انتہا یہ کہہ کر واضح کی گئی ہے کہ اُن کی تائیداور رسولؐ اللہ کی تردید اللہ کی طرف سے بار بار بذریعہ وحی ہوا کرتی تھی۔آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ اور سابقہ ادیان واجتہاد کا پورا ریکارڈ تحریری صورت میں مدوّن کر چکے تھے۔وہ تمام اسلامی شریعت کے مسائل کو بھی لکھتے جاتے تھے۔اب اس بے حد وحساب بصیرت کے بعد اُنہوں نے جب حکومت قائم کر لی تو ہر وہ راہ بند کر دی جس سے اُن کی منشا کے خلاف کوئی اختلاف یا تصادم داخل ہوسکتا تھا،اپنے ہم عصر صحابہ کو مدینہ میں محصور کر دیا،عہد رسولؐ کے قوانین وقواعد اور دستور العمل پر مکمل پابندیاں عائد کر دیں، قرآن کریم کی اُس تفسیر کو ممنوع قرار دے دیا جو رسولؐ اللہ نے بطور حدیث بیان کی تھی۔چند ایسی احادیث بیان کرنا جائز رکھا جن سے اُن کی جدید قانون اور شریعت سازی میں مدد مل سکے۔اور چونکہ اُن احادیث کو صرف بنیاد میں دفن کر کے اُن پر قومی شریعت سازی کی عمارت بلند کرنا تھی۔اس لئے اُن احادیث کو بیان کرنے کی اجازت بھی تمام صحابہ کو نہیں دی گئی۔صرف چند صحابہ کو متعین کیا گیا تا کہ احکام کے سلسلے کی بھی وہ احادیث بیان نہ کی جائیں جن سے جدید شریعت سازی پر حرف آتا ہو اور قومی حکومت یا حاکم کے خلاف بحث کی گنجائش نکلتی ہو۔بس اب آپ قومی حکومت کے انتظام پر نظر ڈال لیں۔

(1) ہر صحابیٔ رسولؐ احادیث بیان کرنے کا مجاز نہیں تھا

''حضرت عمر نے اگر چہ حدیث کی (مشروط) ترویج میں بہت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ اور یہ اُن کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں (یعنی صحابہ) کو احادیث بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

چنانچہ فاروق اعظم، عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابوالدرداء را بشام و بہ معاویہ بن ابوسفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند۔''

(شبلی کی جگہ ہم ترجمہ لکھے دیتے ہیں) چنانچہ فاروق اعظم نے عبداللہ ابن مسعود کو چند اور صحابہ کے ساتھ کوفہ میں درس حدیث کیلئے بھیجا اور معقل بن یسار کو معقل کے بیٹے عبداللہ کو اور عمران بن حصین کو بصرہ میں تعینات کیا۔ اور عبادہ بن صامت اور ابوالدرداء کو شام میں متعین کیا۔ اور معاویہ بن ابوسفیان کو جو ملک شام کا حاکم تھا ایک فرمان میں سخت پابندی کا حکم لکھا اور لکھا کہ دیکھنا کوئی اُنکی بیان کردہ حدیث سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے۔'' (اس کے بعد شبلی لکھتے ہیں کہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر نے حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ اُن کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 60)

(2) مرکزی شریعت کو نافذ کرنے کے لئے مخصوص قاضی و مفتی اور باقی صحابہ کا منہ بند رکھا

''حضرت عمر کے عہد میں (دس سال) جس پابندی کے ساتھ (زبان بندی پر) عمل رہا۔ اُنکے بعد کے زمانہ میں بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں ہوا تھا۔ (زبان بندی کے) اس طریقہ کیلئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ اِفتا (فتوٰی دینے) کیلئے نامزد کر دیئے جائیں تا کہ ہر کس و ناکس (یعنی صحابہ کی پوری جماعت آزاد نہ رکھی جائے) غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔'' (انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الفاروق حصہ دوم صفحہ 31)

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جو صورتحال مسلمانوں پر مسلط تھی اُس میں رسولؐ اللہ کے ساتھ زندگی گزارنے والے اور دن رات قربانیاں دینے والے صحابہ کو یہ آزادی نہ تھی کہ جو کچھ رسولؐ اللہ سے سُنا یا آنحضرتؐ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اُسے بیان کر سکیں۔ یا کسی غلط گو یا غلط کار شخص کو یہ کہہ سکیں کہ تمہارا قول یا فعل رسولؐ اللہ کے احکام و عمل کے خلاف ہے اِس کی یوں اصلاح کر لو۔ علامہ، حضرتِ عمر کی پیدا کردہ اس زبان بندی کی مدح و ثنا فرما رہے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے دورِ حکومت میں کوئی بھی صحابی اِس کا اختیار نہ رکھتا تھا کہ وہ کوئی آیت یا حدیث یا تفسیر ایسی بیان کر سکے جو حضرت عمر کی قومی حکومت کے مزاج کے خلاف ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بات خواہ حق ہو یا ناحق ہو اُسے مزاج فاروقی اور قومی حکومت کی پالیسی کے

خلاف نہ ہونا چاہئے۔سوچنا یہ ہے کہ کیا اس صورت حال کو مان لینے کے بعد کوئی عدالتِ انصاف ہم سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوسکتی ہے کہ تم اپنی اذان ونماز وکلمہ کا ثبوت عہد فاروقی میں یا اُس عہد کے بعد کے ادوار میں پیش کرو؟ کیا ایسے ادوار میں یہ ممکن ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص مسجد نبویؐ یا کسی اور مسجد میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ، وصی رسولؐ اللّٰہ و خلیفة بلا فصل پکار کر زندہ رہ جائے؟ جہاں تک ہم جانتے ہیں ہم سے ایسا مطالبہ کسی مجتہد کے علاوہ کوئی صاحبِ عقل وہوش نہ کرے گا۔اور یہ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کا معجزہ ہے کہ ہم اپنا ثبوت عدالت کے معیار پر پیش کرنا آسان سمجھتے ہیں۔ایسا ثبوت ہمارے زمانہ تک پہنچانے ہی کے لئے تو محمدؐ وآل محمدؐ نے قربانیاں دی تھیں۔واقعہ کربلا اسی ثبوت کو برقرار رکھنے کے لئے پیش کیا گیا۔ہمارے لاکھوں بے گناہ افراد اِسی لئے بے دریغ تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے کہ کسی طرح اسلام کی حقیقی صورت دنیا میں نہ پھیل سکے۔اللہ کا فضل اور محمدؐ وآل محمدؐ کا یہ انتظام مٹایا نہ جاسکا۔اور آج تو ہم اس مقام پر ہیں کہ اگر تمام محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو قتل کر دیا جائے تب بھی اسلام کی حقانیت کو چھپایا نہ جاسکے گا۔غیر مسلم اقوام کی ہر لائبریری یہ ریکارڈ پیش کرے گی۔اور یہ ہر تیسرے دن ''اسلامی قانون بناؤ'' ''اسلامی طرزِ حیات نافذ کرو'' کے نعروں کی آڑ میں سابقہ بے دینیاں چھپا دینے کی کوششیں حسب سابق ناکام ہوتی جائیں گی، حق غالب آتا جائے گا۔مصنوعی لبادہ اُتار کر پھینک دیا جائے گا،حقیقی اسلام کے عروج کا زمانہ آئے گا۔اسی لئے مجتہدین جُنون کا شکار ہوئے ہیں۔

(3) ہر فتویٰ، ہر وعظ ولیکچر قومی حکومت کی تائید میں ہوگا؛ مفتیوں پر نگرانی ہوگی

شاہ ولی اللہ کے بیانات سے شبلی صاحب رعب تو ڈالتے ہیں مگر اُردو میں ترجمہ کرتے ہوئے عوام کی ملامت سے بھی ڈرتے ہیں۔ہم عوام کے لئے لکھ رہے ہیں،اس لئے کسی حوالہ کی عبارت کو بلا ترجمہ چھوڑنا حماقت سمجھتے ہیں۔سُنئے:

سابق وعظ وفتویٰ موقوف بود بررَائے خلیفہ۔بدونِ امرِ خلیفہ وعظ نمی گفتند وفتویٰ نمی دادند واخیر بغیر توقف بررائے خلیفہ وعظ می گفتند وفتویٰ می دادند۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 31)

''پہلے اَدوار میں وعظ کہنا اور فتویٰ دینا خلیفۂ وقت کی رائے پر موقوف تھا۔لہٰذا خلیفہ کے حکم کے بغیر نہ کوئی وعظ کہہ سکتا تھا نہ فتویٰ ہی دے سکتا تھا۔لیکن بعد کے ادوار میں خلیفہ کی رائے کا لحاظ کئے بغیر بلا توقف وعظ بھی کرنے لگے اور فتوے بھی دینے لگے۔''

یہ نوٹ کرلیا جانا چاہئے کہ حقیقی دیندار جماعت نے رفتہ رفتہ قومی حکومت اور قومی حکمرانوں کی جابرانہ گرفت کو ڈھیلا کر دیا تو نظر بند صحابہ نے آزادی کا سانس لیا اور اُن کی زبانوں پر حق جاری ہونے لگا۔مگر چاروں طرف سے قوم اور لیڈران و بزرگانِ قوم کے نام پر اپیلیں بھی شروع ہوگئیں۔وہ ہمارے ہمدرد تھے، جو کچھ کیا قومی ہمدردی کے لئے کیا،قوم کے لئے نشانہ

ملامت بن کرقوم کومعراجِ ترقی پر پہنچایا، تمہیں شخصی وخاندانی حکومت سے چھٹکارہ دلایا، اگر کچھ بے اعتدالیاں اور دین کی خلاف ورزیاں تمہیں یہ اقتدار دلانے کی ضامن تھیں؟ تو اب تم اُن کا تدارک کرلو، غلط چیزوں کوصحیح رُخ پر لے آؤ، اُن کو کوستے رہنے سے کیا ہوگا؟ اس طرح پھر قومی محبت اور قبیلوں کے دباؤ نے کھل کرحق کوسامنے نہ آنے دیا۔حق بیان کیا گیا۔مگرا گر مگراور چونکہ اور چنانچہ کے پردوں میں لپیٹ لپیٹ کر، محتاط اور ذو معنی الفاظ کی آڑ میں ۔ چنانچہ علامہ شبلی نے مندرجہ بالا بیان سے مسلسل اُسی سانس میں بطورتائیدلکھاتھاکہ:

’’تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں (صحابہ) کوفتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔اُنہوں نے جب فتوے دیئے تو حضرت عمرنے اُن کو (سزائے قید دے کر) منع کر دیا۔چنانچہ (سرکاری ملازمت سے پہلے) ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔بلکہ حضرت عمرکو یہاں تک احتیاط ملحوظ تھی کہ مقرّ رشدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے......دوسرا امر جو (زبان بندی کے) اس طریقہ کے لئے ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے ۔ اُس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے۔لیکن مجالس علمیہ (یعنی حج و جمعہ وغیرہ کے دوران) میں حضرت عمرنے بارہااعلان کیا۔‘‘ (الفاروق حصہ دوم صفحہ 32-31)

(4) فاروقی شریعت کی خلاف ورزی پرسنگین سزا کے نوٹس

حضرت عمرکی باز پرس اور سزادینے کا پروگرام اُن کے بڑے صاحب زادے سے سن لیں۔عبداللہ ابن عمرفرماتے ہیں کہ:۔

’’حضرت عمر جب لوگوں کوکسی چیز سے روکنے کاارادہ کرتے تھے توصحابہ کے مکانوں پر جایا کرتے تھے۔اورفرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں ممانعت کروں اوروہ پھر بھی کی جائے تواس کے معنی یہ ہیں کہ اُس پرسخت سزادی جائے۔‘‘ (تاریخ الخلفاء صفحہ 145)

(5) فاروقی شریعت، فرمانِ شاہی اورخزانۂ شاہی کی قوت سے مسلط کی گئی تھی

جناب شبلی صاحب بڑے محتاط انداز اور بڑے چالاک الفاظ میں ایک بیان دیتے ہیں۔اورکوشش کرتے ہیں کہ اُن کے قاری یہ محسوس کریں کہ جوشریعت حضرت عمر پبلک پر مسلط کر رہے تھے وہ تنہا اُس شریعت کو نہ بناتے تھے بلکہ صحابہ کے مشورہ سے یعنی مل جُل کر بناتے تھے۔یعنی صحابہ کے متفقہ فیصلے اسلام کی شریعت بنائے گئے تھے۔اوّل تو یہ اتفاقی واجماعی فیصلوں کی بات ہی غلط ہے۔مدینہ میں مقید ومحصورومجبورصحابہ اگرحضرت عمرسے متفق بھی ہوجائیں تواس اتفاق واجماع کی عدالت میں کوئی قیمت نہیں۔جب تک جبر وتشدد وسزا کا شائبہ بھی باقی ہو۔اورحضرت عمرکا عہد جبر واستبداد و وظائف وجاگیروں اورعطیات و

انعامات کا مسلّمہ دور ہے۔عمر کا دُرّہ اور عمر کا خزانہ مشہور ہیں۔ پھر عدالتِ انصاف اُن تمام صحابہ کو الگ کردے گی جو فاروقی پالیسی میں مددومعاون اور اُسی مسلک کے افراد تھے۔اور اگر کسی طرح یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمر اور وہ سب حضرات جن کے متفقہ فیصلوں یا اجماع کو شریعت قرار دیا جارہا ہے، اللہ و رسولؐ کے پسندیدہ لوگ تھے،تب بھی اُن کا متفقہ یا اجماعی فیصلہ شریعت اسلامی کیسے بنے گا؟ جب کہ اللہ کا تہرا(Tripple Order) حکم یہ ہے کہ:۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَo(مائدہ 5/44)

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَo(مائدہ 5/45)

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَo (مائدہ 5/47)

’’اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نافذ نہ کرے وہ لوگ کافر ہیں۔ ظالم ہیں۔ فاسق ہیں۔‘‘

حضرت عمر کی شریعت سازی کی بنیاد تو یہ ہے کہ جو احکام رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) اپنی ذاتی رائے سے دے دیئے تھے وہ مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔تو اب حضرت عمر یا تمام صحابہ کی ذاتی رائے جب ہی قابل قبول ہوسکتی ہے جب قرآن کی کوئی آیت حضرت عمر یا صحابہ کو وہی مقام دے دے جو رسولؐ اللہ کو حاصل تھا۔اور یہ مقام جب تک کوئی دوسرا قرآن کسی مجتہد پر نازل نہ ہو اُن حضرات کو نہیں ملتا۔اور فرض کرلو کہ کل کوئی مجدّد الف ثالث یہ خدمت بھی انجام دے دے تو حضرت عمر اور تمام صحابہ کا اجماعی فیصلہ بھی مستقل نہیں ہوگا۔اور میں تنہا ایسے فیصلے کو قرآن کی مار دے کر تبدیل کردوں گا۔ بہرحال آپ شبلی صاحب کی کوشش ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ پھر بھی ہماری زَد سے نہیں بچ سکتے ،فرماتے ہیں کہ:

(الف) روپیہ دے کر تعلیم قرآن

’’تمام ممالکِ مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اَوّلیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے (اسلام میں سب سے پہلے) معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔تنخواہیں اس وقت کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔‘‘(الفاروق حصہ دوم صفحہ 58)

نوٹ کریں کہ وہیں سے تبلیغ کرنے والوں نے اُجرت لینا جائز کیا تھا اور آج (1976 عیسوی) ایک وعظ یا مجلس پڑھنے کی فیس پانچ ہزار روپیہ جائز ہوگئی۔

(ب) روپیہ کے ساتھ جبر و سزا بھی

’’خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا۔ چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن شریف کا کوئی

حصہ یاد نہ ہو سزا دے۔"(الفاروق حصہ دوم صفحہ 59)

تا کہ قرآن کی فاروقی تفسیر عام ہو جائے اور بدوؤں پر قابو رہے۔اور جبر کی وجہ سے لوگ دلوں کے اندر اسلام سے بددل ہو جائیں اور وقتِ ضرورت کام آئیں۔

(ج) قرآن کے پڑھنے میں بھی لالچ کو حربہ بنایا

"حضرت عمر نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کیلئے اِن تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ضروری سُورتوں یعنی بقرہ؛ نساء؛ مائدہ؛ حج اور سورہ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں۔کیونکہ اُن میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔عُمّال (گورنرز) کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں اُنکی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 59)

یعنی اُس زمانہ میں کوئی شخص قرآن کو اللہ و رسولؐ کے حکم اور استفادہ کے لئے نہیں پڑھتا تھا۔اور فاروقی انتظام نے ایسا سوچنے کی ضرورت کو بھی ختم کر دیا تھا۔لوگ تنخواہ کے لالچ سے پھر کوئی عہدہ ملنے کی آرزو میں قرآن پڑھتے تھے۔اور ایسے لوگوں کا ایمان و اسلام کس قدر قابل قبول ہے؟ قارئین پتہ لگائیں۔

(د) آج کل کے حساب سے مشرکانہ جملہ

علامہ شبلی نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کرنا لکھ کر حاشیہ میں ابن جوزی کا یہ جملہ لکھا ہے: عمر بن الخطّاب و عثمان بن عفان کَانَا یرزقان الموذنین والائمة والمصلین۔"خطاب کے بیٹے عمر اور عفان کے بیٹے عثمان دونوں کے دونوں اذان دینے والے موذنوں کو، نماز پڑھانے والے اماموں کو اور نمازیوں کو رزق دیا کرتے تھے۔"(الفاروق حصہ دوم صفحہ 58 حاشیہ)

یعنی دونوں ماشاءاللہ رازق تھے۔

اسی لئے آج مجتہد کے مقلد نماز نہیں پڑھتے اور اگر کوئی یہ غلطی کرتا ہے تو دل میں اُس زمانے کا منتظر ہے جب نماز روزہ سے سوشلزم چھٹکارہ کرا دے گا۔قارئین سوچیں کہ عہد فاروقی میں کیسے مسلمان تیار کئے جا رہے تھے؟ یعنی عبادت بھی روپیہ کے لالچ میں اور جہاد بھی لوٹ اور مار دھاڑ کیلئے۔

(ہ) فوجوں کو بھی اسی رنگ میں رنگا گیا تھا

"اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ان میں یہ (مندرجہ بالا حکم) بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔وقتاً فوقتاً عمال (گورنروں) سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ان تدبیروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ

گئے۔ ناظرہ خوانوں (دیکھ کر پڑھنے والوں) کا تو کچھ شمار نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں اُن کو قرآن کی تعلیم کیلئے جا بجا بھیجوں تو سعد بن وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 60-59)

قارئین یاد فرمائیں کہ جنگ صفین میں شبلی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ جدھر نظر جاتی تھی قرآن ہی قرآن نیزوں پر نظر آ رہے تھے۔ اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان نے سات قرآن سات صوبوں کے دارالخلافوں میں بھیجے تھے۔ وہ کون سے قرآن تھے؟ اور کہاں سے آئے تھے جن کی مدد سے یہ لاکھوں اور بے شمار لوگ صحیح قرآن پڑھ سکے۔ جبکہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں لے دے کر اور وہ بھی بقول مجتہدین اور بخاری وغیرہ کل ساڑھے چار آدمی پورے قرآن کے حافظ تھے؟ یہ سب معجزاتی کاروبار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں انکار کیوں ہو۔ مگر یہ قاری و حافظان قرآن اور نمازی لوگ جس کیریکٹر کے آدمی بن سکتے تھے وہ تو آپ کے سامنے مندرجہ بالا انتظام خود بتاتا ہے۔ لیکن ہم گواہی میں آپ کے سامنے کربلا کو پیش کرتے ہیں۔ جہاں ہزاروں حافظان قرآن موجود تھے اور اتنی پابندی سے نماز پڑھتے تھے کہ خاندان رسولؐ کے جوانوں، بوڑھوں اور بچوں اور تمام انصار کو قتل کر کے، لاشوں پر گھوڑے دوڑا کے نماز جماعت ادا کی تھی۔ اور اس سے پہلے رسولؐ زادے کو کہا تھا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی۔ اسی قسم کے حافظانِ قرآن اور نمازی تھے وہ لوگ بھی جنہوں نے خانہ کعبہ کو نظر آتش کیا تھا۔ مدینہ میں مسجد نبویؐ میں گھوڑے باندھے تھے۔

(و) شریعت کی ایسی تنفیذ کہ جو آج بھی ممکن نہیں

''چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو روز کام پڑتا ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 60)

قارئین یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضرت عمر نے اپنی اس کوشش میں کمال کر دیا تھا کہ اپنی اختیار کردہ شریعت کا ہر ہر مسئلہ اس طرح ٹھوک بجا کر سارے قلمرو میں پھیلا دیں کہ اُن کے بعد اگر کوئی فاروقی شریعت میں عیب نکالے تو اُسے کوئی قبول نہ کرے۔ اور جو کچھ حضرت عمر جاری کر جائیں اُسے غلط اور خلاف قرآن و حدیث نکلنے پر بھی نہ چھوڑیں۔ چنانچہ آج تک نہیں چھوڑا ہے۔

(ز) بذات خود شرعی مسائل بیان کرنا

''جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کرتی تھی۔ خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے۔ جمعہ کے دن کے خطبوں میں، حج کے خطبوں میں احکام بیان کرتے تھے.... چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا۔ اسلئے ان

(شرعی) مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔'' (ایضاً حصہ دوم صفحہ 61-60)

اس سے یہ فائدہ بھی تھا کہ اگر کوئی اپنا تنخواہ دار عالم یا کوئی غیر شخص فاروقی مزاج کے خلاف کوئی مسئلہ بیان کرے تو اس کا پتہ آسانی سے چل جائے اس لئے کہ لوگ سوال کریں گے، غیر مانوس مسئلہ کی تشریح چاہیں گے اور بات کُھل جائے گی۔

(ح) فرمان کی صورت میں احکام نماز: دو نمازوں کا ملا کر پڑھنا بند، تراویح کا اجرا وغیرہ

شبلی لکھتے ہیں کہ:۔ ''وقتاً فوقتاً عمال (گورنروں) اور افسران کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق جس کی تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں.... دو وقت کی نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریراً حکم بھیجا کہ ناجائز ہے۔'' (حصہ دوم صفحہ 61)

قارئین نوٹ کریں کہ سوائے حنفی مذہب کے چند علما کے باقی تمام مالکی، شافعی وغیرہ جمع بین الصلوٰتین کے قائل ہیں اور حضرت عمر کا یہ حکم اہل سنت ریکارڈ کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح جب جبر و تشدد کی کمر ٹوٹ گئی تو حضرت عمر کے مقرر کردہ اوقات نماز اور سینکڑوں مسائل تبدیل ہو گئے۔ یعنی جو چیز قرآن وحدیث کے خلاف حضرت عمر نے جاری کی تھی وہ لازم نہ رہی۔

(ط) نماز تراویح کی خودساختہ ایجاد

''14ھ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 61)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ حکم قرآن وحدیث وسنت کے سراسر مخالف ہے۔ مگر ایک دفعہ پوری مملکت میں اس کو نافذ کیا گیا اور اس پر عمل لازم رہا۔ لیکن جب لوگوں کو اللہ و رسولؐ کے احکام پر عمل کر سکنے کی آزادی ملی تو یہی تراویح کا حکم لازم نہ رہا۔ اہلسنت ریکارڈ سے اس کا جواز ثابت نہیں۔ رہ گئی امت کے مجتہدین کی اپنی ایجادات، ظاہر ہے کہ وہ نہ اسلامی شریعت ہے، نہ خدا کے یہاں ایسی خودساختہ عبادت پر سزا سے بچا جا سکتا ہے۔ البتہ دنیا میں کثرت کی خوشنودی ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔

(ی) جبریہ احکام پر شبلی صاحب کا پردہ

خودساختہ شریعت کا جبراً نافذ کرنا ثابت کر چکنے کے بعد شبلی صاحب کو خیال آیا کہ لاؤ ذرا سی لیپا پوتی بھی کر دوں فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی (شرعی) احکام حضرت عمر فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے۔ وہ چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا اُن کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔'' (ایضاً صفحہ 61)

علامہ نے جو کچھ کہنا چاہا اور کہہ دیا وہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔حضرت عمر کے جاری کیئے ہوئے مسائل یا احکام پر علمائے صحابہ کبھی متفق نہیں ہوئے۔البتہ جو احکامِ رسولؐ امت میں بچ گئے تھے اُن پر صحابہ ہی نہیں بلکہ ساری امت متفق ہے۔اور اُن کو شاہی فرمان کے ماتحت نافذ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔وہ تو مشہور اور معمول بہ تھے۔ابھی آپ شبلی صاحب کی حق گوئی ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ک) صحابہ کے اجماعی فیصلہ کی بات بالکل غلط تھی

چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ''غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو (یعنی تمام نظر بند قیدیوں کو) جمع کیا۔اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔لوگوں (یعنی صحابہ) نے مختلف رائیں دیں۔اس وقت فرمایا کہ: اَنْتُمْ اَصْحَابُ بَدْرٍ وَقَدِ اخْتَلَفْتُمْ فَمِنْ بعد کم اشدّ اختلافًا۔یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا۔چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔اور اُن کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔'' (ایضاً صفحہ 61)

قارئین نے غور فرمایا کہ صحابہ کے اجماع اور متفقہ فیصلہ کی بات محض زیب داستان کے لئے تھی۔پھر یہ سوچیں کہ حضرت عمر جنسی تعلقات کے مسائل اپنی ازواج سے ہرگز نہیں پوچھتے بلکہ ان شرمناک مسائل کو اپنی بیٹی یا ازواج رسولؐ سے دریافت کیا کرتے تھے۔زیر نظر مسئلہ یہ تھا کہ اگر مرد دخول کے بعد بلافراغت کسی وجہ سے اُٹھ جائے تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ہم نہیں جانتے کہ ازواج رسولؐ تو ازواجِ رسولؐ ہیں۔آیا ہمارے قارئین ایسا مسئلہ یا یہی مسئلہ اپنی والدہ یا بہن سے دریافت کریں گے؟ یا نہیں؟ بہرحال وہ حضرت عمر تھے۔اور وہ عائشہؓ وحفصہؓ تھیں۔لہٰذا مصلحتِ خویش خسرواں دانند کہہ کر آگے چلیں اور ہرگز اجماع کے مسئلہ میں نہ الجھیں۔

(ل) جنازہ کی نماز بدل دی گئی

قارئین یہ نوٹ کریں کہ ہم علامہ شبلی کے قلم کو الگ سے باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں اور جس قدر اُن سے ملتا جاتا ہے لکھتے جاتے ہیں۔ہمیں وقت ملا تو ہم یہ دکھائیں گے کہ حضرت عمر نے قرآن واہلسنت کے ریکارڈ کے خلاف شریعت جاری کی تھی۔وقت نہ ملا تو یہ چیلنج کر دیں کہ ہم صحاح ستہ سے حضرت عمر کی ہر ایجاد کو قرآن و فرمان رسولؐ کے خلاف ثابت کر سکتے ہیں۔جس کا دل چاہے تحریری یا تقریری امتحان کر دیکھے۔یہاں صرف ایک جملہ لکھ کر شبلی چل دیئے، سنئے:

''جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک متفق بات طے ہوگئی یعنی چار

تکبیروں پر اتفاق ہو گیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 61)

یہاں یہ چند ایجادات بطور نمونہ لکھ کر جناب شبلی نے عنوان بدل دیا ہے۔ لہٰذا ہم بھی ساتھ ساتھ چلیں گے۔ چنانچہ قومی شریعت کا نفاذ دیکھئے۔

(6) قرآن کی طرح شریعت پھیلانے کا انتظام؛ تنخواہ دار مبلّغ اور شاہی جبر

''اضلاع کے عُمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے۔ اُن میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ عالم و فقیہہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا۔ ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے: ''اِنّی اشھد کم علٰی امراء الامصار انّی لم ابعثھم اِلّا لیفقھوا الناس فی دینھم۔ یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔'' یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 62)

یہ بات تو قطعاً واضح ہے کہ حضرت عمر اپنی حکومت کا اثر رعایا کے ہر ہر فرد پر بطور ٹھپہ بٹھا دینا چاہتے تھے۔ اور وہ اپنے مسلک اور تصور اسلام کو ہر شخص پر مسلط کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اور لوگوں کو آنحضرتؐ کے اُسوہ اور طرز زندگی کا ذرہ برابر پتہ نہ چلنے پایا اور ایک دفعہ آپ کے ماتحت ممالک میں اسلام اور رسولؐ اسلام کا نام عمر اور قرآن و حدیث کا نام احکامات عمر ہو کر رہ گئے تھے۔ لیکن شبلی صاحب نے حضرت عمر کا جو جملہ عربی میں لکھا ہے اس سے یہ غلط سمجھا اور کہا گیا کہ ہر افسر عالم و فقیہہ ہوتا تھا۔ یا حضرت عمر اُسی شخص کو افسر بناتے تھے جو عالم اور فقیہہ پہلے سے ہو۔ اس جملہ میں تو حضرت عمر نے صرف یہ کہا ہے کہ افسروں کو مقرر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کا دین سمجھائیں۔ لِیَفْقَھُوْا۔ کے معنی یہ کہاں ہیں کہ وہ افسر عالم و فقیہہ ہوتے تھے۔ بے رنگ تصویر میں خود رنگ بھرنا اُسے خراب کر دیتا ہے۔ ہم حضرت عمر کی ہمہ گیری کو بے چوں و چرا اس لئے مانتے چلے آتے ہیں۔ بلکہ بڑھا چڑھا کر مانتے ہیں تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ ایسی صورت میں حقیقی دین کے پہنچنے کی تمام راہیں مسدود تھیں۔ اور جب ہم حضرت عمر کی حقیقی علمی پوزیشن پر بات کریں گے تو یہ سارا ٹھاٹھ مکڑی کے جالے کی طرح سمٹ کر خاک کی ایک چٹکی بھی نہ رہے گا۔ داستان الگ اور زیب داستان الگ ہو جائے گی۔ اور ابھی علامہ شبلی کا اعتراف سامنے آتا ہے۔ یعنی سرکاری مؤرخین کو بھی غپ شپ کہیں نہیں ملتی، فرماتے ہیں:

(الف) کوئی ملک حضرت عمر کی شریعت کے علما فقہا سے خالی نہ تھا

''تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلّم متعین کیئے کہ لوگوں کو (حضرت عمر کی منشا کے مطابق) مذہبی احکام کی تعلیم دیں۔ مورخین نے اگر چہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا۔ اور اس وجہ سے اُن معلموں کی صحیح تعداد (اور اُن کے نام اور ڈگری) معلوم نہیں ہوسکتی۔ تاہم جستہ جستہ تصریحات سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔'' (ایضاً صفحہ 62)

مؤرخین نے تو بہت سے تنکوں کے پُل بنائے تھے مگر وہ شبلی صاحب کو پسند نہیں۔ بہر حال قارئین الفاروق کے اس صفحہ پر دیکھیں گے کہ حضرت عمر کے معلّمین ہر بستی ہر مسجد اور ہر فرد کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ اور ہر گز یہ گنجائش نہ تھی کہ کوئی شخص حضرت عمر کی اپنی شریعت کے خلاف ایک بات کسی کو بتا سکے۔ بوڑھے اُس فاروقی شریعت اور چار تکبیروں والی نماز جنازہ سنتے دُنیا سے رخصت ہوئے، بچے اُسی کو سیکھتے، یاد کرتے اور روپیہ کماتے جوان ہوئے۔ جوانانِ اُمت اُسے اللہ ورسولؐ کی شریعت سمجھتے ہوئے نافذ کرنے میں مشغول اور جنگوں میں مقتول ہوئے۔ اور اپنے گھروں کو مال و دولتِ عجم سے لبریز کرتے رہے۔ کسی کو یہ وہم تک نہ ہوسکتا تھا کہ اللہ و رسولؐ نے شریعت کو نامکمل چھوڑ دیا تھا، قرآن تک جمع نہ کیا تھا، کسی کو اپنا جانشین بنائے بغیر اُمت کو منافقوں کے خطرناک ماحول میں چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر کا ہر فرمان خدا اور رسولؐ کے فرمان کی طرح واجب الاطاعت سمجھ کر نافذ ہوتا چلا گیا۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ تعمیل ہی تعمیل تھی، تعمیل ہی میں وارے نیارے تھے۔

(ب) کس مُلک میں کون مبلّغ؟

عبدالرحمٰن بن مغفل دس دیگر مبلغین کے ساتھ بصرہ میں تعلیم شریعت کے لئے متعین تھے۔ عمران بن الحصین بھی بصرہ ہی میں تعینات تھے۔ عبدالرحمٰن بن غنم نے ملک شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی تھی۔ عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابوالدرداء بھی شام میں تھے۔ حنان بن ابی جبلہ کو مصر میں رکھا تھا۔'' (الفاروق حصہ 2 صفحہ 62) اگلے صفحہ پر رقم طراز ہیں کہ:

(ج) تنخواہ دار علما کے علاوہ سب کی زبان بندی جاری رکھی

''ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اُن فقہا کی تنخواہیں مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مُرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اُسکے قائم نہیں ہوسکتا تھا... ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص شریعت کے مسائل کی تعلیم کا مجاز نہ ہوگا... چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے

لکھی ہے۔ہم اُسکے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 63)

قارئین ہم ابھی آپ کو شاہ ولی اللہ کا مذکورہ بالا بیان دکھائیں گے۔مگر پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ جناب شبلی صاحب نے اسی طرح قرآن اور حدیث کے بارے میں لکھا تھا کہ سوائے اُن اشخاص کے جو حضرت عمر کے تعینات کئے ہوئے لوگ تھے، کسی اور کی یہ مجال نہ تھی کہ قرآن یا حدیث بیان کرسکے اور اس انتظام میں یہ مانا تھا کہ حضرت عمر خلاف ورزی کرنے والوں کو قید یا دیگر سزائیں دیا کرتے تھے۔اور جن کو تعینات کرتے تھے اُن پر بھی نگرانی اور محاسبہ کرتے رہتے تھے۔لہٰذا انصاف کے ذمہ دار حضرات سوچیں کہ جب چند اپنے آدمیوں کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ حضرت عمر کی مرضی اور پسند کے خلاف کوئی آیت یا حدیث منہ سے نکلے تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ کوئی **عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ یاخلیفتہ بلا فصل** کی بات کرگزرے اور معراج والی اذان یا نماز پر احادیث سنا سکے؟ یہی ہم ثابت کرنے چلے ہیں کہ دُرّے، دولت اور فوجی قوت سے اپنے احکام کو شریعت محمدؐیہ کے رنگ میں مسلط کیا گیا تھا۔ اور شبلی صاحب اس مقصد باحسن الوجوہ پکا کرنے میں ہر خیانت کو جائز سمجھتے ہیں۔یعنی شاہ صاحب کا بیان بھی وہ پورا نہ لکھیں گے۔بلکہ اپنے اور اب ہمارے کام کی باتیں تلاش کرکے جستہ جستہ لکھیں گے۔یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ علامہ شبلی اور اُنکے بعد کے علما نے شاہ ولی اللہ کو ایک ایسے علمی مقام پر مانا ہے کہ نوع انسان میں اُس مقام سے بلند کوئی اور مقام اُنکے یہاں تصور میں بھی نہیں آتا۔اور حد یہ بھی ہے کہ خود شاہ ولی اللہ اپنے لئے الہام کے قائل ہیں۔اور شبلی صاحب اُن کی مدح میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

''شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں حضرت عمر کی فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 8)

اور ہم بھی تصدیق کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کو ایک خاص مخلوق بنا ڈالنے کے لئے دنیا بھر کی تمام خودساختہ روایات و بیانات کو جمع کرنے میں تمام اقوام کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔مگر حضرتِ شبلی کا یہ بیان بھی نوٹ کرلیں فرماتے ہیں کہ:۔

''جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رُتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفا، ریاض النضرۃ وغیرہ اُنکا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کرلی گئی ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 11) (انا للہ وانا الیہ راجعون)

یعنی علامہ شبلی نے صفحہ 8 پر جس ولی اللہ کو یہ مقام دیا کہ اُن سے زیادہ حضرت عمر کی شریعت سازی کی تصدیق کرنا ناممکن ہے۔اُسی ولی اللہ کی اُسی کتاب کو غیر معتبر ثابت کردیا جس میں حضرت عمر کے لئے امکانی حدود کو مکمل کردیا تھا۔قارئین نوٹ کریں کہ شاہ ولی اللہ اور اُن کی کتاب ازالۃ الخفاء اگر معتبر نہیں ہیں تو مسٹر شبلی اور اُن کی کتاب الفاروق یقیناً کذب وافترا کا بولتا چالتا مجسمہ ہیں۔ اور کذب وافترا بھی رسولؐ اللہ، قرآن اور صحابۂ رسول رضی اللہ عنہم کے خلاف کیا گیا ہے۔اب آپ شبلی صاحب کا مذکورہ وعدہ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ وہ جستہ جستہ فقروں کو الگ الگ لکھنے کے بجائے انہیں اپنے اجتہاد سے منظّم کرکے یوں پیش کرتے

ہیں (اور ترجمہ تو شبلی لوگ کیا ہی نہیں کرتے تا کہ پول نہ کھلے اور رعب پڑے)۔

مَعْھَذٰ ابعد حزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت نہ بُو د۔ در جمیع این امُور شدرو ند رنمی رفتند و بدونِ استطلاع رائے خلیفہ کارے را مُصَمم نمی ساختند۔ لہٰذا درین عصر اختلافِ مذاہب وتَشتُّت آرا واقع نہ شُد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و علامت علامہ ظہور نمود۔ علما در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ مید ہدو عائشہ صدیقہ وعبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند وابو ہریرہ اوقاتِ خود در ابرا کثار روایتِ حدیث مصروف می سازد۔ بالجملہ دریں ایّام اختلاف فتاویٰ پیدا شد۔ یکے را بر رائے دیگرے اطلاع نہ۔ واگر اطلاع شد مذاکرہ واقع نہ۔ واگر مذاکرہ بہ میان آمد؟ ازاحت شبہ وخروج از مضیق اختلاف بقضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علما صحابہ کہ پیش انقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ از ہر چہ روایت کردہ اند ہر چند جمیع صحابہ عدول اند در روایت ایشان مقبول وعمل بموجب انچہ بروایت صدق ایشاں ثابت شود لازم۔ اما درمیان آنچہ از حدیث وفقہ درزمن فاروق اعظم بود وآنچہ بعدے وحادث شدہ فرق مابین السموات والارض است۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63)

ہمارا ترجمہ جو شاہ صاحب کے الفاظ اور قرائین حالی ومقالی کے مطابق ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''اس سب انتظام کے ساتھ ساتھ یہ بات سمجھ لیں کہ جب حضرت عمر کسی بھی بات کا پختہ فیصلہ کر لیتے تھے تو پھر کسی بڑے سے بڑے صحابی کی یا زوجہ رسولؐ کی یا کسی ماتحت حاکم کی یہ مجال نہ ہوتی تھی کہ وہ حضرت عمر کے فیصلہ کی مخالفت کر سکے اور کوئی آیت یا ایسی حدیث پیش کر سکے جو حضرت عمر کی منشا کے خلاف جاتی ہو۔ اور حضرت عمر کے باقی تمام احکامات اور فیصلوں میں بھی کوئی شخص مقررہ حد سے باہر نہ نکلتا تھا۔ اور خلیفہ کی اطلاع اور رائے حاصل کئے بغیر کوئی اقدام نہ کرتے تھے۔ اس زبان بندی اور محکم گرفت کی وجہ سے اُن کے عہد حکومت میں مذہبی تصورات میں اختلاف اور دینی احکام میں آزاد خیالی قطعاً دبی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا رہا کہ تمام صحابہ اور تمام افسران اور تمام ازواجِ رسولؐ حضرت عمر والے مذہب پر متفق ہیں اور سب صحابہ وصحابیات اور ازواجِ رسولؐ، اور تمام افسران وعہدیداران اور تمام مملوکہ ومفتوحہ ممالک کی رعایا مل کر حضرت عمر کی مقرر کردہ دینی راہ پر چلے جارہے ہیں۔ مگر جیسے ہی یہ مخصوص قسم کی حکومت بالکلیہ کٹ کر گری اور بھرپور علم کی آزادی نے اپنا ظہور کیا تو پھر یہ ہوا کہ سیاست فاروقی کا روکا ہوا علمی دھارا بے پناہ روانی کے ساتھ بہہ نکلا اور جدھر دیکھو ہر بستی ہر قریہ اور ہر شہر میں وہ لوگ پھیل گئے جو عرصہ دراز سے نظر بندی اور قید و بند میں گرفتار تھے۔ اور لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے استفادہ کے لئے احکام اور مسائل بیان کرنا شروع کر دیئے۔ عبداللہ بن عباس نے مکہ میں وہ فتاویٰ دینا شروع کئے جو حضرت عمر کے سامنے نہ دے سکتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت عمر کے فرزند ارجمند عبداللہ بن عمر

نے مل کر مدینہ کو سنبھالا۔ اور اُن کے مقابلہ میں جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا وقت احادیث کا ڈھیر لگا دینے پر وقف کر دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں جملہ اختلافات باہر نکل کر پھیل گئے۔ ولی اللہ صاحب کا ذاتی خیال ہے کہ اختلاف کا سبب یہ ہوا کہ فتویٰ دینے والوں کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں مفتی اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دے رہا ہے۔ اور اگر معلوم ہوتا بھی ہوگا تو آپس میں بحث و مباحثہ کر کے ایک متفقہ فتویٰ دینے کا موقع نہ ملتا ہوگا۔ اور اگر بحث و نظر کا موقع ملا ہوگا تو آپس کے شبہات اس حد تک دُور نہ ہو سکے ہوں گے کہ نتیجہ میں متفقہ فیصلہ ہو سکے۔ اور اگر اے قاری تو اُن لوگوں کے حالات اور مسائل کے اختلافات پر باقاعدہ نظر ڈالے تو تُو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اُس مخصوص قسم کی خلافت کے کٹ کر گرنے سے پہلے کے جو علما گزرے اُس قسم کے علما تمہیں بعد والوں میں بہت ہی کم ملیں گے (یعنی حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، جناب ابو ہریرہ اور سینکڑوں اُن کے سائز کے صحابہ سب نئی پود تھے۔ کیا حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، معاویہ، سعد وقاص وغیرہ یہ سب بعد کی پیداوار تھے؟) اور خلافت فاروقی کے بعد جو صحابہ اور صحابیات باقی رہ گئے تھے۔ اور جنہوں نے بعد میں احادیث بیان کی ہیں اُن کی احادیث میں اور جو حضرت عمر کے زمانہ کے لوگوں نے احادیث بیان کی ہیں اُن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حالانکہ (غلطی سے) یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر صحابی مجسمہ عدل تھا۔ اُن میں سے کسی کے بیان پر شبہ کرنا خلاف ایمان ہے۔ اُن کی بیان کردہ حدیث کی اطاعت واتباع لازم ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ عمر کے بعد جو حادثات ہوئے اُنہوں نے اُلجھاڑ ڈال دیا۔"

یہ ہے وہ روئیداد جو صحابہؓ کے گلے میں سے طوق و زنجیر نکل جانے کے بعد پیش آئی تھی۔ اور وہ سب انتظامات اپنی داخلی خرابیوں سے تباہ ہو گئے تھے جو حضرت عمر نے اسلامی فطرت کے خلاف جبر واستبداد سے قائم کئے تھے۔ ممالک مفتوحہ سے آنے والی دولت، تنخواہ اور وظائف پانے والی ہر وقت تیار فوج (Standing Army) پولیس، سی آئی ڈی، محکمہ جات گلی گلی، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ مساجد کا سرکاری اسٹاف، مفتی اور قاضی اور عدالتوں کا عملہ، مخبروں اور جاسوسوں کا پوری مملکت میں پھیلایا ہوا جال؛ خود مدینہ میں گلیوں کے چکر لگانا، بلند آوازی اور اشعار تک پر پابندی کا قاہرانہ انتظام ہر فرد کو خوفزدہ کئے ہوئے تھا۔ یہ وجہ تھی کہ بقول شاہ ولی اللہ کسی کو مجال دم زدن نہ تھی۔ اس طرح مسلسل بارہ سال گزر گئے تھے۔ اور ابھی اس جابرانہ انتظام کو مزید تیرہ سال اور چلنا تھا۔ واقعی بقول شاہ صاحب یہی زمانہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام احادیث وتفاسیر ایک دفعہ مکہ مدینہ اور گرد ونواح میں پھیل گئیں اور پھر روکنے کے باوجود نہ رک سکیں اور حضرت امیر معاویہ کو حکمیہ ایسی روایات تیار کرانا پڑیں جو صحیح احادیث سے ٹکرا سکیں۔

(7) فاروقی شریعت نافذ کرنے پر علامہ شبلی کے جستہ جستہ ریمارکس

اب ہم علامہ شبلی کی طرح خود اُن کے جستہ جستہ بیانات کے جستہ جستہ فقرے اور برجستہ سدھرے ہوئے جملے قارئین کے سامنے رکھیں گے تاکہ فاروقی کنٹرول اور گرفت کی شان اور رعایا کی بے کسی و بے بسی بڑھ کر سامنے آئیں۔ اور الفاروق سے یہ آخری عنوان مکمل ہو جائے۔ سُنئے، سوچئے اور آگے بڑھئے۔

(i) علمی صیغہ پر قابو: ''علمی صیغہ پر بھی حضرت عمر نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔ ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63)

(ii) مساجد اور اسٹاف: ''حضرت عمر کے عہد میں چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔'' (ایضاً صفحہ 64) اس میں دیہات و بیرونجات اور امداد باہمی والی مساجد شامل نہیں۔

(iii) سرکاری خدمات پر عطیات: علامہ شبلی لکھتے ہیں: ''سب سے مشکل اور پُر پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہلِ عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ اُن کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی۔ مثلاً 1: بہادری کے لحاظ سے۔ 2: شرافت کے لحاظ سے۔ 3: پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے۔ 4: قابلیت کے لحاظ سے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 66)

نوٹ فرمائیں کہ رعایا کے افراد کو دولت کی قوت سے معاشی ضروریات کے لئے دست نگر بنا کر، مزید مالی سہولتیں حاصل کرنے کی دوڑ میں لگا دیا گیا تھا۔ اور یوں ہمہ گیر تعاون اور خدمات حاصل کرنا ممکن ہو گیا تھا۔

(iv) خاص منصوبوں کیلئے مفت راشن: ''بصرہ کے تمام باشندوں کے لئے ہر شخص کیلئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔'' (ایضاً صفحہ 67)

(v) جوانی کی پوری توجہ اور طاقت حاصل کرنے کے لئے ''بڑھاپے یا حادثات کی بنا پر بلاتفریق بیت المال سے وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 72)

(vi) ''مسلمانوں میں درجہ بندی قائم کر کے کم و بیش تنخواہیں مقرر کیں۔'' (ایضاً صفحہ 84)

(vii) ''تمام فوجی خاندانوں کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ جو لاکھوں کی تعداد سے زیادہ تھے۔'' (ایضاً صفحہ 91)

(viii) ''رعایا کے ہر مسلمان کو 25 سیر گیہوں ماہوار اور سرکہ ملتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 92)

(ix) ''تمام غربا اور غلاموں کی معقول تنخواہیں مقرر تھیں۔'' (صفحہ 92)

(x) ''قدید اور عسفان کے قبائل کو اُن کے روزینے حضرت عمر اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا کرتے تھے۔'' (صفحہ 93)

(xi) سرکشی ناممکن بنادی گئی تھی: فرماتے ہیں کہ: ''اُس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبّر اور صاحب ادعا (یعنی عربوں پر حکومت کے دعویدار) تھے۔1: امیر معاویہ 2: عمرو بن العاص 3: مغیرہ بن شعبہ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کیلئے اُن لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اسلئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے۔ اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ (معاویہ، عمرو عاص ومغیرہ) قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ حضرت عمر کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان (معاویہ، عمرو عاص ومغیرہ) کو دبا سکتا۔ چنانچہ حضرت عثمان وحضرت علیؑ کے زمانوں میں جو ہنگامے برپا ہوئے وہ سب اُن (معاویہ، عمرو عاص ومغیرہ) ہی لوگوں کی بدولت تھے۔'' (ایضاً صفحہ 87-86)

قارئین یہ تینوں نام نوٹ کرلیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو حضرت عمر کے نقش قدم پر ایک زبردست قومی حکومت قائم کریں گے۔ اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا نام اہل سنت والجماعت رکھیں گے۔ اور حضرت عمر کی حکومت کے قوانین یعنی فاروقی شریعت کو کتابی شکل دیں گے۔ تاریخ وحدیث سازی کی مہم شروع کریں گے۔ اور اسلام کا قومی اور مملکتی معیار پر ایک نیا ڈھانچہ اور ریکارڈ تیار کریں گے جو رفتہ رفتہ ہم تک اسلام کے نام پر پہنچے گا۔ اب آگے بڑھیئے اور حضرت عمر کی پالیسی کی داد دیجئے۔

(xii) دولت سے دعویداران حکومت کا منہ بند کیا عہدوں سے اُن کے ہاتھ باندھے

''حضرت عمر کے زمانہ میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ نہایت گراں تھا تاہم تنخواہیں ہر کسی کے مرتبہ کے مطابق عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہیں پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھیں اور غنیمت (لوٹ کے مال) کی تقسیم سے جو کچھ ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپیہ ماہوار تھی۔'' (ایضاً صفحہ 16)

قارئین 1976 عیسوی کی مہنگائی اور اپنے گورنروں کی تنخواہ کو سامنے رکھ کر پھر پلٹ کر حضرت عمر پر اور اُن کے گورنروں پر نظر ڈالیں اور سوچیں کہ اگر کوئی ایسا شخص خلیفہ بن جائے جو کسی کو عوام سے زیادہ تنخواہ نہ دے تو اس کے لئے عرب کی ایسی حکومت پر حکومت کرنا ممکن ہو سکے گا؟ اور اگر جنگ ہو جائے تو ایسی مالدار، مستغنی، لوٹ مار کو حلال سمجھنے والی اور ہمہ قسمی اسلحہ سے تیار فوج سے ایسی فوج کو لڑا سکے گا جو اپنا راشن اور تیر وتلوار گھر سے لے کر آئے اور ایک پیسہ تنخواہ نہ پائے؟

(xiii) مقدس ترین لوگوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا: فرماتے ہیں کہ ''تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی (تقدس) کا خیال رکھا سب سے زیادہ تنخواہیں (بلا محنت گروہ میں سے) جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے...رسولؐ اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور ازواجِ رسولؐ کی تنخواہوں کی مقدار سب سے بڑی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 140)

ذرا سوچیئے کہ ازواج رسولؐ کو ذرا سے مطالبہ پر اللہ نے طلاق دے کر الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی اور اُن پر دنیا طلبی کا جرم عائد کر

دیا تھا (احزاب 29-33/28)۔ مگر آخر حضرت عمر نے ازواج رسولؐ کی تمنا ہی پوری نہیں کی بلکہ انہیں دنیا کی سب سے خوشحال و فارغ البال وصاحب مال ودولت بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام زندگی حضرت عمر کی تائید وحمایت میں مصروف رہیں۔ **هَلْ جَزَاء الِا حُسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان**۔ (رحمٰن 55/60)

(xiv) غیر مسلم حکومتوں کی نقل واتباع: ''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ (قرآن وحدیث کو کافی نہ سمجھ کر) قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور اُن میں سے جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کو اختیار کر لیتے تھے۔ خراج، عشور، دفاتر، رسد، کاغذات، حساب ان تمام انتظامات میں حضرت عمر نے ایران وشام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 88)

ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ حضرت عمر یہود ونصاریٰ اور قدیم اقوام کے قوانین واجتہاد پر مکمل واقفیت رکھتے تھے اور اپنی اسی بصیرت کی بنا پر رسولؐ اللہ کے احکام وقواعد میں تنگ دامنی محسوس کرتے اور اصلاح دیتے تھے۔ اور حضرت عمر نے یہ علم وبصیرت رسولؐ اللہ کا کاروبارِ رسالت شروع ہونے سے پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ شبلی صاحب نے مروج الذہب کے حوالہ سے لکھا ہے:

''عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانہ میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور اُن سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 15)

(xv) بڑے بڑے قدیم وجدید صحابہ کی تنخواہیں: تمام نظر بند اور آزاد صحابہ میں مساوات ختم کر کے طبقاتی احساس کو فروغ دیا اور سرمایہ داری کی از سرنو سرپرستی فرمائی، سُنئے:۔

''حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

(الف) جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے 5 ہزار درہم فی کس۔

(ب) مہاجرین حبشہ اور جنگ احد میں شریک ہونے والے 4 ہزار درہم فی کس۔

(ج) فتح مکہ سے پہلے پہلے ہجرت کرنے والے 3 ہزار درہم فی کس۔

(د) جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے 2 ہزار درہم فی کس۔

(ہ) جو لوگ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک میں شریک ہوئے 2 ہزار درہم فی کس۔

(و) اہل یمن 400 درہم فی کس۔

(ز) قادسیہ اور یرموک کے بعد والے مجاہدین تین سو (300) درہم فی کس۔

(ح) (عوام) بلاامتیاز مراتب 200 درہم فی کس۔

(ط) تمام رجسٹرڈ لوگوں کی تنخواہوں کے ساتھ ساتھ انکی بیویوں اور بچوں کو بھی تنخواہ دی جاتی تھی چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ 200 سے 400 درہم تک تھی اور اہل بدر کے لڑکوں کی 2000 درہم فی بچہ مقرر ہوئی۔

(ی) اس موقع پر یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ جن لوگوں کی تنخواہ مقرر ہوئی اُن کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 43)

قارئین یہ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنی رعایا کے عوام سے لے کر خواص تک کوحتّٰی کہ صحابہ اور ازواجِ رسوؐل کو بھی اپنی دادودہش سے مرہونِ منت بنالیا تھا۔مگر یہ بھی دیکھئے کہ یہ تمام تنخواہ دار لوگ اپنی تنخواہیں حاصل کرتے رہنے کی بنا پر حکومت کی آمدنی پر اعتراض نہ کر سکتے تھے۔ بلکہ دولت جمع کرنے کا جو طریقہ بھی حکومت نافذ کرے یہ سب لوگ آمنّا وصدّقنا کہہ کر تائید ہی تائید کریں گے۔ورنہ تنخواہوں کی ادائیگی متاثر ہو جائے گی اور یہ کوئی نہیں چاہتا کہ کسی بھی وجہ سے اس کی آمدنی یا روزی بند ہوجائے۔یہ تھی وہ دولت کی مار جس نے حضرت عمر کی شریعت سازی اور حکومت کے استحکام میں مدد کی۔اور ان بے تحاشا اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بیرونی ممالک سے جنگ وجدل لازم ہو گیا تا کہ لُوٹ کا مال یعنی مال غنیمت وغیرہ ملتا رہے۔اور رعایا کے سامنے ہر وہ شخص مجرم وتخریب کار قرار پا جائے جو کسی بھی حیثیت سے نظامِ فاروقی کی مخالفت کرے۔یعنی حضرت عمر کے مذکورہ بالا انتظام نے اُن کو یہ مقام عطا کر دیا تھا کہ اب حضرت عمر کے مقابلہ میں اُن کی رعایا قرآن کی آیات اور رسوؐل کی احادیث بھی سننے اور ماننے کو تیار نہ ہوسکتی تھی۔یعنی اس کا امکان ہی قلوب واذھان سے ختم کر دیا گیا تھا کہ حضرت عمر قرآن و حدیث کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں؟ یہ صورت حال تھی جس میں اللہ ورسوؐل کا قائم کردہ اسلام بدل گیا۔

9۔ اللہ ورسوؐل کا قائم کردہ اسلام اور قرآنی احکام سرتاپا بدل گیا،قومی مسلک اسلام بن گیا

اب ہم از سرنو دکھائیں گے کہ حضرت عمر کی بصیرت نے اسلام کو جس انداز میں پیش کیا،اُسے کامیاب بنانے کیلئے ضروری تھا کہ تصورِ اسلامی کو بدل کر حقیقی اسلام میں ترمیم وتنسیخ کی جائے۔آیات واحادیث کا مفہوم تبدیل کیا جائے اور رعایا کو غیر مسلم حکومتوں کی سطح پر لایا جائے۔ پھر موڈرن تصورات وضروریات پیدا کر کے پبلک کو باور کرایا جائے کہ دیکھو تمہاری ضروریات تمہارے سامنے ہیں۔اور دیکھو ان تمام ضروریات کا ودیگر عمرانی حالات سے مقابلہ کا حل نہ تو قرآن میں ہے نہ رسوؐل اللہ نے بتایا ہے۔اسلئے ضروری ہے کہ میں اپنے اجتہاد وبصیرت اور تجربہ سے قرآن کریم کی لفظی چاردیواری سے باہر نکلوں اور تقاضائے زمانہ وضروریات انسانی کوملحوظ رکھ کر قرآن کی معنوی وسعتوں سے کام لوں اور رجعت پسند ولکیر کے فقیر مقدس لوگوں کی

ملامت ومخالفت کی پرواہ کئے بغیر وہ نتائج برآمد کر دکھاؤں جو باوجود لفظی محدودیت کے رسولؐ اللہ کو بھی پسند آتے تھے۔ اور فرضی خطرات کے امکانات بادی النظر میں فساد فی الارض اور نسلوں کی ہلاکت اور فصلوں کی تباہی دکھائی دیتے تھے (سورہ بقرہ 2/204-205)۔ لہٰذا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ اللہ نے میرے ہاتھوں تمہاری کایا پلٹ دی ہے۔ تمہیں اقوام عالم کی اگلی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ مہذب ومتمدن ترین اقوام نے تمہارا لوہا مان لیا ہے، سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ قرآن و تعلیماتِ اسلام کو اُنکی مفید ترین شکل میں اختیار کرو۔ قرآن واحادیث کے الفاظ ومتشابہات میں الجھ کر رہ جانے کے بجائے میری تعبیرات وتعلیمات واحکامات کی تقلید وتعمیل کرتے اور فیوضِ خداوندی سے مالا مال ہوتے چلے جاؤ۔ دیکھو میں مکہ اور مدینہ کے تمام صحابہ وصحابیات کی بھی پوری بصیرت کو استعمال کر رہا ہوں۔ وہ تمام لوگ میرے ساتھ ہیں جنکے علم وبصیرت، تقویٰ وطہارت اور قانونی مہارت پر آنحضرتؐ نے مہر تصدیق ثبت کی تھی۔ قرآن ہمارے پاس ہے، رسولؐ کے اعمال واقوال وسنت ہمیں معلوم ہیں، رسولؐ کی تعلیم صحابہ کی صورت میں بولتی چالتی موجود ہے۔ بتایئے اور کس چیز کی کمی ہے؟ اب رسولؐ اللہ واپس نہیں آسکتے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم خلوصِ قلب، صفائے باطن اور ہمدردیِ نوعِ انسان کو ملحوظ رکھ کر اپنی اجتماعی بصیرت کو استعمال کریں۔ غلطی اور غلطیوں کے امکان کو ہرگز نہ جھٹلائیں اور مل جُل کر اُن سے بچنے کی کوشش کریں۔ اسکے بعد بھی غلطی ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگتے رہیں۔ غلطی کا علم ہو جانے کے بعد اس پر ندامت اور اُسکے تدارک میں تکلف نہ کریں۔ یہ ہے نظام اجتہاد جو ختم نبوّت کے بعد قیامت تک اسلامی راہنمائی کا ذمہ دار ہے۔ سنو اور کبھی نہ بھولو کہ اس نظام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے لوگوں سے نئی نبوت کے دعوے کرائے گئے۔ نماز وزکاۃ میں تفریق کے لئے سروں پر کفن باندھ کر لوگ مسلح تصادم کے لئے میدان کارزار میں کود پڑے۔ اسلامی نظام کو خاندانی جاگیر بنانے کی کوششیں ہو چکیں۔ لیکن خدا نے اپنے دین اور رسولؐ کی امت کو ہر محاذ پر غالب کیا۔ لیکن اب تمہیں خوابِ غفلت نہ گھیر لے تم ہر لحہ خطرات کو سامنے سمجھو۔ تمہاری موجودہ حالت ساری دنیا کے لئے باعثِ رشک وحسد ہے۔ وہ اقوام جنہیں تم نے سر دھڑ کی بازی لگا کر سرنگوں کیا ہے اُن کی عقل وتدبر سے کبھی لاپرواہ اور غافل نہ ہو جانا۔ سنو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی شہادت کے مطابق ہمارے تمہارے ہی ایسے بشر تھے۔ مگر وحی کی بنا پر اخلاقِ حمیدہ اور نمونہ عمل تھے، اُن ہی کا نمونہ ہم نے اختیار کیا ہے۔ وہ ہمیشہ وحی کے سامنے سر جھکا دیتے تھے، کبھی اپنی اجتہادی غلطی پر مُصر نہ ہوتے تھے۔ فوراً اعلان واصلاح کے لئے تیار رہتے تھے۔ دیکھو اگر کسی طرف سے ایسے تصورات پیش کئے جائیں کہ آنحضرتؐ فرشتہ تھے یا فرشتوں کی طرح اُن سے بھول چوک اور خطا ناممکن تھی یا یہ کہ وہ مافوق الفطرت انسان تھے تو ایسے تصورات پھیلانے والوں پر نظر رکھنا۔ اور پتہ لگ جانے کے بعد ایسے لوگوں کو دشمن خدا و رسولؐ اور دشمن اسلام سمجھنا اور اُنکی اصلاح اور اُنکے تمام شبہات سے اہل علم کو مطلع رکھنا۔ اس قسم کی تحریک کو یہود ونصاریٰ اور عجمیوں کی تحریک سمجھ کر کچل ڈالنا تم سب

کا اسلامی وانسانی فریضہ ہے۔ ایسے لوگوں کے احباب و متعلقین کا بھی اعتبار نہ کرنا۔ اور سنو جو دستورِ اسلامی اس وقت پیش کیا جارہا ہے۔ اِس میں بھی ایسی تحریک کا خیال رکھا گیا ہے اور وہ مواقع فراہم کئے جارہے ہیں کہ جن لوگوں کے قلب و ذہن میں مخالفت کی کوئی چنگاری دبی رہ گئی ہو تو وہ اُن مواقع کو سامنے دیکھ کر دھواں دینے لگے۔ مرکزی مسائل بیان کرنیوالے علما لوگوں کے چہروں اور لب و دہن پر نظر رکھیں اور دیکھیں کہ ہمارے احکامات سننے والوں میں سے کسی کے ناک کان اور منہ سے وہ دھواں تو نہیں نکلتا، کوئی ہونٹ تو نہیں پھڑکتا، کوئی چہرہ تو نہیں بدلتا، کوئی ابرو تو نہیں تنتا؟ سنو قرآن وہی قرآن ہے، رسولؐ وہی رسولؐ ہے۔ میرے احکام سے نہ قرآن کی خلاف ورزی ہوگی نہ رسولؐ کا حقیقی دین بدلے گا۔ اِسکے باوجود دشمنِ اسلام ذہنیت کی شناخت یہ ہوگی کہ وہ ہمارے احکام شریعت میں زمین وآسمان کا فرق محسوس کریں گے۔ اور یوں ہم اُنہیں تمہارے سامنے لا کھڑا کریں گے۔ تم اُنکے اختلاف اور اُن کے پیش کردہ دلائل کو مسکرا کر نظر انداز کردینا مگر اُنکے اعمال واقدامات پر ضرور نظر رکھنا۔ ایسے لوگوں کا قتل واجب ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں میں کچھ سیدھے سادے بھولے مومنین بھی ممکن ہیں جو دشمن کے تقدس یا علمی دبدبہ کی بنا پر مغالطے میں مبتلا ہو سکتے ہیں اسلئے تلوار کو روک کر رکھنا۔ سمجھانا، اصلاح کرنا، قومی اپیل کرنا، جب یقین ہو جائے کہ اب صرف خالص دشمن جماعت سامنے ہے تو اُنکے ساتھ وہی سلوک کرنا جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ہم نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ کیا تھا۔ قتل وغارت، لوٹ مار، بھوک پیاس اور آگ میں جلا ڈالنا سب جائز ہوگا۔ اُن پر رحم کرنا اللہ ورسولؐ پر ظلم کرنا ہوگا۔ اُن سے ہمدردی اور اُن کی طرفداری بھی برابر کا جرم ہوگی۔ اُن سب کا ستیاناس کر ڈالنا۔ سنو آج بھی اور مستقبل میں بھی اسلام سے ہمدردی اس بات پر منحصر ہے کہ تم مرکزی شریعت کے خلاف کبھی کسی کی بات تسلیم نہ کرو۔ خواہ مخالف کوئی حدیث پڑھے یا آیت تلاوت کرکے سُنائے۔ ایسے اشخاص سے کہہ دو کہ قرآن کو سب سے زیادہ اور سب سے بہتر سمجھنے کی آخر سند اسے ملی تھی جس نے پوری اُمت کو گمراہی سے بچالینے کے لئے قرآن کے کافی ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین دلایا تھا کہ حضورؐ آپ کب تک تحریریں لکھ لکھ کر دیتے رہ سکتے ہیں؟ آخر ہمیں آپ نے ہدایت کرنے میں کوئی کمی کی ہے؟ آپ جو لکھنا چاہتے ہیں وہ بھی بار بار اور طرح طرح سے بتا چکے ہیں۔ میں اپنی بصیرت سے آپ کی اس آخری تمنا کو پورا کروں گا۔

قارئین کرام یہ تھی وہ تعلیم اور ہدایت جس پر آج تک عمل ہے۔ اور قرآن وہی قرآن ہے اور رسولؐ بھی وہی رسولؐ ہے لیکن دونوں کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔ اور حضرت عمر کے سامنے کوئی اِن دونوں کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ نظام فاروقی کا کمال یہ ہے کہ خود ہمارے مذہب میں نظام اجتہاد ایک ہزار سال سے ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔ اور شیعہ مجتہدین میں سوائے چند بزرگوں کے کثرت مِنّ وعَنّ فاروقی نظام کے اصول فقہ یعنی شریعت سازی کے فاروقی اصول اختیار کئے ہوئے شریعت سازی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور کمال بالائے کمال یہ ہے کہ مسلک فاروقی کی چاروں شاخوں نے تو مزید اجتہاد کا دروازہ بند کئے ہوئے

ایک ہزار سال گزار دیئے۔ مگر ہمارے یہاں یہ دروازہ اسطرح چوپٹ اور مقدس بنا کر کھولا ہے کہ قیامت تک باب مدینۃ العلم بن کر محمدؐ و آل محمدؐ کی راہ روک کر بیٹھ گئے ہیں۔ تمام قدیم ریکارڈ کو رفتہ رفتہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن و حدیث کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اُنکے بیان کردہ مسائل میں آیت یا حدیث کا کہیں تذکرہ نہ ملیگا۔ معصومؑ پیشگوئی کے مطابق یَجُوزُ وَلَا یَجُوزُ (یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے) کے بعد اگر کچھ اور ملتا ہے تو وہ ''احوط یہ ہے''، ''اس میں اشکال ہے''، ''یہ محل نظر ہے'' اور ''یہ متفق علیہ ہے'' اور آخر میں ''واللہ اعلم بالصواب'' (صحیح بات اللہ ہی جانتا ہے)۔ یہی حضرات ہیں جنہوں نے اپنے اجتہاد سے تمام شرعی مسائل کو بدل بدل کر ایک الگ مجتہدانہ شریعت تیار کی ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ کتاب الخلاف اور المختلف میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو پاژند بنا دیا ہے۔ مخالف محاذ کے تمام اعتراضات کو اپنی کتابوں میں جگہ دیکر مذہب شیعہ کو دشمنوں کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔ اور حقیقتاً ہم یہ کتاب اُن ہی کی آنکھیں کھولنے کیلئے لکھ رہے ہیں تا کہ اُنکو اور شیعہ وسُنی عوام کو حقیقتِ حال پر اطلاع ہو اور شاید وہ امام شافعیؒ کی طرح قرآن اور رسولؐ کی طرف پلٹ سکیں۔ علامہ شبلی سے پھر سنئے:

''حضرت عمر نے زمانہ اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے نئے (شرعی) قوانین وضع کئے جو آج حنفی فقہ (شریعت) میں بکثرت موجود ہیں۔ برخلاف اِسکے امام شافعیؒ کو یہاں تک کدّ ہے کہ ترتیب فوج، تعین شعار اور تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال (یعنی احادیث) کو تشریعی (اور غیر متبدل) قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت کہتے ہیں کہ ''رسولؐ اللہ کے سامنے کسی کے قول وفعل کی کچھ اصل (وحقیقت) نہیں ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 113)

یعنی امام شافعی علیہ الرحمہ اہلسنت کے یا فاروقی مسلک کے چار مسلمہ اماموں میں سے ایک زبردست امام ہوتے ہوئے بھی حضرت عمر کی ذاتی بصیرت اور اجتہاد کو ذرہ برابر کوئی مقام نہیں دیتے۔ اور قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کے خلاف حضرت عمر یا کسی اور حضرت کی تمام باتوں کو رد کرتے ہیں۔ میرا بھی اور میرے تجربہ میں تمام شیعہ سُنی عوام کا بھی یہی مسلک ہے کہ ہم بھی قرآن اور حضورؐ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی کی کوئی بات تسلیم نہیں کرتے۔ فرق یہ ہے کہ میں احادیث قبول کرنے میں پہلا نمبر آئمہ اہلبیت علیہم السلام کو دیتا ہوں۔ اور اُن کی تائید کرنے والی ہر اُس روایت کو بھی قبول کرتا ہوں جو اہلسنت ریکارڈ سے ملے۔ اور یہ کہ میں اسلام میں نظام اجتہاد کو حرام سمجھتا ہوں۔ اور اُس کے نقصانات ومضرات بیان کرتے رہنا میرا منصب و ذمہ داری ہے۔ اور بالکل یہی کام جناب امام شافعی نے زندگی بھر کیا تھا۔ علامہ شبلی کے الفاروق سے سنئے:

''خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعین، ام ولد کی خرید وفروخت وغیرہ کے مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریقِ عمل مختلف

ہے۔ بڑی دلیری سے اُن پر قدح (توہین آمیز تردید) کی ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 98)

اور یہی کچھ ہم نے اس کتاب میں کیا ہے۔ اور اب اگلے عنوان میں ذرا کھل کر وضاحت اور تقابل ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کون کون لوگ قرآن اور رسولؐ اللہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں؟ اور کون کون حضرت عمر کو اپنا راہنما بنا کر قرآن و رسوؐل کو ترک کرتے ہیں؟

(1) علامہ شبلی نے حضرت عمر کو مستقلاً قرآن اور رسولؐ کا مخالف ثابت کر دیا ہے

آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ شبلی نے بتایا تھا کہ:

''کتب سیئر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے مواقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اُسکے خلاف رائے ظاہر کی۔'' (ایضا حصہ دوم صفحہ 112)

قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ اگر واقعی شبلی نے سچ کہا ہے؟ تو قرآن کریم کی رُو سے حضرت عمر نے قولاً وفعلاً اور عمداً قرآن کریم کی مکمل تعلیم کی تکذیب کی ہے اور سینکڑوں واضح آیات کو منسوخ یا اُنکے مطالب کو تبدیل کیا ہے۔ اگر ہم اُن تمام آیات کو یہاں لکھیں تو ایک مستقل کتاب ہی درکار نہ ہوگی بلکہ بحث علم الکلام میں تبدیل ہو جائیگی۔ لہٰذا ہم صرف اتنا دکھا کر آگے بڑھ جائینگے کہ:۔

1: کسی مسلمان کو اللہ نے کسی حالت میں یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ آنحضرؐت سے ذرہ برابر اختلاف کرے۔ 2: یا نافرمانی کرے۔ 3: یا اُنکی کسی بات کو وحیٔ خداوندی کے خلاف سمجھے۔ 4: یا اُنکے رُوبرو کسی حیثیت سے آواز بلند کرے، یعنی نہ اطاعت کی صورت میں ناگوار گزرنے والی آواز نکالے نہ سرکشی دکھانے کیلئے بلند آوازی کرے۔ 5: حتّٰی کہ کسی بات پر اپنے قلب و ذہن میں بھی ناگواری محسوس نہ کرے۔ 6: یا رسوؐل کی کسی بات کو کسی حالت میں رسوؐل کی ذاتی خواہش یا بشری جذبات یا عارضی مصلحت کے ماتحت سمجھے۔ 7: یا رسوؐل اللہ کے کسی فیصلے یا حکم کو قابلِ ترمیم و تنسیخ سمجھ کر اس میں اپنی رائے یا کثرت کی رائے سے دخل اندازی کرے۔

اِن ساتوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت کے جواب پر قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس ان ساتوں حالتوں کی خلاف ورزی پر قرآن کریم نے انسان کو ایمان و اسلام سے خارج کیا ہے۔ ایسے لوگوں پر جہنم واجب کیا ہے۔ ایسے لوگوں سے دوستی، سادہ تعلق اور تعاون کرنے والوں کو بھی زمرہ اسلام سے خارج کیا ہے۔ اور تمام جہلا و علما جانتے اور مانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اُس پر سینکڑوں آیات بلفظہٖ قرآن میں موجود ہیں اور معنوی حیثیت سے پورا قرآن اسی حقیقت کو ثابت کرتا ہے۔ اِس لئے ہم اُن سینکڑوں آیات کی فہرست کو بنظر اختصار عدالت انصاف کے لئے محفوظ رکھتے ہیں جن کی تکذیب و تنسیخ کی گئی ہے۔ اور حضرت عمر کی آزادروِی نے مسلمانوں کے ایک گروہ کو اللہ و رسولؐ یا قرآن و حدیث کے خلاف منہ کھولنے کا

سبق دیا ہے۔ لہٰذا اس خود ساختہ تصور کے خلاف چند قرآنی اصول پیش کر کے فیصلہ قارئین کے سپرد کرتے ہیں۔

(الف) حضورؐ کی کوئی بات ذاتی تصور کی ترجمان نہ ہوتی تھی بلکہ ترجمانِ وحی تھی

قارئین یہ دیکھیں کہ اللہ نے کیا فرمایا؟ اور بزرگانِ اہلِ سنت کیا سمجھے؟ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰیo اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰیo (سورہ نجم 53/3-4)

''اور وہؐ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیںؐ کی جاتی ہے۔''

اس ترجمہ کے بعد حضرت شاہ محمد احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اور دیگر مفسروں کی تشریح یوں پیش کی ہے:۔

''4یہ (53/4) جملۂ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں۔ کیونکہ آپؐ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں جو فرماتے ہیں وحیٔ الٰہی ہوتی ہے۔ اور اس میں حضورؐ کے خلق عظیم اور آپ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے۔ نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کر دے (تفسیر کبیر)۔ اور اس میں یہ بھی ارشاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں فنا کے اُس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ تجلیٔ ربانی کا یہ اِستیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔'' (شاہ صاحب کا مترجم قرآن)

قرآن کے اس فرمان کو تبدیل کر کے حضرت عمر نے مسلمانوں میں یہ عقیدہ قائم کیا کہ آنحضرتؐ کی بعض باتیں اور فرمان و فیصلے ذاتی اجتہاد سے ہوتے تھے اور اکثر غلط ہوتے تھے۔ (الفاروق شبلی) اِنّا لِلّٰہ و اِنَّا الیہ رٰجعون۔

(ب) آنحضرتؐ اپنی ذاتی رائے یا قیاس سے کوئی بات یا کام نہ کر سکتے تھے

حضرت عمر نے اپنا مسلک و مذہب کہاں سے اختیار کیا تھا؟ یہ آپ سوچتے رہیں۔ بہرحال قرآن کریم سے اس مسلک کی نفی ہو چکی ہے۔ اب اہل سنت ریکارڈ میں جو کتاب قرآن کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے اور دوسری صدی سے مسلمانوں کے درمیان موجود ہے۔ وہ بھی یہی کہتی چلی آ رہی ہے کہ:

قال ابو عبداللّٰہِ اتّھموا رائکم؛ یقول مَالَمْ یَکُنْ فِیْہِ کِتَابٌ وَّلَا سُنَّۃٌ۔ وَلَا یَنْبَغِی لَہٗ اَنْ یُفتی۔ مَاکَانَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُسأل مما لم یُنزَل علیہ الوحی فیقولُ لا ادری وَلَمْ یُجِبْ حَتّٰی یُنزَل علیہ الوحی وَلَمْ یَقُلْ بِرایٍ وَلَا بِقیاس لِقَوْلِہٖ بِمَا اَرٰکَ اللّٰہ وقال ابن مسعود سئل النبیؐ عن الروح فسکت حَتّٰی نزلت۔ (کتاب الاعتصام پارہ نمبر 29 صفحہ 1087 جلد دوم چھاپ کراچی۔ نور محمد)

''ابو عبداللہ نے کہا کہ اپنی رائے کو قابل تہمت یعنی ناقابل اعتبار سمجھو اور وہ کہتے تھے کہ رائے سے کوئی فیصلہ کرنے پر نہ قرآن

میں اجازت ہے نہ حدیث اور رسولؐ کے عمل میں اس کو جائز رکھا گیا ہے۔ اور یہ کہ اُنہیں رائے سے فتویٰ نہیں دینا چاہئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جس معاملہ میں رسولؐ اللہ پر پہلے سے وحی نہ آچکی ہو اور اُن سے اُس معاملہ میں سوال کیا گیا ہو۔ اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نہیں جانتا یا خاموش نہ ہو گئے ہوں۔ یہاں تک کہ اُن پر وحی اُترتی۔ چنانچہ کبھی آنحضرتؐ نے اپنی ذاتی رائے یا اپنے قیاس سے ہرگز بات نہیں کی۔ اس لئے کہ اللہ کے قول (**اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ** ...... **الخ** نساء4/105 ''کہ یقیناً ہم نے تمہاری طرف حقائق والی کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی حقیقت نمائی سے فیصلہ کیا کرو۔'') کا لحاظ واجب تھا۔''

قارئین یہاں یہ بات مکمل اور ختم ہو جانا چاہئے کہ آنحضرتؐ کی کسی بات کو بھی اُن کی ذاتی یا غلط بات قرار دینا قرآن کریم اور بخاری شریف کے خلاف ہے۔ اور؛

(ج) حضرت عمر تصدیق کرتے ہیں کہ رسولؐ کی ہر بات و فیصلہ اللہ کی طرف سے اور حضرت عمر کا فیصلہ ذاتی رائے سے

سابقہ عنوانات میں بھی حضرت عمر بلا تکلف اپنے فیصلوں کو اپنی ذاتی رائے قرار دیتے ہوئے دکھائے جا چکے ہیں۔ یہاں بھی مندرجہ بالا آیت (نساء4/105) کی ذیل میں جناب مفتی مولانا محمد احمد رضا خان صاحب کا نوٹ ملاحظہ ہو۔

''289۔ علم یقینی کو قوت ظہور کی وجہ سے رُویت (مشاہدہ) سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہرگز کوئی نہ کہے کہ ''جو اللہ نے مجھے دکھایا'' (نساء4/105) اُس پر میں نے فیصلہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ منصب خاص اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ آپ کی رائے ہمیشہ صواب ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقائق و حوادث آپؐ کے پیش نظر کر دیئے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کی رائے ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔'' (مترجم قرآن صفحہ 140 حاشیہ 289)

(د) باطل عقائد کی کمر توڑ دی گئی رسولؐ معصومؐ اور تمام کائناتی علوم کا عالم تھا

شاہ صاحب نے اسی صفحہ پر رسولؐ اللہ کو معصوم اور اللہ کے تمام رازوں پر مطلع لکھا ہے (صفحہ 140 حاشیہ 297)۔ اور اگلے صفحہ پر یہ عنوان مکمل کر دیا۔ دیکھیں: ...... **وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا** o (نساء4/113) ''اور اللہ نے تم پر کتاب300 اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے301 اور اللہ کا تم پر بڑا افضل ہے۔''

(حاشیوں میں لکھا کہ)1۔300 یعنی قرآن کریم'' 2۔301 امور دین و احکام شرع و علوم غیب'' 3۔ مسئلہ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اَسرار و حقائق پر

مطلع کیا۔ یہ مسئلہ قرآن کریم کی بہت آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔(مترجم قرآن صفحہ 141)

تمام شیعہ اور اہلسنت قارئین دیکھیں کہ ہم ایسے علمائے اہلسنت کو امت کے علما میں شمار کرتے ہیں اور اُن کے لئے دعائے خیر لازم سمجھتے ہیں۔ ذرا اُن لوگوں پر نظر ڈالیں جو شیعہ علما کہلاتے ہیں اور آنحضرتؐ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کو علم غیب کا عالم ماننے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ حضرت عمر یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پوری کائنات میں پھیلے ہوئے حقائق اور تمام پیش آنے والے یا گزر چکنے والے حادثات عیاں تھے۔ اور اس وسیع مشاہدہ حق کی بنا پر اُن کی رائے میں غلطی کا امکان نہ تھا۔ اور اُن کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی رائے ظن وگمان سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ اس اقرار واقبال کے باوجود بھی حضرت عمر نے پوری شریعتِ محمدی کو کیوں تبدیل کیا؟ اور کیوں پبلک میں یہ مشہور کیا کہ رسولؐ اللہ کے بعض احکام اور بعض باتیں محض عام بشری جذبات وحالات کے ماتحت ہوا کرتی تھیں؟ اِن دونوں سوالوں کا جواب اُسی قوم کا دباؤ ہے جس کی آپ راہنمائی کرتے چلے آرہے تھے۔ اور جس کے حالات پر ہم نے قرآن کی چند آیات پیش کر دی ہیں۔

(2) اسلام اور اسلامی شریعت کی ترمیم و تنسیخ کی داستان بہت طویل ہے

کتاب کے ابتدائی اوراق میں ہم نے آنحضرتؐ اور حضرت علی علیہ السلام کے بیانات سے دکھایا تھا کہ قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے اور اسلام کا محض نام ہی نام رہ جائے گا۔ قرآن نے بتایا ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی پوری قوم پر یہ جرم عائد کیا ہے کہ اُس نے کسی اور ضابطۂ حیات کو اپنا مستقر بنا کر قرآن کو مہجور چھوڑ کر اُدھر ہجرت کر لی ہے۔ یعنی اب قرآن کو برائے نام استعمال کیا جائے گا۔ اور حقیقی احکام وشریعت اُسی مستقر اور مرکز سے ملا کریں گے۔ بالکل یہی بات جناب علامہ شبلی کے بیان میں تلاش کیجئے، ارشاد ہے کہ:

دوسری طوالت: ''فقہ (یعنی شریعت) کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اُن میں سے تقریباً ایک ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ (شریعت) کے مقدم اور اہم مسائل ہیں۔ اور اُن تمام مسائل میں آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) نے حضرت عمر کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''ہمچنیں مجتہدین در درس مسائل شریعت تابع مذہب فاروق اعظم اند۔ واین قریب یک ہزار مسئلہ باشد۔'' (یعنی اسی طرح شریعت کے مسائل کی تعلیم میں مجتہدین فاروقی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ تقریباً ایک ہزار مسئلے ہیں)۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 111-112)

یہ بات واضح ہوگئی کہ حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کے پاس جو مذاہب ہیں اُن میں حضرت عمر کی شریعت کے ایک ہزار مسئلے تو ایسے ہیں جن پر چاروں اماموں کو اتفاق ہے۔ اور باقی جو ہزاروں مسائل حضرت عمر نے جاری کئے تھے۔ اُن پر چاروں

امام متفق نہیں ہوئے۔ لہٰذا جو مسائل جس کو بہتر معلوم ہوئے اُس نے اختیار کر کے اپنے نام اور سند سے جاری کر دیئے۔ مختصراً یہ کہ بقول جناب شبلی اور شاہ ولی اللہ اہلسنت کے ان چاروں مسلّمہ فرقوں کے پاس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تیار کردہ مذہب ہے۔ مطلب یہ کہ پورا کا پورا مذہب اسلام فاروقی مذہب میں تبدیل ہو گیا ہے۔ پھر جناب امام مالک علیہ الرحمۃ کی کتاب سے ایک اور بات سن لیں کہ تصدیق مزید ہو جائے۔ ارشاد ہے کہ:

عَنْ مَالِكِ بنِ عَامِرِ الْاَصْبَحِيّ اَنَّهٗ قَالَ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا اَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسِ اِلَّا النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ۔ ”مالک بن عامر اصبحی جو دادا ہیں امام مالک کے کہتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کے جو طریقے اور اعمال دیکھے تھے۔ اُن میں سے اب میں لوگوں کے پاس سوائے نماز میں بلانے کی ندا کے اور کسی چیز کو نہیں پہچانتا ہوں۔“ (موطا امام مالک مترجمہ صفحہ 76)

اب ذرا علامہ وحید الزمان مرحوم کے ریمارکس (Remarks) بھی سن لیں تا کہ قارئین کرام کا ایمان اور عزم تازہ ہو جائے۔ اور یہ ریمارکس پڑھتے وقت یہ یاد رکھیں کہ مندرجہ بالا روایت کا راوی جناب امام مالک کے دادا رسولؐ اللہ کے صحابی ابو عامر کے بیٹے تھے۔ یعنی اُنہوں نے مدینہ کے صحابہ اور عوام کا جو عملدرآمد دیکھا تھا۔ وہ اُن کی زندگی ہی میں اس قدر بدل گیا تھا کہ پچھلی چیزیں ڈھونڈے نہ ملتی تھیں۔ وحید الزمان صاحب حدیث کی تشریح مکہ شریف میں بیٹھ کر کرتے ہیں کہ:

<u>تیسری طوالت</u>: ”ف:۔ یعنی سوائے اذان کے (اذان کو ندا نہیں کہا جاتا بلکہ الصلوٰۃ جامعۃ کو ندا کہا جاتا ہے) اور تمام عبادات میں لوگوں نے (عوام کوئی تبدیلی نہیں کیا کرتے) تغیر و تبدل کر لیا ہے اور وہ طریقہ چھوڑ دیا ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تھے (چھڑانے والا زبردست حاکم، مقدس اور مدبّر ہونا چاہئے)۔ سبحان اللہ جب تابعین کے زمانہ (پہلی صدی) میں اس قدر دین میں انقلاب ہوا تھا کہ سوائے اذان کے سب عبادتیں لوگوں نے بدل ڈالی تھیں تو اس زمانہ پُر آشوب (1295ھ) میں اور فتنوں کا کیا کہنا؟ اب بھی جو شخص طالبِ حق ہے۔ اور خدا اور رسولِؐ خدا کی اطاعت کا شائق ہے اور شریعت کا عاشق ہے اُسکو کچھ مشکل نہیں۔ زمانے کے فسادات اور علما کے اختلافات سے قطع نظر کر کے (یعنی اس بگاڑی ہوئی شریعت کو یک سر چھوڑ کے) کتاب اللہ اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کو اپنا دستور العمل بنا دے۔ تب اچھے طور سے ایمان اور یقین کی حلاوت پائے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یُوتِیہِ مَن یشآء واللّٰہ ذو الفضل العظیم** ۔ افسوس ہے کہ اس زمانۂ آخیر میں اذان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر نہ رہی۔ بعض لوگوں نے اذان کے کلمات میں بھی کمی بیشی کی۔ کسی نے اوّل و آخر میں اذان کی نئی نئی دعائیں تراش لیں۔ کسی نے ترجیم کسی نے تذکیر نکالی۔ کسی نے انگلیوں کا چومنا، انگوٹھے آنکھوں سے لگانا ضروری جان کر اذان کے جواب کو جو سنت تھا۔ چھوڑ دیا۔ کسی نے راگ

کی طرح اذان میں گانا شروع کیا۔مترجم کہتا ہے کہ بہت سے اکابر علما نے تصریح کردی اس بات کی کہ مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ کے لوگوں کا قول وفعل کچھ سند نہیں ہے، کیونکہ دونوں مقاموں میں بدعات کا رواج بہت ہوگیا ہے۔ بلکہ سند کتاب اللہ یا سنت رسولؐ اللہ ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے کتاب اللہ اور حدیث نبوی پر عمل کرنے کی توفیق دے اور گمراہی سے بچائے۔'' (مترجمہ موطا کتاب الصلوٰۃ باب الاذان صفحہ 77-76 چھاپ نور محمد کراچی)

تکلف برطرف: قارئین اس طول طویل بیان میں یہ تو مان لیا گیا ہے کہ اللہ ورسولؐ کا پورا مذہب اور طریقہ بدل دیا گیا تھا۔اور یہ تبدیلی پہلی ہی صدی کے اواخر تک مکمل ہوچکی تھی۔جس کے بعد چھوٹی موٹی تبدیلیاں برابر ہوتی ہوئی وحیدالزمان صاحب کے زمانہ (1295ھ) تک چلی آئی ہیں۔مگر یہ دین کو بدلنے والے لوگ کون تھے؟ تبدیلی کب شروع ہوئی اور کس نے کی؟ اِن دونوں سوالات کا صحیح جواب اہلسنت مذہب کے مدعی علما سے طلب کرنا بے انصافی ہے۔ بتائیے وہ اپنے قلم سے اپنا جرم اگر لکھتے تو اُدھر رہتے ہی کیوں؟ یہ جواب بہرحال اس بیان میں موجود ہے اور کھل کر تمام قدیم علما اور کتابوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اللہ ورسولؐ کے اسلام کو مکہ اور مدینہ میں تبدیل کیا گیا تھا۔یعنی اسلامی دستور کو تباہ کرنے والے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں گزرے ہیں۔(انّا لِلّٰہ و انّا الیہ رٰجعون)

بتائیے اس سے بڑا ثبوت اور اس سے واضح جواب تو بس یہی ہوسکتا ہے کہ آپ کو اللہ و رسولؐ کے اسلام کو قومی و ملکی اسلام بنانے والوں کے نام بتادیئے جائیں؟ اور آپ نے اس کتاب میں اُن لوگوں کے نام بھی اور اُن کا اقرار واقبال بھی پڑھ لیا ہے اور ہم بہت شکرگزار ہیں جناب شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی اعلیٰ اللہ مقامہ کے کہ جنہوں نے تخریبِ دین کو اجتہاد وتوسیعِ دین کے نام سے ہم تک پہنچادیا۔آپ نے علامہ کے بیانات میں جن علما کو حضرت عمر کا پسندیدہ مبلّغ دیکھا تھا اُن میں سے ایک بزرگ ترین عالم کا نام ابوالدرداء ہے۔جو مصر وعراق وشام وعرب میں حضرت عمر کی طرف سے علم الحدیث وتفسیر وعلم الفقہ یعنی شریعت کے پھیلانے پر مامور رہے۔اور پوری زندگی مرکزی حکومت کی خدمات میں مصروف رہے۔اُن کا بیان سن لیں:

حَدَّثَنَا عُمَرُ بُنُ حَفصٍ قَالَ حدثنا اَبِی قال حدثنا الْاَ عُمَشُ قال سَمِعتُ سَالِمًا قَالَ سَمِعتُ اُمَّ الدَّرُدَآءِ تَقُولُ دَخَلَ عَلَیَّ اَبُوالدَّردآءِ وَھُوَ مُغضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَکَ قَالَ وَاللّٰہِ مَا اَعرِفُ مِنُ اَمرِ مُحَمّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شَیْئًا اِلَّا اَنَّھُمُ یُصَلُّوُنَ جَمِیْعًا۔(بخاری کتاب الاذان پ نمبر 3 باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃٍ)

''حضرت ابوالدرداء کی والدہ نے فرمایا کہ ایک روز ابوالدرداء میرے پاس نہایت غصہ کی حالت میں آئے تو میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہوگئی جس سے تم اس قدر غضبناک نظر آرہے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی کوئی چیز بھی تو معروف نہیں رہی ہے۔سوائے اس کے کہ یہ لوگ سب نمازیں پڑھتے ہیں۔''

بتایئے جناب اب آپ کو کس چیز کی ضرورت باقی ہے؟ جو کچھ باقی ہے وہ خود حضرت عمر کے بیانات ہیں۔ جن میں سے کئی ایک گزر چکے اور چند نمونے ابھی ابھی آنے والے ہیں۔ پہلے یہ بات پکی کر دیں کہ جناب ابوالدرداء کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص کسی اور عالم کو اُن سے زیادہ مقرب بارگاہ خلافت قرار دے تو اُسے یہ جملہ سنا کر رخصت کر دیں۔

''لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداء جب مسجد میں آتے تھے تو اُنکے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 63-62)

یعنی جناب ابو درداء کو حضرت عمر نے اپنے مذہب کی تعلیم دے کر گویا ایک فیکٹری بنا دیا تھا جہاں سے فاروقی شریعت اور اجتہاد پوری مملکت میں سپلائی ہوتا تھا۔

عاجزانہ نصیحت: یہاں اپنی کمزوری کا اعلان یہ کہہ کر کرتا ہوں کہ جب دین اسلام اور قرآن کی ہر چیز بدل گئی تھی تو میرے لئے بہت مشکل ہے کہ میں دو تین سو صفحات کی مختصر کتاب میں حضرت عمر کی ترمیم و تنسیخ کی پوری داستان لکھ سکوں۔ جس طرح ابو درداء اور مالک بن ابی عامر نے اذان اور نماز کا برائے نام موجود ہونا مان کر باقی پورے دین کے بدل جانے کا اعلان کافی سمجھ لیا تھا۔ میں بھی ترمیم و تنسیخ کی اس داستان میں سے اب اذان اور نماز میں تبدیلیاں بیان کرنے پر اکتفا کی کوشش کرنا چاہتا ہوں (الا ماشاءاللہ والامام علیہ السلام) اور اپنے بزرگ جناب وحید الزمان اعلی اللہ مقامہ کی طرح امت مسلمہ کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو علامہ نے چند صفحات قبل کی تھی، یعنی:

ہمارے شیعہ اور اہلسنت بھائیوں کو پہلے نمبر پر تمام تعصّبات اور تخریب کاروں کی پیدا کردہ نفرت کو شیطان کے حوالے کر دینا چاہئے۔ دونوں فریق کو دنیا و دین کے کاموں میں یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہئے۔ جو اِن دونوں کاموں سے روکیں یا ناک بھوں چڑھائیں، اُن کو اپنا اور اسلام کا دوست نہیں سمجھنا چاہئے۔ پھر ہر اُس بات کو ایک دوسرے کے یہاں سے اختیار کر لینا چاہئے جو آپ کے اتحاد اور ترقی میں مدد کرتی ہو۔ ہر اُس تصور یا عمل کو خیر باد کہہ دینا چاہئے جو تمہاری دینی و دنیاوی راہ میں رکاوٹ بنتا ہو۔ ہر اُس تعلیم اور معلّم سے دستکش ہو جانا چاہئے جو سرمایہ داری اور طبقہ واریت اور مذہبی جنون کا حامی ہو۔ اس کے بعد مذہب کی ہر اُس تعلیم کو قبول کیجئے جس سے قرآن و رسوؐل کی ہمہ گیری ثابت ہو۔ ہر اُس تعلیم اور معلم کو ٹھکرا دیجئے جو قرآن اور رسولؐ میں کسی قسم کا نقص یا خامی ظاہر کرتے ہوں۔ علما اُن لوگوں کو سمجھئے جو حق حلال کی روزی خود کماتے ہوں اور دوسروں کو عملی خوشحالی کی تعلیم دیتے ہوں۔ اور جو تمہیں لوٹنے، غریب تر کرنے کا کاروبار کرتے ہوں اُن کو سلام کر کے رخصت کر دیں۔ قرآن اور حدیث کو اپنا راہنما بنائیں۔ اس راہنمائی میں ہم نہ ''صحیح بخاری'' کی پابندی لگائیں گے۔ نہ کتاب ''کافی'' کو لازم قرار دیں گے۔ اس لئے کہ صحاح ستہ ہوں یا کتب اربعہ ہوں، صحیح بات جہاں بھی ہو وہ آپ کے رسوؐل کا فرمان ہے اور

تمہاری راہنمائی کے لئے ہے۔اور آپ کا اپنا سرمایہ اور دولت ہے۔اور غلط بات خواہ اہل سنت کے ریکارڈ میں ہو یا شیعوں کی کتابوں میں ہو۔اُس سے آپ کا اور آپ کے نبیؐ کا دامن پاک ہے۔البتہ اتنا ضرور عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف انسانوں ہی کی ہدایت کیلئے نہیں ہیں۔اور نہ وہ حضرت جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہی سے ھادی ورسولؐ ہیں بلکہ وہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے بھی کہیں پہلے سے نبیؐ ہیں (کُنتُ نَبِیًّا وَ آدم بَیۡنَ الۡمَاءِ والطِّین ۔ میں تو اُس وقت سے نبیؐ ہوں کہ آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھے) پھر وہ ساری کائنات کیلئے اُسی وقت سے رحمت اور نذیر ہیں جب سے کائنات وجود میں آئی (فرقان 25/1, 21/107) ۔اور آنحضرتؐ دونوں جہانوں کی ہر مخلوق اور چرند و پرند و جنات و ارواح اور ملائکہ کی ہر قسم کی اُمت کے ہادی ونذیر ہیں ۔(انعام 6/38)

چنانچہ ہر وہ کتاب اور ہر وہ حدیث جو قرآن کریم کی اور رسوؐل کریم کی ہمہ گیری کو ثابت کرے اور آپ کے سامنے تسخیر کائنات اور ہمہ گیر ترقی کی راہیں کھولے آپ اُسے بلا تکلف اپنا راہنما سمجھ لیں۔ایسی کتاب یا حدیث جو راز و رموز کائنات پر مطلع کرے اُسے قبول کرنے سے تو غیر مسلم بھی انکار نہ کریں گے ۔البتہ جو کتاب یا جو روایت قرآن کریم اور رسوؐل کریم کو (معاذ اللہ) ناقص کتاب اور کائنات سے لاعلم وخطا کار رسوؐل بتائے وہ یقیناً نا قابل قبول اور تعلیماتِ قرآن کے خلاف ہیں۔اس لئے کہ (معاذ اللہ) اگر اللہ ورسوؐل بھی خطا اور غلط کاری میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے مذہب کو اختیار کرنے سے نقصان اور تنزل کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا۔چنانچہ وہ تمام تعلیمات اور تصورات ہرگز اللہ ورسولؐ کے نہیں ہو سکتے جو انسانوں میں نفرت وعداوت کا بیج بوتے ہوں، جو انسانی آزادی اور حقوقِ زندگی چھینتے ہوں، جو دوسروں کے تصورات وعقائد کو طاقت وجبر سے فنا کر دینا چاہتے ہوں، جو جیُو اور جینے دو کے اصول کے خلاف ہوں، جو اپنے تصورات وعقائد کو جبراً نافذ کرنا جائز سمجھتے ہوں۔لہٰذا آپ سب کا بھلا چاہیں،ضرورتمندوں کی مدد کریں،نیکیوں میں تمام انسانوں سے تعاون کریں اور عملاً کر کے دکھائیں کہ تمہارے مذہب کے طریقہ پر عمل کرنے والوں کے راستے سے ہر رکاوٹ ہٹتی چلی جاتی ہے۔تمہارے اعمال براہ راست کائنات کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر تم حق پر ہو تو تمہارا فرض ہے کہ لوگوں کو عملاً اپنے حق پر ہونے کے فائدے دکھاؤ۔ پیار سے موعظ حسنہ سے اُن کے شبہات اور سوالات کا جواب سمجھاؤ۔اور سنو:

اگر آپ نے ہماری اس نصیحت کو دل سے قبول کرلیا تو آپ کو تجربہ ہوگا کہ ایسا ارادہ کرتے ہی آپ کے راستے سے رکاوٹیں کھسکنا اور ہٹنا شروع ہو جائیں گی۔اور بہت جلد ترقی کی راہ پر چلنے اور اسلامی احکام پر عمل کرنے کی توفیق مل جائے گی۔ اور یہ دورُخی زندگی تبدیل ہو جائے گی جس میں تمہارا نام مسلمان تھا،عقائد اسلامی کہلاتے تھے لیکن تمہارے اعمال، زندگی کے ہر شعبے میں غیر مسلم اقوام کی پالیسی اور قوانین پر منحصر رہتے رہے۔اور جس طرزِ فکر اور نام نہاد اسلامی زندگی نے تمہیں اقوام عالم میں

پسماندہ قوم بنا دیا ہے۔ یہ کاسۂ گدائی اُن تخریب کار و نام نہاد مذہبی راہنماؤں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ جنہوں نے قرآن ایسی کتاب اور اسلام ایسا مذہب رکھنے کا دعویٰ کیا اور آپ کو یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ (ذٰلک فضل اللّٰہ یُؤْتِیہِ مَن یشآءُ)

(3) شریعت ساز بزرگ امیرؓ المومنین کے دربار میں چند نظارے

قارئین مقام ادب ہے۔ وہ دیکھو دربار عام آراستہ ہے، اِس دنیا کے مقدس ترین حضرات؛ اراکین دولت و مقربان بارگاہِ خلافت قرینے سے مؤدب تشریف فرما ہیں۔ وہ منبر پر جناب فاروق اعظم سربراہِ اسلام و جانشینِ خدا و رسوؐل رونق افروز ہیں۔ منبر کے برابر میں کھجور کی مضبوط شاخوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مجمع اور خود امیر المومنین ایک ایسے شخص کے حاضر کئے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ جس کے متعلق یہ رپورٹ ملی ہے کہ وہ قرآن کے متشابہات کے متعلق کچھ سوالات کا جواب چاہتا ہے۔ (فَجَعَل یَسْأَل عَنْ مُتشَابِہِ الْقُرْآن)۔ لہٰذا اُس کے لئے پہلے ہی سے کھجور کی شاخوں کا گٹھڑ منگا کر رکھا ہوا ہے۔ اِدھر دیکھئے وہ شخص لایا جا رہا ہے۔ وہ پیش ہوا تو حضرت عمر نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں اللہ کا بندہ صُبَیغ ہوں۔ حضرت عمر نے کھجور کی شاخوں میں سے ایک شاخ اٹھائی اور اُس کے سر پر مارنا شروع کی۔ یکے بعد دیگرے شاخیں ٹوٹتی اور بدلتی رہیں۔ ایک کے بعد دوسرے ضرب پڑتی رہی۔ صبیغ نہایت بے کسی کے عالم میں پٹتا رہا۔ خون چہرے پر سے گزر کر کاندھوں اور سینے پر سے بہتا رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ صُبَیغ کو یوں قرآن کریم کی فاروقی تعلیم دیتے رہے۔ آخر صُبَیغ کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ بے چین ہو کر لرزتی ہوئی آواز میں عرض کیا کہ حضور جو کچھ میرے سر میں تھا وہ سب نکل گیا ہے۔ چنانچہ اُس کو مارنا بند کر کے نظر بند کر دیا تاکہ اس کے زخم ٹھیک ہو جائیں۔ جب وہ ٹھیک ہو گیا تو پھر بلایا گیا اور اُسی طرح قرآن کی تفسیر سکھائی گئی پھر نظر بند کر دیا گیا۔ اور زخم بھر جانے کے بعد پھر بلایا گیا تاکہ پھر قرآن پڑھائیں۔ وہ حاضر ہوا تو عرض کیا کہ اگر آپ نے میرے قتل کا ارادہ کیا ہے تو مجھے نہایت خوبصورت پسندیدہ انداز سے قتل کر دیجئے۔ اور اگر تم نے میرا معالجہ کرنا چاہا تھا تو میں مزید معالجہ سے بری ہو چکا ہوں۔ اس کے بعد اُسے اپنی سرزمین پر چلے جانے کے لئے رہا کر دیا۔ اور ابو موسیٰ اشعری علاقہ کے گورنر کو فرمان بھیجا کہ کوئی شخص اُس سے ملنے نہ پائے۔ نہ معلوم اس کے بعد کیا حالات گزرے۔ اتنا بتایا گیا ہے کہ جب گورنر مذکور نے اُس کی سفارش کی تب اُس کا بائیکاٹ ختم ہوا۔''

یہ واقعہ تاریخ کا سفر کرتا ہو جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا تو انہوں نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء (مترجم جلد 3 صفحہ 295-296) کے وسیلہ سے ہماری دماغی خرابیاں نکالنے کے لئے ہم تک پہنچایا اور اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ:

''یہ نمونہ ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیاست کا۔ اور قلیل نمونہ ہوتا ہے کثیر کا۔ اور ایک چلّو بھر پانی حال بتا دیتا ہے بحر کبیر کا۔''

اہل انصاف وعدالت سے اپیل: ہمارے قارئین سر کو جھکا لیں اور اپنے پُورے وِجدان وتصورات کو جمع فرما کر خود کو صُبَیغ کی پوزیشن میں رکھ دیں اور حضرت عمر کی چوبکاری کی ضربیں اپنے سر پر محسوس کریں۔ اور اپنے سر کے خون سے اپنا لباس و جسم لہولہان دیکھیں اور سوچیں کہ قرآن کریم کے متعلق وہ کون سا ایسا سوال ہوسکتا تھا؟ جس پر آپ کے ساتھ یہ فاروقی عمل درآمد جائز اور معقول قرار پا سکے؟ پھر سوچیں کہ کیا کبھی کسی بُری سے بُری بات اور بدترین گستاخانہ سوالات پر کبھی رسولؐ اللہ نے ایسی روش اختیار کی تھی؟ خود حضرت عمر، بقول شبلی اور صحاح ستہ، آنحضرتؐ پر متشددانہ، گستاخانہ سوالات وردّ وابطال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ کیا اِن کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا؟ پھر سوچیں کہ کیا قرآن کریم میں کسی کو گالیاں دینے والے کافر کے ساتھ بھی یہ عمل جائز رکھا گیا ہے؟

وَمَا اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ٥ (انبیآء 21/7 اور نحل 16/43)

وہاں تو یہ اجازت دی گئی ہے کہ تم اہل قرآن یا اہل رسوؐل سے قرآن اور وحی کے متعلق ہر وہ سوال دریافت کرلیا کرو جو تم نہیں جانتے۔ یہ اجازت دوہرا کر دی گئی ہے۔ سربراہ اسلام کا فرض تھا کہ وہ دنیا کے ہر قسم کے سوال کا جواب دیتا۔ پھر صحابہؓ رسوؐل کے لئے تو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بڑے رحم و کرم سے پیش آتے ہیں (فتح 48/29)۔ پھر یہ سوچیں کہ کیا اِس رویہ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ عہدِ فاروقی میں کسی بھی مذہب کے لوگوں کو آزادیٔ خیال وآزادیٔ تقریر حاصل تھی؟ یا ایسا ممکن تھا؟ پھر سوچیے کہ حضرت عمر کے اس سلوک میں وہ کون سی کمی ہے۔ جس کی بنا پر ہم اُس سلوک کو ڈکٹیٹرانہ اور سفاکانہ نہ کہیں؟ پھر یہ سمجھ لیجئے کہ مولانا حضرات کا بات بات پر چیں بجبیں ہوجانا، لوگوں پر کفر و نفاق و شرک کے فتاویٰ جڑتے رہنا، اُسی مسلک کی شناخت ہے۔

ولی اللہ زندہ باد: مذہبی جنوں کی انتہا یہ ہوا کرتی ہے کہ نہایت احمقانہ اور شرانگیز قسم کے اعمال بھی اخلاق حسنہ و پسندیدہ معلوم ہونے لگا کرتے ہیں۔ حضرت ولی اللہ نے یہ کہہ کر کمال کر دیا ہے کہ حضرت عمر کا مندرجہ بالا طرز عمل اتنا قلیل سا نمونہ ہے جیسا کہ سمندر میں سے ایک چلُّو پانی۔ قارئین پھر ایک دفعہ سوچیں کہ اگر شاہ صاحب نے صحیح کہا ہے تو گویا حضرت عمر جبر و تشدد وظلم و ستم و قہرمانیت کا ایک بہت بڑا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے۔ جس میں سے صُبَیغ پر چند بوندیں ٹپک گئی تھیں۔

؎ نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو

یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں؟

10۔ اللہ و رسولؐ کے احکام ہوں یا ابوبکر کی تصدیق ہو، فاروق اعظم کا فیصلہ ہی صحیح اسلام ہے

قارئین یہاں سے آپ حضرت عمر کے وہ فیصلے اور شریعت ملاحظہ فرمائیں گے۔ جنہیں دکھانے کیلئے یہ مختصر ترین کتابچہ لکھنا طے کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ صرف حضرت عمر کے فیصلوں ہی میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ صُبَیغ کو بھی یاد رکھیں اور یہ بھی ہرگز نہ بھلا دیں کہ حضرت عمر نے اپنی پوری قوت سے تمام صحابہ رسولؐ کو صُبَیغ بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ جناب علامہ حافظ ابن قیّم کا یہ جملہ ہر وقت سامنے رکھیں کہ:

''حضرت عمر کا دبدبہ اور جلال ایسا تھا کہ اُن کے سامنے کسی کی مجال دم زدن نہ تھی...... جو بات اُن کے دل میں آجاتی تھی۔ اُس پر عمل بھی کر گزرتے تھے۔'' (مترجمہ زاد المعاد جلد 4 صفحہ 325 حاشیہ)

بس اب دیکھتے جایئے کہ اُن کے دل میں کیا کیا آیا اور کس طرح اُنہوں نے جو دل چاہا کیا اور اُن کی افواج اور قاہرانہ نظام حکومت کے سامنے کسی نے چُون وچرا اور مخالفت نہ کی اور پورا اسلام فاروقی مذہب بن گیا؟

مسئلہ نمبر 1۔ پہلا فیصلہ۔ حضرت فاطمہؑ کی جائیداد سے عربی مخالفت بزور شمشیر دبانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق کچھ وسائلِ خداوندی کو مرکزی اخراجات کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ مثلاً ہر وہ چیز خالص اللہ و رسولؐ کی تحویل میں رہے گی جس کو مسلمانوں نے اپنی محنت سے حاصل نہ کیا ہو۔ مثلاً دفینے، زمین سے نکلنے والا سامان کانیں وغیرہ وغیرہ، یا وہ زمینیں جو بلا جنگ حاصل ہوں۔ چنانچہ یہودیوں سے ایک بہت بڑا زرخیز علاقہ آنحضرتؐ کو ملا تھا جسکا نام فدک تھا۔ حضورؐ نے فدک حضرت فاطمہؑ کو دے دیا تھا۔ اور انتقالِ رسولؐ تک فدک کا انتظام خانوادہ نبوت کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ حضرت ابوبکر اپنی کوشش سے جانشین رسولؐ اور خلیفۃ المسلمین بن گئے تھے تو اُنہوں نے تمام مرکزی اثاثوں کے ساتھ ساتھ فدک اور ترکہ رسولؐ کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جب قرآن کی آیات کے ساتھ دعویٰ میراث کیا تو بڑی کدّ و کاوش کے بعد اُنہوں نے فدک کا علاقہ واپس کرنے کی تحریر لکھ دی۔ یہاں سے حضرت عمر کی عنایات کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور قرآن کے خلاف پہلا حکم سرکاری حیثیت سے نافذ کر کے حضرت فاطمہؑ کو آنحضرتؐ کی میراث سے محروم کیا جاتا ہے۔ علامہ حلبی نے سبط ابن الجوزی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمه الله انّه رضی الله عنه كَتَبَ لَهَا بفدک وَ دخل علیه عمر فقال مَا هٰذا فقال کتاب كَتَبْتُهُ لِفاطمةً بمیراثها مِن اَبِیهَا ۔فقال مِمَّا ذَا تنفق عَلَی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری۔ثُمَّ اَخذ عمر الکتاب فَشَقَّهُ۔ (سیرۃ حلبیہ طبع مصر جلد 3 صفحہ 363)

''حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھ دیا تھا۔ لیکن عین اسی وقت عمر آپہنچے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت

ابوبکر نے کہا کہ یہ وہ دستاویز ہے جو میں نے فاطمہؑ کیلئے لکھی ہے تا کہ اُنہیں اُن کے والد کی میراث دے دی جائے۔حضرت عمر نے کہا کہ فاطمہؑ کو میراث واپس دے کر تم مسلمانوں کے اخراجات کہاں سے پورا کرو گے؟ اور تم دیکھ رہے ہو کہ عرب تمہارے خلاف برسر پیکار ہے۔اس کے بعد حضرت عمر نے اُس تحریر کو لے کر پھاڑ دیا۔''

اور یوں قرآن کریم کے احکامِ وراثت کو حضرت فاطمہؑ کے لئے منسوخ ورَدّ کر دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ایک فرمان سے قرآن کے دو حکم باطل اور حرام کر دیئے

قَالَ مُتعتَانِ کَانتَا عَلٰی عَھدِ رَسُوْلِ اللّٰہ وَاَنَا اَحرَمُھُمَا وَ اَعَاقِبُ علیھما (دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا کہ:)

اِنَّ عمر قَال فی خطبةٍ متعتان کانتاعَلٰی عھد رسولؐ اللّٰہ اَنَا اَنْھٰی عَنْھُمَا وَاَعَاقِبُ عَلَیْھما۔

(تفسیر درمنثور جلد 2 صفحہ 140 تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 200 تفسیر کشاف جلد 2 صفحہ 360 اور انوار اللغتہ پارہ چوبیس صفحہ 9)

حضرت عمر نے اعلان فرمایا کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں دو متعہ کئے جاتے تھے (حج کا متعہ اور عورتوں سے متعہ جائز تھے) اور میں اُن دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں۔اور دونوں قسم کے متعہ کرنے والوں کو سزا دوں گا۔'' (دوسری روایت یوں بھی ہے)

یقیناً حضرت عمر نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ دو متعہ عہد رسولؐ میں ہوتے رہے ہیں۔میں اُن دونوں قسم کے متعہ کی ممانعت کرتا ہوں اور اُن دونوں کے کرنے والوں کے لئے سزا دیا جانا طے کر چکا ہوں۔''

آگے بڑھنے سے پہلے سزا دیئے جانے کے متعلق ایک لطیفہ جناب علامہ حافظ ابن قیّم کا حُسن لیناصبیغ کو یاد دلائے گا۔علامہ اپنی بحث ونظر کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورتِ مسئلہ یہ ہے:''

1۔حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے اور اس پر عملدرآمد جائز ہے۔(مگر مجتہدین کی وجہ سے عمل بند ہو گیا ہے..احسؔن)

2۔اہل سنت کے نزدیک متعہ حرام ہے۔اور وہ اُس پر عمل نہیں کرتے۔

3۔ازرُوئے روایات (بخاری، مسلم، موطا وغیرہ سے۔احسؔن) ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس (اور کئی بزرگ صحابہ بھی۔احسؔن) اُسے حلال سمجھتے تھے۔اور اُس کی حِلّت (حلال ہونے) کا فتویٰ دیتے تھے۔چنانچہ اُن سے اور حضرت عمر سے اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہو گئی تھی۔لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا (یعنی عمر کا سختی سے حکم دینا بھی نہیں مانا۔احسؔن)۔اس پر حضرت عمر نے برہم (غصہ) ہو کر فرمایا: ''تم متعہ کر کے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔'' (زادالمعاد جلد 4 صفحہ 72)

ایک لطیفہ بھی: جہاں قارئین حضرت عمر کی شریعت پر صحابہ کرام کے ساتھ جبر وقہر اور غصہ وجلال ملاحظہ فرما کر بور ہو رہے ہیں۔وہاں مسئلہ متعہ پر ایک ہلکا پھلکا علمی لطیفہ بھی سنتے چلیں۔بات یہ ہوئی کہ قاضی یحییٰ ابن اکثم نے مدینہ کے کسی بزرگ سے دریافت

کیا آپ لوگ کس دلیل سے متعہ کو جائز سمجھتے ہیں؟ بزرگ نے کہا کہ ہمارے لئے حضرت عمر کا اعلان متعہ کے جواز پر کافی مستحکم دلیل ہے۔ قاضی صاحب گھبرا کر بولے کہ یہ کیا کہہ دیا؟ ارے حضرت عمر ہی تو متعہ کے منکر اور مخالف ہیں۔ وہ تمہارے لئے جواز کی دلیل کیسے بن گئے؟ اِس پر اُس بزرگ نے کہا کہ:

''فقال الشیخ اِنَّ الخبر الصحیح عنه قال علی المنبر اِنَّ اللّٰه و رسوّله احلّ لکم المتعتان وَانّی محرهما فنحن نَقْبَلُ شهادة فی تحلیلهما ولَا نَقْبَلُ و تحریمهما لِاَنّ التَّحریم باقرار ه من عند نفسه۔ (کتاب مستطرف ابن اخطب خوارزمی)

''حضرت عمر سے یہ خبر صحیح طریقہ پر بیان کی گئی ہے کہ اُنہوں نے منبر پر اعلان کیا تھا کہ یقیناً اللہ و رسولؐ نے دو متعہ اُمت کیلئے حلال کئے تھے۔ اور میں اُن دونوں کو بالکلّیہ حرام کرتا ہوں۔ بس اُنکی یہ گواہی کہ دو متعہ اللہ و رسولؐ نے اُمت کیلئے یقیناً حلال کئے ہیں۔ ہمیں قبول اور منظور ہے۔ رہ گیا دونوں قسم کے متعہ کو حرام کرنا یہ اُن کا اپنا ذاتی قول ہے جسے ہم رد کرتے ہیں۔''

(الف) متعہ ہے کیا؟

متعہ کے متعلق بھی دیگر کئی ایک مسائل کی طرح مجتہدین نے بہت سی غلط باتیں مشہور کر کے اس قرآنی مسئلہ کو ایک گالی اور شرمناک فعل بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ جنسیات کا وہ مسئلہ ہے کہ اُس کے سامنے یہ مروجہ نکاح ایک شریفانہ فراڈ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قارئین ہماری بات پر کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں۔ اِس حیرانی اور گراں خاطری کا سبب شریعت کے مسائل نہیں۔ بلکہ وہ مصنوعی خود ساختہ ذہنیت ہے جو ٹھیکیدارانِ شریعت اور نام نہاد علمائے شریعت نے صدیوں کی محنت سے دین اسلام کے خلاف تیار کی ہے۔ ہماری تصنیفات پڑھنے کے بعد مسلمان سر بلند کر کے چلنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ آیئے ذرا پھر ایک لطیفہ نما جھٹکا ہو جائے۔

کیماڑی کی سیر: کراچی آنے کے بعد لوگ بے تحاشا کیماڑی کی سیر کو جایا کرتے ہیں۔ ہمارے ایک قدیم دوست محمد حسین صاحب قبلہ کراچی آئے تو کیماڑی کی سیر کا پروگرام بنا۔ سمندر کا کنارہ، سمندر، کشتی اور اسٹیمر کا سفر مدت سے دماغ میں بطور تمنا چلا آیا تھا۔ معلوم تھا کہ معمولی سے کرائے میں سمندر کی سیر ہو جاتی ہے۔ سمندر کے کنارے پر کشتیاں اور اسٹیمر کھڑے دیکھے۔ لوگ زینے سے اُترتے اور کشتی میں بیٹھتے جا رہے تھے۔ محمد حسین صاحب بھی جا کر بیٹھ گئے۔ کشتی بھر گئی اور لنگر اُٹھایا اور چل دی۔ ایک میل تک بڑے مزے سے سفر گزرا۔ سمندر کی موجیں کشتی کے ہچکولے جاذبِ نظر بنے ہوئے تھے کہ اچانک کوئی چیخ کر بولا ''فوراً کشتی خالی کر و ورنہ گولی ماردی جائے گی''۔ پلٹ کر دیکھا کہ کشتی کے چاروں ناخدا ریوالور لئے ہوئے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اور ریوالور والے ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے کہ جلد سمندر میں کود جاؤ۔ لوگ حیران تھے۔ مولانا نے ہمت کر کے عاجزی سے کہا کہ بھائیو! ہم تیرنا نہیں جانتے مہربانی ہوگی۔ ہم پر رحم کرو۔ ہم سے کچھ زیادہ رقم لے لو۔ مولوی صاحب تم ہماری

جان چھوڑو۔ہم سے دس دس روپے لے لومگر جلدی سے ہماری کشتی خالی کرو۔کوئیک۔ڈبل۔ارے خدا کے بندو ہمارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہیں ہم پرلِلّٰہ رحم کرو۔قدموں میں تیرے مرنے جینے کو تیار ہوں۔کم ازکم واپس کنارے پر پہنچادو۔مولانا یہ کہتے ہی رہے کہ دھماکہ ہوا۔معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔فرشتے حساب لے رہے ہیں۔

مولانا کو ہوش آرہا تھا۔ایک عورت کی آواز کان میں آرہی تھی دیکھو یہ آدمی شاید ہوش سنبھال رہا ہے۔دوسری مردانہ آواز تھی،بے چارا کسی غلط کشتی میں بیٹھ گیا تھا۔لہٰذا حسبِ معمول سمندر میں پھینک دیا گیا۔اگر چند منٹ ہم اور نہ آتے تو زندگی کھو بیٹھا ہوتا۔مولانا نے آنکھیں کھول دیں۔مرد اور عورت دونوں نے دوڑ کر سنبھالا،چائے پلائی تھرمس بند کیا۔مولانا نے سجدہ شکر ادا کیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ مولانا ابھی تک میدان محشر سے خوفزدہ تھے۔ہم آدمی ہیں،تم ڈوب رہے تھے۔ہمارے کشتی بان نے تمہیں سمندر سے نکالا،تمہارا پانی نکالا اور اب ماشاءاللہ والامام علیہ السلام تم زندہ ہو،ذرا دیر میں ہم منزل پر پہنچیں گے۔آپ کو کہاں جانا ہے؟ کہاں جارہے تھے؟ گھر کہاں ہے؟ ہم آپ کی ہر مدد کریں گے۔میں کراچی میں اجنبی ہوں،کیماڑی کی سیر کے خیال نے مجھے موت کے مُنہ میں پہنچا دیا تھا۔آپ لوگ فرشتہ رحمت بن کر پہنچ گئے اور خدا نے آپ کی وجہ سے میرے بچوں پر رحم کیا۔لوگوں سے جو کچھ سنا تھا اُسی کے مطابق سب کے ساتھ میں بھی کشتی میں بیٹھ گیا تھا۔مگر بھائی یہ بتاؤ کہ کشتی والوں سے تمہارا یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ وہ تمہیں کنارے تک ضرور پہنچائیں گے۔کنارے تک پہنچانے کی کوئی بات میں نے خاص طور پر الگ سے طے نہیں کی تھی۔سبھی کنارے تک جانے کے خیال سے کشتی میں بیٹھے تھے۔پھر یہ تو آپ کی اپنی غلطی اور غلط بھروسہ کی وجہ سے ہوا۔دیکھو ہم نے اس کشتی بان سے یہ طے کیا تھا کہ ہم چار گھنٹے تک سمندر کی سیر کریں گے اور واپس کنارے پر آکر رخصت ہو جائیں گے۔اپنا مختنانہ بتاؤ؟ اُس نے جو کچھ بتایا وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوا ہم نے وہ رقم ادا کردی کشتی میں بیٹھ گے۔واپسی میں تم مل گئے۔ہمارے کشتی بان نے سمندر میں چھلانگ لگادی اور تمہیں نکال لایا۔آئندہ ہر بات طے کرلیا کرو تاکہ نقصان نہ ہو اور خود بھی وعدہ کے پابند رہو۔

قارئین آپ کے یہاں (شیعہ سنی دونوں میں) مروجہ نکاح میں مولانا کی طرح زوجہ کو نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد اُسی نشست میں طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے۔کوئی وقت مقرر نہیں،جب شوہر ناپسند کردے طلاق دے سکتا ہے۔طلاقیں ہوتی رہتی ہیں۔یعنی ایک سرمایہ دار شخص روزانہ مہر ادا کرکے طلاق دے کر روزانہ ایک عدد نکاح کرسکتا ہے۔اور اگر مہر مولانا کی مرضی کے مطابق ہونے لگے تو دن میں دو تین عورتوں کو روز استعمال کرکے رخصت کرسکتا ہے۔طلاق دینے والا اس کی پرواہ کیوں کرے کہ اب عورت کی زندگی تباہ ہوجائے گی۔بچے چھوٹ کر تباہ ہوجائیں گے۔قرآن کریم کے قوانین کو اگر بالکل بے اثر کرنا ہو تو تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہہ ڈالئے۔اب نہ ثالث کا جھگڑا نہ صلح کی گنجائش۔بالکل کیماڑی والی بات۔گھر یا کشتی خالی کرو

اور تباہی کے سمندر میں کود جاؤ۔ (تین طلاقوں والی شریعت حضرت عمر کی ہے)

جن لوگوں نے مولانا کی جان بچائی تھی وہ متعہ کے معاہدہ والی بات ہے۔ بالکل اُن ہی پابندیوں اور شرائط کے ساتھ۔

1: اُن ہی رسوم وقواعد کے ساتھ جن کی نکاح مروجہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ متعہ میں بھی وہ سب ضروری ہیں۔ اسی لئے متعہ کو بھی نکاحِ متعہ کہتے ہیں۔

2: فرق صرف اس قدر ہے کہ متعہ میں مقررہ مدت کے لئے عورت ومرد نکاح کرتے ہیں۔ اور اس مدت کے ساتھ ہی یہ نکاح ختم یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر اس کو نکاح منقطع بھی کہتے ہیں۔

3: متعہ میں مقررہ مدت کو کم اور زیادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

4: مگر جو کچھ کیا جائے گا اُس میں عورت ومرد دونوں کی قلبی رضامندی اور ذمہ داری کے ساتھ کیا جائے گا۔

5: کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر کوئی حکم یا شرط ٹھونسنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

6: متعہ محض ایک دوسرے کے محرم بننے اور دوستوں کی طرح ساتھ رہنے کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ عادات اور تصورات پر اطلاع کے بعد جنسی تعلق کو باقاعدہ قائم کر لیا جائے اور دونوں ایک دوسرے کے صحیح رفیق حیات بن سکیں۔

7: اس میں مقررہ وطے شدہ مہر پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

8: اولاد کی پرورش وتربیت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی ہے۔

9: مدتِ مقررہ ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو زوجہ اور بچے باقاعدہ وصیت اور ورثہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

10: آوارہ اور بدچلن عورتوں سے نہ نکاح جائز ہے نہ متعہ ہوسکتا ہے۔ پیشہ ور عورتیں جنسی تعلق کے لئے حرام ہیں۔

11۔ نکاح کی طرح متعہ کا ریکارڈ بھی حاکم وقت کے یہاں رکھا جانا اور کسی خلاف ورزی پر مواخذہ لازم ہے۔

12: عورت مختار ہے جتنا چاہے مہر حاصل کر کے اپنے علیحدہ اکاؤنٹ میں رکھے۔ قلیل مدت کے لئے وہ اتنا مہر مانگ سکتی ہے کہ اُس کی باقی زندگی یا اس کا مستقبل شان سے گزر سکے۔

13: متعہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی عورت کو اُس مدت کے لئے اس کے تمام اخراجات کے لئے طے شدہ رقم ادا کرنا ہوگی۔ جس مدت میں حمل کا ہونا یا نہ ہونا ثابت ہو سکے۔

14: حمل نہ ہونے کی صورت میں عورت فارغ اور مختار ہے۔ جس طرح طلاق شدہ عورت فارغ ومختار ہوتی ہے۔

15: لیکن اگر حمل ہو تو شوہر کو وضع حمل تک تمام طے شدہ اخراجات ادا کرنا ہوں گے۔

16: جنسی تعلقات دوبارہ قائم کرنے میں پھر سابقہ شرائط اور مہر لازم ہوگا۔

17: عورت کسی اور مرد سے متعہ یا نکاح نہیں کرسکتی۔ (17 الف): وضع حمل کے بعد اگر عورت و مرد دونوں رضامند ہوں تو دودھ پلانے کے اڑھائی سال تک طے شدہ اجرت ادا کرنا پڑے گی۔

18: اب عورت جس سے جائز ہو متعہ یا نکاح کرسکتی ہے۔

19: بچہ ہمیشہ مرد کے خاندان سے متعلق رہے گا۔ اور جائز وارث ہوگا۔

20: یعنی صرف ایک دفعہ ایک گھنٹہ اور ایک رات کے لئے بھی مندرجہ بالا پابندیوں اور شرائط کے ساتھ متعہ جائز ہے۔

اور وہ تمام صورتیں جو ان مندرجہ بالا بیس جملوں کے علاوہ ہوس پرست لوگوں نے گھڑ کر رسولؐ اللہ یا آئمہ علیہم السلام کے نام سے پیش کی ہیں وہ ازسرتا پا تہمتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی باتیں ہیں جنہوں نے بردہ فروشی کو جائز رکھا۔ مشرک عورتوں کو جنگ میں گرفتار کر کے شوہر دار ہوتے ہوئے بلا عدت استعمال کرنا اور فروخت کرڈالنا جائز بتایا ہے۔ اور بڑے بڑے شرمناک قسم کے جنسی اور غیر فطری تعلقات کو اللہ و رسولؐ کے نام پر جائز کیا ہے۔ اور خوب کھُل کر اُن ننگِ انسانیت بداعمالیوں کو انجام دیا ہے۔ اور لوگوں کو اُن بداعمالیوں پر ثواب ملنا بتایا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک شریف آدمی کے ذہن میں جتنی بُری باتیں آسکتی ہیں، سب کے جائز ہونے کا فتویٰ مل جاتا ہے۔

(ب) متعہ امام مالک اور اُن کی کتاب موطا کی نظر میں

قارئین کرام یہ حقیقت اسی وقت نوٹ کرلیں کہ حضرت عمر، ابوبکر کے بعد دوسرے خلیفہ ہوئے۔ جانشینِ خدا و رسولؐ کہلائے۔ اُن کے بعد مسلسل اُس حکومت کے سربراہ اور حاکم اُن ہی خطوط اور قوانین پر عمل پیرا رہے۔ لہٰذا اُن سب کی ذمہ داری تھی کہ ایک دوسرے کی تائید کریں۔ چنانچہ سب نے اپنی پوری قوت، تدبر اور دولت اُن قوانین کے جائز کرنے پر صرف کی اور حکومت کے تمام افسران، قاضی مفتی، گورنرز، پولیس، فوج الغرض تمام تنخواہ دار اسٹاف اور تمام علما و اہل قلم، مترجمین و مؤرخین و محدثین اسی بات کے وظائف جاگیریں اور مشاہرے لیتے تھے کہ وہ خلفائے رسولؐ کی منشا اور مصلحت کے ماتحت کام کریں۔ لہٰذا ہر قانون کیلئے **قال اللّٰہ و قال الرسولؐ** کی سند بہم پہنچانا اس نظام حکومت پر واجب تھا۔ اِن تمام کوششوں اور انتظام کے بعد بھی متعہ یا کسی اور حرام کردہ مسئلہ کی صحیح پوزیشن برقرار رہ جائے تو اس کو سوائے معجزانہ انتظام کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا اب ایک بیان سنئے جس میں یہ کہنے کی جرأت کی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے بلا کسی آیت کے ایک شرمناک اور فعلِ حرام کو چار دفعہ حلال کردیا اور چار مرتبہ پھر اُسے حرام کردیا۔ مگر آپ مولانا حضرات سے یہ دریافت نہ کرنا کہ قرآن میں وہ فعل کس آیت میں پہلے حرام تھا؟ پھر کون کون سی آیات یا آیت سے چار دفعہ حلال اور چار دفعہ حرام ہوا؟ اس لئے کہ یہ بے چارے عربی جملوں کے ساتھ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگا کر ایک حدیث تو تیار کرسکتے تھے مگر قرآن میں آیت نہ بڑھا سکتے تھے۔ اور آخر یہ مجبور قرآن

اور صاحبانِ قرآن مہاجر نظام وحکومت کے لئے مصیبت بن کر رہ گئے۔ موطا میں فرمایا گیا کہ:

''ف:۔ آئمہ اربعہ (مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل) اور جمہور علما کے نزدیک متعہ ناجائز ہے۔ 1: اوائل اسلام میں متعہ درست تھا۔ 2: پھر خیبر کے روز حرام ہوا۔ 3: پھر عمرۂ قضا میں درست ہوا۔ 4: پھر فتح مکہ کے روز حرام ہوا۔ 5: پھر جنگ اوطاس میں درست ہوا۔ 6: پھر حرام ہوا۔ 7: پھر تبوک میں درست ہوا۔ 8: پھر حجۃ الوداع میں حرام ہوا۔ اس بار بار کی حِلت اور حرمت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ متعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔ اور حضرت عمر کے اوائل خلافت میں بھی یہی حال رہا۔ بعد اس کے حضرت عمر نے اُس کی حرمت برسر منبر بیان کی۔ جب سے لوگوں نے متعہ کرنا چھوڑ دیا۔ مگر بعض صحابہ اس کے جواز کے قائل رہے۔ جیسے۔ 1۔ جابر بن عبداللہ اور 2۔ عبداللہ بن مسعود اور 3۔ ابوسعید اور 4۔ معاویہ اور 5۔ اسما بنت ابوبکر اور 6۔ عبداللہ بن عباس اور 7۔ عمرو بن حویرث اور 8۔ سلمہ بن الاکوع۔ اور تابعین میں سے بھی ایک جماعت جواز کی قائل رہی ہے۔ (یہ علامہ زرقانی کے بیانات کا خلاصہ موطا میں نقل کیا گیا ہے)۔''

دیکھا آپ نے؟ اس بیان میں حضرت عمر کے اُن الفاظ ''میں حرام کرتا ہوں'' پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس کوشش کرنے والے مجرموں سے بھی وہی فطری غلطی سرزد ہوئی ہے جو اللہ نے مفتش اور محقق کی راہنمائی کیلئے ہر مجرم کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ یعنی انہوں نے یہ خیال نہ رکھا کہ اگر کسی پر ہماری علمیت، تقدس اور خلافت کی شُوں شاں کا رعب نہ پڑا اور اس نے چار آیتیں حرام کرنے والی اور چار آیتیں حلال کرنے والی مانگ لیں تو کیا ہوگا؟ اور اِس چوہرے یا چار گُنا حرام فعل کو مشکوک و مشتبہ صورت میں چھوڑ مرنا نبوت اور پہلی خلافت اور خود حضرت عمر کی خلافت کو مجرم بنا دے گا۔ اگر پہلے سے حرام کیا ہوا ہوتا تو عمر کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ ''میں دونوں قسم کے متعہ کو حرام کرتا ہوں اور سزا مقرر کرتا ہوں'' اور یہ کہ ''حج کا متعہ اور عورتوں سے متعہ عہد رسولؐ میں حلال تھا۔'' اس کے بجائے انہیں یہ کہنا چاہئے کہ:

> ''رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں متعہ کو چار دفعہ حرام کیا اور تم لوگ برابر خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف حرام یعنی زنا کرتے چلے آتے ہو۔ لہٰذا میں آئندہ متعہ کی آڑ میں زنا کرنے والوں کو سنگسار کیا کروں گا۔''

یہ بات شاندار ہوتی مگر عقل ماری گئی تھی۔ چونکہ حضرت عمر نے رسولؐ اللہ کے پورے اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے۔ اور کیوں حاصل نہ کرتے؟ جانشین رسولؐ ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ورسولؐ کر سکتے تھے وہی کچھ اُن کا جانشین کر سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمر نے بلا کسی آیت و بلا کسی خارجی دلیل کے جس چیز کو چاہا حلال رکھا اور جو چیز اُن کی مصلحت کے خلاف تھی اُسے حرام کر دیا۔ بتایئے آپ کو کیا اعتراض ہے؟ اگر قرآن میں آیت نہیں ہے؟ نہ ہو۔ اگر رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے؟ نہ

ہو۔حضرت عمر کی ہر بات قرآن کی آیت اور رسولؐ کی حدیث ہے۔اس لئے کہ جب یہ مان لیا کہ حضرت عمر قرآن میں آیت نہ ہونے کے باوجود جو کچھ فرمایا کرتے تھے وہی کچھ وحی کے ذریعہ آیت بن کر نازل ہو جاتا تھا اور پھر قرآن میں لکھ لیا جاتا تھا۔اب یہی فرق تو ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرما گئے۔ارے حضرات انتقال فرما گئے تو کیا ہوا؟ خدا تو زندہ ہے؟ وہ تو نہیں مر گیا؟ لوح محفوظ تو موجود ہے۔اب وحی آنے کی احتیاج ہی نہیں۔حضرت عمر جو کچھ کہیں گے وہی کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہوگا۔لہٰذا آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔صاف کہو کہ حضرت عمر کا پیش کردہ اسلام ہی حقیقی اسلام ہے اور اُن ہی کی تیار کی ہوئی شریعت حقیقی اسلامی شریعت ہے۔رہ گئے رسول اللہؐ؟ اُن کے مقابلہ میں تو حضرت عمر کی بات ہمیشہ صحیح نکلتی تھی (شبلی فاروق)۔ اور قرآن رسولؐ کی غلطیاں گنوایا کرتا تھا۔لہٰذا عہد فاروقی کے بعد آنحضرتؐ کی صرف وہ بات اور قرآن کی صرف وہ آیات قابل قبول ہوں گی جو فاروقی احکام کی تائید کریں۔باقی احادیث وآیات کا حکم وقتی تھا، وقت گزر گیا۔لہٰذا وہ احکام منسوخ ہو گئے۔اللہ اللہ اور خیر سَلاّ۔یہ بات انشاء اللہ چند سال بعد یہ لوگ کھل کر مانیں گے۔وقت آرہا ہے کہ جس طرح یزید پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے آخر آج اس ملعون کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا جا رہا ہے۔اسی طرح خدا نے چاہا تو یہ لوگ بھی فاروقی مذہب کو گلے لگا کر اسلام کے ڈھونگ کو بند کر دیں گے۔جو لوگ علی و فاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام پر ایک سو سال تک (معاذ اللہ) تبرّا بھیجنا دین کی لازم عبادت سمجھتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔وہ تنگ آکر اگر محمدؐ مصطفیٰ سے توہین آمیز سلوک کریں تو تعجب کرنا حماقت ہوگا۔یہی سبب ہے کہ ہم مُلانٹوں کے اس ڈھکوی اور نوری اور مظہری اور محمودی اور شیخی گروہ کو نہ شیعہ سمجھتے ہیں نہ انہیں سُنیوں میں شمار کرتے ہیں بلکہ ہم اُنہیں اُمت مُسلمہ اور اسلام سے یک سر خارج اور دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ یقین کرتے اور ثابت کرتے ہیں۔انہوں نے اپنے مقاصد باطل کیلئے حضرت عمر کو آخری نبی اور شارع بنا کر قرآن ورسولؐ کے مذہب کو منسوخ کر دیا ہے۔

(ج) متعہ: محمد اسماعیل اور اُن کی کتاب بخاری کی نظر میں

ساری دنیا جانتی ہے کہ بقول مصنف صحیح بخاری، حضرت علامہ محمد اسماعیل بخاری کے، انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے یقیناً پانچ لاکھ بانوے ہزار (5,92000) حدیثوں کو ترک کر کے مشکل سے آٹھ ہزار کے قریب احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کیا تھا۔یہ بات بلاکسی مزید تحقیق اور بلا شک وشبہ کے ماننا ہی پڑے گی کہ اُنہوں نے وہ تمام احادیثِ رسولؐ ترک کر دی تھیں جو اُن کے اپنے اور اُن کے راہنماؤں کے مسلک کے خلاف تھیں۔یہی نہیں بلکہ موصوف نے کھل کر لکھ دیا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اُن کی طرف سے میرے دل میں کچھ ہے؟ لیکن احتیاط والتزام کے باوجود اُنہوں نے مجبو ہو کر اتنا مان لیا کہ:

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبةُ عن ابی حمزه سَمِعْتُ ابن عباس سُئِلَ عَنْ متعة النساء

فَرَخَّصَ فقال له مَوْلًی له انّما ذلک فی الحال الشد ید و فی النساء قلّة او نحوہ؟فقال ابن عباس نَعَمْ۔

''ابی حمزہ نے کہا کہ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ متعہ جائز ہے یا نہیں؟ تو عبداللہ ابن عباس نے متعہ کرنے کی اجازت دی۔اُن کے غلام نے ان سے کہا کہ یہ متعہ سخت حالات اور عورتوں کی کمی اور اسی قسم کے حالات میں متعہ کیا جاتا ہوگا۔ ابن عباس نے کہا کہ ہاں۔'' (بخاری کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ پارہ نمبر 21)

پانچ لاکھ بانوے ہزار احادیثِ رسولؐ کے تارک سے ہمیں اگر ایک حدیث بھی جواز میں مل جائے تو وہ اکیلی سینکڑوں احادیث سے زیادہ وزن دار اور قابل اعتبار ہوگی۔لیکن آپ کو اس سے آگے والی دو حدیثیں بھی متعہ کے جواز میں ملیں گی۔جن میں سلمہ بن اکوع نے بیان کیا ہے کہ:

ہمارے پاس فوج میں رسولؐ اللہ کا قاصد آیا اور رسولؐ اللہ کی طرف سے یہ حکم سنایا کہ اِنَّـهٗ قَـدْ اُذِنَ لَكُمْ اَنْ تَسْتَمْتِعُوْا فَاسْتَمْتِعُوا۔(ایضاً کتاب اور باب) ''تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ تم متعہ کرو چنانچہ سب نے متعہ کیا۔''

پھر اسی سلمہ بن اکوع نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ سے سنا کہ:

ایما رجل و امرأۃ توافقا فَعِشرۃ ما بینھما ثَلٰث لیال فان اَحَبَّا اَنْ یتزا یدا اَوْیتتار کا۔ فما ادری۔الخ

''مرد اور عورت اگر آپس میں متفق ہوں تو متعہ کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ تین راتوں کا وقت مل جائے۔اور اگر دونوں کو پسند ہو تو متعہ کی مدت میں کمی وزیادتی بھی کرسکتے ہیں۔راوی نے یہ بھی کہا کہ مجھے یہ پتہ نہیں ہے کہ متعہ صرف ہمارے ہی لئے جائز ہوا تھا یا تمام نوع انسان کے لئے جائز تھا۔'' (ایضاً کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ)

ویسے ماشاءاللہ بخاری صاحب نے باب کا نام رکھنے میں ہاتھ کی صفائی دکھادی ہے جو ہمیں منظور نہیں ہے۔ہم متعہ کے جواز پر قرآن اور رسولؐ کو سند سمجھتے ہیں اور حضرت عمر نے اس کی تصدیق کرکے اپنے حکم واختیارات سے حلال کو حرام کردیا ہے۔لہٰذا جن کو اللہ ورسولؐ کے مقابلہ میں فاروقی حکم صحیح معلوم ہوتا ہو وہ حلال کو حرام سمجھیں مختار ہیں۔

(د) امام مسلم بن الحجاج اور کتاب صحیح مسلم کی نظر میں نکاح متعہ؟

امام مسلم نے اس باب میں پے در پے متعہ کے جائز ہونے کی احادیثِ رسولؐ لکھی ہیں اور نہایت زوردار الفاظ میں متعہ کے خلاف سوچنے والوں پر قرآن کریم کی آیت سے تنبیہہ عائد کی ہے۔ہم احادیث کا ہر وہ جملہ لکھتے جائیں گے جو متعہ کرنے کی اجازت یا حکم بنتا ہے۔ملاحظہ ہو:

حدیث نمبر1: ثُمَّ رخص لنا اَن ننکح المرأۃ بالثوب اِلٰی اجلٍ ثُمَّ قراء عبداللّٰہ یا اَیّھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبات مَا اَحَلَّ اللّٰہ لکم وَلَا تَعتَدُوْا اِنَّ اللّٰہ لا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن۔(مائدہ 5/87)

’’پھر ہمیں عورتوں سے ایک مقررہ اور متفقہ مدت کے لئے کپڑوں کے بدلے میں نکاح کرنے کی چھوٹ دے دی اور عبداللہ نے قرآن کی یہ آیت بھی پڑھ کر سنا دی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم اُن پسندیدہ و مرغوب چیزوں کو حرام نہ کر دیا کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔ اور حد سے تجاوز نہ کر جایا کرو یقیناً اللہ کی مقرر کردہ حدود سے بڑھ جانے والے لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔‘‘

اس حدیث کو سمجھ کر آگے بڑھیں: یہاں پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ متعہ کو ایسا نکاح فرمایا اور تسلیم کیا ہے جس میں مدت متعین کی جاتی ہے۔ مہر کسی بھی صورت میں بطور بدل ادا کیا جاتا ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ متعہ اللہ کی نگاہ میں طیبات اور حلال چیزوں میں سے ایک ہے۔ اب یہ سوچیئے کہ کیا اللہ کسی طیب اور حلال چیز کو حرام کرے گا؟ جب کہ اُس نے قرآن میں تمام طیبات کو حلال کرنے کا اعلان کیا (مائدہ 5/4-5)۔ اور اُن کی فہرست بھی دے دی ہے۔ اور اُس کے منکر کو کافر، اعمال کا ضائع کرنے والا اور خسارہ میں رہنے والا بتایا ہے۔ لہٰذا متعہ کے چار دفعہ حرام لکھنے والے یقیناً اُسی گروہ میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے حلال کو حرام کرنے میں نزولِ قرآن کے زمانہ سے مصروف تھے اور ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح وہ لوگ یٰٓاَیُّھَا الَّذِین اٰمَنُوْا میں بھی داخل تھے (مائدہ 5/87)۔ اعمال کے خانہ میں صفر تھا۔ (مائدہ 5/5)

حدیث نمبر 2 : بالکل اُن ہی الفاظ میں ہے سوائے عبداللہ کے نام کے۔ حدیث نمبر 3 میں خصّی ہو جانے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر 4: وہی ہے جو بخاری نے سلمہ بن اکوع سے لکھی ہے۔

حدیث نمبر 5 : عن سلمه بن اكوع و جابر بن عبداللّٰه اَنَّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اَتَانَا فاذن لنا فی المتعه۔

’’جابر نے کہا کہ رسولؐ اللہ ہمارے پاس آئے اور ہمیں متعہ کے بارے میں اجازت دے دی۔‘‘

حدیث نمبر 6 : قدم جابر بن عبداللّٰه معتمرًا فجئناه فی منزله فسأله القوم عن اشیاء ثُمَّ ذکروا المتعة فقال نَعَمْ استمتعنا عَلٰی عهد رسولؐ اللّٰه وابی بکر و عمر ۔’’جابر بن عبداللہ سے قوم نے مختلف مسائل دریافت کئے۔ پھر متعہ کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے عہدِ رسولؐ اور ابوبکر و عمر کے زمانہ خلافت میں بھی متعہ کیا ہے۔‘‘

حدیث نمبر 7 : اس حدیث میں یہ بھی بتایا ہے کہ ہم ایک اونجلا (دومُٹھی) کھجوروں یا آٹے کے بدلے میں بھی متعہ کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نَھِیَ عمر فی شان عمر و ابن حریث عمر نے عمرو ابن حریث کے معاملہ میں متعہ کی ممانعت کر دی۔‘‘ (وغیرہ وغیرہ) (صحیح مسلم کتاب النکاح باب نکاح المتعة)

یہاں یہ بتا دینا ایک دفعہ پھر ضروری ہے کہ کسی چیز کو حرام یا حلال کرنے کے متعلق مؤلفین و شارحینِ کتبِ احادیث کی رائے دین میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ حج کے متعہ کو حرام کرنے کی تفصیل

قارئین کرام نے جب یہ دیکھ لیا کہ حضرت عمر نے ایک ہی اعلان میں یہ تسلیم کرلیا کہ عہد رسولؐ میں دو متعہ ہوتے تھے تو اس کے بعد کسی دوسری سند کی ضرورت نہیں رہتی ۔اور جب اُنہوں نے اُن دونوں قسم کے متعہ کو حرام کر کے اُن پر سزا دینا اُسی اعلان میں سنا دیا تو اس کے بعد یہ کہنا کہ وہ تو پہلے سے حرام تھے یا اُن میں سے کوئی ایک حرام تھا۔غلط ہے۔اسی طرح یہ کہنا کہ عمر نے ایک متعہ کو حرام کیا تھا دوسرے کو حرام نہ کیا تھا۔غلط ہے۔مگر حضرت فاروق سے ادھوری عقیدت رکھنے والوں کے بیانات سے حج کے متعہ کو جائز رکھنے کی کوشش ہر حدیث کی کتاب میں ملے گی۔اور یہ اس لئے کہ اہلسنت کے چاروں اماموں نے حضرت عمر کی حج کے متعہ میں پرواہ نہیں کی اور اس کو جائز رکھا ہے۔لہٰذا علما کے لئے ضروری ہوگیا کہ وہ حضرت عمر میں اور چاروں اماموں میں ہم آہنگی دکھانے کے لئے طرح طرح کی بے جوڑ اور بے تکی تاویلات کریں۔بہرحال میں اس قدر عرض کروں گا کہ حضرت عمر نے دونوں قسم کے متعہ کو ایک اعلان عام میں حرام کیا تھا۔اور حج کے متعہ کی ممانعت الگ سے بھی بار بار کی تھی۔چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔حضرت عمر بول رہے ہیں:

فَقَالَ عُمَر قَدْ عَلِمْتُ اَنّ النَّبِی صلی اللّٰہ علیه وسلّم قَدْ فَعَلَهٗ و اصحابه وَلٰکِنْ کَرِهْتُ اَنْ یَظّلوا مُعْرِسِیْنَ بِهِنَّ فِی اراک ثُمَّ یروحون فی الحج تَقْطُرُ رُؤسهم۔ (صحیح مسلم جلد اوّل کتاب الحج باب جواز تعلیق الاحرام ...)

''حضرت عمر نے ابوموسیٰ کو جواب میں بتایا کہ میرے علم میں یہ بات ہے کہ رسولؐ اللہ نے اور اُنکے صحابہ نے برابر حج کا متعہ کیا ہے۔مگر مجھے یہ کبھی پسند نہیں آیا کہ یہ لوگ عورتوں کو بغل میں دبائے جھاڑیوں کی چھاؤں ڈھونڈتے پھریں اور پھر حج کے میدان میں اس طرح چلیں پھریں کہ اُن کے سر و پیشانی سے قطرے ٹپکتے جا رہے ہوں۔''

قارئین نوٹ فرمالیں کہ حضرت عمر حج کے متعہ کو اس لئے ناپسند اور منع کرتے تھے کہ حج کے میدان میں لوگ عورتوں سے جائز تعلق قائم کرتے تھے۔اور یہ بڑی قابل شرم بات تھی۔مگر رسولؐ اللہ اور قرآن اس کی اجازت دیتے ہیں۔سُنئے ذرا عبداللہ ابن عباس کا بیان سننے کے قابل ہے:۔

عن ابن عباس اَنَّهٗ سُئِل عن متعة الحج فقال اَهَلَّ الْمُهَاجِرون والانصار و ازواج النبیؐ فی حجة الوداع واَهْلَلْنا فَلَمَّا قَدِمْنَا مکّة قال رسولؐ اللّٰه اجعلوا اِهلا لکم بالحج والعمرة اِلا مَنْ قَلَّدَ الْهَدٰی طفنا بالبیت و بین الصفا والمروة واَتینا النسآء ولَبِسْنَا الثیاب ......الخ (بخاری کتاب المناسک باب قول اللّٰه عزّوجل ذلک لمن یکن اهله حاضری المسجد الحرام۔صفحہ 213) (مترجمہ مولانا امجد علی وابوالفتح وسبحان محمود وقاری محمد تاجران کتب قرآن محل۔مولوی مسافر خانہ کراچی،صفحہ 581)

''ابن عباس سے حج کے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ حجۃ الوداع میں مہاجرین اور انصار اور ازواج نبیؐ

نے احرام باندھا اور ہم نے بھی احرام باندھا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا اپنے احرام کو حج اور عمرہ کا احرام بنادو مگر وہ شخص (ایسا نہ کرے) جس نے ھُدی (قربانی کے جانور) کو قلادہ (پٹہ) ڈالا ہو۔ ہم نے خانہ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کیا اور ہم اپنی بیویوں کے پاس آئے (صحبت کی، مترجم بخاری) اور کپڑے پہنے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

یہ تھا جناب حج کے متعہ میں وہ فعل جو حضرت عمر کو ناپسند تھا۔ اور اس کام کو بند کرنے کے لئے انہوں نے حج کا متعہ بھی حرام کر دیا تھا۔ ایک اور صحابی کا بیان سنئے:۔

(i) حضرت عمر نے اپنی رائے سے قرآن و رسولؐ کا حکم منسوخ کر دیا: جناب عمران بن حُصَین نے کہا کہ:

تَـمَتَّـعنـا عَلٰی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم و نَزّل القراٰنُ قال رَجُلٌ برأیه ما شاءَ ۔(ایضاً مذکورہ بالا حدیث سے پہلی حدیث) ''ہم نے رسولؐ اللہ کے زمانہ میں حج کا متعہ کیا اور یہ متعہ قرآن میں نازل بھی ہوا۔ مگر ایک شخص اپنی رائے سے جو چاہا کہتا رہا۔'' (حاشیہ میں لکھا ہے کہ) ؎ قولـه قال رجل برایه ماشاء هُوَ عمر بن الخطّاب لَاعثمان بـن عفـان لا ن عمر اوّل من نهی عنها فکان من بعده تابعًا له فی ذٰلک کذافی القسطلانی ۔(بخاری غیر مترجم نور محمد چھاپ جلد اوّل صفحہ 213) ''جس شخص کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی رائے سے جو چاہا حکم دیا۔ وہ خطاب کے فرزند عمر ہیں عثمان بن عفان نہیں۔ اس لئے کہ جس شخص نے سب سے پہلے حج کے متعہ کو منع کیا وہ عمر ہی ہے۔ عثمان تو عمر کے بعد عمر کا پیرو تھا۔ اس نے بعد میں بندش جاری رکھی۔ جیسا کہ قسطلانی میں ہے۔''

(ii) حضرت علیؑ نے عثمان کے تشدد کے باوجود متعہ پر اعلانیہ عمل جاری رکھا: اب ایک یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ جو شخص خلفا کی حرام کردہ چیزوں کی پرواہ نہ کرتا تھا وہ حضرت علیؑ تھے۔ ہم حضرت علیؑ کا ذکر صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ متعہ الحج کو بند کرنے پر زیادہ تشدد کا علم ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت عمر کی تیار کردہ شریعت اللہ و رسولؐ کے خلاف برابر حضرت عمر کے حقیقی جانشینوں میں جاری رہی۔ اور حضرت علیؑ ہرگز اس فاروقی شریعت میں ملوث نہ تھے۔ سنئے اور بخاری ایسی کتاب سے سنئے:

عن سعید بن المسیب قال اختلف عَلِیٌّ وعثمان و هما بِعُسفان فی المُتعةِ فقال عَلِیٌّ ما ترید اِلٰی اَن تنهٰی عن امرٍ فعلهٗ رسولُ اللّٰه ؟فقال عثمان دَعْنِی عنک قال فلما راٰیٰ ذٰلک علیٌّ اَهَلَّ بِهِمَا جمیعًا۔

(بخاری جلد اوّل کتاب المناسک باب التمتّع والاقران...صفحہ 213)

''سعید بن مسیّب نے کہا کہ حضرت علیؑ اور عثمان مقام عسفان میں تھے کہ دونوں میں متعہ پر اختلافی گفتگو ہوئی تو حضرت علیؑ نے کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے کیا تم بھی ایسے کاموں سے روکو گے جنہیں رسولؐ اللہ کرتے رہے؟ اس پر عثمان نے غصہ میں آکر کہا کہ تم میری جان چھوڑو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ صورتحال دیکھی تو پھر اُنہوں نے

(عثمان کو دکھا کر) حج اور عمرہ دونوں یعنی متعہ کا عمل کیا۔''

(iii) حج کے متعہ کو بند کرنا قرآن اور سنت رسولؐ کے خلاف تھا: دوسرا مقام اسی باب میں دیکھئے۔ وہاں بھی حضرت علیؑ عثمان کو تنبیہ کرتے ہیں۔ مروان بن الحکم بیان کرتا ہے کہ:

''میں نے عثمان اور علیؑ کو دیکھا ہے عثمان متعہ سے منع کرتے تھے۔ جب حضرت علیؑ نے دیکھا تو انہوں نے عمرہ کا اور حج یعنی متعہ کا اعلان کیا اور لبیک بعمرۃ وحجۃ کہنا شروع کر دیا اور کہا کہ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کے کہنے سے رسولؐ اللہ کی سنت کو چھوڑ دیں۔ (ایضاً کتاب وباب صفحہ 212)

(iv) حق اُن کے ساتھ ہے جو فاروقی شریعت کے منکر ہیں: قومی حکومت کا زور ٹوٹتے ہی لوگوں کو تحقیق کا موقعہ ملنے لگا اور وہ وقت آیا کہ مندرجہ بالا روایت کی شرح میں یہ لکھنا پڑا کہ:

''11۔ قوله يَنْهَى عَنِ الْمُتعةِ ، وَكَذَا عمر و معاوية ۔قَال العينى اَجْمَعُ المسلمون عَلٰى اباحة التمتع فى جميع الاعصار و اِنّما اختلفوا فى فضله ۔الا ماروى عن امير المومنين عمرو عثمان انّما كانا يَنْهِيَّان عن التمتع وَقِيْلَ كان نهى تنزيه وقِيْلَ انّما نهيا عن فسخ الحج اِلَى العمرة وقد انكر عليهم علماء الصحابة و خالفوهم وَالْحَقُّ مع المنكرين۔ ''(ایضًا)

''اُن کا یہ کہنا کہ عثمان حج کے متعہ سے روکتے تھے۔ اور اُسی طرح حضرت عمر اور معاویہ نے بھی حج کے متعہ کو بند رکھا تھا۔ علامہ عینی نے کہا ہے۔ کہ (ان تینوں کی ممانعت اور بندش کے باوجود) ہر زمانہ میں مسلمان حج کے متعہ کے جواز پر تو متفق رہے۔ البتہ متعہ کے ثواب اور فضیلت میں اختلاف رہتا چلا آیا ہے۔ اور امیر المومنین عمر اور عثمان (اور معاویہ) کا متعہ سے روکنا سب نے مانا ہے اور اس ممانعت کو قطعاً حرام کے معنی میں بھی لیا ہے۔ اور ان معنی میں بھی کہ ممانعت حج کو بدل کر عمرہ کے لئے نیت کر لی جائے۔ اور یقیناً حضرت عمر اور عثمان اور معاویہ کے اس حکم کو صحابہ میں سے تمام عالم صحابہ نے ماننے سے انکار کیا ہے اور انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں۔''

یہاں یہ بھی نوٹ کرانا ضروری ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں سوائے حضرت علی علیہ السلام کے اور کوئی صحابی قولاً و فعلاً حضرت عمر کی مخالفت نہ کرتا تھا۔

(v) فاروقی شریعت بر بنائے حق جاری نہیں ہوئی ہے: علامہ عینی ہی نہیں بلکہ ہر آزادانہ تحقیق کرنے والا عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے اور کھل کر اقرار کیا ہے۔ اور مناظرہ و علم الکلام کی کتابوں میں اُن کے اور خود حضرت عمر کے اقوال کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ ہم تو یہاں جناب علامہ شبلی کا علمی تجربہ و تحقیق پیش کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔ اُنہوں نے باوجود انتہائی تعصب اور جانبداری کے بادلِ ناخواستہ لکھا ہے:

''حضرت عمر نے فقہ (شریعت) کے جو مسائل بیان کئے اُن میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی (تلوار اور دُرہ کے خوف سے ۔احسنؔ) اُن کے ساتھ اتفاق کیا۔اور آئمہ مجتہدین (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد) نے اُن کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم وبیش ایک ہزار بتاتے ہیں ۔لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں دیگر صحابہ نے (اُن کے مرنے کے بعد) اُن سے اختلاف کیا۔اُن میں سے بعض مسائل میں جن میں صحابہ نے اختلاف کیا وہی (صحابہ) حق پر ہیں ۔مثلاً 1 تیمّم 2 جنابت 3 متعہ 4 تمتع حج 5 طلقات ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمر کے اجتہاد سے صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 117-116)

یہاں قارئین نوٹ کر لیں کہ عورتوں اور حج کے متعہ کو حرام کرنا غلط مان کر دونوں کو شبلی نے جائز مانا ہے۔جو لوگ تین طلاق ایک ہی دفعہ دینا جائز سمجھتے رہے ہیں ۔شبلی صاحب سے اپنی غلطی نوٹ کر لیں۔اور حضرت عمر کی شریعت سازی پر بھی نظر رکھیں۔اور علامہ حافظ ابن قیم کی بات کبھی نہ بھولیں۔اُنہوں نے حضرت عمر کو رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں رکھ کر لکھا ہے کہ:

یَآ یُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ......الخ (تحریم 66/1) ''اسی طرح فرمایا اے نبیؐ اللہ نے جو چیز حلال کر دی ہے۔تم اُسے حرام کیوں کرتے ہو؟ پس جب خدا اپنے رسولؐ کو یہ حق نہیں دیتا کہ اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا ہے۔اُسے حرام کر دے پھر کسی دوسرے کو یہ حق تحریم کس طرح دے سکتا ہے؟ نیز رسولؐ اللہ کا ارشاد ہے کہ:

> ''جو شخص ایسا کام کرتا ہے جو ہمارے حکم کے خلاف ہے وہ مردود ہے۔'' پس خودساختہ تحریم بھی مردود ہوگی اور اُسے باطل قرار دیا جائے گا۔'' (زادالمعاد مترجمہ رئیس احمد جعفری صفحہ 227)

ہمیں قارئین کے فیصلے کا انتظار کرنا ہے اور واقعات پیش کرتے جانا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ احرام کی حالت میں نکاح کو حرام کر دیا جب کہ رسولؐ اللہ نے نکاح کیا تھا

عن ابن عباس اِنَّ النَّبِیَّ صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم تَزَوَّجَ میمونۃ وھو مُحرِمٌ ۔''ابن عباس نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں میمونہ سے نکاح کیا تھا۔'' (بخاری کتاب المناسک ابواب العمرہ باب تزویج المحرم)

بخاری نے کتاب النکاح باب نکاح المُحرِم میں (یعنی حالتِ احرام میں) بھی لکھا ہے کہ:

> اَنْبَانا ابن عباس تزوّج النَّبی صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم وھو مُحرم ۔''خبر دی ہمیں ابن عباس نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں اپنا نکاح کیا تھا۔''

قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ آنحضرتؐ نے احرام باندھے ہوئے دوران حج نکاح کیا تھا اب حضرت عمر کا حال ملاحظہ فرمالیں:۔

عن ابی غطفان بن طریف الْمُرِّیِ اَنَّ اَبَاہُ طَرِیْفًا تَزَوَّجَ امراۃً وَّھُوَ مُحْرِمٌ فَرَدَّ عُمَرُ بْنُ الخطاب نکاحہ ۔

''ابی غطفان نے بیان کیا کہ اُسکے باپ نے دورانِ حج حالت احرام میں ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا۔مگر حضرت عمر نے اُنکے نکاح کو باطل قرار دے دیا۔'' (مترجمہ موطا کتاب الحج باب نکاح المحرم صفحہ 323)

(i) **امام ابوحنیفہ اور دیگر علما نے حضرت عمر کی مخالفت کی ہے:** قارئین یہ بھی دیکھ لیں کہ حضرت عمر کی شرعی ایجادات پر آخر اختلافات ہوئے اور بڑے بڑے علما نے اپنا عمل درآمد تبدیل کیا۔اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ جو جو عقائد و اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایات میں آئے ہیں اُن کو اختیار کرلیا جائے۔اور قومی وگروہ بندی والے مسائل کو ترک کر دیا جائے۔چنانچہ صحیح بخاری کی توضیح کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''تزوج میمونة وهو مُحرِمٌ و احتج بهٰذا الحديث ابراهيم النخعي والثوری و عطاء بن ابی رباح و حماد بن ابی سليمان و عكرمة و مسروق و ابو حنيفة و صاحباهُ وقالوا لَا باس المحرم اَن ينكح وَلكنه لا يدخل بِهَاحَتّٰى يحل۔و هو قول ابن عباس و ابن مسعود۔''(بخاری جلداوّل کتاب النکاح باب تزویج المحرم صفحہ 248 نورمحمد چھاپ)

''حالت احرام میں میمونہ سے نکاح والی حدیث سے ابراہیم نخعی نے ،امام ثوری نے اور عطا اور حماد اور عکرمہ اور مسروق نے اور امام ابوحنیفہ اور اُن کے صحابہ (ابویوسف، محمد، زفر وغیرہ) نے حجت اور سند اختیار کی ہے۔اور کہا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے۔لیکن جنسی تعلقات احرام سے فارغ ہونے کے بعد قائم کئے جانا چاہئیں اور یہی قول ہے عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود کا۔''

یہاں قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ جناب امام محمد اسماعیل بخاری بھی ایسے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔لہٰذا اُنہوں نے اُن خودساختہ روایات کو اپنی صحیح بخاری میں بالکل جگہ نہیں دی ہے جو حضرت عمر کے مذہب کی تائید میں تنخواہ دار، وظیفہ خوار روات اور محدثین نے جمع کی ہیں۔اور جو موطاء و مسلم میں ملتی ہیں۔لیکن حنفیوں کا اُن پر عمل نہ کرنا اور امام بخاری کا اُن کو نہ لکھنا ہمارے لئے حرمتِ فاروقی کے ابطال پر کافی زبردست دلیل ہے۔

(ii) **قارئین سے معذرت**

ہمارا دل چاہتا ہے کہ جس انداز سے ہم نے مندرجہ بالا چار مسئلوں کو لکھا ہے اُسی طرح حضرت عمر کی پوری شریعت سازی کی تفصیل پیش کرتے۔لیکن یہ کتاب برابر توقع سے زیادہ طول پکڑتی جارہی ہے اور ہم ادارہ کی غربت کے خیال سے برابر مسائل میں کمی کرتے چلے آرہے ہیں۔لیکن اب یہ ارادہ ہے کہ عربی عبارتوں کو قطعاً چھوڑ دیا جائے۔مختصر ترین اُردو عبارت لکھی جائے۔مگر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے اختصار کا مطلب سامان و دلائل و حوالجات کی کمی نہیں ہے۔بلکہ جس مسئلہ کو قارئین فرمائیں گے سینکڑوں صفحات کی تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔مذہبِ حق کے پاس دلائل و براہین کی کبھی کمی نہ ملے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ عورتوں کے لئے حج کو مصیبت بنا دیا گیا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور صحیح بخاری دونوں کا بیان اور حدیث کا ترجمہ سُن کر یہ فیصلہ کریں کہ حضرت عمر حج کے احکام کو کس معیار پر لانا چاہتے تھے؟ قاسم بن محمد نے روایت کیا کہ:

''جس عورت نے نحر کے روز زیارت خانہ کعبہ کر لی اور اُس کے بعد اسے حیض جاری ہو گیا تو تمام صحابہ کا متفقہ فیصلہ تو یہ تھا کہ اُس کا حج مکمل ہو گیا۔ مگر اللہ عمر بن خطاب پر ترس کھائے جو یہ کہتے تھے کہ جب تک وہ دوبارہ طواف خانہ کعبہ نہ کرے اس کا حج نہیں ہوا'' اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ ''میں کہتا ہوں کہ اہل علم نے یہاں اس مسئلہ میں عمر کے فیصلے کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت صفیہ کے قصے کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔'' (مترجم ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 390-389 ناشر نور محمد)

مسئلہ نمبر 6۔ ہر قسم کی اور ہر عمر کی عورتوں کے نکاح کا اختیار ضبط کر لیا تھا

اللہ و رسولؐ نے ہر بالغ عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جائز رشتوں میں سے جس مرد سے چاہے نکاح کر سکتی ہے مگر حضرت عمر کی شریعت میں عورتوں کے اختیارات چھین کر انہیں مفلوج کر دیا ہے۔ اور بڑے واضح الفاظ میں اسکا سبب بھی ظاہر فرما دیا ہے۔

(الف) مشرکانہ ذہنیت پر فخر

> ارشاد ہے کہ: قال عمر بن الخطاب مَا بقی من اخلاق الجاھلیّۃ شَیٔ اِلَّا اِنّی لَسۡتُ اُبالی اَیَّ النّسا نَکَحۡتُ اَیُّھُمۡ اَنکَحۡتُ ۔ ''کہا عمر بن الخطاب نے کہ جاہلیت کے اخلاق میں سے مجھ میں کوئی بات باقی نہ رہی سوائے اس کے کہ میں پرواہ نہیں کرتا کہ کس قسم کی عورت سے میں نے نکاح کیا ہے۔ اور کس قسم کے مرد کا میں نے (کس قسم کی عورت سے) نکاح کرایا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 407)

قارئین ہماری اصلاح فرمائیں ہم تو اس اعلان سے یہ سمجھتے ہیں کہ جنسی تعلقات یا نکاح کے معاملہ میں حضرت عمر قرآن و اسلام اور سنت رسولؐ کی قطعاً پرواہ نہ کریں گے۔ بلکہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے جس طرح کے نکاح ہوا کرتے تھے۔ اُن کو جاری کر کے چھوڑیں گے۔ کیا شان ہے جناب خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی کہ جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹانے کے لئے آئے تھے۔ جناب فاروق اعظم اُسی کو مستقلاً قائم کرنے اور اپنے اندر موجود ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور کیا کہنا اُس انتظام کا جس کی گرفت ہر گردن پر اس قدر مضبوط ہے کہ کسی کو مجال دم زدن نہیں ہے۔ اب اس کے بعد مسائل کا لکھنا ہمارے ایسے آدمیوں کے لئے تو ضروری نہیں ہے کیوں کہ یہ بیان کافی ہے مسلکِ فاروقی اور مسلکِ مصطفوی کے فرق کو سمجھنے کے لئے اور ساتھ ہی ایام جاہلیت اور ایام نبوت کو جدا جدا کرنے کے لئے آپ کے لقب فاروق اعظم کی

حیثیت بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔لیکن عام قاری اور مدعی حضرات کی تواضع کے لئے ہم شاہ ولی اللہ ہی کے قلم سے اس عنوان کے چند نمونے لکھتے ہیں۔تا کہ عنوان خالی نہ جائے۔(عربی عبارتیں کتاب میں دیکھیں)

(1) ''حضرت عمر نے اُس عورت کو نکاح سے باہر کر دیا جس نے ولی کی اجازت نہ لی تھی۔''

(2) ''حضرت عمر نے طے کر دیا تھا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں ہے۔''

(3) ''کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی خواہ وہ دسواں نکاح ہو۔''

(4) ''ایک شادی شدہ حاملہ عورت کے نکاح کو باطل قرار دیا۔شوہر وزوجہ میں جدائی کرادی اس لئے کہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔''

(5) ''ایک عورت نے اپنی قوم کے ایک ذمہ دار آدمی کی معرفت اپنا نکاح کر لیا تھا۔ولی کی اجازت نہ لینے کی وجہ سے حضرت عمر نے دونوں کا نکاح حرام قرار دیا۔دونوں پر زنا کی سزا جاری کی اور جدا کر دیا۔''

(6) ''ایک عورت نے بلا گواہ اور بلا ولی کی اجازت کے نکاح کیا۔اس کو سو کوڑے لگوائے اور پوری مملکت میں فرمان بھیجا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اُسے زنا کی سزا دی جایا کرے۔''

(7) ''حضرت عمر کا فیصلہ یہ تھا کہ کوئی عورت ولی کی اجازت یا اہل الرائے یا سلطان وقت کے حکم کے بغیر حرام ہے۔''

(8) ''یتیم لڑکیوں سے اجازت لے کر نکاح کیا جائے۔اُن کی خاموشی اُن کی اجازت ہے۔''

(9) ''حضرت عمر کے سامنے ایسے نکاح کا ذکر کیا گیا جس پر ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے۔کہا یہ پوشیدہ قسم کا نکاح ہے، ناجائز ہے، زنا کی سزا لازم ہے۔''

(10) ''یہ روایت غلط ہے کہ عمر نے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت نکاح میں جائز رکھی ہے۔''

(تمام حوالوں کیلئے مذکورہ ازالۃ الخفاء صفحہ 409-407)

(ب) ہمارا مسئلہ: امام اعظم ابو حنیفہ اور دیگر علمائے اہل سنت کی مخالفت

ہم اِن غیر اسلامی اور غیر انسانی تصورات پر قرآن اور حدیث سے بمباری کر سکتے ہیں۔لیکن اختصار کا ہاتھ ہمارا گلا پکڑے ہوئے ہے۔اسلئے یہ کہہ کر کہ جناب ابو حنیفہ اور تمام حنفی شریعت نے حضرت عمر کی مخالفت میں عورتوں کو نکاح کی آزادی دی ہے۔اور سنتِ رسوؐل کو حضرت عمر کے احکام پر ترجیح دینے والے علما میں سے علامہ ابن قیم کا مسلک ملاحظہ کیلئے پیش کرتا ہوں۔

(1) والد کی طرف سے زبردستی کرایا ہوا نکاح رد: ''صحیحین سے ثابت ہے کہ حضرت خُنساء بنت جذام کا اُن کے والد نے

نکاح کر دیا۔حالانکہ اُنہیں یہ نکاح ناپسند تھا۔اور یہ ثیبہ (کنواری نہ) تھی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ نے اُن کا نکاح رد کر دیا۔‘‘(زادالمعاد صفحہ 51 جلد 4 مترجمہ رئیس احمد)

(2) نوٹ ملاحظہ کریں: ’’اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو شادی کے معاملہ میں مکمل اختیار حاصل ہے۔اُس کی مرضی اور اذن کے بغیر باپ بھی اس کی شادی نہیں کر سکتا۔اور اسلام کی دی ہوئی اس آزادی کو خود مسلمانوں نے کس طرح چھینا ہے؟ اِسے کون نہیں جانتا۔‘‘(برابر صفحہ 51 چل رہا ہے)

(3) کنواری عورت بھی مختار ہے: ’’نیز سُنن میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک باکرہ لڑکی نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اور عرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے۔حالانکہ وہ اُسے پسند نہیں کرتی۔ نبیؐ نے اُسے نکاح توڑنے کا اختیار دے دیا۔ یہ واقعہ خنسا کے علاوہ دوسری عورت کا ہے یہ دو واقعات ہیں۔ایک میں آپؐ نے بیوہ کو اختیار دیا۔ دوسرے میں کنواری کو بھی اختیار دیا۔

(4) ریمارکس سے لطف اندوز ہوں: ’’ثیبہ تو خیر، بہرحال دانا و بینا عورت ہوتی ہے۔لیکن کنواری لڑکی تک کو اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اگر والدین اس کی شادی خلافِ مرضی کر دیں تو وہ قاضی کی عدالت میں ایسے نکاح کو ختم کرا سکتی ہے۔اسلام کے عورت پر بے شمار احسانات ہیں۔اُن ہی میں ایک یہ عظیم و جلیل احسان بھی ہے جسے مسلمانوں نے ناک کے خیال سے غصب کر رکھا ہے۔گویا اُن کی ناک اسلام سے بڑی ہے۔‘‘(زادالمعاد جلد چہارم صفحہ 51 مترجمہ رئیس احمد)

(5) باکرہ کنواری سے اجازت لینا لازم ہے: ’’صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ باکرہ سے اجازت لئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا جائے۔‘‘(ایضاً جلد صفحہ 52)

(6) نکاح بغیر اذن جائز نہیں: ’’کنواری اگر بالغہ عاقلہ سمجھ دار ہو تو اسکا والد اُسکی مملوکہ میں سے کسی معمولی چیز میں بھی اُس کی مرضی کے بغیر تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اُسے اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ معمولی سی چیز بھی اپنی ملکیت سے خارج کر دے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ والد اُسے کنیز بنا دے؟ اور اُس کی مرضی کے بغیر جس کو چاہے اس کی ملکیت میں دے دے۔حالانکہ وہ شخص اُس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند ہے۔اور وہ اُسے سب سے زیادہ مبغوض سمجھتی ہے۔اس کے باوجود وہ جبراً اس کا نکاح کسی کے ساتھ کیسے کر دے گا۔‘‘(ایضاً صفحہ 53-52)

(7) عورت غیر مشروط طور پر آزاد ہے: ’’زندگی کے جملہ معاملات میں یعنی نکاح، ملکیت، تجارت اور کاروبار، ہر چیز میں اسلام نے عورت کی انفرادیت غیر مشروط طور پر تسلیم کی ہے۔خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ، اُس کی اِس پوزیشن میں نہ والدین مداخلت کر سکتے ہیں نہ شوہر نہ کوئی اور۔‘‘(ایضاً صفحہ 53)

مسئلہ نمبر 7۔ عورتوں کی کوئی شرط قابلِ اعتنا نہیں ہے۔وعدہ خلافی حلال ہے

(1) حضرت عمر کا نکاح کی شرط کو نظر انداز کرنے کا حکم: ایک شخص نے عورت سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ اُسے اُس کے شہر سے کہیں دوسری جگہ نہ لے جائے گا۔لیکن جب مرد نے حضرت عمر سے دریافت کیا تو انہوں نے اس شرط کو نظر انداز کرنے کا حکم دے دیا۔'' (ازالۃ الخفاء مترجمہ جلد 3 صفحہ 412)

(2) رسولؐ اللہ کی مخالفت ہوئی یا نہیں؟ عَنِ النبیؐ قال اَحَقُّ ما اَوْفَیْتُم مِن الشروط اَنْ تُوفُوْابه ماستحلَلْتم به الفروج ۔(بخاری کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح جلد 2 صفحہ 774) ''اُس شرط کا پورا کرنا سب سے ضروری ہے جس شرط کی وجہ سے تم پر عورت کا جسم حلال ہوا ہے۔(حکم رسولؐ)

(3) حضرت عمر نے ایک عرب کی وجہ سے سنتِ رسولؐ ترک کر دی: معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر سنتِ رسولؐ پر عمل کرنا چاہتے تھے۔مگر عربوں کے طعن وطنز سے متاثر ہوتے چلے گئے۔چنانچہ اُنہوں نے پہلے تمام شرائط کو واجب الادا بتایا تھا۔مگر ایک دعویدار نے اُن کو مَردوں کی رعایت پر مجبور کر دیا تھا۔جب کہ ایک شخص اُن کے پاس آیا اور بیان کیا کہ ہم نے اِس عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ یہ اپنے گھر میں رہتی رہے۔اور اب میرا یہ ارادہ ہو رہا ہے کہ میں اپنی زوجہ کو لے کر فلاں فلاں جگہ چلا جاؤں؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ عورت کو اپنی شرط پوری کرانے کا حق ہے۔(عمر نے کہا کہ شروط کے سامنے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔'' ازالۃ الخفا جلد 3 صفحہ 412-411) اُس عرب نے کہا کہ اب مَردوں پر مصیبت آ گئی۔اس طرح تو عورتیں مَردوں کو طلاق دے دیا کریں گی۔'' (فتح الباری جلد 5 صفحہ 86)

مسئلہ نمبر 8 ۔ اللہ ورسولؐ کی مشہور مخالفت ایک جھٹکے میں تین طلاق عورت حرام

یہ مسئلہ بار بار مذکور ہوا ہے۔یہاں اس پر علامہ ابن قیم کے چند جُملے اور ریمارکس قارئین کو دکھانا چاہتے ہیں۔علامہ نے یہ مسئلہ شروع کرتے ہوئے جو جلی قلم سے عنوان لکھا ہے دیکھنے کی چیز ہے۔ملاحظہ ہو:۔

(1) ''تین طلاقیں ایک دفعہ میں'' ''شریعت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کی بدترین مثال''

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عتاب'': ''محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور فرمایا:۔

''میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ یوں کھیل رہا ہے؟''

(زادالمعاد مترجم جلد 4 صفحہ 182) اور سنئے:۔

(2) قرآن کی خلاف ورزی: ''جو شخص قرآن کریم پر پوری طرح غور کرے گا۔ اُس پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ شرع کے مطابق طلاق بعدِ خلوتِ صحیحہ وہ طلاق ہے جس میں رجعت ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دفعہ میں تین طلاقوں کا کہیں بھی حکم نہیں دیا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 185)

پھر آیات سے ثابت کیا ہے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ تین طلاقوں پر امت میں کیا ردعمل ہوا:

(i) ''ایک مذہب یہ ہے کہ ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ یہ آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی اور احمد حنبل) جمہور تابعین اور اکثر صحابہ کرام کا مذہب ہے۔'' (ایضاً صفحہ 187)

(ii) ''دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی۔ بلکہ رد کر دی جائیں گی۔ کیونکہ بدعتِ محرمہ ہے۔ اور بدعت مردود ہے۔''

(iii) ''تیسرا مذہب یہ ہے کہ یہ تین طلاقیں ایک طلاق رجعی ہے۔ یہ مذہب ابن عباس، ابن اسحاق، طاؤس اور عکرمہ ابن تیمیہ کا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 187)

(iv) قیاس کے بھی خلاف ہے: ''اب رہا قیاس، سو اِس نقطہ نظر سے بھی تین طلاقوں کا بیک وقت جمع کرنا حرام ہے۔ اور بدعت ہے۔ اور ہر بدعت مردود ہے۔ کیونکہ حکم رسولؐ کے مطابق نہیں ہے۔'' (ایضاً صفحہ 189)

(3) ''مذہب امامیہ و اہلبیتؑ کا مسلک'': (علامہ نے لکھا کہ) ''لیکن ایک وقت میں دی ہوئی تین طلاقوں کا قطعاً کسی صورت میں بھی واقع نہ ہونا امامیہ فرقہ کا مذہب ہے، اہلبیتؑ کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔'' (ایضاً صفحہ 190)

(4) ایک ایسی حقیقت جو تمام ملانٹوں اور مجتہدین کا ستیاناس کر ڈالتی ہے

علامہ نے ''تعارض حدیث اور عمل صحابہ'' کے عنوان کے ماتحت چیلنج کیا ہے، سُنیئے:

''تم کہتے ہو کہ اگر ہمارے سامنے متعارض حدیثیں ہوں تو ہم صحابہ کے عمل کو راہنما بنائیں گے۔'' یہ صحیح ہے۔ لیکن تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ ہمیں تو ایک امر کی دعوت دو اور خود ہی اُس سے روگرداں ہو جاؤ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی تو کم و بیش ایک لاکھ صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے آپؐ کو دیکھا تھا اور آپ سے سنا تھا۔ کیا تم اُن سب سے یا اُن کے دسویں حصہ سے (10000) یا دسویں کے دسویں حصہ (1000) سے یا دسویں کے دسویں حصے کے دسویں حصہ (100) سے بیک وقت لزوم طلاق ثلاث ثابت کر سکتے ہو؟ تم پوری کوشش کر ڈالو۔ بیس صحابی بھی، جو آپس میں گو مختلف الرائے ہوں ایسے نہیں ملیں گے جن سے تم اپنا دعویٰ نقل کر سکو۔ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارا کہنا سچ ہوگا کہ اس مسئلہ پر قدیم سے اجماع ہے۔ رسولؐ اللہ کے وقت سے لے کر ابوبکر صدیق کے عہد تک دو صحابی بھی ایسے نہیں ملیں

گے۔جنہوں نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے وقوع میں آنے کا اقرار کیا ہو۔اور اتفاق و اجماع کا یہ دور اس وقت تک ختم نہیں ہوا۔جب تک اختلاف رونما نہیں ہوا۔اور صحابہ کے دو قولوں پر ہونے کے باعث پہلا اجماع کہاں ٹھہر سکتا تھا؟ چنانچہ اُن کے مابین اختلاف پیدا ہوا (اور حضرت عمر اس اختلاف کا سبب بنے۔احسن) اور اختلاف مستقل و متواتر طور پر آج تک موجود ہے۔'' (زادالمعاد جلد 4 صفحہ 196-195) آخری عنوان لکھا:

''حضرت عمر کی رائے حدیث نہیں ہے'' (ایضاً صفحہ 196)

(5) حضرت عمر کا فیصلہ سُن کر آگے بڑھیں: شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ:

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیتا اور حضرت عمر کے پاس آتا تو وہ اُس کو خوب پیٹتے اور شوہر و زوجہ میں تفریق کر دیتے تھے۔مدینہ کے ایک مسخرہ نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔پھر وہ عمر کی طرف آیا اور کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔تو عمر نے اس کے دُرہ مارا۔اور زوجہ و شوہر میں تفریق کر دی۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 429)

مسئلہ نمبر 9۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی

حضرت عمر نے قرآن کریم کے خلاف اور مُسلّماتِ صحابہ کی مخالفت میں حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ تم یہودی زوجہ کو الگ کر دو۔حُذیفہ نے جواب لکھا کہ کیا یہودی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے؟ پھر حضرت عمر نے فرمان بھیجا کہ میرے اس خط کو ہاتھ سے رکھنے کے قبل یہودیہ زوجہ کو چھوڑ دو۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 410)

مسئلہ نمبر 10۔ دیہات و بیرونجات کے عربوں سے مہاجر عورتوں کا نکاح منع کر دیا

جس طرح حضرت عمر اہل کتاب کی مومنات کے مسلمانوں میں آنے سے خائف تھے۔اُسی طرح وہ مہاجر عورتوں کو مدینہ سے باہر نہ جانے دینا چاہتے تھے۔اور یہ دونوں باتیں حقیقت نبوّت کو مشتہر کر کے نظام فاروقی کے خلاف سوچنے اور سوالات پیدا کرنے کا سبب بن جاتیں جو کسی قیمت پر منظور نہ تھی۔اس لئے آپ نے دونوں قسم کی عورتوں سے نکاح کی سخت ممانعت کر دی۔چنانچہ ''حضرت عمر نے فرمان بھیجا کہ اعرابی یعنی بیرونجات کا عرب، مہاجر عورت سے نکاح نہ کرنے پائے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 412)

مسئلہ نمبر 11۔ عورتوں کے مہر پر پابندی: مقررہ مقدار سے زیادہ رقم ضبط کر لو

حضرت عمر نے جنسی تعلقات میں جہاں مردوں کو سہولت اور آزادی فراہم کی وہیں عورتوں کو بے بس اور بے کس کر ڈالنے کا بھی پورا اہتمام کیا ہے۔چنانچہ آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر نے عورتوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرنے کے لئے

اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ایامِ شرک وکفر وجاہلیت (Dark Ages) کے قوانین وقواعد کو مستقلاً اختیار کئے رکھنے کا اعلان کیا تھا۔اور پھر جہاں جہاں موقعہ ملا وہاں عورتوں کے ساتھ اپنا طریقہ استعمال کیا۔زیرِ نظر عنوان تک آنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عمر اسلام سے پہلے حالتِ کفروشرک میں عورتوں کے متعلق کیسے تصورات رکھتے تھے؟اور ساتھ ہی آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی ازواج کا اُن کے ساتھ اور اُن کی بیٹی کا رسولؐ اللہ کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔اور یہ کہ حضرت عمر نہ چاہتے تھے کہ عورتیں اس طرح آزادانہ اپنے شوہروں کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں اور سازشیں تیار کریں۔

صحیح بخاری سے یہ صورت حال پیش خدمت ہے:

''عبدالعزیز بن عبداللہ، سلیمان بن بلال، یحییٰ، عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے ابن عباس کو بیان کرتے ہوئے سُنا کہ میں ایک سال تک اس انتظار میں رہا کہ حضرت عمر بن خطاب سے ایک آیت کے متعلق پوچھوں۔لیکن میں اُن کی ہیبت کے سبب سے اُن سے نہ پوچھ سکا۔یہاں تک کہ وہ حج کے ارادہ سے نکلے تو میں بھی اُن کے ساتھ نکلا۔جب میں واپس ہوا اور ہم لوگ راستہ میں تھے تو وہ ایک پیلو کے درخت کے پاس رفع حاجت کے لئے گئے۔اور میں اُن کے انتظار میں کھڑا رہا حتّٰی کہ وہ فارغ ہوئے۔پھر میں اُنکے ساتھ چلا تو میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے وہ دو عورتیں کون تھیں۔جنہوں نے آپؐ کے خلاف دھڑابندی کر لی تھی؟اُنہوں نے کہا کہ وہ حفصہ اور عائشہ تھیں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں ایک سال سے یہ ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے متعلق آپ سے دریافت کروں لیکن آپ کے ڈر سے پوچھ نہ سکا۔اُنہوں نے کہا ایسا کیوں نہ کیا کرو۔جس چیز کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ مجھے اُس کا علم ہے تو مجھ سے پوچھ لو۔اگر مجھے علم ہوگا تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔پھر حضرت عمر نے کہا:''بخدا ہم جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں کو کسی شمار میں نہ رکھتے تھے۔(مترجم نے لکھا ہے کہ ''عورتوں کا کوئی حق نہ سمجھتے تھے۔'') یہاں تک کہ اللہ نے اُن کے حق میں نازل فرمایا جو نازل فرمایا۔اور تقسیم میں اُن کا حصہ رکھا جو حصہ رکھا۔''

حضرت عمر نے اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن میں اپنے معاملہ میں کچھ سوچ رہا تھا۔اُس وقت میری بیوی نے کہا کہ کاش تم اس طرح اور اس طرح کرتے۔میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تُو کیوں میرے معاملات میں دخل دیتی ہے۔میں جو کرنا چاہتا ہوں وہی ٹھیک ہے۔اُس نے کہا کہ اے خطاب کے بیٹے مجھے تم پر تعجب ہے۔تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے سامنے تمہاری باتوں کا جواب تک دیا جائے۔تمہیں خبر ہے کہ تمہاری بیٹی، رسولؐ اللہ کی باتوں میں اُن سے جھگڑتی رہتی ہے۔یہاں تک کہ آپؐ کا سارا سارا دن رنج وتعب میں گزر جاتا ہے۔یہ سن کر حضرت عمر نے ایک چادر لی اور حفصہ کے پاس پہنچے۔اور کہا کہ اے بیٹی کیا تو رسولؐ اللہ کی باتوں میں جھگڑا کرتی ہے؟ یہاں تک کہ آپؐ کا سارا دن غصے میں گزر جاتا ہے؟ حفصہ نے کہا کہ

خدا کی قسم ہم آپؐ کے ساتھ باتوں میں جھگڑا کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تو خبردار رہ میں تجھے اللہ کی سزا اور رسولؐ کے غضب سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ تجھے وہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے جس کو اُس کے حُسن نے رسولؐ اللہ کی محبت کے سبب سے مغرور کر دیا ہے۔ اُس حسین عورت سے عائشہ مراد تھیں۔'' (وغیرہ وغیرہ)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب المتحر م) سورہ تحریم۔

ہم یہاں حضرت عائشہ وحفصہ کی کوششوں اور کاوشوں کا تذکرہ کر کے عنوان سے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا آپ صرف اس قدر نوٹ کر لیں کہ حضرت عمر نے اس بیان میں اپنا درِدل اور اُس غلط آزادی کا بیان پیش کیا ہے جو رسول اللہ نے اپنی ازواج کو دے رکھی تھی۔ اور انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اختیارات ملتے ہی وہ مستورات کو ایام جاہلیت کے قواعد پر عمل کرائیں گے۔ اور قرآن کی دی ہوئی تمام رعایات میں شرطیں لگا لگا کر محروم کر دیں گے اور ہرگز اپنے خلاف اُنہیں دم نہ مارنے دیں گے۔ اسی اصول پر جناب عمر نے اعلان فرمایا کہ:

''عورتوں کے مہر میں حد سے نہ بڑھو۔ اگر مہر کے زیادہ مقرر کرنے میں کوئی بزرگی ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ میں شمار ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار محمد صلعم ہوتے۔ آپ نے اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح نہیں کیا اور نہ اپنی ازواج میں سے کسی سے نکاح کیا مگر بارہ اوقیہ چاندی (چار سو اَسی درہم) کا مہر مقرر کیا۔''

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد 3 صفحہ 415 نور محمدی چھاپ)

یہی وہ مہر ہے جسے آج تک مجتہدین شرع محمدیؐ کا مہر کہتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد آپ کا عمل درآمد بھی دیکھ لیں۔ اسی صفحہ پر ایک نہایت چالاک وفریب ساز شخص کا حال لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ:

(i) <u>خواہش نفسانی کے لئے فریب سازی:</u> ''اشعث بن قیس سفر میں ایک شخص کے ساتھی بنے۔ اُنہوں نے اُس شخص کی بیوی کو دیکھا تو اُن کو اچھی معلوم ہوئی۔ اُس شخص کا راستہ میں انتقال ہو گیا (کیوں؟) تو اشعث بن قیس نے اس کو نکاح کا پیغام دیا (عدت؟) تو اُس نے نکاح سے انکار کر دیا۔ بجز اس شرط کے کہ مہر اُس کے حکم کے مطابق ہوگا (یعنی وہ جو کچھ مانگے دینا پڑے گا) اشعث نے (اپنی جنسی خواہش کے لئے) اُس شرط پر نکاح کر لیا۔ پھر (کام نکل جانے کے بعد) اس کو طلاق دے دی قبل اس کے کہ وہ حکم کرتی۔ اس کے بعد کہا کہ اب تُو مہر کے متعلق حکم کر۔ (یعنی بتا کہ مہر کیا دیا جائے؟) اس نے کہا کہ میں یہ حکم کرتی ہوں کہ فلاں فلاں غلام دیا جائے۔ یہ غلام اُس کے باپ کے مال میں سے اشعث کو ملے تھے۔ اشعث نے کہا تو اُن کے بجائے اور کچھ لے لے تو اُس نے انکار کر دیا۔ تو اشعث صاحب حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین میں تین مرتبہ عاجز ہوا ہوں۔ فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ اشعث نے کہا <u>1</u>: میں ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ فرمایا یہ ایسی

بات ہے جس پر تمہیں اختیار نہیں (لہٰذا تم قابل ہمدردی ہو) کہا کہ 2: پھر میں نے اُس سے اُس کے حکم پر نکاح کر لیا۔ پھر میں نے اس کو طلاق دے دی قبل اس کے کہ وہ مہر کا حکم لگائے۔ تو عمر نے فرمایا کہ وہ ایک عورت ہے مسلمانوں میں سے۔ شافعی نے کہا کہ عمر کی مراد یہ تھی کہ اس کا مہر عام مسلمان عورت کے برابر ہے۔ ابو بکر نخعی سے اور وہ روایت کرتے ہیں عمر سے اسی کے مطابق۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ عمر نے یہ کہا تھا کہ اس عورت کو راضی کرو۔ ابو بکر سیرین سے یہی روایت کرتے ہیں اور اس میں کہتے ہیں کہ عمر نے کہا تھا کہ اُس کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ہوگا۔" (ایضاً صفحہ 416-415)

اس روایت میں ابو بکر نے حضرت عمر کو بچانے کے لئے ایک روایت گھڑ دی۔ مگر دو روایات میں اور امام شافعی کے عمل میں اصل حق تلفی موجود ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو لازم تھا کہ وہ اشعث کی اس فریب سازی پر دُروں سے مار مار کر صبیغ والا حال بنا دیتے۔ اس لئے کہ اس کا سفر شرعی زنا کے ارادے سے تھا۔ پھر اس عورت کے شوہر کا سفر میں مر جانا اشعث کو مشکوک کرتا ہے۔ پھر سفر کا خاتمہ کہاں ہوا؟ سفر کے خاتمہ کو کتنا عرصہ گزرا کہ یہ چار سو بیس والا نکاح کر لیا۔ عدت کے زمانہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ پھر مجامعت کے فوراً بعد طلاق دینا ثابت ہے۔ مہر کی شرط کو کمزور کرنا طلاق میں مقصود ہے۔ لیکن بات وہی ہے کہ حضرت عمر عورتوں کے معاملہ میں ایام جاہلیت کے پابند تھے۔ اور مردوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ عورتوں کو جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ اور کم سے کم مہر پر عورتوں کی عصمت لوٹتے رہیں۔ متعہ میں عورت مرد کے برابر اختیار رکھتی ہے۔ اور عورت کو برابر کے حقوق دینا منظور نہ تھا۔ اس لئے متعہ کو حرام کیا گیا تھا۔

(ii) <u>یہ قانون بھی قرآن کے خلاف تھا:</u> مہر کو کم از کم کرنے کا دوسرا حکم علامہ سیوطی نے یوں لکھا ہے کہ:

"حضرت عمر نے اعلان کیا کہ تم لوگ عورتوں کو چالیس اوقیہ چاندی سے زیادہ مہر نہ دو۔ جو زیادہ دے ہم اسے بیت المال میں جمع کرا لیں گے۔" (درمنشور جلد 2 صفحہ 133)

حضرت عمر نے جس وقت منبر سے یہ اعلان فرمایا کہ کوئی شخص بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کرے گا تو وہ فاضل رقم کو بیت المال میں لے لیں گے۔ تو کہیں ایک بڑھیا وہاں موجود تھی یا اس وقت وہاں سے گزر رہی تھی۔ اُس نے حضرت عمر کو ڈانٹتے ہوئے قرآن کی آیت سنائی اور پوچھا کہ ہم تمہارا حکم مانیں یا اللہ کا حکم بجا لائیں؟ حضرت عمر نے گھبرا کر فرمایا کہ اے لوگو گواہ رہو کہ مدینہ کی بڑھیا عورتیں بھی عمر سے زیادہ قرآن جانتی ہیں۔" (فتح الباری جلد 5 صفحہ 78، صحیح بخاری کتاب النکاح باب قول تعالیٰ وتوا النساء صدقاتھن حاشیہ 5 درمنثور۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر۔ کنز الاعمال وغیرہ وغیرہ)

ان تمام مقامات پر علما نے تسلیم کیا ہے کہ مہر کی کوئی حد ایسی نہیں ہے جو اسلام میں اللہ و رسولؐ کی طرف سے ممنوع ہو۔ چنانچہ رفتہ رفتہ حضرت عمر کا یہ قانون پٹ گیا۔ مگر اکثر قلوب و اذہان میں بطور ورثہ چلا آ رہا ہے۔ اور اکثر قرآن کریم اور سنت

رسولؐ کے خلاف قحطانی رگیں پھڑ کنے لگتی ہیں۔

مسئلہ نمبر12۔ حقیقی ماں بیٹیوں سے بیک وقت جنسی تعلقات کا جائز کرنا

اللہ نے قرآن میں اُن تمام عورتوں کی تفصیل بیان فرمادی ہے جن سے کسی صورت میں بھی جنسی تعلقات قائم نہیں کئے جاسکتے (نساء 4/18-28، مائدہ 5/5 وغیرہ) اور آج تو مومن و کافر دونوں جانتے ہیں کہ ماں اور اُس کے بطن سے پیدا ہونے والی بیٹی سے جنسی تعلقات ہر صورت میں حرام ہیں۔ اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو بیک وقت زوجہ یا جنسی تعلقات کے لئے جائز نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ:

> ''مَا بَقَیَ مِنْ اخلاق الجاهلیّة شَیْءٌ اِلَّا اِنِّی لَسْتُ اُبَالِیْ اَیُّ النِّسَآء نَکَحْتُ وَاَیُّهُمْ اَنکَحْتُ'' عمر بن الخطاب نے کہا کہ جاہلیت کے اخلاق میں سے مجھ میں کوئی بات باقی نہیں رہی بجز اِس کے کہ میں پرواہ نہیں کرتا کہ کس قسم کی عورت سے میں نے نکاح کیا اور کس قسم کے مرد کا نکاح کرایا۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد3 صفحہ 407)

اس اعلان کے بعد کسی رشتے ناتے کی فکر کرنا یا ماں بیٹی اور بہن میں تمیز کرنا قطعاً بے معنی بات ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کے یہاں مائیں بیٹوں کے لئے جائز تھیں۔ باپ اپنی بیٹیوں کو اپنی زوجہ بنایا کرتے تھے۔ حقیقی بہن بھائی جنسی تعلقات قائم کرتے تھے۔ چونکہ حضرت فاروق اعظم، جانشین خدا ورسولؐ اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ میں ایام جاہلیت کا جنسی تعلق موجود تھا۔ اور اُن کے نزدیک یہ اسلام کے منافی نہ تھا۔ اس لئے جب اُن کے سامنے ایک شخص پیش ہوا اور سوال کیا کہ:

> ''میری مِلک میں ایک جاریہ (کنیز) ہے اور اُس کی بیٹی ہے۔ اور وہ دونوں مجھے بہت پسند ہیں تو کیا میں دونوں سے جماع کرسکتا ہوں؟ تو فرمایا کہ ایک آیت (او ماملکت ایمانکم) تو حلال کرتی ہے، اور ایک آیت (اَن تجمعوا الخ) حرام کرتی ہے۔ میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں ایسے کام کے قریب بھی جانے والا نہ ہوں گا۔''
>
> (ازالۃ الخفاء جلد3 مترجم صفحہ 410،411)

آگے چل کر جناب ولی اللہ نے علامہ بغوی کے اعتراضات کے جواب میں جو آیات لکھ ماری ہیں، اُن میں سورۂ مومنون کی (23/6) اور سورہ معارج کی (70/30) حلال کرنے والی بتایا ہے اور سورۂ نساء کی (4/23) کو حرام کرنے والی آیت فرمایا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اِن آیات اور اُن کے ترجمہ کو خود قرآن میں دیکھ لیں۔ اور سوچیں کہ جن دو آیات کو حلال کرنے والی سمجھا ہے اُن میں ایک ہی عبارت ہے جو دو جگہ آئی ہے۔ اُس میں حلال وحرام؛ کرو نہ کرو کا کوئی حکم یا ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ پسندیدہ لوگوں کی تعریف ہو رہی ہے۔ البتہ اُن لوگوں کو پسند کیا ہے جو قرآن کے مطابق جنسی تعلقات میں پابندی کرتے ہیں اور

آزادروی اختیار نہیں کرتے۔ اُن دونوں آیات میں نہ ماں بیٹی کا بیک وقت زوجیت میں ہونا مذکور ہوا ہے اور نہ کہیں لفظ جَارِیَہ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ماں بیٹی کا بیک وقت جنسی تعلق کے لئے استعمال ہونا یا ہو سکنے کا امکان ہونا تو الگ وہاں تو جاریہ کے حلال ہونے کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَان کو جاریہ سمجھ لینا یا کنیزیں شمار کر لینا یہ عربی مشرکانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے۔ یہ قرآن کریم کی مخصوص ترکیب یا اصطلاح ہے۔ اِس سے نہ صرف جہادِ رسولؐ (ہر جنگ نہیں) میں گرفتار ہونے والی عورتیں مقصود ہیں بلکہ ما ملکت اَیمَان میں گرفتار ہونے والے مرد اور بچے بھی داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مردوں کو عورتوں کی طرح استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بردہ فروشوں سے خریدی ہوئی عورتوں کو قرآن ماملکت اَیمَان نہیں کہتا۔ بلکہ ان کو لفظ اِمَآء سے ظاہر کرتا ہے۔ اور بردہ فروشوں سے خریدے ہوئے مَردوں کو عباد اور عبد کہتا ہے۔

وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (نور 24/32) ''تم کنوارے مَردوں اور اپنے نیک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو اگر وہ نادار ہوں گے تو اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ تو علمی حیثیت سے وسعتیں دینے والا ہے۔''

لہٰذا جناب شاہ ولی اللہ نے مندرجہ بالا آیات کو ماں بیٹی کا بیک وقت زوجہ بنایا جانا جائز کرنے کے لئے پیش کر کے اپنا مذاق اُڑایا ہے۔ اور سمجھا یہ ہے کہ وہ بھی حضرت عمر کی طرح ایک خلیفہ وقت ہیں اور کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اُن کی تصنیفات پر ناقدانہ نظر ڈالے اور اُن کے خلاف زبان کھولے۔

(i) <u>ایک اور لطیفہ</u> : حضرت عمر سے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ شخص اپنی کنیزوں میں سے دو حقیقی ماں بیٹی کو بیک وقت زوجگی میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اُنہوں نے ایک امرتی کی طرح گول جواب دے کر اُسے آزادی دے دی۔ یعنی وہ اگر ماں بیٹی کو بیک وقت جنسی تعلقات کے لئے استعمال کرلے تو بھی قرآن کریم کے مطابق ہوگا۔ اور اگر اس حرکت سے باز رہے تب بھی قرآن کی اطاعت ہوگی۔ لیکن جناب شاہ ولی اللہ نے یہ کہا کہ اُسے باز رہنے کی ضرورت نہیں۔ یعنی قرآن میں ماں اور بیٹی دونوں کو ساتھ ساتھ استعمال کرنے کی ممانعت ہے ہی نہیں۔ آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ کیسے ولی اللہ کے ذمہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ اُنہوں نے ماں بیٹی کے حرام ہونے کے لئے آیت پیش کر دی ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہی تو لطیفہ ہے غور فرمائیں:

سوال: کیا ماں بیٹی بیک وقت کسی کے لئے جائز ہیں؟

جواب: دو بہنوں کو بیک وقت جائز نہیں کیا گیا ہے۔ (نساء 4/23)

منشاء: دو بہنیں بیک وقت حرام ہیں۔ ماں بیٹی حرام نہیں۔

ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔

چونکہ حضرت عمر کی بات شاہ ولی اللہ سے زیادہ وزن دار اور حضرت عمر کے اعلان کے مطابق ہے۔ اسلئے ہم شاہ صاحب کی بات نہیں مانتے جو بزرگ یہ پرواہ نہ کرتا ہو کہ جنسی تعلق کس قسم کی عورت سے قائم کئے جائیں۔ اُسکے متعلق طرح طرح کی لیپا پوتی اور روایت سازی مذموم ہے۔ ساتھ ہی حضرت عمر کو محفوظ رکھنے کیلئے قرآن میں اختلاف وتضاد ثابت کر دینا بھی اچھی بات نہیں۔

(ii) حضرت عثمان بھی ماں بیٹی کو جائز سمجھتے اور کہتے تھے: اگر حضرت عمر نے ماں بیٹی اور دو بہنوں کو بیک وقت جائز نہ کیا ہوتا تو اُن حضرت کے حقیقی جانشین اس قانون کو جاری نہ رکھتے۔ اور صدیوں بعد تک اس قانون پر عمل جاری نہ رہتا۔ چنانچہ حضرت عثمان سے سوال ہوا کہ: اِنَّ رَجُلًا سأل عثمان بن عفان عن الاختین فی ملک الیمین هَلْ یجمع بینهما ؟ فقال احلتها آیة وما کنت لاصنع ذلک ۔ فخرج مِن عنده فلقی رَجُلًا مِن اصحاب النبیؐ؛ اراه علی بن ابیطالب؛ فسأله عَن ذلک فقال لو کان اِلیَّ مِنَ الامر شئ ثُمَّ وجدتُّ احدًا فعل ذلک لجعلتهُ نکالًا ۔ (تفسیر در منثور علامہ سیوطی جلد 2 صفحہ 236)

''یقیناً ایک شخص نے عثمان بن عفان سے دو بہن کنیزوں کو بیک وقت استعمال کرنے کے لئے سوال کیا؟ تو جواب دیا کہ آیت نے دو بہنوں سے جماع کرنا جائز کیا ہے۔ مگر میں ذاتی طور پر ایسا نہیں کرتا۔ جب وہ شخص عثمان کے پاس سے باہر نکلا تو اُسے راستے میں صحابہ رسولؐ میں سے ایک شخص ملا؛ میں سمجھتا ہوں کہ وہ شخص علیؑ تھے۔ اُن سے بھی اُس نے وہی سوال کیا اور جواب بتایا اس پر علیؑ نے کہا کہ اگر میں اس حکومت میں صاحبِ اقتدار ہوتا تو ایسا کرنے والے کو ذلیل وخوار کرتا۔''

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا جاری کردہ قانون اُن کی سنت کے طور پر قانون بنا رہا۔ اور اب یہ بھی کہنے کی ضرورت نہ رہی کہ ایک آیت ایسے جنسی تعلق کو حرام کرتی ہے۔ یعنی کھلی چھٹی دے دی گئی۔ اور یہ جو فرمایا کہ میں (یا عمر) ایسا نہیں کرتے۔ یہ بات اس لئے اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو کئی کئی گاڑیاں چلانے کی طاقت رکھتے تھے اور جواب دینے والے مقدس اور بوڑھے ضعیف وناتوان حضرات تھے۔ جنہیں عبادت کی وجہ سے ایک گاڑی چلانا بھی دوبھر تھی۔ چنانچہ آیئے اور دیکھئے کہ ایک جوان امیر المومنین نے کیا فرمایا؟

(iii) امیر المومنین معاویہ ماں بیٹی اور دو بہنوں کا استعمال جائز کرتے ہیں: اُسی تفسیر دُرِمنثور میں بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کے پاس دو بہن کنیزیں ہیں۔ کیا وہ اُن دونوں کو استعمال کرسکتا ہے؟ فرمایا۔ اُن سے جماع کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (قَالَ لَیْسَ بِذٰلِکَ بَاسٌ) (ایضاً صفحہ 237)

(iv) ایک اور لطیفہ: حضرت عمر اور عثمان کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ آیت میں ''ماملکت ایمانهم'' عام ہے۔ اور عام میں ماں بیٹی اور حقیقی بہنیں وغیرہ سب داخل ہیں۔ لہٰذا ماں بیٹی اور دو بہنیں بیک وقت جنسی تعلق کے لئے جائز ہیں۔ ہم نے تو اس خودساختہ دلیل پر یہ کہا تھا کہ ماملکت ایمان میں عام ہونے کی وجہ سے قرآن کی آیات سے بھی مرد داخل ہیں۔ لہٰذا لطیفہ

یہ تھا کہ پھر مردوں اور دو حقیقی بھائیوں کو بھی اَٹنشن کر لینا جائز ہوا۔ مگر جناب عبداللہ ابن مسعود سے کئی قدم اور کئی صدی آگے ہیں۔ عن ابن مسعود اِنّہ سئل عن الرجل یجمع بین الاُختین الامتین فکرھہ فقیل یقول اللّٰہ اِلّا ما ملکت ایمانکم۔فقال و بعیرک ایضًا مماملکت یمینکَ۔(ایضاً) جب اُنہوں نے دو بہنوں سے معاملہ ناگواری کا اظہار کیا تو سائل نے اونٹ سے ماملکت ایمان کو پیش کر دیا۔ جناب ابن مسعود نے کہا کہ بھائی اونٹ بھی تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہے نا۔" آگے کیا ہوا نہ کہیں پینگھڑے اور نینے کا ذکر ہے نہ کسی سیڑھی کا تذکرہ ہوا ہے۔

بہرحال امام احمد بن حنبل تک اس قانون کے چلے آنے کا ریکارڈ ملتا ہے۔(فتح الباری جلد 5 صفحہ 55)

مسئلہ نمبر 13۔ کوئی عربی شخص کنیز سے نکاح نہ کرے گا

قرآن کریم کی واضح آیات، سُنتِ رسولؐ اللہ اور تمام صحابہ کے عمل درآمد کے خلاف حضرت عمر نے شریعت کو منسوخ کر کے تمام عربوں کو بذریعہ فرمان متنبہ کیا کہ آئندہ کوئی عربی نسل کا شخص غیر عرب یا عربی کنیز سے نکاح نہیں کرسکتا۔ چنانچہ شاہ صاحب بھی لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عمر نے منع کیا اس سے کہ کوئی عرب باشندہ باندی سے نکاح کرے۔ عمر نے کہا کہ جس غلام نے آزاد عورت سے نکاح کر لیا تو وہ غلام آدھا آزاد ہو گیا۔ اور جس آزاد نے باندی سے نکاح کیا وہ آدھا غلام ہو گیا۔" (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 409)

ہر شخص حضرت عمر کے اس حکم کو خلاف قرآن وسنت سمجھنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے کنیزوں سے نکاح کیا اور اولاد ہوئی۔ تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا سوائے اُن حضرات کے جو ایام جاہلیت کو پیارا سمجھتے تھے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام میں دو اماموں کے علاوہ تمام آئمہ علیہم السلام کی مائیں کنیزیں بلکہ غیر ملکی کنیزیں تھیں۔

بہرحال ہمیں یہاں دو باتیں بتانا ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت عمر نے صاحب اولاد کنیزوں کے شوہروں کو منع کر دیا تھا کہ وہ اُنہیں فروخت کریں۔ فروخت بند ہو جانے سے اُن کنیزوں کو ہمیشہ ساتھ رکھنا لازم تھا۔ ساتھ رکھنے سے اُن کنیزوں کے تصورات اور اُنکے اپنے قومی عقائد کا بچوں میں پھیلنا اور آزادی کی ہوا کا چلنا بھی لازم تھا۔ اسلئے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ حضرت عمر نے یہ خدشہ جڑ سے ختم کر دیا۔ دوسری بات یہ بتانا ہے کہ عربی دستور یہ تھا کہ جس عورت کو خرید لیا جائے اُس سے نکاح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُدھر بردہ فروش کو رقم ادا کی اور اِدھر معاملہ شروع۔ نہ عدت نہ مہر نہ وراثت۔ جب دل بھر گیا فروخت کر دیا۔ اس سے اولاد ہو گئی تو بچوں کو بھی الگ سے یا ساتھ ہی بردہ فروشوں کو بیچ دیا۔ حالانکہ قرآن کریم سے حکم عام سورہ نور (24/32) سے ذرا دیر پہلے دکھایا گیا تھا۔ اگر مسلمانوں نے اللہ کے اُس حکم پر عمل کرنا لازم سمجھ لیا ہوتا تو کوئی عورت کنیز کی

صورت وحالت میں نہ رہتی ۔ یہ حکم کہ اپنے کنواروں اور کنیزوں اور غلاموں کا نکاح کردو عام تھا۔تمام مسلمانوں کو حکم تھا۔مگر ......مگر دورانِ نزولِ قرآن مجتہد موجود تھے۔اور ہر حکم کی صورتیں واقسام بنابنا کراحکام کونافذ نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ بحث ہوچکی ہے۔ یہ تھا منشا نکاح سے منع کرنے کا کہ لطف اندوزی تو جاری رہے۔ جیب بھی گرم رہے بغل بھی گرم مگر نکاح کی ذمہ داریوں سے محفوظ رہیں۔ جب چاہا ٹکے سیدھے کئے اور نکال باہر کیا ۔ رِند کے رِند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ کا مقرر کردہ حقِ رسولؐ یعنی خمس ضبط کرلیا گیا

اللہ نے قرآن میں فرمایا تھا کہ:

> ’’اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے۔اس کا پانچواں حصہ اللہ اوراس کے رسولؐ اور اُن کے قریبی عزیزوں وتیموں اور مسکینوں وابن سبیل کے لئے مخصوص ہے۔‘‘
>
> (سورہ انفال 8/41)

تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ پانچواں حصہ رسولؐ اللہ کی صواب دیداور حکمِ خدا کے مطابق خانوادہِ رسولؐ پر صرف ہوتا تھا۔مگر قومی حکومت قائم ہوتے ہی حضرت عمر نے جہاں حضرت فاطمہؑ کو علاقہ فدک کی آمدنی سے محروم کیا وہیں یہ اللہ ورسولؐ کا پانچواں حصہ بھی ضبط کرلیا تھا۔اور پھر اُن کے جانشینوں نے جس طرح اُن کے ہر خود ساختہ قوانین کی تائید میں روایت سازی اور فتویٰ بازی کرکر کے عمریں گزاریں وہیں خمس کی ضبطی کو جائز قرار دینے کے لئے دین کے مسائل میں کافی تحریف وتبدیل کو جاری کیا۔مگر حق کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ اس مسئلہ پر بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہوتی رہی ہیں۔مگر ہمیں اُن بحثوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہمیں وہ مقام دکھایا جائے جہاں اللہ نے کسی مسلمان کو یہ حق دیا ہو کہ وہ اپنی ذاتی یا جماعتی یا ملکی و قومی ضرورت ومصلحت سے خانوادۂ نبوتؐ پر خمس بند کردے؟ جو قرآن سے ایسا حکم نہیں دکھا سکتا وہ لاکھ روایات وخود ساختہ مصالح بیان کرے،ہمیں اسلئے قبول نہیں کہ کوئی روایت قرآن کے واضح احکام کو منسوخ کردینے کی طاقت نہیں رکھتی۔ بہرحال ہم ولی اللہ صاحب کی کتاب (ازالۃ الخفاء جلد سوم) سے خمس کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پڑھتے اور فیصلہ کرتے جائیں۔

(i) خمس کی تقسیم حاکمانہ ترمیم کے ساتھ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمس کے پانچ سہام (حصے) کئے جاتے تھے۔اللہ ورسولؐ کا ایک حصہ اور ذوی القربیٰ کا ایک حصہ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے تین حصے۔‘‘ (صفحہ 469)

یہ برابر کے پانچ حصے قومی مصلحت کے ماتحت گھڑے گئے ہیں۔ اگر ہمیشہ ایسا کیا جاتا تو خانوادہ رسولؐ میں کبھی فاقہ کی نوبت نہ آتی۔ بہرحال مان لیں۔مگر اختیار بہرحال رسولؐ اللہ کے لئے ماننا ہوگا۔خواہ وہ دس حصے کریں یا ایک حصہ۔

(ii) حکومت پر قبضہ کے بعد رسولؐ اور اہلبیتؑ کا حصہ ضبط کر لیا گیا: ''پھر خمس کو ابوبکر صدیق، عمر الفاروق اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم نے تین سہام (حصوں) پر تقسیم کیا۔ اور رسوؐل کا حصہ اور اقربائے رسوؐل کا حصہ ساقط کر دیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 469)

بس قارئین! یہاں عنوان مکمل ہو گیا۔ اب یہ کون بتائے کہ صحابہ ثلاثہ کو اللہ و رسولؐ اور اقربائے رسوؐل کا حصہ ساقط کرنے یا بند کرنے کا اختیار کہاں سے ملا تھا؟ اور قرآن کے حکم کو کس حکم سے منسوخ کیا تھا؟ اس کے باوجود ہمیں کہا جاتا ہے کہ تم خلفائے ثلاثہ کی حکومت کو اللہ و رسوؐل کی حکومت سمجھو اور حق چار یار کا نعرہ مارا کرو۔

(iii) امام شافعی میں خلفائے ثلاثہ پر تنقید کرنے کی جرأت قابل دید ہے

شاید قارئین کو یہ معلوم نہ ہو کہ جناب امام شافعی حضرت عبدالمطلب کے خاندان سے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ کبھی کبھی وہ جمہوری طرزِ فکر کی پیروی سے سرکشی کرتے ہوئے پائے جاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے امام شافعی کی ایک بحث کو ذرا ہاتھ کی صفائی کے ساتھ لکھا ہے۔ امام شافعی اپنے مخاطب سے کہتے ہیں کہ:

''تمہیں معلوم ہے کہ ابوبکر نے آزاد و غلام اور تمام مسلمانوں پر برابر کے حصوں میں تقسیم جاری رکھی تھی؟ اس نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ شافعی نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ عمر نے غلام کا کوئی حصہ نہ رکھا اور باقی مسلمانوں میں بعض کو بعض سے زیادہ دینا شروع کیا تھا۔ اس نے اقرار کیا۔ شافعی نے کہا کہ علیؑ نے سب کو پھر برابر بانٹنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے مان لیا۔ پھر کہا کہ علیؑ نے دونوں کے خلاف اعمال کئے۔ اُس نے کہا کہ ہاں کئے۔ شافعی نے کہا کہ عمر نے ام الولد کی فروخت بند کی تھی اور علیؑ نے اس کے خلاف کیا تھا۔ اس نے یہ بھی مان لیا۔ گفتگو کرتے کرتے آخر امام شافعی نے کہا کہ تم قدیم زمانہ اور جدید زمانہ کے اہل علم کا یہ طریقہ جانتے ہو کہ جب کوئی شے منصوص ہوتی ہے کتاب اللہ میں اور رسولؐ اللہ کی زبان یا آپ کے عمل سے واضح شدہ بھی ہو گیا وہ سوالات اور اعتراضات سے مستثنیٰ نہیں؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے اہل علم پر کتاب اللہ اور رسول کا اتباع فرض کیا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں جانتا ہوں۔ شافعی نے کہا کہ تم کتاب اللہ کی دو آیتوں میں پاتے ہو کہ ذوی القربیٰ کے حصے فرض کئے گئے ہیں؟ اور خوب واضح شدہ ہیں (انفال 8/41، حشر 59/7)۔ رسولؐ اللہ کی زبان اور آپ کے فعل سے۔ اور تمہیں زُھری اور ابن المسیب اور جبیر بن مطعم خبر دیتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نے رسولؐ اللہ اور ذوی القربیٰ کا حق و حصہ ساقط کر دیا اور غیروں کو دینا شروع کر دیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 475-472)

قارئین بآواز بلند اعلان کریں کہ:۔

اللہ، رسوؐل اور قرآن کے مقابلہ میں حضرت عمر زیادہ بزرگ تھے؟؟

مسئلہ نمبر 15۔ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا دیوار سے رگڑنا

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ اگر ہم حضرت عمر کے جاری کردہ قوانین اور شریعت اسلامی میں ترمیم و تنسیخ کو مندرجہ بالا طریقہ سے جاری رکھیں تو کم ازکم سو صفحات مزید درکار ہوں گے۔ التماس ہے کہ اس کو کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھا جائے اور اب چندوہ تبدیلیاں سامنے لائیں جو نماز و روزہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے طہارت کے سلسلے میں بات کریں گے۔ چونکہ حضرت عمر بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر بیٹھ کر پیشاب نہ کرتے تھے۔ اس لئے حاشیہ نشینانِ دربارِ خلافت پر لازم ہوگیا کہ وہ ایسی روایات اُمت میں پھیلائیں جن سے حضرت عمر کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا رسولؐ کی سُنت بن جائے۔ اس کا توڑ کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

قَالَتْ مَنْ حد ثکم اِنَّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کَانَ یَبُوْلُ قَائِمًا فلا تَصدَّ قُوْہ مَاکان یبول الا قَاعِدًا۔

''اگر تم سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے کہ رسولؐ اللہ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرنا یعنی اُسے کاذب سمجھنا اس لئے کہ رسولؐ اللہ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم مع شرح نووی جلد اوّل صفحہ 133 نور محمد)

(i) حضرت عمر کا حال: مندرجہ بالا بیان کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

(1) اِنَّہُ بَالَ قائمًا لکونھا حالۃ یومن فیھا خروج حدث۔ (2) لِذٰلک قال عمرؓ البول قائمًا احصن لِلدُّ بر۔

1 ''یقیناً اُنہوں نے کھڑے کھڑے پیشاب کیا اس وجہ سے کہ اِس حالت میں پاد نکلنے سے حفاظت رہتی ہے۔

2 : وہی وجہ مدنظر تھی جو حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا چوتڑوں کی بندش ٹھیک رکھتا ہے۔''

(ii) حضرت عمر اور ساتھی: ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ: فَثَبَّتَ عَنْ عمر رضی اللّٰہ عنہ وزید بن ثابت وابن عمر وسھل بن سعد انھم بَالُوا قَائِمًا۔ ''یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت عمر اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر اور سہل بن سعد وغیرھم کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 133)

اور یہ بھی اسی جگہ ہے کہ ابراہیم بن سعد کھڑے کھڑے پیشاب کرنے والوں کی شہادت قبول نہ کرتے تھے۔ اور یہیں پر بقول حضرت عائشہ بہت سی جھوٹی باتیں لکھی ہیں کہ کسی طرح اس فعل کی شرمناکی کم ہوجائے۔ یہ بھی مان لیا ہے کہ اُس زمانہ میں سارا عرب اسی پر عمل کرتا تھا۔

(iii) شاہ ولی اللہ کا ارشاد سنئے: ''بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے حضرت عمر سے اور یہ مشہور حدیثوں میں سے ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑا ہوکر پیشاب کر رہا ہوں تو فرمایا کہ اے عمرؓ کھڑا ہوکر پیشاب نہ کر۔'' (ازالۃ الخفا جلد 3 صفحہ 316 مترجم نور محمد)۔ اس ممانعت کی حیثیت چونکہ اُن مصلحتوں کے خلاف تھی جو اوپر لکھی گئیں اور یہ رسولؐ

اللہ کی ذاتی بصیرت کی ممانعت تھی لہٰذا درخورِ اعتنا نہ ہوئی۔

(iv) دیوار سے رگڑ کر استنجا کرنا: شاہ ولی اللہ صاحب ابوبکر یسار بن نمیر کی روایت لکھتے ہیں کہ عمرؓ جب پیشاب کرتے تو اپنے ذَکر کو دیوار یا پتھر سے صاف کرتے اس حال میں کہ اُس کو پانی نہ لگا تھا۔شاہ جی صورتِ حال کی مرمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میں کہتا ہوں کہ اہل سنت نے ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اجماع کرلیا ہے۔ ورنہ اس کے جواز میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔اور ڈھیلے، پتھر اور دیوار سے رگڑ کر استنجا کرنا صرف حضرت عمر کا اپنا ذاتی مذہب ہے۔ دیوار سے استنجا کرنا معلوم ہوا تو علما نے دیوار پر قیاس کر کے ڈھیلے سے مطابقت کرلی ہے۔(ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 316)

مسئلہ نمبر 16۔ پاؤں پر مسح کرلو تو وضو باطل؛ موزوں (جوتوں) پر مسح کرلو تو وضو صحیح

قرآن کریم میں مُنہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کا حکم موجود ہے۔اور سر پر اور پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔اور پانی نہ ملنے یا بیماری وغیرہ کی حالت میں جن اعضاء کو دھونا تھا۔ان پر مسح کرنے کا حکم ہے۔اور جن پر مسح کا حکم تھا۔ان کو نظر انداز کردیا گیا۔

.....فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔.....

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ۔(سورہ مائدہ 5/6)

لیکن حکومت کے تنخواہ دار وظیفہ خوار علما اور گورنروں نے حضرت عمر کے عملدرآمد کو نافذ کرنے کے لئے جہاں ہزاروں روایات گھڑ کر سرکاری ریکارڈ میں رکھیں وہیں قرآن کے الفاظ و آیات کے قدیم اور معروف و مشہور معنی کو بھی بدل دیا۔مندرجہ بالا آیت کا جب سب سے پہلے اُردو ترجمہ جناب شاہ عبدالقادر نے اپنے اُردو ترجمہ میں لکھا تھا۔ تو وہاں ترجمہ میں پیروں کو دھونا نہیں بلکہ ملنا لکھا تھا۔اور آج تک وہ ایڈیشن موجود ہے۔مگر پاکستان بن جانے کے بعد سرکاری ذہنیت کے علما کے دباؤ سے تاج کمپنی نے پہلے بریکٹ میں دھونا لکھا۔اور چند سال بعد تکلف برطرف کُھل کر بلا بریکٹ دھونا لکھ دیا۔یعنی نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک قرآن کو مار مار کے حضرت عمر کا کلمہ اور نماز پڑھانے کا سلسلہ جاری ہے۔ بتایئے قرآن میں معنوی تحریف کرنے والے گروہ کے علما پر کیسے یہ اعتبار کیا جائے کہ اپنی گھریلو کتابوں میں غلط روایات کی بھر مار نہ کریں گے۔لیکن اس کثرت، غلبہ و اقتدار حکومت کے باوجود محافظین اسلام کا انتظام اتنا خاموش اور مستحکم تھا کہ باطل کی تمام قوتیں حق کو نہ مٹا سکیں۔خود خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم کی اولاد و ازواج حق کی تائید میں کھڑے ہوگئے۔اور رازہائے درونِ پردہ منکشف ہوگئے۔ ذرا ایک بات سنئے:

''سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر میں موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا۔سعد نے کہا کہ میں موزوں پر مسح کرتا ہوں۔عبداللہ بن عمر نے کہا کہ مجھے موزوں پر مسح کرنا پسند نہیں ہے۔پھر دونوں عمر بن الخطاب کے پاس فیصلے کے لئے حاضر ہوئے۔اور اپنا اپنا عمل پیش کیا تو عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر سے کہا

کہ تیرے چچا سعد بن وقاص تجھ سے زیادہ فہمیدہ اور سمجھدار ہیں۔" (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 316)

قارئین غور فرمائیں کہ حضرت عمر بیٹے کو نہ کسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں نہ حدیث رسولؐ سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ بزرگی کے ذریعہ اپیل کرتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بیٹے تم اسلام و استدلال کے چکر میں ہو۔ تمہارے چچا تم سے زیادہ اُن مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہیں جن کی وجہ سے میں نے اسلامی و قرآنی شریعت کو قومی و ملکی مصالح پر ڈھالنا شروع کیا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے حلقہ فکر میں یہ عقیدت پیدا کردی تھی کہ لوگ اُن کے فیصلوں کے لئے یہ سوچنے لگے تھے کہ فلاں فیصلے کے لئے اگر ہمیں قرآن اور حدیث میں ثبوت نہیں ملتا تو نہ ملے۔ حضرت عمر نے ضرور کسی نہ کسی آیت یا حدیث یا عمل رسولؐ کے مطابق فیصلہ کیا ہوگا۔ چنانچہ اس عقیدت اور طرز فکر کا ثبوت اسی مسح کی بحث میں موجود ہے۔ علامہ بیہقی کو جب کسی طرح وہ دلیل معلوم نہ ہوسکی جس کے ماتحت موزوں پر مسح کی لامحدود مدت مقرر کردی تھی تو اُنہوں نے لکھا کہ:

"میں خیال کرتا ہوں کہ عمر کے پاس جب توقیت (وقت مقرر کرنے) کے بارے میں کوئی مضبوط وجہ آ گئی تو اُنہوں نے اُس کی طرف رجوع کرلیا۔" (ایضاً صفحہ 317) چھٹی ہوگئی۔

اب بتائیے کہ جب ایسے عقیدت مند لوگ موجود ہوں تو حق و باطل کی تمیز کا خیال کیسے، کِسے اور کیوں آئے گا؟ چنانچہ حضرت عمر کا ہر خیال اور ہر بات اسلامی شریعت کا قانون بنتا گیا۔ اور تمام لوگ صُبیغ کی طرح خاموش رہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ شرمناک؛ جہالت مآب جنسی مسئلہ

جہاں کوئی بھی اسلامی بحث ہوتی ہے، کوئی صحیح فیصلہ مطلوب ہوتا ہے تو قارئین نے بار بار دیکھا ہوگا کہ ایسے مواقع پر علما صحابہ کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اور عوام کے قلب و ذہن پر صحابہ صحابہ کا نعرہ اس طرح مسلط کر دیا ہے کہ اچھے خاصے دانش مند لوگ تحقیق و تفتیش کے تمام ہتھیار زمین پر رکھ کر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ:

"فلاں مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہوگیا ہے۔ فلاں بات صحابہ کے مشورہ سے یوں طے پا گئی ہے۔"

تو لاعلم مسلمان چپ چاپ مانتے چلے آرہے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ ڈنڈے کے زور سے یہ فیصلہ اُمت پر ٹھونس دیا گیا ہے کہ "صحابہ تنقید سے بالا ارفع و اعلیٰ ہستیاں ہیں۔" حالانکہ قرآن کریم موجود ہے، یہ سرکاری تاریخ موجود ہے، یہ عقل انسانی موجود ہے یہ فیصلہ بھی موجود ہے کہ صحابہ خاطی تھے معصوم نہ تھے۔ مگر لفظ صحابہ کا رعب و داب علمائے شیعہ و علمائے اہلسنت برابر جمائے چلے آرہے ہیں۔ ہم اور تمام اہل عقل و باضمیر لوگ کسی ہستی کو تنقید و تبصرے سے بالا ارفع و اعلیٰ نہیں سمجھتے۔ بہر حال شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان دو صفحات (317-319) پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کو پڑھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ حضرت علیؑ و معاذ اور حضرت عائشہ کے علاوہ مع جناب عمر تمام صحابہ و صحابیات و ازواج رسولؐ یہ نہیں جانتے کہ اگر کسی وجہ سے شوہر و زوجہ اپنے جنسی تعلق کے دوران بلا

فراغت الگ الگ ہو جائیں تو اب اس صورت میں اُن پر غسل جنابت واجب ہوگا یا نہیں؟ اس لاعلمی پر عہد رسولؐ گزرا۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے دو اڑھائی سال گزرے خود حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ گزر رہا ہے کہ اب آ کر یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوا کہ آیا بلا انزال غسل واجب تھا یا نہیں؟ قارئین ذرا حساب لگائیں اور ہمیں بتائیں کہ اس مدت دراز میں یہ حضرات کتنی دفعہ ایسے حالات سے دو چار ہوئے ہوں گے؟ اور اُن میں سے کتنے لوگ برابر پاک رہے ہوں گے؟ اور پھر اُن میں کتنے آدمیوں کی وضو، غسل اور نماز صحیح ہوئی ہوگی؟ یعنی ایک اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ والی مثال بالکل صادق آ رہی ہے۔

آخر سوال اٹھا۔ حضرت علیؑ و معاذ کی بات کوئی نہیں سنتا اس لئے کہ اس بات پر اجماع ہے۔ اُن پاکیزہ خصال لوگوں کا اجماع ہے کہ غسل جنابت واجب نہیں ہے۔ مگر اللہ بھلا کرے حضرت عمر کا کہ آج انہیں یہ خیال آ گیا کہ تمام مقدس صحابہ کو جمع کریں اور تحقیق حال کریں۔ صرف دو صحابی مخالف ہیں کثرت ایک طرف ہے۔ اور سینہ ٹھونک کر کہا جا رہا ہے کہ ہم عہد رسولؐ میں بھی غسل جنابت نہ کیا کرتے تھے۔ ''اللہ کی طرف سے یعنی قرآن میں کوئی حکم نہیں آیا۔ رسولؐ اللہ نے کوئی ممانعت نہیں کی۔''

یہ سُن کر حضرت عمر نے دریافت کیا کہ:۔ کیا رسولؐ اللہ اس کو جانتے بھی تھے؟ یعنی کیا آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ آپ حضرات غسل جنابت کے بغیر ماشاءاللہ نمازیں روزے اور حج و دیگر عبادات بجا لا رہے ہو؟

قارئین شکر بجالائیں۔ اگر کہیں یہ کہہ دیا ہوتا کہ جی ہاں میں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ کوئی حرج نہیں (لا باس بہ) تو غضب ہو جاتا۔ اور تا قیامت یہ پوری اُمت ناپاک رہتی۔ جس طرح ہزاروں اہم مسائل کا انکار، اجماعی انکار کر کے امت کو خسارہ میں رکھا ہے۔ اُسی طرح یہ ناپاک مصیبت اُس پر مستزاد ہو جاتی۔ جب حضرت علیؑ کی بات بھی نہ مانی گئی تو اُنہوں نے حضرت عمر کو (بقول ولی اللہ اینڈ کمپنی) یہ مشورہ دیا کہ آنحضرتؐ کی ازواج سے دریافت کر لیا جائے۔ ذرا سوچئے کہ وہ کونسی زبان ہوگی؟ اور وہ کون سا دل ہوگا؟ جس نے حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ سے یہ شرمناک اور گھریلو مجبوری کی بات معلوم کی ہوگی؟ بہرحال اب حضرت علیؑ کی بات پر فیصلہ ہو گیا اور حکم صادر ہوا کہ:

''میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں لایا جائے گا۔ جس نے ایسا کیا ہو مگر میں اس کو سخت سزا دوں گا۔''

یہ ہے صحابہ کا وہ مقدس گروہ جس کے اجماع اور شوریٰ کی دُہائی دی جاتی ہے۔ اس کتاب سے فارغ ہو کر ہم انشاءاللہ والامام علیہ السلام ''صحابہ رسولؐ کا علمی مقام'' نام کی کتاب لکھ دیں گے تا کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں شیعہ سنی ریکارڈ سے صحیح پوزیشن سامنے آ جائے۔

مسئلہ نمبر 18۔ غسلِ جنابت کی جگہ تیمّم کرنے کی ممانعت خواہ ایک ماہ پانی نہ ملے

شاہ ولی اللہ صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ:

"جنبی (جنابت کی حالت والا شخص) تیمّم نہ کرے گا اگر چہ مہینہ بھر تک پانی نہ پائے۔" (مسلسل لکھتے ہیں کہ) اور روایت کیا گیا ہے۔ چند وجوہ سے کہ عمارؓ نے عمر کے سامنے خاک میں لوٹنے کا قصہ ذکر کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ تیرے لئے کافی تھا کہ ایسا کر لیتا تو عمار کے قول پر عمر مطمئن نہ ہوئے۔" (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 322-321)

قارئین سوچیں کہ جب حضرت عمر نے یہ اعلان کیا تھا تو عمار کے علاوہ کسی اور صحابی نے حضرت عمر کو کیوں نہ ٹوکا؟ اور اب حضرت عمر نے کیوں تمام صحابہ کو جمع کر کے اجماعی حکم نہ دیا؟ اور کیوں ازواج رسولؐ سے معلوم نہ کیا؟

یہ حکم آخر ایک سو سال کے بعد رد کر دیا گیا: شاہ صاحب گھبرا کر فرماتے ہیں کہ:

"میں کہتا ہوں کہ چاروں فقہا (ابو حنیفہ، مالک امام شافعی اور احمد حنبل) نے عمر کے قول کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اُنہوں نے اُس کو اُس روایت کے خلاف پایا جو مسند عمران بن حصین و ابوذر و عمرو بن العاص وغیرھم سے رسولؐ اللہ کا جنبی کو تیمّم کا حکم دینا جب کہ وہ پانی نہ پائے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔" (ایضاً صفحہ 322)

یہاں یہ سوچنا غلط ہے کہ نہ معلوم ایسے کتنے فاروقی احکام ہوں گے جن کے خلاف تنخواہ خور علما کو احادیث نہ ملی ہوں گی۔ یا حدیث تو ملی ہوں گی مگر راوی اُن کے اپنے مکتب فکر کا نہ ہوگا۔ یا یہ کہ پاسِ مذہب اور تعصب کی بنا پر احادیث کی تاویل کر کے منشائے رسوؐل کا رخ گھما دیا ہوگا۔ بہرحال جناب شاہ صاحب چاروں فقہا کو اور تمام اہلسنت کو غلط کار ثابت کرنے کے لئے ذرا سا عقیدت مندی اور علم غیب کا سہارا لیتے ہیں سنئے:

"عمر رضی اللہ عنہ کی شان اس سے بلند ہے کہ اُن پر یہ حدیث مخفی رہی ہو اور اللہ سے آپکا تقویٰ اس سے بلند تھا کہ آپکو یہ حدیث پہنچے اور آپ اسکے قائل نہ ہوں۔ مگر کوئی ایسی معنی ہیں جن کو اُنہوں نے نبیؐ سے سمجھا تھا۔" (ایضاً صفحہ 322)

یہ ہے عقیدت وتعصبِ مذہبی کی وہ پٹی جو ہر سانس پر اپنی گرفت بڑھاتی چلی جایا کرتی ہے۔ قارئین غور کریں کہ کیا شاہ صاحب کا منشا یہی نہیں ہے؟ جو ہم چند جملوں میں پیش کرتے ہیں کہ:

1: حضرت عمر کو وہ حدیث معلوم تھی جس کی وجہ سے چاروں فقہاء نے فاروقی حکم کو باطل کہہ کر ترک کر دیا۔

2: حضرت عمر نے جو حکم دیا تھا وہ مذکورہ حدیث کی رُو سے صحیح تھا۔ حدیث کے خلاف نہ تھا۔ لہٰذا وہ چاروں فقہا اور اُن کی اتباع کرنے والے نہ صرف حضرت عمر کے مخالف قرار پاتے ہیں بلکہ وہ تو خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔

اور یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت شاہ ولی اللہ تمام فقہائے اہلسنت کے مذہب سے خارج اور

اُن کے دشمن ہیں۔اور جو باتیں بارہ سو ساٹھ سال میں کسی سرکاری یا غیر سرکاری عالم کو نہ سوجھی وہ شاہ صاحب کی کھوپڑی میں کہاں سے آ گئیں؟ بہرحال ہم رُخ موڑنا نہیں چاہتے۔چاہتے یہ تھے کہ ٹیڑھی ذہنیت ذرا کھل کر سامنے آ جائے۔شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وہ حدیث ضرور حضرت عمر کو معلوم تھی۔علمی حیثیت سے ہمیں منظور نہیں۔اس لئے کہ حضرت عمر نے بقلم خود فرمایا ہے کہ:۔

''مدینہ کی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ قرآن جانتی ہیں۔''

حضرت ابوبکر نے آیت پڑھی تو تلوار گھمانا بند کر دی اور رسولؐ اللہ کے انتقال کے انکار سے رجوع کر لیا اور کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے۔'' ہم صرف صحیح بخاری سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت عمر کو قرآن و حدیث کے متعلق ابوھریرہ اور حذیفہ بن الیمان، عمار یاسر وغیرھم سے بہت کم معلومات تھیں۔البتہ قوانین روما اور اجتہاد یہود و نصاریٰ میں اُن کو دستگاہ کمال حاصل تھی۔اور وہ اُن ہی دونوں کے ماتحت شریعت اسلام کو تبدیل کر رہے تھے۔اس لئے ہمیں یہ مانتے ہوئے مسرت ہے کہ حضرت عمر جان بوجھ کر حدیث مذکور کے خلاف احکام جاری کر رہے تھے۔رہ گیا شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت عمر نے آنحضرؐت سے کوئی خاص معنی سمجھ لئے ہوں گے۔وہم و گمان سے زیادہ کوئی علمی و عقلی حیثیت نہیں رکھتا۔یہ ایک ایسی بچگانہ بات ہے جو خود اُن کی شان کے خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ نمازِ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھنا بند کر دیا

شاہ صاحب نے حضرت عمر کے مختلف فرامین (حکم ناموں) کا ذکر کیا ہے جو حضرت عمر نے مختلف گورنروں اور انچارج افسروں کے نام لکھے اور اُن میں نہایت تاکید و تعین اور وضاحت سے ہر نماز کے اوقات کو اس طرح باندھ کر رکھ دیا ہے کہ گھر بیٹھے وظیفہ اور تنخواہ اور راشن ملتے رہنے والوں کے علاوہ کوئی شخص بلا حرام کھائے اُن پر عمل ہی نہ کر سکے۔آپ دیکھتے ہیں کہ ظہر و عصر دونوں وقتوں کی نماز کے دوران محنت کش اور مزدور ملازم طبقہ دوسروں کے قابو میں ہوتا ہے۔اور اس کی ملازمت یا مزدوری کی اجرت میں یہ دونوں اوقات شامل ہوتے ہیں۔اگر وہ کام چھوڑ دے تو مالک کا نقصان ہوتا ہے۔اور ضد کرے تو اُس اجرت پر اثر پڑتا ہے۔چوری سے پڑھے تو فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔اور نزدیک ترین مسجد تک دو مرتبہ جانا آنا بھی دشوار ہوتا ہے۔حالانکہ اللہ و رسولؐ نے نماز کے جو اوقات اور طریقہ مقرر فرمایا تھا وہ نہ صرف قطعاً فطری اور سہل تھا بلکہ تمام حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا اور تمام علما کو معلوم ہے۔مگر چونکہ حضرت عمر نے قانوناً جمع بین الصلاتین کو ناجائز یعنی شرعی الفاظ میں حرام قرار دے دیا۔لہٰذا حکومت کی مشینری روایت سازی اور تاویل و تشریح میں مصروف ہو گئی۔تاکہ حضرت عمر کے حق میں رائے عامہ کو تبدیل کرے۔تنخواہ اور دیگر وسائل اور اثر و رسوخ اور ڈنڈا سب نے اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔لیکن اس تمام کوشش و جبر و تشدد و لالچ و خوف کے باوجود حق ظاہر ہو کر رہا کہ اِدھر شیعان محمدؐ و آل محمدؐ نے ہمیشہ جمع بین الصلاتین کو جاری رکھا اور عوام کو دکھایا۔اُدھر اہلسنت

ریکارڈ میں تمام حقائق کو جمع کرنے والے علما پیدا ہو گئے۔ چنانچہ بخاری ایسے مخالف شخص کو لکھنا پڑا کہ:

جابر بن زید عن ابن عباس اَنَّ النبیؐ بالمدینہ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا الظہر و العصر و المغرب و العشاء فقال اَیُّوب لَعَلَّهُ فی لیلة مُطِیرة؟ قَال عسٰی ۔(بخاری جلداوّل۔کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب تاخیر الظہر الی العصر)

''جابر بن زید نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے مدینہ میں ظہر وعصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب وعشاء کی سات رکعتیں ساتھ ساتھ ملا کر پڑھیں۔اس پر ایوب نے جابر سے کہا کہ شاید یہ بارش والی رات میں ہوا ہوگا؟ جابر نے کہا کہ شاید؟'' (مترجم بخاری جلداوّل محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی جلداوّل صفحہ 268-267)

قارئین سوچیں کہ عبداللہ ابن عباس نے واقعہ بیان کردیا۔جابر نے اُن سے کچھ نہیں پوچھا اس لئے کہ کوئی شک نہ تھا۔مگر ایوب جابر سے سوال کرتا ہے۔اور جابر شاید کہہ کر جواب دیتا ہے۔چونکہ جابر کو خود معلوم نہ تھا۔لہٰذا جابر کا جواب بے اثر رہ گیا ایوب کا سوال وہ مجرمانہ ذہنیت کا پتہ دیتا ہے۔کوئی اس سے پوچھے کہ عقل مند آدمی ظہر عصر کے وقت کا رات سے یا بارش والی رات سے کیا تعلق ہے؟ اور ملاحظہ ہو۔

عَن ابن عباس قال جمع رسولؐ اللّٰہ بین الظهر و العصر و المغرب و العشاء بالمد ینة من غیر خوفٍ و لا مطرٍ ۔فقیل لابن عباس ما اراد الٰی ذلک؟ قال اراد ان لا یحرج امته۔(مسند ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جمع بین الصلوٰتین)

پھر ابن عباس راوی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے مدینہ میں نماز ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو ملا کر پڑھا۔جب کہ نہ کوئی خوف کا موقعہ تھا نہ بارش تھی۔اس بیان پر عبداللہ ابن عباس سے کہا گیا کہ ایسا کرنے سے رسولؐ اللہ کا کیا ارادہ تھا؟ جواب دیا کہ امت کو دقت پیش نہ آئے۔

قارئین دیکھیں سوال یہاں بھی ہوا ہے۔وجہ وہی تھی کہ حضرت عمر کے راج میں صورت حال ہی بدل کر رکھ دی گئی تھی۔اور لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ حضرت عمر کے احکام وقوانین ہی حقیقی اسلام ہے۔اور پھر چونکہ ہر زمانہ میں وہ لوگ حاکم وخلیفہ رہتے رہے جو حضرت عمر اور اُن کے مذہب سے اندھی محبت رکھتے تھے۔اس لئے صحیح احادیث کی موجودگی میں اپنے ذاتی تصورات سے ہر حدیث کے متعلق دو ایک الفاظ کہہ کر اُس کا انکار کرتے رہے۔یہی حال شیعوں کے مجتہدین نے تیسری صدی کے اواخر سے اختیار کرلیا تھا۔چنانچہ ہم یہاں وہ طرز فکر اور طرز استدلال دکھا کر یہ جھگڑا چکائے دیتے ہیں۔آیئے ذرا صحیح مسلم (مع شرح نووی نور محمد والی؛ کتاب الصلوٰۃ باب جواز جمع بین الصلوتین (صفحہ 246)) ملاحظہ فرمائیں۔

(i) پہلی حدیث: حد ثنا یحیٰی بن یحیٰی قال قرأت علٰی مالک عن ابی الزبیر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال صَلَّی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الظّهر و العصر جمیعًا و المغرب و العشاء جمیعًا فی غیر خوفٍ وَّلا سفرٍ۔

ابن عباس نے بتایا کہ رسولؐ اللہ نے نماز ظہر وعصر کو ملا کر اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا بلا کسی خوف وحالت سفر میں۔"

(ii) مسلسل دوسری حدیث: اس میں راویوں کے سلسلہ میں نئے نام بھی ہیں مضمون وہی ہے۔ البتہ الفاظ بالمدینة فی غیر خوف ولا سفر (مدینہ میں بلا کسی خوف اور حالت سفر کے) کا اضافہ ہے۔ اور ایک راوی سعید سے راوی ابوزبیر دریافت کرتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے نمازوں کو ملا کر کیوں پڑھا تھا؟ تو سعید نے جواب دیا کہ میں نے ابن عباس سے یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا تھا کہ رسولؐ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اُن کی اُمت میں سے کسی آدمی کو دقت نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد چار احادیث سفر اور غزوہ تبوک میں نمازوں کو ملا کر پڑھنے کے متعلق لکھی ہیں۔ پھر پہلی حدیث کا مضمون دوبارہ مختلف راویوں کے سلسلے سے لکھا ہے۔

(iii) تیسری حدیث: اور اس میں بھی ابن عباس سے وہی سوال ہوا کہ ملا کر کیوں پڑھا تھا؟ اور وہی جواب ہے۔ پھر نئے الفاظ میں یہ حدیث لکھی ہے کہ: عن ابن عباس قال صَلَّیۡتُ مع النبیؐ ثمانیًا جمیعا و سبعًا جمیعًا۔ قلت یا ابا الشعشآ اَظُنّهُ اَخَّرَ الظهر و عجلّ العصر و اخر المغرب و عجل العشاء قَال و انا الظنّ ذلک۔

ابن عباس نے کہا کہ میں نے نبیؐ کے ساتھ آٹھ رکعتیں ملا کر اور سات رکعتیں ملا کر نماز پڑھی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اے شعشا کے اَبا میرا ظن (خیال) یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے ظہر کی نماز کو تاخیر سے اور عصر کی نماز کو جلدی سے پڑھا ہوگا اور اسی طرح مغرب کو لیٹ کر دیا ہوگا اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا ہوگا؟ اُس نے جواب دیا کہ میرا خیال بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔"

دل میں مطلب یہ تھا کہ اس کو ملانا کیوں کہیں؟ یہ تمام سوالات اس لئے گھسائے اور لکھے جارہے ہیں کہ دل قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے احادیث پر خیال وقیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔

(iv) چوتھی حدیث: سابقہ مضمون کو دہراتی ہے۔ اس پر کوئی سوال وجواب نہیں ہے۔

(v) پانچویں حدیث: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابن عباس نے ایک روز عصر کے بعد خطبہ دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا اور تارے نکل آئے۔ لوگوں نے نماز پڑھاؤ۔ نماز کا وقت ہوگیا۔ کا شور کرنا شروع کر دیا۔ (اس لئے کہ وہ الگ الگ اور جلدی پڑھنے کے عادی تھے) یہاں تک کہ بنی تمیم کے قبیلے کا ایک شخص آگیا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی رٹ لگادی۔ اس پر عبداللہ ابن عباس نے کہا کے اے بے ماں کی اولاد کیا تو مجھے سنت رسوؐل کی تعلیم دینے کی جرأت کر رہا ہے۔ اور کہا کہ (سُن) میں نے رسولؐ اللہ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے نماز ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھا اور مغرب وعشاء کو بھی ایک ساتھ پڑھا ہے۔ اس پر عبداللہ بن شقیق نے کہا کہ یہ بات ذرا میرے دل میں جچی نہ تھی اس لئے میں ابوھریرہ کے پاس آیا۔ اور اُن سے یہی سوال کیا تو اُنہوں نے بھی تصدیق کر دی۔"

(vi) چھٹی حدیث: آخری حدیث مع اسناد نوٹ فرمالیں:

حدثنا ابی عمر قال حدثنا وکیع قال حدثنا عمران بن حُدَیر عن عبداللّٰہ بن شقیق الْعُقَیْلِیُ قال قال رجل لا بن عباس الصلوٰۃ فسکت ثُمَّ قال الصلوٰۃ فسکت ثم قَالَ الصلوٰۃ فسکت ثمَّ قال لَا اُمَّ لک اَتُعَلِّمنا بِالصَّلوٰۃ۔ کُنَّا نجمع بین الصلوٰتین عَلٰی عَھد رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم۔(ایضاً صفحہ 246-245)

''ایک شخص نے ابن عباس کو یاد دلایا اور نماز کہا۔ انہوں نے توجہ نہ کی خاموش رہے۔ پھر الصلوٰۃ کہا پھر چپ رہے۔ پھر الصلوٰۃ کا نعرہ مارا تو عبداللہ بن عباس نے کہا کہ او بے ماں کی اولاد کیا تو ہمیں نماز سکھانے چلا ہے؟ ارے ہم رسول ؐ اللہ کے عہد میں دو دو نمازیں ملا کر پڑھتے رہے ہیں۔''

قارئین نوٹ فرمائیں کہ علامہ محمد اسماعیل بخاری نے صرف ایک حدیث اپنی صحیح بخاری میں لکھی اور بیسیوں الا بلا کی بھرتی بھردی۔ امام مسلم نے چھ حدیثیں لکھدیں۔ یعنی جُوں جوں اہل قلم کو آزادی ملتی گئی وہ حق کا اظہار زیادہ کھل کر کرتے گئے۔ امام مالک نے موطا کو بالکل خالی چھوڑ دیا۔ اُس سے پہلے یہ کام جرم تھا۔

ان احادیث پر علامہ نووی کی شرح دیکھنے کے قابل ہے۔ وہاں آپ بڑی تفصیل سے دیکھیں گے کہ سرکاری وظیفہ خور لوگ کیسی کیسی احمقانہ باتیں کر کے ان احادیث سے بچ نکلنے کی راہ نکالتے ہیں۔

(vii) <u>علامہ نووی اور منکرین حدیث:</u> علامہ نووی نے (حاشیہ صفحہ 246) لکھا ہے کہ: ھٰذِہِ الرِّوَایَات الثَّابِتَۃِ کما تراھا۔ وللعلماء فیھا تاویلات و مذاھب۔'' ''جیسا کہ آپ نے دیکھا یہ روایات جمع بین الصلاتین کو ثابت کرتی ہیں۔ مگر علما نے روایات کو جوں کا توں نہ ماننے کے لئے تاویلات اور فرار کی راہیں (مذاہب) نکالی ہیں۔''

<u>1</u>: کسی نے کہا کہ ان احادیث کا انکار تو نہیں کیا گیا مگر بہانے بنائے گئے۔ مثلاً یہ سب معذوری کی حالت کے لئے ہیں۔
<u>2</u>: کسی نے کہا کہ بادل چھائے ہوئے ہوں گے وقت کا پتہ نہ چلا ہوگا۔ <u>3</u>: علامہ نووی نے ان سب کو غلط قرار دیا جو بہانے کرتے ہیں۔ <u>4</u>: الغرض علامہ نووی نے ان سب باتوں کو بکواس قرار دیا ہے۔ اور ثابت ہے کہ بلا کسی عذر کے نمازوں کو جمع کرنا رسول ؐ اللہ کی سنت ہے۔

قارئین یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ ہم گزشتہ و آئندہ آنے والے ہر مسئلہ پر اسی طرح اہل سنت ریکارڈ سے احادیث کا ڈھیر لگا سکتے ہیں لیکن طوالت کا خوف مانع ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ کتاب عوام کے ہاتھوں تک کب اور کس طرح پہنچے گی۔ اس لئے کہ ہم خود بھی غریب ہیں اور ہماری قوم بھی غریب ہے۔ رہ گئے سرمایہ دار لوگ ہم ان سے مدد نہیں مانگتے۔

(viii) <u>حضرت عمر نے آنحضرتؐ کے طریقہ کو جبراً بند کر دیا تھا:</u> قارئین کرام اب وہ حکم نامہ بھی دیکھ لیں جس کی اطاعت کی گئی اور برابر کی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ اہلسنت عوام کو یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول ؐ اللہ نے کبھی ظہر و عصر و مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھایا

اس کی اجازت تھی۔ وہ تو یہ سمجھتے ہیں اور انہیں یہی بتایا گیا ہے کہ شیعوں نے جہاں باقی دین بدل ڈالا ہے۔ وہاں نماز کے اوقات کی پابندی بھی چھوڑ دی ہے۔ لہٰذا اہلسنت عوام بھی دیکھیں کہ حضرت عمر نے کیا کِیا تھا۔ شبلی لکھتے ہیں:

''وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کے متعلق، جس کی تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔ تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطاء میں بعینہٖ اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابوموسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے۔'' (موطاء امام مالک صفحہ 129) (الفاروق حصہ دوم صفحہ 61)

یہ تھے حضرت عمر جنہوں نے رسولؐ اللہ کے عمل کو ناجائز کرنے کے لئے عالمی شہرت دی تھی۔ علامہ شبلی نے اپنے مجتہدین پر طنز کیا ہے کہ وہ بے چارے آج تک بھی یہ طے نہ کر سکے کہ نماز کے صحیح اوقات کیا اور کون سے ہیں۔ شبلی کو شاید ہی کسی نے بتایا ہو کہ تمہارے ممدوح نے قرآن اور حدیثِ رسولؐ پر خطِ تنسیخ کھینچ کر پکے وقت خود گھڑ دئے تھے۔ مجتہدین بے چارے حدیث رسوؐل میں الجھ کر رہ گئے وہ احادیث کو منسوخ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ورنہ وہ بھی حضرت عمر سے کچھ کم نہیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 20۔ عجمی شخص کی پیش نمازی قابل اعتبار نہیں تھی

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''شافعی سے مروی ہے کہ ایک عجمی شخص امامت کے لئے آگے بڑھا تو اُس کو مِسور بن مخرمہ نے پیچھے ہٹا دیا تو اُن سے عمرؓ نے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ وہ شخص عجمی زبان کا تھا تو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اُس کی قرأت کو بعض حج میں آنے والے سُنیں گے اور وہ اُس کے عجمی لہجے کو نہ لے لیں۔ تو عمرؓ نے کہا کہ تمہارا خیال اُس طرف گیا۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں تو عمر نے کہا تم نے اچھا کیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 327-326)

مسئلہ نمبر 21۔ اذان میں اضافہ کر دیا جو آج تک جاری ہے

(i) لوگو سُن لو کہ بندہ سو گیا تھا: ''عمر نے کہا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اذان دینا خلفاء کے لئے سنت بن جائے گی تو میں ضرور اذان دیا کرتا۔ شافعی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ صبح کی اذان دینے میں جلدی کیا کرو کہ آخر شب میں روانہ ہوتے ہیں سفر کرنے والے۔ ابوداؤد نے عمرؓ کے ایک موذن سے روایت کیا جس کو مسروح کہا جاتا تھا۔ اور اس نے صبح کا وقت ہونے سے پہلے ہی اذان دے دی تھی تو اس کو عمرؓ نے حکم دیا کہ؛ **فَاَمَرَہٗ عمر اَنْ یرجع فینادی اَلَآ اِنَّ الْعَبْدَ قَدْنَامَ۔**

واپس لوٹے اور اور ندا کرے کہ لوگو سُن لو کہ بندہ سو گیا تھا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 328 نور محمد)

اللہ کی شان ہے کہ حضرت عمر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اُن کے اقوال و اعمال سُنت کی حیثیت سے اختیار کر لئے جائیں گے اور ایسا ہی ہو کر رہا کہ اکثر سنتِ رسوؐل کو دنیا سے مٹا کر اپنی سنت کو سنتِ رسولؐ بنا کر جاری کر دیا۔ اور ہر جانشین خلیفہ نے اُن کی سنت پر عمل کیا اور جس نے انکار کیا اسے خلافت سے محروم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ عربوں کو شامت اعمال نے پکارا۔ دوسری بات یہ نوٹ کر لیں کہ حضرت عمر کے نزدیک اذان میں یہ جملہ کہا جا سکتا تھا کہ ''لوگو سُن لو کہ بندہ سو گیا تھا'' (اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نامه)۔

(ii) اذان میں دوسرا اضافہ'' اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ '' صبح کی اذان میں داخل: ''امام مالک نے روایت کیا ہے کہ عمر نے اپنے موذن کو تعلیم کیا کہ وہ یہ کہا کرے کہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد 3 صفحہ 328)

قارئین نوٹ کر لیں کہ اذان کا اضافہ حضرت عمر کے نزدیک جائز ہے۔ لہٰذا کم از کم فاروقی مذہب کے علما کو تو شیعوں کی اذان پر اعتراض نہ کرنا تھا۔

مسئلہ نمبر 22۔ قدیم اسلامی یادگاروں اور آثارِ رسوؐل کو مٹانا

''معرور بن سُوید سے روایت ہے کہ وہ عمر کے ساتھ حج سے واپس آرہے تھے کہ عمر نے لوگوں کو دیکھا کہ جھپٹے جا رہے ہیں تو فرمایا یہ کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک مسجد ہے جس میں رسولؐ اللہ نے نماز پڑھی تھی تو فرمایا کہ اسی طرح ھلاک ہوئے اہل کتاب کہ اُنہوں نے اپنے انبیاؑء کے آثار کو عبادت خانے بنا لیا تھا۔'' (ایضاً جلد 3 صفحہ 330)

یہاں قارئین کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ مسجد رسولؐ اللہ کی یادگار تھی اور لوگ وہاں رسولؐ اللہ کی نہیں بلکہ اللہ کی نماز پڑھنے جاتے تھے۔ اُنہوں نے خود کسی آثار کو عبادت خانہ نہ بنایا تھا۔ بلکہ وہ پہلے سے رسولؐ اللہ کا بنایا ہوا عبادت خانہ یعنی مسجد تھی۔ اس میں نماز پڑھنے والوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہ کہہ کر نماز سے روک دیا اور اس طرح امت کو شرک سے بچا لیا۔ بالکل اسی طرح انتقالِ رسولؐ پر اہل بیت رسوؐل کو اور صحابہ کو محمدؐ کی عبادت کرنے والے کہہ کر شرک سے بچایا تھا اور سنئیے:

بیعتِ رضوان کی یادگار قرآن میں مذکور شجر کی جڑ کاٹ دی: ''ابوبکر نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب کو یہ اطلاع پہنچی کہ لوگ اُس درخت کی زیارت کے لئے آتے ہیں جس کے نیچے رسولؐ اللہ نے بحکمِ خدا (الفتح 48/18) اپنے صحابہ سے بیعت لی تھی۔ تو حضرت عمر کے حکم سے اُس درخت کو کاٹ دیا گیا۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 330)

قارئین آپ آج اپنے چاروں طرف اپنے لیڈروں اور فدا کاروں کی یادگاریں دیکھتے ہیں۔ جناح روڈ، لیاقت لائبریری، شہید مینار، شہید ملت روڈ، یعنی تصویروں سے لے کر گلیوں تک۔ ائیر فورس اسٹیشن تک۔ کالج وغیرہ وغیرہ سینکڑوں صورتوں میں ہم یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ اس کے دو معنی ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت عمر نہ چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ یا دیگر اسلامی ہیروز کی یادگار قائم ہو اور تاریخ میں اُن کا تذکرہ باقی رہے۔ دوسری یہ کہ حضرت عمر کا مشن رفتہ رفتہ تباہ ہوتا جا رہا ہے۔

پھر یہ یاد کریں کہ بیعت شجرہ والی یادگار کے ساتھ ہی ہر زیارت کرنے والے شخص کو قیامت تک یہ معلوم ہوتا چلا جاتا کہ حضرت عمر کو اُس سفر میں رسولؐ اللہ کی نبوت میں سب سے بڑا شک ہوا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس خطرناک یادگار کو جلد از جلد دنیا سے مٹا دیا جائے۔

مسئلہ نمبر 23۔ باندی کسی سے پردہ کرے تو اس کی پٹائی کر دو

بیہقی عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک باندی کو دیکھا کہ وہ اپنی اوڑھنی کو چہرہ کا نقاب (گھونگٹ) بنائے ہوئے ہے تو فرمایا کہ دیکھو یہ باندیاں آزاد عورتوں کی مانند بننے لگیں۔ ابوبکر انس سے روایت کرتے ہیں کہ عمر نے ایک باندی کو دیکھا اوڑھنی منہ پر ڈالے ہوئے تو حضرت عمر نے اُس کو مارا اور کہا کہ تو آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کر رہی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 332)

مسئلہ نمبر 24۔ میاں بیوی بیچ میں پردہ ڈال کر نماز پڑھیں

حضرت عمر سے خانہ بدوش نے سوال کیا کہ سردی میں اگر ہم دونوں میں سے کوئی خیمہ سے باہر نکل کر نماز پڑھے تو ٹھٹھر کر رہ جائیں کیا دونوں خیمہ میں نماز پڑھ لیا کریں تو فرمایا کہ:

''اپنے اور اُس کے درمیان ایک کپڑا پردے کے لئے لٹکا لیا کرو۔ پھر تم دونوں میں سے ہر ایک نماز پڑھ لے۔''

شاہ صاحب کی اصلاح: ''میں کہتا ہوں کہ حنفیہ نے اس قول میں کہ مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جب اس کے محاذات میں عورت آجاتی ہے۔ ایسی نماز میں جو مشترک ہو تحریمہ اور ادا کے اعتبار سے۔ اسی سے دلیل پکڑی ہے۔ اور شافعی نے یہ جواب دیا ہے کہ عمر سے یہ روایت معروف نہیں ہے۔ اور اس میں یہ بھی مذکور نہیں کہ وہ صلوٰۃ واحدہ میں شریک تھی۔ لیکن یہ مستحب ہے مادۂ فتنہ کو قطع کرنے کے لئے۔'' (ازلۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 333)

مسئلہ نمبر 25۔ وضو میں پاؤں دھونا اور لاتعداد مسائل

قارئین یہ سمجھ چکے ہیں اور وہ انتظام دیکھ چکے ہیں کہ جیسے ہی حضرت عمر ایک قانون نافذ کرتے تھے تو فوراً تمام قلمرو میں اُس کی تنفیذ و تائید میں روایات برآمد درآمد ہونے لگتی تھیں۔ چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب جو یہاں بیان دے رہے ہیں وہ پورا پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اُس میں وہ پوری پالیسی اور منشور مذکور ہے جس کی روشنی میں اور جس کے سہارے شریعت سازی جاری رہی۔ اور چاروں خانہ احادیث و روایات سے مطابقت کی منزلیں طے کیں۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اور سادہ مزاج لوگوں سے کہا بھی یہی جاتا ہے کہ حضرت عمر کی ہر بات قرآن و حدیث کے ماتحت رہی ہے۔ اور یہ دنیا کا سب سے بڑا مغالطہ اور فریب ہے۔ آیئے شاہ صاحب سے کچھ سماعت فرمائیں:

لاتعداد مسائل حضرت عمر کے رحم و کرم پر: بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ احادیث میں اُن کا حکم ایک دوسرے سے مختلف نکلتا ہے۔(نہ ہوگا تو یہ ایک ترکیب بتادی۔احسن)اور حضرت فاروقؓ نے ایک تطبیق کی صورت نکال دی۔اور سب مجتہدین اُس تطبیق کے تابع ہوجاتے ہیں جیسا کہ 1: عمرہ کے ساتھ فسخِ حج (یعنی متعہ الحج۔احسن) کے مسئلہ میں اور 2: وضو میں پاؤں دھونے کا مسئلہ اور 3: عورتوں سے متعہ کا مسئلہ اور 4: بیع صَرف کا۔اور بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث نہیں پائی گئی۔"(ازالۃ الخفاء جلد 3 مترجمہ صفحہ 306-305)

یہاں ٹھہر جایئے اور ایک ایسا حتمی اور آخری فیصلہ کرلیجئے کہ ایک بہت بڑا جھگڑا ہی ختم ہوجائے۔یعنی شاہ صاحب کی سند سے یہ طے کرلیجئے کہ جہاں جہاں اور جن جن مسائل میں حضرت عمر نے دخل دیا، یا ترمیم و تنسیخ کی اُن تمام مسائل میں رسولؐ اللہ کی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی۔اور دوسرے نمبر پر یہ کہ اگر کہیں حدیث موجود ہے تو وہ ایسی حدیث یا احادیث ہیں جن سے کئی کئی مختلف حکم نکالے جاسکتے ہیں۔یہ دونوں باتیں مان لینے سے حضرت عمر کا دامن اُس اعتراض سے پاک ہوجاتا ہے کہ اُنہوں نے شریعت اسلامی یا شریعت رسولؐ کے خلاف احکام جاری کیئے مگر رسولؐ اللہ کے متعلق یہ تصور بھی ساتھ ہی ساتھ قائم ہوجاتا ہے کہ آپ نے معاذ اللہ اپنی احادیث ایسی غیر واضح زبان میں بیان کیں کہ اُن سے مختلف ومتضاد احکام نکلتے ہیں۔اور حضرت عمر اس سے پہلے قرآن کریم کے متعلق بھی یہ فرماچکے ہیں کہ ایک آیت سے بیک وقت ماں اور بیٹی سے جنسی تعلق جائز ہے اور ایک آیت سے ایسا تعلق حرام ہے۔اسی لئے حضرت عمر اس قسم کے متخالف ومتضاد احکامِ قرآن کی پابندی سے الگ اور دُور رہتے ہیں۔لہٰذا جہاں جہاں اور جن جن مسائل میں حضرت عمر قرآن کے خلاف جاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہاں تمام متعلقہ آیات میں سے اُسی طرح مختلف ومتضاد احکام نکلتے ہیں۔جسطرح احادیث کے متعلق طے ہوا تھا۔لیکن اب اللہ کی اپنی پوزیشن بالکل رسولؐ اللہ کی طرح ہوجاتی ہے۔یعنی جس طرح احادیث میں رسولؐ کی زبان مبہم و گنجلک تھی۔اُسی طرح اللہ کے کلام میں متخالف و متضاد مفاہیم کی گنجائش ماننا لازم ہے۔یعنی حضرت عمر نے کلام اللہ اور کلام رسولؐ دونوں کے نقائص کو دُور کرکے ایک بے داغ و بے عیب شریعت مسلمانوں کو عطا کی ہے۔لہٰذا اللہ و رسولؐ اور اُمت پر حضرت عمر کا احسان عظیم ہے۔سبحان اللہ وبحمدہ۔

بہر حال وضو میں پاؤں دھونے پر جتنی احادیث صحاح ستہ میں لکھی ہوئی ہیں وہ سب حضرت عمر اور جناب شاہ ولی اللہ کی سند کے ساتھ باطل ہیں۔اور وضو میں پاؤں دھونا، اور موزوں پر مسح کرنا حضرت عمر کی شریعت ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ حضرت عمر اوران کے اسٹاف کا متفقہ فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے

ہمارے قارئین کی کثرت اجتہاد اور قوانین اجتہاد سے واقف نہیں ہے۔اس لئے یہاں پہلے ہمارے دو تین جملے نوٹ

فرمالیں تاکہ آنے والا مسئلہ ٹھیک سے ذہن میں بیٹھ سکے۔شیعہ سُنی دونوں قسم کے مجتہدین حضرت عمر کے قائم کردہ نظام اجتہاد کے ماتحت رفتار کرتے تھے۔اس لئے دونوں کے یہاں یہ کہا گیا ہے کہ جو حکم قرآن سے یا حدیث سے الگ الگ یا دونوں سے ثابت ہو جائے وہ پوری امت پر واجب التعمیل ہے۔اس اصول میں ہم اور ہمارے تمام محدثین یا اخباریئن بھی متفق ہیں۔لیکن مجتہدین دو قدم آگے رہتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ جو حکم عقل سے ثابت ہو جائے وہ بھی قرآن وحدیث کے ہم پلہ اور واجب التعمیل ہے اور جس حکم یا جس بات پر اجماع ہو جائے وہ حکم بھی قرآن اور حدیث کے حکم کا ہمسر وہم پلہ ہے۔اور اس کا ماننا بھی ساری امت پر واجب ہے۔اور ان چاروں میں سے کسی ایک کا منکر کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ان چاروں کو یہ حضرات دلائل اربعہ فرماتے ہیں۔اور آپ اسلامی قوانین کے مطالعہ میں جگہ جگہ 1: کتاب و 2: سنت 3: دلیل عقلی اور 4: اجماع یا مجمع علیہ کا رعب دار استعمال دیکھیں گے۔اب آپ حضرت شاہ ولی اللہ سے اجماع کے متعلق ایک بیان سن لیں:

''اصول شریعت میں کی تیسری اصل اجماع ہے۔پھر ایسا اجماع جو کہ ہمارے زمانہ والوں کے تخیل میں ہے۔تمام امت مرحومہ کے ایسے اتفاق کے معنی میں کہ ایک فرد واحد بھی اُس سے جدا نہ ہو۔اور امت کے ہر ایک شخص کی طرف سے اس پر نص ہو جائے خیال محال ہے۔ایسا اجماع کبھی واقع نہیں ہوا جن کو اجماعیات کہتے ہیں۔اُن میں کوئی مسئلہ نہیں مگر اُس میں فی الجملہ ایک اختلاف نقل کیا جاتا ہے۔(یعنی جہاں جہاں اور جس جس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ لکھا ہوا ملے اس مسئلہ کو ایسا مسئلہ نہیں سمجھنا چاہئے۔جس میں کسی نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو۔احسنؔ) اجماع کثیر الوقوع حضرات حِل وعقد (صاحبانِ بست وکشاد) کا اجماع ہے جو شہروں کے مفتی ہیں۔یہ معنی فاروق اعظمؓ کے تصریح کئے ہوئے مسائل میں پائے جاتے ہیں کہ صاحبان حل وعقد نے اُن پر اتفاق کیا ہے۔'' چند مثالوں کے بعد لکھا ہے کہ:

''یہ اجماعیات جو واقع ہوئے ہیں۔حضرت فاروقؓ کے اہتمام اور نصِ فتویٰ کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوئے ہیں۔جیسا کہ اکسال پر یعنی انزال سے پہلے ذکر کو باہر نکال لینے پر غسل اور جنازے کی نماز میں چار تکبیر نقل کی ہیں۔فقیر عفی عنہ کے دل میں برسوں سے یہ خیال آتا رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کو مُدَون کرے۔اور تعجب کرتا رہا ہے علمائے سلف پر کہ انہوں نے اس امر عظیم کا اہتمام کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ خواص وعوام سب اہل اسلام کے لئے آپؓ کے مذہب کی تدوین میں فوائد عظیمہ کی امید ہے'' (ایضاً جلد 3 صفحہ 307-306)

شاہ جی کے بیانات کا ماحصل: سب سے پہلی بات کہ اوّلین ادوار میں جس چیز کو اجماع یا صحابہ کا اجماع کہا جاتا ہے وہ حضرت عمر اور اُن کے مقرر کردہ قاضیوں، مفتیوں، گورنروں اور افسروں کا متفقہ فیصلہ ہوا کرتا تھا۔اُن کے علاوہ تمام صحابہ اور پوری امت کے عوام کا اُس اجماع میں کوئی مقام نہ ہوتا تھا۔سوائے اس کے کہ اُن سب کو اُن اجماعی قوانین اور احکام کی جبراً وقہراً تعمیل

کرنا پڑتی تھی۔ ورنہ دومنٹ میں مسٹر صُبَیغ کی طرح دماغی بدہضمی نکال دی جاتی تھی۔ یہ سبب تھا کہ کسی کونے سے اختلاف کی آواز بلند نہ ہوسکتی تھی۔ دوسری بات جو بہت نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ آج حضرت عمر کا مذہب بحیثیتِ مجموعی اسلام کے کسی فرقہ کے پاس نہیں ہے۔ اوراس کے صرف ایک معنی ہیں یعنی اہلسنت علما اور مجتہدین میں سے بھی کسی نے حضرت عمر کے پورے مذہب کو پسند نہیں کیا۔ اور یہ بہت بڑی شکست ہے حضرت عمر کی اور اُنکے پورے نظامِ حکومت کی۔ تیسری بات اسی دوسری بات سے متعلق ہے۔ اور بہت ہی قابل افسوس ہے۔ وہ یہ کہ لاکھوں علمائے اہلسنت نے حضرت عمر کے مذہب کو مُدَوّن کرنا نقصان دہ سمجھا ورنہ وہ ضرور شاہ صاحب کی طرح اس کی تدوین وتنفیذ وتعمیل کرتے۔ آخری بات یہ کہ نمازِ جنازہ میں رسولؐ اللہ کے خلاف چار تکبیروں کو جاری کرنا بھی حضرت عمر ہی کے مذہب کی بات ہے۔ اور ہمیں بھی آئندہ بات کرتے ہوئے فاروقی مذہب اور اسلام کا لفظی و معنوی فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور شاہ صاحب کی سند سے آئندہ مذہبِ اسلام اور مذہب فاروق کو الگ الگ بیان کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ شاہ صاحب نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ ''سب اہل اسلام کے لئے آپ کے مذہب کی تدوین میں فوائد عظیمہ لازم یا یقینی ہیں۔'' فوائد عظیمہ کی امید لکھنا بڑی مایوس کن بات ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ دورانِ نماز امام کا وضو کرنا جماعت کو کھڑا چھوڑ جانا

تمام مسلمان متفق ہیں کہ دورانِ نماز افعالِ نماز کے علاوہ تمام افعال نماز کو باطل کر دیتے ہیں۔ سوائے اُن قدرتی و فطری ضرورتوں کے جن کی اجازت آنحضرتؐ نے دی ہے۔ مثلاً کھانس لینا، منہ گھمائے بغیر تھوک دینا، کھجا لینا۔ الغرض ہر وہ فعل حرام ہے جس سے نماز کے افعال میں خلل واقع ہو۔ جس طرح لوگوں سے باتیں کرنا نماز کو باطل کرتا ہے۔ اُسی طرح خاموش کھڑا یا بیٹھا رہنا بھی نماز کو باطل کرتا ہے۔ دوران نماز فطری وقہری ضرورت کے لئے اپنے جسم کے اعضا کو کھجالینا یا چھو لینا نہ وضو کو توڑتا ہے نہ نماز کو باطل کرتا ہے۔ مگر حضرت عمر کا مذہب ذرا سا مختلف ہے۔ شاہ جی لکھتے ہیں:

''شافعی نے بتایا کہ عمر اور ابن مسعود کے مذہب میں جنابت کی حالت میں تیمّم کرنا منع ہے۔ اور اُن دونوں کے مذاہب میں بوسہ لینے سے اور اعضا مخصوصہ کو چھونے سے وضو باطل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام شافعی نے روایت کیا ہے کہ عمر نے نماز کی ایک رکعت پڑھی پھر اُن کا ہاتھ اُن کے ذَکر پر جا پڑا تو اُنہوں نے جماعت کو کھڑا رہنے کا اشارہ کیا اور خود نماز چھوڑ کر نکل گئے اور وضو کرنے کے بعد آئے اور باقی ماندہ نماز وہیں سے پڑھا دی جہاں چھوڑ کر گئے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 315)

تمام اہل علم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کم از کم حضرت عمر کی نماز باطل ہوگئی۔ نہ وہ رکعت ادا ہوئی جو پہلے پڑھی تھی نہ بعد والی رکعتیں ادا ہوئیں اسلئے کہ پوری تعداد میں سے ایک رکعت کم کوئی تعداد نماز کی مقرر نہیں ہے۔ مگر لکم دینکم وَلِیَ دین۔

مسئلہ نمبر 28۔ دوران نماز گردن پکڑ کر نمازی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا

ابوبکر معاویہ بن قُرہ...سے روایت کرتے ہیں کہ عمر نے مجھے دیکھا جب کہ میں دوستونوں کے بیچ میں نماز پڑھ رہا تھا تو میری گُدی پکڑی اور مجھے سُترہ یعنی ایک آڑ کے قریب لے گئے اور کہا کہ اس کی طرف نماز پڑھ۔" (ایضاً صفحہ 331)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے مذہب میں جب نمازیوں کو کھڑا چھوڑ کر وضو کرنے کے لئے وضو کی جگہ تک جانا، وضو کرنا، وضو کے بعد واپس تمام صفوں سے آگے محراب مسجد تک آنا اور بلا دوسری نیت کے نماز پڑھ لینا نماز کو باطل نہیں کرتا تو اُس غریب نمازی کی نماز کیوں باطل ہوگی جسے گردن دبوچ کر زبردستی گھسیٹ کر دوسری جگہ لایا گیا ہو؟

مسئلہ نمبر 29۔ حضرت عمر کے مذہب میں نماز کی ابتدا کا طریقہ ملاحظہ ہو

ابوبکر اسود سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر سے سُنا اُنہوں نے نماز شروع کی اور تکبیر کہی پھر کہا:

سُبْحٰنکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ ۔ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔یا اللہ، اور آپ کی تعریف، اور آپ کا نام بڑی برکت والا ہے اور آپ کی عظمت بہت بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آپ نے اعوذ پڑھی۔" (ایضا صفحہ 334-333)

قارئین کرام اِن مسائل کو پڑھتے وقت یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ شاہ صاحب حضرت عمر کے مذہب کی تدوین کر رہے ہیں اور جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ حضرت فاروق اعظم کا اصلاح شدہ مذہب ہے۔تمام مسلمانوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر ایسا کام کرنے سے پہلے اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم مِنَ الشیطٰن الرجیم پڑھتے ہیں۔جس میں وہ شیطان سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ (اعراف 7/200، حم سجدہ 41/36)۔اور قرآن کریم پڑھنے سے پہلے اعوذ پڑھنے کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے کہ:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o (نحل 16/98)

"جب آپ قرآن پڑھو تو شیطان کے مقابلہ میں اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو۔"

چونکہ حضرت عمر اعوذ بعد میں پڑھتے تھے۔لہٰذا سبحٰنک اللّٰھم وغیرہ قرآن سے باہر کی انسان ساختہ دعا ہے کلام اللہ نہیں ہے اور کلام اللہ یا کلام معصومؑ کے علاوہ کسی آدمی کا اتنا طویل کلام نماز کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے۔لہٰذا سبحٰنک اللّٰھم پڑھنا بھی بُری بات ہے اور یہ ماننا اُس سے بھی بُری بات ہے کہ حضرت عمر کو مندرجہ بالا آیات اور اللہ کا حکم معلوم نہ تھا۔

مسئلہ نمبر 30۔ حضرت عمر کے مذہب میں نماز کے اندر بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم نہیں ہوتی تھی

"انس بن مالک نے کہا کہ نماز کو کھڑا ہوا میں پیچھے ابوبکر اور عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے۔ جب نماز شروع کرتے تو کوئی اُن

میں سے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم نہ پڑھتا۔" (موطا امام مالک مترجمہ وحید الزمان۔ نور محمد چھاپ صفحہ 83)

جیسا کہ عرض کیا گیا اور وہ انتظام ثابت کر دیا گیا کہ حضرت عمر کی ہر ترمیم و تنسیخ اور اضافہ کو فوراً روایات کی چاشنی اور سہارا دیا جایا کرتا تھا۔ لہٰذا بسم اللہ نہ پڑھنے میں آنحضرتؐ کو بھی ابوبکر و عمر و عثمان کے ساتھ نتھی کرنے کے لئے ایک روایت قتادہ کی زبانی انس سے گھڑ دی گئی۔ جس میں مذکورہ تینوں حضرات کے ساتھ رسولؐ اللہ کو بھی نماز میں بسم اللہ نہ پڑھنے والوں میں بیان کرا دیا۔ لیکن علامہ نووی نے قتادہ کو بڑی مضبوط دلیل سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے نا قابل اعتماد قرار دے دیا ہے۔

(صحیح مسلم مع نووی جلد اوّل صفحہ 172) اور یہ لکھا ہے کہ:۔

مذهب الشافعیؒ و طوائف من السلف والخلف اِنَّ الْبِسملة آية مِنَ الفاتحة وانّه يجهر بِها حيث يجهر بالفاتحة واعتمد اصحابنا وَ مَنْ قال بانّها آية من الفاتحة انّها كتبت فى المصحف بخط المصحف و كان هذا باتفاق الصحابة اجماعهم عَلٰى اَنْ لا يثبتوا فيه بخط القرآن غير القرآن واجمع بعد هم المسلمون كلهم فى كل الاعصار اِلٰى يومنا واجمعوا انّها ليست فى اول براءة وانّها لا تكتب فيها و هذا يؤكد ما قلناهُ۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی نور محمد چھاپ کتاب الصلٰوة باب حجة من قال لايجهر بالبسملة جلد اوّل صفحہ 172)

امام شافعی اور اُن سے پہلے اور بعد کے تمام گروہ اس بات پر متفق رہے ہیں کہ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم سورہ فاتحہ (الحمد) کی ایک مستقل آیت ہے۔ اور یہ کہ جب بھی سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے تو بسم اللہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ اور ہمارے صحابہ نے، اور جنہوں نے بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کی آیت کہا ہے۔ اس پر اعتماد کیا ہے کہ بسم اللہ خود قرآن میں قرآن کے ساتھ ساتھ لکھی گئی تھی۔ اور یہ صحابہ کے اتفاق اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے کہ قرآن میں کچھ بھی غیر قرآن نہیں لکھا گیا ہے۔ اور صحابہ کے بعد آج تک تمام اہل اسلام ہر زمانہ میں اِس پر متفق رہتے چلے آئے ہیں۔ اور سب ہی کا اس پر بھی اتفاق ہے۔ کہ بسم اللہ صرف سورہ براءۃ (توبہ) کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ اور نہ اُس کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اور یہی دلیل ہمارے پورے بیان کو تاکید سے ثابت کرتی ہے۔" (صحیح مسلم صفحہ 172)

قارئین یہ بھی سُن لیں کہ صحیح مسلم کے اُسی صفحہ (صفحہ 172) پر حدیث سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ سورہ فاتحہ سے نماز کا افتتاح فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ حضرت عمر سبحانک اللّٰھم ......الخ سے ہی افتتاح کرتے تھے۔ (جلد اوّل صفحہ 172 مسلم)

مسئلہ نمبر 31۔ نماز میں بسم اللہ پڑھنا ثابت کرنے کی کوششیں ناکام ہیں

چونکہ موطاءِ امام مالک میں بسم اللہ نہ پڑھنے کے ثبوت میں الفاظ واضح تھے اس لئے بعد والوں اور خصوصاً شاہ صاحب کو بڑی دقت پیش آئی ہے۔ پہلے نمبر پر تو خود رسولؐ اللہ کو ملوث کیا گیا۔ لیکن کام نہ چلا تو پھر یہ بحث نکالی کہ پڑھتے تو تھے مگر بلند آواز

سے نہ پڑھتے ہوں گے۔سوال یہ ہے کہ اگر ان کا بھی وہی ایمان ہوتا جو علامہ نووی اور امام مسلم نے لکھا ہے کہ بسم اللہ سورہ الحمد کی آیت ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنا اور دل ہی دل میں پڑھنا بے معنی بات ہے یعنی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ:

عَنْ انسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ وَرَاءَ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَكُلُّهُمْ كَانَ لَا يَقْرَآءُ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم اِذَا افْتَتَحُوا الصَّلٰوۃَ۔(موطا مترجم وحید الزمان صفحہ 83)

حضرت ابوبکر وعمر وعثمان تینوں بسم اللہ کو باقی تمام صحابہ اور مسلمانوں کے خلاف سورہ فاتحہ کا جزنہ سمجھتے تھے۔ ورنہ سورہ فاتحہ کے ساتھ بلند آواز سے پڑھتے۔بہر حال شاہ صاحب نے ادھر اُدھر کی سرکاری فیکٹری میں بنی ہوئی روایات باری باری لکھیں اور آخر تھک کر ایک بالکل غلط شہرت دادہ روایت کا سہارا لیا اور فرمایا کہ:

''قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ ہر ایک اُن میں سے کافی وشافی ہے۔''(ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 335)

یہاں رک کر یہ سن لیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو قرآن کو سات مختلف طریقوں سے لکھ کر اُمت کو دینا چاہئے تھا۔چونکہ اس طرح قرآن نہ جمع ہوا، نہ نازل ہوا، نہ لکھا گیا، نہ موجود ہے۔اس لئے یہ روایت صرف اس لئے گھڑی گئی تھی کہ جہاں کوئی بڑا الجھاؤ پیدا ہو جائے وہ اس روایت کو لا کر چند احمقانہ خیالات میں لوگوں کو الجھا کر بڑے الجھاؤ سے جان بچا لے جائیں۔قارئین نوٹ کریں کہ اس روایت کو نہ صحابہ سمجھے نہ مفسرین ومترجمین سمجھے۔نہ کوئی ایسا بیان یا تشریح پیش کر سکے کہ کوئی اور شخص سمجھ جاتا۔(اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَةِ احرفٍ) یقیناً قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔'' کے متعلق جتنے مُنہ اتنی باتیں ملیں گی اور کوئی بات نہ ایک دوسرے کی تائید کرے گی نہ کسی صاحبِ عقل کی سمجھ میں آئے گی۔لہٰذا سنئے شاہ صاحب کیا سمجھے اور پھر آپ کیا سمجھتے ہیں؟ارشاد ہے:

''اور حضرت عمر یہ رائے رکھتے تھے کہ بسم اللہ سے ابتدا کرنا اس بنا پر کہ وہ فاتحہ کا ایک جز ہے۔ایک حرفِ (سات حروف میں) صحیح ہے۔اور بسم اللہ کا ترک کرنا بھی اس بنا پر کہ اُس سے ابتدا کرنا کتابتِ قرآن میں اور خارج صلوٰۃ تلاوتِ قرآن میں صرف مسنون ہی ہے۔ایک حرفِ (باقی چھ حروف میں سے) صحیح ہے۔اور اس سے ابتدا کرنا اس خیال کے ہوتے ہوئے کہ وہ فاتحہ کا جُزنہیں ہے۔یہ بھی ایک حرفِ (باقی پانچ میں سے) صحیح ہے۔تو حضرت عمر نے اُن احرف پر مختلف اوقات میں عمل کیا ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 336-335)

قبل اس کے کہ ہم اس چکر سے شاہ صاحب کو نکالیں ابھی تین چار چکر (حروف) باقی ہیں۔انہیں پورا کرلیں:

(اوّل) اور بسم اللہ کہہ کر کھیر یا پلاؤ کھانا چونکہ دستور میں شامل تھا۔اس لئے نماز کے افتتاح میں کھیر سامنے رکھ لینا بھی ایک حرفِ (باقی چار حروف میں سے) صحیح ہے۔

(دوم) اور چونکہ نماز کے دوران کھانے پینے کی اجازت نہیں اس لئے اس کھیر کو بسم اللہ کہہ کر ڈھک دینا۔ اور نماز کے بعد بلا بسم اللہ کھا لینا بھی ایک حرفِ (باقی تین حروف میں سے) صحیح ہے۔

(سوم) اور چونکہ حضرت سلیمان نے اپنے خط میں بسم اللہ الرحمٰن... لکھی تھی اور سابقہ شریعتوں کا منسوخ ہو جانا مسلمات میں سے ہے لہٰذا اس جملے کو قرآن اور تمام عبادات سے خارج کر دینا بھی ایک حرفِ (باقی دو حروف میں سے) صحیح ہے۔

(چہارم) چونکہ یہ تمام بکواس چنڈو خانے کے علاوہ کہیں سے سند نہیں رکھتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شاہ صاحب کے ان تصورات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی لہٰذا اس سات حرفی گھڑنت کو پھر کبھی کے لئے اٹھا رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

ہمارے قارئین ایمانداری سے بتائیں کہ وہ کیا سمجھے؟ میں تو یہ سمجھا کہ اللہ نے قرآن کو سات حروف پر نازل کر کے شاہ صاحبان کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جس بات کو چاہیں قرآن کے نام پر سات دفعہ جھوٹ بول سکیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ شاہ صاحب کو بعض عقیدت مندوں نے حکیم الامت کا لقب دیا ہے۔ اور آپ دوسو دعویدارانِ الہام میں سے ایک تھے۔ اور جن باتوں کا آپ کو سر پیر نہ ملے، جن کے ثبوت میں نہ کتاب ہو نہ سنۃ۔ نہ اجماع ہو نہ عقل۔ اُن باتوں کو آپ خاموشی سے الہام سمجھ لیا کریں۔ اس لئے کہ الہام میں بڑی گنجائش ہے۔ بہرحال شاہ صاحب نے یہ بھی مان لیا کہ حضرت عمر نماز میں بسم اللہ نہ پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی قرآن کا ایک صحیح حرف تھا۔ فھُو المقصود۔

مسئلہ نمبر 32۔ جماعت کی نماز میں قرآن کی مخالفت تمام نمازی سورۃ فاتحہ پڑھیں گے

''حضرت عمر سے سوال کیا گیا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ (الحمد) پڑھنے کے بارے میں۔ تو انہوں نے کہا کہ فاتحۃ الکتاب پڑھو تو میں نے کہا کہ اگر چہ آپ جماعت کے امام ہوں؟ کہا کہ اگر چہ میں امام ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر چہ آپ جہر (بلند آواز) کے ساتھ پڑھ رہے ہوں؟ کہا کہ اگر چہ میں جہر کر رہا ہوں۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم جلد 3 صفحہ 336)

شاہ صاحب بہت پریشان ہوئے ہیں۔ اور دبی زبان سے مان لیا ہے کہ اس حکم پر عمل فساد پیدا کرے گا۔ اور نماز سے خشوع و خضوع رخصت ہو جائے گا۔ یہ حکم جہاں سینکڑوں ایسی احادیث کے خلاف ہے جو اہل سنت ریکارڈ میں مُسلمہ ہیں۔ وہیں یہ حکم قرآن مجید کے قطعی واضح حکم کا مخالف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ o (اعراف 7/204)

''جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ کے ساتھ اُسے سنو اور خاموش رہو۔ شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔''

مسئلہ نمبر 33۔ ظہر و عصر کی نمازوں میں بالجہر بلند آوازی سے قرأت کرنا

''شافعیؒ ابو عثمان نھدی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب سے ظہر کی نماز میں سنی ہلکی آواز سورہ قاف کی۔'' شاہ صاحب نے یوں فیصلہ کیا کہ: ''میں کہتا ہوں کہ اس سے شافعی نے یہ احتجاج کیا ہے کہ ظہر و عصر کی نمازوں میں بے آواز نکالے پڑھنا اور باقی اوقات میں بلند آواز سے پڑھنا واجب نہیں ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 338)

یعنی حضرت عمر کے عمل درآمد سے عبادتوں میں فرض و واجب اور سنت و مستحب وغیرہ کا تعین ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 34۔ آیاتِ سجدہ والی سورتیں پڑھنا اور سجدہ سے روکنا

''عمر بن الخطاب نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی جب کہ وہ منبر پر تھے۔ پھر نیچے اُترے اور سجدہ کیا اور سب لوگوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ پھر دوسرے جمعہ کو آیتِ سجدہ کی قرأت کی تو لوگوں نے سجدہ کی تیاری کی تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے حال پر توقف کرو اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم پر فرض نہیں کیا۔ مگر ہم جب چاہیں کریں تو آپ نے قرأت کی اور سجدہ نہ کیا۔ اور لوگوں کو سجدہ کرنے سے منع کر دیا۔ ابو بکر ابو قلابہ سے اور حسن سے روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ نے کہا مفصّل قسم کی سورتوں میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔''

شاہ صاحب دوسرا مصرعہ فٹ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''میں کہتا ہوں کہ گویا وہ نفی کر رہے ہیں اُس کے سنت موکد ہونے کی۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 339)

قارئین سوچیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ وہ تاویلیں کرتے ہیں جن کا حضرت عمر کے بیانات سے ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا ہم اس قسم کے آنوں بہانوں کو سادہ زبان میں اندھی تقلید اور فریب سازی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 35۔ نماز میں اللہ کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے

''حضرت عمر نے کہا کہ میں جب نماز میں ہوتا ہوں تو بحرین کے جزیہ کا حساب کیا کرتا ہوں۔...اور عمر نے فرمایا کہ جب میں نماز میں ہوتا ہوں تو لشکروں کے سامان کی تیاری میں لگا ہوا ہوتا ہوں۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 339)

شاہ صاحب نے کوئی ریمارکس دینا پسند نہ کیا ہم بھی اپنے نمازیوں قاریوں کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنی اہم ضروریاتِ زندگی کو نماز کے دوران سوچنے کی عادت ڈالیں، ہمیں اسکی اسلیئے ضرورت نہیں کہ ہمیں اس قسم کے خیالات بیت الخلا میں آیا کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 36۔ رسولؐ اللہ شیعوں کی طرح اور حضرت عمر اُن کے خلاف نماز پڑھتے تھے

(i) رسولؐ اللہ کی نماز: ''ابو بکر اور ترمذی اور شافعی نے علقمہ اور اسود سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ سے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم تکبیر کہا کرتے تھے ہر مرتبہ سجدوں سے سر اُٹھانے میں اور رکھنے میں اور کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں۔"
(ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 340)

(ii) حضرت عمر کی نماز: "ابو بکر اسود سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اُنھوں نے نماز میں کسی چیز میں بھی ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ بجز اُس وقت کے جب نماز شروع کی تھی۔" (ایضاً صفحہ 340)

یہاں قارئین کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ شاہ صاحب نے درحقیقت یہ کتاب عوام کے لئے نہیں بلکہ علما کے لئے لکھی تھی۔ اس لئے ہمیں اکثر مقامات پر ترجمہ میں عام فہم الفاظ گھسانا پڑتے ہیں۔ یہاں پہلی روایت میں دراصل وہی کچھ کہنا چاہا ہے جو دوسری روایت میں کہا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ اپنی نمازوں میں ایک حالت سے دوسری حالت میں جانے کے لئے ہر دفعہ دونوں ہاتھ کاندھوں تک بلند کرتے اور ساتھ ہی اللہ اکبر بلند آواز سے کہا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے جو طریقہ جاری کیا تھا اُس میں صرف نیت کرنے کے وقت ہاتھ بلند کرنا اور اللہ اکبر کہنا لازم کر دیا تھا۔ جس پر آج مسلمانوں کی کثرت عمل کرتی ہے۔ سوائے اہل حدیث اور شیعوں کے جو رسولؐ اللہ کا مندرجہ بالا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہی طریقہ تھا جسے دیکھ کر عمران بن حصین نے کہا تھا کہ حضرت علیؑ نے ہمیں رسولؐ اللہ کی نماز یاد دلا دی۔ تفصیلات شیعہ نماز کی ذیل میں آئیں گے۔

مسئلہ نمبر 37۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر ٹکانا

"ابو بکر اسود سے روایت کرتے ہیں کہ عمر سجدہ میں جاتے وقت اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر ٹکایا کرتے تھے۔"
(ایضاً صفحہ 341-340)

مسئلہ نمبر 38۔ حضرت عمر نے نمازوں میں سے دعائے قنوت خارج کر دی

اس مسئلہ کو جناب شاہ صاحب نے مشکوک کرنے اور حضرت عمر کو محفوظ کرنے کے لئے روایات کو گڈمڈ کر کے یہ دکھانا چاہا ہے کہ دعائے قنوت ایک ہنگامی چیز تھی۔ اِس لئے اُسے کبھی کبھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ مگر سلسلہ بیان میں غریب شاہ جی نے ایسی روایات بھی لکھ دیں کہ جن سے اُن کا سارا کرتب مصنوعی بن کر رہ گیا ہے۔ آیئے ہم دکھائیں:

(1) رسولؐ اللہ کے زمانہ میں ابو بکر و عمر سب نے قنوت پڑھا: "شافعیؒ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ و عمرؓ قنوت پڑھا کرتے تھے۔ نماز فجر میں بعد رکوع کے۔" (ایضاً صفحہ 341)

چونکہ صدیوں سے قنوت پڑھنا بند ہے اس لئے ہمارے عوام اہلسنت اس لفظ سے بھی واقف نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ قنوت سے تعارف ہو جائے۔ اس لفظ کے قدیم و جدید معنی یہ ہیں کہ انسان عملاً اپنی عاجزی و کمزوری اور احتیاج کا اظہار کرے۔

اللہ نے قرآن میں طرح طرح سے قنوت کرنے والوں کی مدح وثنا کی ہے (احزاب 33/35)۔اورخاص طور پرنمازوں میں قنوت کاحکم عام نازل کیاہےاورفرمایاہے کہ:

حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ والصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ o فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ o (بقرہ 239-2/238) ''تم تمام نمازوں کی اور درمیانی نماز کی حفاظت کرواور اللہ کے لئے قنوت (عاجزانہ وطالبانہ استفادہ) کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو۔چنانچہ اگر تمہیں نماز وقنوت کو باقاعدگی دینے میں کوئی خطرہ پیش ہوتو چلتے پھرتے یاسواری کے دوران نماز وقنوت ادا کرلیا کرو۔اور جب تمہیں حالت اَمن حاصل ہوتو پھراللہ کاذکرنماز وقنوت اُس انداز سے کیا کروجوتمہیں معلوم نہ تھااور تمہیں سکھادیا گیاہے۔''

(2) نماز میں قنوت کی عملی صورت: آنحضرتؐ نے سکھایااورکرکے دکھایا کہ نمازکوتمام انسانی ضروریات واحتیاجات میں مددگار اور سہارا بنانے کے لئے نماز کے دوران مختلف حالتوں میں اللہ سے کیا کیا دعائیں اور التجائیں کرنا چاہئیں؟ تاکہ مسلمان عہد رسولؐ کی طرح ہمہ قسمی رکاوٹوں کوراستے سے ہٹاتے اور بے روک ترقی کرتے چلے جائیں۔چنانچہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعداللہ اکبر کہہ کردونوں ہاتھ دعا کے لئے بلند کرکے اللہ سے تمام اُمت کے لئے اوراپنے لئے ضروری سامان اور وسائل طلب کرنا دعائے قنوت کہلاتا ہے۔قنوت کے بعداللہ اکبر کہہ کررکوع میں جاتے ہیں اور یوں نماز کے باقی اعمال کو پورا کرتے ہیں۔یہ تھاوہ قنوت جسے پہلے یہ کہہ کرمحدود کیا کہ دعائے قنوت صرف خطرناک زمانہ کے لئے تھا۔روزانہ کامعمول نہ تھا۔پھرچونکہ تمام اقوام کو غلام بنا کرچھوڑدیالہٰذاخطرات وحادثات عارضی طور پررک گئےتو قنوت کو بالکل نماز سے خارج کردیا۔اور یہ انتظام کہ اگرکوئی قنوت کونماز میں داخل کرے یاقنوت کاذکرنکالےتو اُسےایک بدعتی اور دین میں نئی ایجادکرنے والافتنہ انگیز شخص سمجھا جائے۔لہٰذا شاہ صاحب کےانتخاب میں سےایک بڑے مزے کی روایت سنئے:

(3) قنوت ایک نئی چیز ہے بڑے بوڑھوں بزرگوں کاقول: ''ابوبکرابومالک الاشجعی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجان آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اورابوبکروعمراورعثمان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔کیا آپ نے اُن میں سے کسی کوقنوت پڑھتے ہوئے دیکھاہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ بیٹا یہ نئی بات (بدعت) ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلدسوم صفحہ 341)

یہ ہےقوت واقتدارو حکومت ودولتِ فاروقی کامعجزانہ انتظام کہ اس چھوٹی سی کتاب ازالۃ الخفاء میں بھی اس بیان کے آگےاور پیچھے کئی ایک روایات میں حضرت عمروغیرہ لوگوں کاقنوت پڑھنا لکھاہے۔قنوت عہدرسولؐ میں برابر پڑھا جاتا رہا۔ قنوت کاحکم قرآن میں نازل ہوااورآج تک موجود ہے۔اس کے باوجود فاروقی انتظام، فاروقی ذہنیت اور فاروقی مذہب اُسے دین میں،نماز میں ایک نئی بات ہونے کابندوبست کررہاہے۔اورخودایک صحابی کے نام سے یہ کذب صریح لکھاجارہاہے۔لیکن

اللہ نے اس انتظام کو اُسی طرح شکست و ریخت کے حوالے کر دیا جس طرح قرآن کو غائب کر لینے کے انتظام کو خود منتظمین کے ہاتھوں تباہ کیا تھا۔قارئین سنجیدگی سے غور فرمائیں کہ قرآن تیئیس سال تک وقفوں وقفوں کے ساتھ سنایا جاتا رہا۔جبرائیل کا آنا جانا مشہور ہوتا رہا۔رسولؐ اللہ پر (معاذ اللہ) غشی کے آثار ہویدا ہوتے رہے۔یہاں تک کہ لوگ خود کہنے لگتے تھے کہ اب وحی نازل ہونے والی ہے۔لوگ قرآن کو لکھتے رہے۔اَن پڑھ صحابہ حفظ یاد کرتے رہے۔رسولؐ اللہ کے لئے مرکزی قرآن مرتب ہوتا رہا۔سچے اور جھوٹے کاتبوں کی فہرست بنتی رہی۔لیکن اس تیئیس سالہ تاریخ کو یہ کہہ کر ختم کرنا چاہا کہ:

''میں وہ کام کیسے کرسکتا ہوں جو رسولؐ اللہ نے نہیں کیا تھا؟'' (ہر چھوٹی بڑی تاریخ گواہ ہے)۔مطلب واضح ہے کہ رسولؐ اللہ نے ہرگز قرآن جمع نہ کیا تھا۔یہ ایک بدعت ہوگی۔رسوؐل کی سنت کے خلاف عمل ہوگا۔(**اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیه راجعون**)

یہ ہیں وہ قدم جن سے چلتا ہوا، پینترے کاٹتا ہوا نظام فاروقی مذہب حضرتِ عمر کی صورت میں آگے بڑھا اور قرآن و رسوؐل کا مذہبِ اسلام نظام مرتضوی کی صورت میں ساتھ ساتھ دبے پاؤں چلتا رہا۔الغرض جس طرح قرآن کو مجبوراً شائع کر کے گھر گھر پہنچانا پڑا۔اُسی طرح نماز سے قنوت کو کلیتاً خارج نہ کیا جاسکا۔

یہاں قارئین سوچیں کہ کیا ایسی حکومت یہ گوارا کرسکتی تھی کہ کلمہ، اذان اور نماز میں علیؑ کو ولی اللہ اور حجۃ اللہ پکارا جاسکے؟ کیا وہ خطبہ غدیر کو یاد دلانے والا جملہ، **حی علی خیر العمل** اذان میں باقی چھوڑ کر تباہی سے بچ سکتی تھی۔تباہ تو اُسے ہونا تھا اور ہوگئی تھی۔لیکن ذکرِ حکومتِ علویہ کو کلمہ، اذان اور نماز سے نکال کر اُسے ذرا عمرِ طویل مل گئی تھی۔اور جب اللہ نے حقائق کو واضح کرنے کے لئے شیطان کو قیامت بوس عمرِ طویل دینے میں تکلف نہ کیا تو نظام مرتضوی بھی اگر دو ہزار سال کی مہلت دے دے تو یہ **سنة اللّٰه** پر عمل ہے۔انشاء اللہ دو ہزار سال سے پہلے پہلے عمر شیطان اور عمر باطل ختم ہوجائے گی۔حق کو ڈنڈے سے نہیں صبر و دلیل سے نافذ کیا جاتا ہے۔لہٰذا جبر و استبداد کے خلاف ساری دنیا، ساری حکومتیں نبرد آزما ہیں۔انسان کو آزادیٔ تقریر و تحریر ملتے ہی یہ باطل مذہب فنا ہوجائے گا۔

(4) <u>نماز میں بار بار اور ہر بار اللہ اکبر کہنا اور ہاتھ بلند کرنا کیوں؟</u> اللہ اکبر کے معنی ہیں؛ اللہ کا ہر اُس چیز سے بھی بڑا ہونا جو ہمارے تصور میں بڑی سے بڑی دکھائی دے۔آپ ذبح کی نیت کے بعد، غسل کی نیت کے بعد، نماز کی نیت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر اُس نیت کی پختگی اور اُس پر کاربند رہنے کا اعلان اللہ کی بزرگی سے کرتے ہیں۔اور جب تک وہ کام نہ ہوجائے اُسی میں مشغول رہتے ہیں۔بالکل اُسی طرح نماز کی مختلف حالتوں میں جانے اور اُس حالت میں مقررہ دعا یا تسبیح یا اعلان کرنے کے ارادہ یا نیت کو ہر دفعہ اللہ کی بزرگی (اللہ اکبر) سے محکم کرتے ہیں۔تاکہ نماز کا ہر مرحلہ قوتِ ارادی سے عمل میں آئے اور بطورِ عادت، اضطرار کے طور پر (Automation) سرزد نہ ہو۔ہمارے دونوں ہاتھ ہمارے اقدامات و اعمال کو سرانجام دیتے ہیں۔اُن کا نہ ہونا،

بندھا ہوا ہونا اور اُنہیں خالی ہوا میں بلند کرنا (Handsup) ہماری بے بسی و بے کسی اور عاجزی کا ثبوت ہوتا ہے۔ لہٰذا اطاعت کی تصدیق اور ہوا خواہ ہونے کی شناخت سلام کے مختلف طریقوں میں ہاتھوں کی پوزیشن سے ہوتی تھی۔ اللہ اکبر کے ساتھ ہی ہم یہ دکھا دیتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں اگر یہ کائنات ہوتی تو ہم یوں خود کو اللہ کے سپرد نہ کرتے۔ ہم عاجز ہیں، کمزور ہیں، ضرورتمند ہیں، اللہ اکبر ہے۔ اُس سے ہی قوت وقدرت وقیام کے طالب ہیں۔ لیکن جو لوگ کسی اللہ کے قائل نہیں، جو مذہب کو تسخیر انسانی اور حکومت کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ دعاؤں وغیرہ کو ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے زمانہ کے دانشور ہوتے ہیں، لکیر کے فقیر نہیں ہوتے۔ چونکہ دل میں نہ مذہب ہوتا ہے نہ اللہ ورسولؐ سے کوئی عقیدت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مجبوراً مذہبی پوزیشن کو قبول کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے بغیر قلوبِ انسانی پر قابو حاصل کرنے کا کوئی دوسرا نزدیکی اور سہل الحصول (Short Cut) طریقہ نہیں۔ لہٰذا وہ مذہب کی بتائی ہوئی ہر بات کو مِن وعَن قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اُسے زیادہ سے زیادہ مفید بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ وحی اور حدیث میں یقین ہی نہیں رکھتے۔ لہٰذا قرآن کے الفاظ ہوں یا رسولؐ اللہ کے ہوں وہ لفظوں کو کوئی مقام نہیں دیتے۔ اور ہر آیت وہر حدیث کو اپنے مقاصد کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ اُن کی خامیاں دور کرکے اپنے مقصد پر فٹ کرتے ہیں۔ فٹ کرنے کے قواعد بناتے ہیں۔ وہ سات حرفوں والی بات ہر چیز کو سات مختلف طریقوں سے فٹ کرنے ہی کا ایک قاعدہ ہے۔ اُن کے قاعدے؟ ایلوپیتھی طریق علاج کی طرح؛ فوری تدارک کو سامنے رکھتے ہیں۔ اس لئے عوام کو پسند ہوتے ہیں۔ اور اُن قواعد پر جب مذہبی لیبل اور رنگ چڑھ جائے تو لوگوں کو مقصد کی طرف سرپٹ دوڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ لہٰذا مذہبی قواعد یعنی آیات و احادیث اپنی اصلی صورت میں پس ماندہ اور دقیانوسی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یوں نظام اجتہاد ایک عارضی مدت تک غالب آجاتا ہے۔ لیکن نظام رسالتؐ وامامتؑ اپنے فطری استقلال وحقانیت سے اُس نظام کو کائناتی وآفاقی سطح پر شکست دیا کرتا ہے۔ اس لئے کہ کائنات وقدرت باطل کا ساتھ نہیں دیتی۔ قدرت وفطرت کی اس زد سے بچنے کے لئے نظام اجتہاد تازہ بتازہ اجتہاد کے ذریعہ فطرت سے ہم آہنگی کی کوشش میں الجھ جاتا ہے۔ اور یہ کوشش اُسے سابقہ اجتہادی احکام سے اختلاف کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آخر اختلافات کے ڈھیر میں بدبو وتعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یوں اجتہاد کے چہرہ سے نقاب کھسکتی چلی جاتی ہے۔ آخر ایک دن جناب مجتہد بالکل مشخص ہو جاتے ہیں۔ پھر لیبل اور نام کے پردے کام نہیں دیتے ہیں۔ اور آخر مجتہدین خود محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم ہر قدم پر جھوٹ بولتے اُکتا کر سچی بات بھی کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ کہا کہ قنوت دین میں ایک نئی ایجاد و بدعت ہے۔ وہیں شاہ صاحب کو یہ بھی لکھنا پڑا کہ:

(5) حضرت عمر شیعوں والا قنوت خود بھی پڑھتے تھے دوسروں کو بھی پڑھاتے تھے: یہاں یہ بات نوٹ کرلیں کہ حقیقتاً قنوت پڑھنے کا مقام دوسری اور آخری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے۔ بعد کو نہیں۔ روایت سُنئے:۔

''ابوبکر زید بن وھب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے قنوت پڑھی ہے۔ صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے۔ اور ''ابوبکر ابوعثمان نھدی اور عبید بن عمیر سے اسی روایت کے مطابق روایت کرتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 342-341)

(6) شاہ صاحب آخر کیا کریں؟ قران کے تین صحیح حروف: مسلسل فرمایا کہ:

''میں کہتا ہوں کہ ضبط رُوات اور اُن کی کثرت کے اعتبار سے قوم ترجیح میں جا پڑی اور مختلف الرائے ہوگئی۔'' (صفحہ 242)

یعنی قوم نے قرآن اور صاحبانِ قرآن سے ہجرت کر کے (یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا o فرقان 25/30) اپنی فیکٹری میں موقعہ بموقعہ جو روایات تیار کرنا شروع کی تھیں اُن میں اتنی مختلف ومتضاد اور احمقانہ روایات کا انبار لگ گیا کہ شاہ صاحب کو منکرِ قنوت اور مومن قنوت اور منافق تینوں کو حق پر ماننا پڑا۔ سُنئے فیصلہ یہ ہے کہ:

(1) ''جس نے کبھی قنوت پڑھا اور کبھی چھوڑا تو اس نے ٹھیک کیا۔'' (ایک حرف صحیح)

(2) ''اور جس نے ہمیشہ قنوت پڑھا اور اس بات پر نظر کی کہ تشویشناک امور تو ہمیشہ ہی پیش آتے رہتے ہیں۔ اس نے بھی ٹھیک کیا۔'' (دوسرا حرف صحیح)

(3) ''اور جس نے کبھی نہ پڑھا اس نے بھی ٹھیک کیا۔'' (تیسرا حرف صحیح) (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 342)

یہ ہے مجتہدانہ نظامِ اجتہاد جہاں 1 لعنت کرنے والا بھی صحابی اور حق بجانب 2: اور جس پر لعنت کی گئی وہ بھی صحابی اور حق بجانب 3: جس نے اُن میں سے ایک کی طرفداری اور دوسرے سے دشمنوں ایسا سلوک کیا وہ بھی صحابی اور حق بجانب 4: اور جو دونوں سے بیزار رہا وہ بھی صحابی اور حق بجانب 5: جو دونوں کا دوست رہا وہ بھی صحابی اور حق بجانب۔

اسی لئے شاہ صاحب کے یہاں قاتل بھی جنتی اور رضی اللہ عنہ اور مقتول بھی جنتی اور رضی اللہ عنہ اور قاتل کے طرفدار اور قتل میں شرکت کرنے والے بھی جنتی اور رضی اللہ عنہم۔ پھر مقتول کے طرفدار اور طرفداری میں مقتول ہونے والے بھی جنتی اور رضی اللہ عنہم۔ اور قاتل ومقتول سے الگ رہنے والے اور دونوں کو فتنہ قرار دینے والے بھی جنتی اور رضی اللہ عنہم۔ بتائیے ایسا مذہب اس موڈرن زمانہ میں سوائے کثرتِ رائے کی طاقت کے کیسے اور کب تک چل سکتا ہے؟

یہ خطرہ ہے آج مجتہدین کو اور اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ جو اُن کی کھوپڑی سے اور اُن کی طرح نہیں سوچتا اسے اسلام سے خارج کر دیا جائے اور قانون بنا دیا جائے کہ کوئی پاگلوں کو پاگل کہے تو اس عقلمند کو پاگل خانے یا جیل خانہ یا قبرستان میں پہنچا دیا جائے۔ میں یقیناً ایسا اقدام کرنے والوں کا مُنہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے اُن سے یہ دریافت کرنے کی جسارت واجب سمجھتا ہوں کہ دین آپ نے اور آپ کے بزرگوں نے بگاڑا ہے؟ یا میں نے اور میرے راہنماؤں نے بگاڑا ہے؟؟

مسئلہ نمبر 39: نماز میں تشہد اور تشہد میں فاروقی تعلیم

(1) تشہد کے بغیر نماز نہیں ہوتی: ''ابوبکر اور محمد بن الحسن حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ عمر نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی مگر تشہد کے ساتھ۔'' (ایضاً صفحہ 342)

یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ لیکن شیعہ و سُنی دونوں کے مجتہدین اس پر متفق نہیں ہیں۔ دونوں گروہوں میں تشہد کو سُنت ماننے والے بھی ہیں۔ اور بالکل فضول کہنے والے بھی ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ آخری سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی اگر ہوا نکل جائے تو نماز مکمل ہوگئی۔

(2) حضرت عمر کا جاری کردہ تشہد نوٹ کر لیں: ''مالک اور شافعیؒ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے عمر بن الخطاب سے سنا جب وہ منبر پر تھے۔ اور لوگوں کو تشہد سکھا رہے تھے کہ کہو:

''اَلتَّحیات للّٰه الزاکیات للّٰه الطیبات الصَّلَوات لِلّٰه، السلام علیک اَیُّھا النبیُّ ورحمة اللّٰه و برکاتهٗ ؛

السلام علینا وعَلٰی عبا د اللّٰه الصّالحین؛ اَشھد اَنْ لا اله الّا اللّٰه و اَشھدُ اَنَّ محمدًا عبدهٗ ورسولهٗ۔''

بغوی کے الفاظ ہیں۔ الطیبات لِلّٰه و الصلوات لِلّٰه۔ شافعی نے کہا کہ یہ تشہد جو میرے پاس ہے مجھے بچپن کے زمانہ میں اُس نے سکھایا جو علم میں ہمارے فقہاء سے سبقت لئے ہوئے تھا۔ پھر ہم نے اِس کو اُس کی سند کے ساتھ سُنا۔ اور جو تشہد اِس کے خلاف ہے اُس کو بھی سُنا تو ہم نے ایسی اسناد نہیں سُنیں جو ہمارے نزدیک اُس کی اسناد سے زیادہ مضبوط ہوں۔ اور یہ اُن کا یعنی شافعی مذہب ہے۔ جو پہلے تھا۔ پھر بعد کے دور میں شافعی نے یہ کہا کہ ہمارے اصحاب کی حدیث میں سے ہم تک ایسی حدیث پہنچی جس کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت سمجھتے ہیں۔ تو ہم نے اُس (دوسرے تشہد) کی طرف رجوع کر لیا۔''

(ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 343-342)

(3) حضرت عمر کے سکھائے ہوئے تشہد پر ایک توضیحی نظر

(i) سب سے پہلے یہ نوٹ کرنا چاہئے کہ حضرت عمر جب اپنی دینی بصیرت سے کچھ بیان کرتے ہیں تو **قال الرسوؐل** نہیں کہتے۔ بلکہ خالص اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم نافذ کرتے ہیں۔ ورنہ دوسرے صحابہ کی طرح وہ بھی رسوؐل کی زبانی بطور حدیث بیان دیا کرتے۔ لہٰذا مندرجہ بالا تشہد خالص فاروقی تعلیم ہے۔

(ii) پھر یہ نوٹ کریں کہ تشہد آپ مدینہ میں مسجد رسوؐل میں لوگوں کو سکھا رہے ہیں۔ اور معدودے چند بچوں کے اور سب لوگ رسولؐ اللہ کے صحابہ ہیں۔ اور صحابہ نماز کے تمام مسائل پر مطلع تھے۔ اور بچوں کو بھی وہی نماز اور تشہد سکھاتے چلے آرہے تھے جو رسولؐ اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ایسی صورت میں اُسی پرانے اور معلوم و مشہور شدہ تشہد کو سکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جس تشہد کی تعلیم دی گئی وہ آنحضرؐت والے تشہد میں مفید اصلاح کے بعد جاری کیا گیا تھا۔ تاکہ پورے قلمرو

میں ایک ہی متفقہ تشہد جاری ہو جائے۔

(iii) امام شافعی کا حال ملاحظہ ہو کہ فاروقی تشہد کو بالکل معیاری و اسلامی تشہد مانا اپنے استاد کی سند پر ناز کیا۔ اور اُس تشہد کی سند کو مضبوط تر قرار دیا۔ لیکن اس سب کے باوجود مزید تحقیق نے اُس تشہد کو اور متعلقہ اسناد و اعتماد کو باطل قرار دے دیا اور آپ نے فاروقی تشہد کو ترک کر کے حدیث رسولؐ میں بیان شدہ تشہد کو اختیار کر لیا۔ یہاں یہ بھی قدرتی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جنہوں نے جناب شافعی کی طرح کھلے دل سے تحقیق نہ کی یا حالات نے تحقیق کے مواقع فراہم نہ کئے یا جماعت کا خوف غالب رہا۔ یا کوئی وظیفہ اور تنخواہ متاثر ہونے کا اندیشہ حائل رہا وہ سب حضرت عمر کی تعلیم و تشہد پر عمل کرتے اور بچوں کا سکھاتے مدرسوں میں پڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ شک وشبہ اور تحقیق کا موقعہ ہی نہ رہا۔ اور ماہ وسال وصدیاں ونسلیں گزرتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ پہلے شاہ صاحب کا اور اب ہمارا زمانہ آ گیا۔

(iv) شاہ صاحب نے علامہ بغوی کے تشہد کا جملہ بھی لکھا ہے جو حضرت عمر والے تشہد سے مختلف ہے۔ تیسرے تشہد کا شافعی نے ذکر کیا ہے اور اسے بھی فاروقی تشہد کے خلاف بتایا ہے۔ چوتھا تشہد وہ ہے جسے جناب شافعی نے آخری دور میں اختیار کیا تھا۔ لہٰذا یہ چاروں تشہد تو یہاں ثابت ہو گئے۔ اور شاہ صاحب نے کوئی ایسی دلیل پیش کئے بغیر دوسرا مسئلہ شروع کر دیا جس سے اِن چاروں کا یا ان چاروں میں سے کسی ایک تشہد کا تشہد رسولؐ ہونا قَـاطِبَةً سو فیصد ثابت ہو جائے۔ رہ گیا فاروقی تشہد؟ اُس کو تنقید کے بعد شافعی کا چھوڑ دینا کافی ہے۔

(v) فاروقی تشہد کی معنوی پوزیشن اتنی سی ہے کہ کہ حضرت عمر نے یہ سکھایا کہ تم اللہ کے لئے یہ کہا کرو: 1: تمام تحیات اللہ کے لئے ہیں۔ 2: تمام زاکیات اللہ کے لئے ہیں۔ 3: تمام طیبات اللہ کے لئے ہیں۔ 4: تمام صلوات بھی اللہ کے لئے ہیں۔ ان چاروں چیزوں میں سے ایک لفظ زاکیات قرآن نے استعمال نہیں کیا ورنہ باقی تینوں قرآن میں موجود ہیں۔ ہم شاہ صاحب کے مترجم قرآن سے یہاں اُن کے معنی لکھ دیتے ہیں۔

1: تحیات۔ تمام دعائے خیر اللہ کے لئے ہیں۔ (دعا خیر ایشاں؛ پارہ 11، رکوع 6) (یونس 10/10)

2: طیبات۔ تمام پاک چیزیں اللہ کے لئے ہیں (زنانِ پاک؛ پارہ 18، رکوع 9) (نور 24/26)

3: صلوات۔ تمام نمازیں اللہ کے لئے ہیں۔ (پارہ 8، رکوع 7) (انعام 6/162 و 2/238)

4: زاکیات۔ تمام پاک چیزیں اللہ کے لئے ہیں۔ (تمام ڈکشنریاں)

یہ ہے کل کائنات جو حضرت عمر نے اللہ کی حمد و ثنا میں سکھائی ہیں۔ ذرا یہ آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo۔ (آل عمران 3/129)

''جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہ سب کچھ جس کے لئے حفاظت کا سامان بنا دے۔ اور اُسی سے جس کو چاہے عذاب میں مبتلا کر دے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔''

بتایئے اس آیت کے سامنے حضرت عمر کی تین چیزوں کی کیا حیثیت ہے؟ تین اس لئے کہ شاہ صاحب نے نفسِ زکیہ کا ترجمہ بھی پاک کیا ہے (پارہ 15، رکوع 22) (کھف 18/74) اور طیبات کا بھی پاک لکھا ہے۔ یعنی ساری کائنات کے مالک کو تین چار چیزوں والا کہنے سے غالباً اللہ کی کھلی توہین ہے۔ پھر التحیات دعائے خیر تو آدمیوں کے لئے کرنا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن میں بتایا ہے۔ اللہ کیلئے دعائے خیر بھی خالقِ خیر کی توہین ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس ذرا سی بے ہنگم عبارت میں تین دفعہ لِلّٰہِ لا کر فصاحت و بلاغت کا منہ چڑایا ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ امام مالک کے علاوہ کسی اور فقیہ یا محدث نے حضرت عمر والا تشہد اختیار نہیں کیا۔ حد ہوگئی کہ خود حضرت عمر کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی فاروق اعظم کے تشہد کو رد (Reject) کر دیا۔ (موطا امام مالک)

(4) <u>نماز کے خاتمہ پر شیعوں کا طریقہ</u>: ''ابوبکر حسن سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر سلام پھیرا کرتے تھے۔ ایک سلام کے ساتھ۔'' (صفحہ 343) یعنی داہنے بائیں گردن گھما کر سلام نہ کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

''میں کہتا ہوں کہ لوگوں نے نماز کے سلام میں اختلاف پیدا کر لیا ہے۔ اور میرے نزدیک راجح یہ بات ہے کہ نماز سے باہر آنا ایک سلام کے ساتھ جائز ہے۔ اس میں کوئی کراہت یا ناگواری نہیں ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 344)

مسئلہ نمبر 40۔ <u>نماز تراویح اور حافظوں کی رفتار پر رکعتوں کی تقسیم</u>

(1) <u>فاروقی عہد کے لوگ خود بدعتیں جاری کرنے میں مختار تھے</u>: حضرت عمر کی افتادِ طبع اور قانونی عمل سے لوگوں میں جدت پسندی بڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر نے اس جدت پسندی کو منظم کر دیا تھا، ارشاد ہے:

''مالک روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے کہ میں عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد کی طرف پہنچا۔ دیکھا کہ لوگ جُدا جُدا قِسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے۔ اور کوئی شخص اس طرح نماز پڑھ رہا ہے کہ اُس کے ساتھ ایک جماعت مل کر نماز پڑھ رہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر میں اِن سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا اور سب لوگوں کو ابی بن کعب کی امامت میں جمع کر دیا۔ اُس نے کہا کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ہمراہ مسجد میں پہنچا۔ اور سب لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو عمر نے کہا یہ بدعت اچھی ہے۔ (**نعمة البدعة هذه**)'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 349-348)

(2) <u>نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد مقرر کرنا</u>: ''شافعی سائب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ابی بن کعب اور

تمیم الداری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ مالک نے یزید بن رومان سے روایت کیا کہ لوگ عمرؓ کے زمانہ میں تیئیس (23) رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔" (ایضاً صفحہ 349)

(3) قرآن پڑھنے میں طوفانی رفتار حضرت عمر نے جاری کی تھی: "ابوبکر نے ابوعثمان سے روایت کی کہ عمر نے رمضان میں قاریوں کو بُلایا۔ پھر حکم دیا کہ جو قاری بہت تیز رفتار سے قرأت کرتے ہیں وہ ہر ایک رکعت میں تیس (30) آیات پڑھا کریں اور درمیانی رفتار والے قاری پچیس (25) آیات فی رکعت پڑھیں اور سُست رفتار والے قاری بیس (20) آیتیں ہر رکعت میں پڑھا کریں۔" (ایضاً صفحہ 349)

مسئلہ نمبر 41۔ نماز استسقاء بند ہوگئی

"لوگوں نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ نماز استسقاء پڑھ لیتے تو اچھا ہوتا تو فرمایا میں نے مانگ لیا ہے بارش کو آسمان کی اُن منازل سے جن سے قطراتِ باراں نازل ہوتے ہیں۔ میں (شاہ جی) کہتا ہوں کہ ابوحنیفہ نے کہا کہ استسقاء میں نماز مسنون نہیں ہے (یعنی رسولؐ اللہ نے نہیں پڑھی) اور شافعی نے کہا کہ عبداللہ بن زید اور ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے استسقاء کی نماز پڑھی ہے۔" (ایضاً صفحہ 348)

مسائل کی دھکا پیل میں یہ نوٹ کرنا نہ بھولیں کہ یہ لوگ احادیث کے موجود ہوتے ہوئے اس طرح احکام اور فیصلے صادر کرتے رہتے ہیں کہ عوام الناس خود بخود یہ سمجھ لیں کہ فلاں مسئلہ میں کوئی حدیث یا رسولؐ اللہ کا عمل موجود نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 42۔ اُکڑوں بیٹھ کر نماز پڑھنا

"عباد بن منصور سے روایت ہے کہ عمر نے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے۔" (صفحہ 353) حاشیہ میں بتایا ہے کہ:۔

"احتباء اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین سے ملے ہوئے ہوں۔ اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہوں۔" (ازالۃ الخفاء جلد 3 حاشیہ صفحہ 353)

مسئلہ نمبر 43۔ ظہر کے وقت سے پہلے بھی ایک چار رکعتی نماز

"ابوبکر عون بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر کے ساتھ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھی۔ میں (شاہ جی) کہتا ہوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ نماز صلوٰۃ الزوال ہو (یعنی چہ؟) اور غالب گمان یہی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ وہ ظہر کی سنتیں ہوں۔" (ایضاً صفحہ 352)

سوچئے کہ اندھی عقیدت میں تنکوں سے یوں پُل بنائے جاتے ہیں۔ گمان و احتمال وہ بھی بعدِ تیرہ سو سال جنون است و

محال۔ جب تک اپنے اعمال کے متعلق خود حضرت عمر کوئی بیان نہ دیں کسی کو حق نہیں ہے کہ اُن پر تہمت وافترا کرے۔

(1) یہ نماز سنت نہیں تھی بلکہ واجب اور باجماعت تھی: یہ تو کوئی نئی نماز تھی جو باجماعت ہوتی تھی اور ہرگز سنۃ نماز نہ تھی۔ اس لئے کہ حضرت عمر سنۃ نمازوں کو دو دو رکعات کر کے پڑھا کرتے تھے۔ دیکھئے شاہ صاحب نے مانا ہے:

''مالک کہتے ہیں کہ اُن کو یہ روایت پہنچی ہے کہ عمرؓ بن الخطاب فرمایا کرتے تھے کہ رات کی نماز (نفلیں) اور دن کی نمازیں دو دو رکعتیں ہیں۔ آپ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا کرتے تھے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 354)

مسئلہ نمبر 44۔ نمازوں کی رکعات پر بھی نظر تھی

''شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ عمرؓ بن الخطاب مسجد میں داخل ہوئے اور اُنہوں نے ایک رکعت نماز پڑھی۔ اس پر اُن سے کہا گیا کہ آپ نے صرف ایک ہی رکعت نماز پڑھی؟ فرمایا کہ یہ صرف نفل تھی۔ اُن کی تعداد میں جس کا دل چاہے کمی وزیادتی کر سکتا ہے۔'' میں (شاہ جی) کہتا ہوں کہ عمر کے اسی قول سے شافعی نے احتجاج کر کے بتایا ہے کہ نوافل کے احکام میں وسعت ہے۔'' (ایضاً صفحہ 353)

مسئلہ نمبر 45۔ نماز کی قرأت میں آزادی کا دیباچہ

''مالک وابوبکر در بارۂ آیت سورہ جمعہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہ کو عمر نے '' فَامْضُوْا الٰی ذکر اللّٰہ'' پڑھا۔ میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ یہ فاسعوا کا مفہوم ہے۔ اس طرح آپ نے اُس کی تفسیر کی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 355)

شاہ صاحب بھی کہتے ہیں اور ماشاء اللہ بلا دلیل وہم وگمان واحتمالات وعقیدت وقومی دباؤ کے ماتحت کہتے ہیں۔ اور میں بھی کہتا ہوں کہ آیت کی قرأت کے دوران آیت کے الفاظ کو بدلنا تحریف ہے (قرآن وحدیث) اور یہ حرام فعل ہے۔ تفسیر، آیت کو من و عن پڑھنے کے بعد کی جاتی ہے (تمام علما متفق) اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ **فاسعوا** کے معنی **فامضوا** کرنا عربی زبان اور قرآن سے تمسخر ہے۔ (ڈکشنریاں)

مسئلہ نمبر 46۔ نماز جنازہ میں اصلاحات

یہ مسئلہ کافی تفصیل چاہتا ہے اور ہمارے پاس تفصیل کا وقت نہیں ہے۔ صرف اتنا عرض کرنا لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قسم کے مسلمانوں پر مخصوص طریقوں سے نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ جن کو آپ بہت پسند فرماتے تھے اُن کے جنازوں پر کثرت سے دعائیں پڑھتے تھے۔ لہٰذا سات سات تکبیروں تک نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح منافقوں کے جنازوں میں دعائے مغفرت کو ساقط کر فرماتے تھے۔ چنانچہ چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ پڑھتے اس لئے تھے کہ منافقین بددل

ہوکر مسلمانوں میں سے نکل نہ جائیں۔اوراس طرح اُن کی اولاد وازواج واقربا میں اسلام پھیلنا بند نہ ہو جائے۔ بہرحال احادیث میں آپ کو سات تکبیریں، چھ تکبیریں اور پانچ وچار تکبیریں نماز جنازہ ملیں گی۔حضرت عمر نے حکماً چار تکبیروں والی نماز جنازہ کو باقی رکھا اور باقی نمازوں کو منسوخ کردیا۔شاہ صاحب سے سنئے:

''ابوحنیفہ حماد سے، وہ ابراہیم سے، کہ لوگ جنازوں کی نمازوں پر پڑھا کرتے تھے پانچ اور چھ اور چار تکبیرات۔ یہاں تک کہ رسولؐ اللہ کی وفات ہوگئی۔ پھر اسکے بعد ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں بھی یوں ہی تکبیرات ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی۔ پھر خلیفہ ہوئے عمرؓ بن الخطاب تو لوگوں نے اُنکے زمانہ میں بھی اسی طرح (پانچ و چھ و چار تکبیرات پر) عمل کیا۔ جب یہ اختلاف عمر بن الخطاب نے دیکھا (یعنی 12 سال+2 سال 4 ماہ+5 سال=19 سال 4 ماہ تک حضرت عمر نے کوئی نماز جنازہ نہ پڑھی تھی، نہ پڑھائی تھی نہ پڑھاتے ہوئے دیکھا تھا۔قارئین اس غپ کو کسی ٹال والی ترازو میں وزن کرالیں) تو کہا کہ اے گروہِ صحابہ جب تمہارے زمانہ میں یہ اختلاف ہے تو تمہارے بعد والوں میں اور بھی زیادہ اختلاف بڑھے گا۔اور ابھی مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت اور شرک سے نکلے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے۔ لہٰذا تم نماز جنازہ کے معاملہ میں ایک طریقے پر متفق ہو جاؤ گے تو تمہارے بعد والے لوگ بھی (بلا تحقیق کئے) تمہارے متفقہ طریقے پر چلیں گے۔ بالآخر اصحاب محمدؐ کی رائے اس پر متفق ہوگئی کہ وہ اُس آخری جنازہ پر نظر کریں جس پر اپنی وفات سے پہلے نبیؐ نے تکبیر پڑھی تھی۔ پھر سب لوگ اُسی کو اختیار کرلیں۔اور اُس کے سوا دوسرے طریقے سے ہٹ جائیں۔تو اُنہوں نے اس آخری جنازہ پر جس پر رسولؐ اللہ نے تکبیر پڑھی چار تکبیریں پائیں (اس مردہ کا نام کیوں پوشیدہ رکھا گیا؟)''(ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 359-358)

قارئین یہ سمجھ لیں کہ اس بیان میں حضرت عمر کی پردہ پوشی کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ حضرت عمر آنحضرتؐ کے ہر قول وفعل کو بنظر غائر اور برائے تنقید دیکھتے تھے۔نماز جنازہ پر اُنہیں کوئی اعتراض قائم کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔وہ رسولؐ اللہ کی تکبیروں کی تعداد اور مقصد پر مطلع تھے۔ جب انہوں نے اپنی حکومت کو شریعت سازی اور اسلامی شریعت کی تنسیخ کے اختیارات سے مرصع فرما لیا تو چاہا کہ آئندہ مرنے والوں پر صرف چار تکبیریں ہوا کریں۔اور یہ حکم نافذ کردیا گیا اور پورے قلمرو میں سب کو ماننا پڑا۔رہ گیا یہ کہنا کہ نماز جنازہ پر تحقیق کی گئی اور آخری مردہ پر آنحضرت کا چار تکبیریں پڑھنا ثابت ہوگیا یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ورنہ اُس مردہ کا اور تحقیق کرنے والے صحابہ کا نام بتانا لازم ہے۔تحقیق کے ذرائع اور ثبوت کا کہیں تذکرہ ہونا لازم تھا۔ یہ سب کچھ نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ بعد کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کا خود حضرت عمر کو بھی علم نہیں تھا۔اور بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو یہ دکھانا لازم ہے کہ وہ آخری مردہ منافق نہیں تھا۔

(1) جنازہ کی آخری نماز چار تکبیروں والی نہ تھی: ''بیہقی نے سعید بن مسیّب سے اور اُس نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا کہ وہ سب روایات چار اور پانچ تکبیرات کی تھیں۔لیکن ہم نے چار تکبیر جنازہ پر اجماع کرلیا۔'' (ایضاً صفحہ 359)

(2) چار تکبیر پر اجماع کی وجہ بھی سُن لیں: قارئین دیکھتے جائیں کہ کہیں نہ عقل کو راہنما بنایا جارہا ہے نہ قرآن کریم سے کوئی مدد لی جارہی ہے۔بس اجماع اور احکام اور انٹ سنٹ روایات کی مشین ہے جو چل رہی ہے۔اور یہ مشین بھی کسی عقلمند کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔اب دوسری روایت سنئے اُس سے بھی رسولؐ اللہ کی اُس آخری جنازہ والی بات کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ چند لوگ جمع ہوئے مختلف واقعات سنائے اور ایک واقعہ کو اختیار کرلیا۔ذرا اُن کی دلیل ملاحظہ ہو:

''حضرت عمر نے لوگوں کو (صحابہ کو نہیں) جمع کیا۔پھر اُن سے مشورہ کیا جنازے کی نماز پڑھنے کے بارے میں تو بعض لوگوں نے (صحابہ نے نہیں) کہا کہ رسولؐ اللہ نے پانچ تکبریں پڑھیں ہیں۔اور اُن میں سے بعض نے کہا سات تکبریں پڑھیں۔اور بعض نے کہا چار تکبیرات پڑھیں۔پھر سب کا اجماع ہوگیا چار تکبیرات پر اس لئے کہ نماز کی زیادہ سے زیادہ رکعتیں چار ہوتی ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 359)

بتایئے اس کا نماز جنازہ سے کیا تعلق ہے جہاں نہ رکعت ہے، نہ رکوع ہیں، نہ سجدے ہیں نہ سلام ہے۔نہ اٹھنا بیٹھنا ہے؟

(3) ذرا منافقوں والی نماز کا اشارہ بھی سن لیں: ''ابوبکر نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہ ہم سے رسولؐ اللہ نے اور ابوبکر اور عمر نے میت پر نماز کے بارے میں کسی دعا کی صراحت نہیں کی۔'' (ایضاً صفحہ 360)

چونکہ چار تکبیر والی نماز میں دعا تھی ہی نہیں۔اور آپ نے اُسی نماز پر اجماع کرلیا لہٰذا دعا والی اسلامی نماز سے خود محروم ہوئے اور اپنے تمام ہم مذہب لوگوں کو محروم کردیا۔

مسئلہ نمبر 47۔ روزہ کھولنے میں جلدی کرنے والوں سے خیر وابستہ رہے گی

''ابوبکر عطا سے کہ عمر نے فرمایا کہ اس امت کے ساتھ خیر ہمیشہ رہے گی جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 374)

(1) بذریعہ فرمان روزہ جلد کھولنے کا حکم دیا گیا تھا: ''ابوبکر سعید بن المسیب سے کہ عمرؓ اپنے امراء کو لکھا کرتے تھے کہ افطار میں تاخیر کرنے والے نہ بنو۔اور نہ اپنی نماز کے لئے ستاروں کی جگمگاہٹ کا انتظار کرو۔'' (ایضاً صفحہ 374)

قارئین نوٹ کریں کہ ایسے صحابہ موجود تھے جو روزہ افطار کرنے میں لازماً دیر کرتے تھے۔نماز لیٹ کر کے صحیح وقت پر پڑھتے تھے۔اور اس اسلامی شریعت پر عمل کرنا چاہتے تھے جسے منسوخ کیا جارہا ہے جسکے خلاف احکام و فرمان جاری کئے جارہے ہیں۔

(2) تاریکی کے بعد نماز مغرب، نماز کے بعد افطاری: ذرا دیکھئے کہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت عمر و عثمان کو صحیح وقت پر نماز و روزہ

ادا کرنا پڑتا تھا۔لوگ بتاتے ہیں کہ:

''شافعی حمید بن عبدالرحمٰن سے ،عمرؓ اور عثمانؓ دونوں مغرب کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب دیکھ لیتے تھے تاریک رات کی طرف۔ پھر افطار کیا کرتے تھے بعد نماز کے اور یہ رمضان میں ہوتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 374)

مسئلہ نمبر 48۔ حج کے دوران حالتِ احرام میں خوشبو لگانا ناجائز کر دیا

اِس سلسلہ میں آپ یہ قصہ پڑھیں گے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسولؐ نے اپنے بھائی معاویہ کے عطر لگانا چاہا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر کا سامنا ہوگا۔اس لئے ٹالنے لگے مگر وہ جانتی تھیں کہ خوشبو لگانا جائز ہے۔لہٰذا قسم دی اور عطر لگا دیا۔آخر وہی ہوا کہ حضرت عمر نے ڈانٹ پلائی۔اُلٹے پاؤں ام حبیبہ ہی سے دھلوانے کی سزا دی اور اسی روایت کو یوں بھی لکھا ہے کہ:۔

''ابوبکر ابن عمر سے ،عمرؓ بن الخطاب نے احرام کے وقت خوشبو محسوس کی تو خوشبو والے کو دھمکایا تو معاویہ واپس ہوئے اور جس کپڑے میں وہ لپٹے ہوئے تھے اس کو اُتار ڈالا یعنی وہ خوشبو لگا ہوا تھا۔میں (شاہ جی) کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کو اہل فقہ نے اختیار نہیں کیا۔کیونکہ عائشہؓ کی یہ حدیث اُن کے نزدیک صحیح ہے کہ'' گویا میں رسولؐ اللہ کی مانگ میں آپ کے احرام سے تین دن گزرنے کے بعد خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔اس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے روایت کیا ہے۔'' (ایضاً 380-379)

مسئلہ نمبر 49۔ حج میں بھی دو دو نمازوں کا ملانا پسند نہ تھا

تمام علما اور حاجی جانتے ہیں کہ عرفات ومزدلفہ میں آج تک ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ملا کر پڑھی جاتی ہیں۔اور اہلسنت ریکارڈ سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ہمیشہ اُن دونوں مقامات پر دو دو نمازوں کو ملا کر پڑھا تھا۔مگر حضرت عمر ارادہ فرما چکے تھے کہ اسلام کی تمام عبادات واعمال واحکام کو بدل کر چھوڑیں گے۔چنانچہ آپ نے حج کے مسائل کو گن گن کر تبدیل کیا یہاں جمع بین الصلاتین پر روایت سنئے:

''ابوبکر علقمہ اور اسود سے کہ 1:عمرؓ نے ظہر وعصر کو جمع کیا عرفات میں پھر وقوف کیا۔2:ابوبکر اسود سے کہ عمرؓ نے دونوں نمازوں کو مزدلفہ میں پڑھا جمع کے ساتھ۔3:ابوبکر عثمان نھدی سے کہ انہوں نے عمرؓ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی بغیر جمع کے۔یعنی مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھا۔میں (شاہ جی) کہتا ہوں کہ پہلی صورت یعنی دو دو نمازوں کو جمع کرنا وہ افضل اور پسندیدہ ہے۔اور دوسری صورت یعنی جمع نہ کرنا۔اس بات کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص نے (عمل رسولؐ کے خلاف) جمع کرنے کو ترک کر دیا۔اور ہر نماز کو (خود اپنی سند سے) اپنے وقت معہود میں پڑھ لیا تو جائز ہے۔''

(جلد سوم صفحہ 385،ازالۃ الخفاء کے حوالجات جاری ہیں)

مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو خلافِ سنت و واجب عمل کرنے کا نمونہ قائم کرتے جا رہے تھے۔ اور لوگ دھڑا دھڑ نئی شریعت پر عمل کر رہے تھے۔

مسئلہ نمبر 50۔ وراثت کی تقسیم میں حقداروں کو اُلٹ پلٹ کرنا

''اور مروی ہے ابن عباس سے کہ جس نے فرائض (میراث) میں سب سے پہلے عَــوْل کا طریقہ نکالا وہ عمرؓ تھے۔ جب کہ حصوں کی تقسیم میں ٹکراؤ ہوا اور بعض وارثوں کے حصے دوسرے وارثوں کے حصوں کو متاثر کر کے کم کرنے لگے تو عمر نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ تمہارا کیا فیصلہ کروں؟ واللہ میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس کو خدا نے مقدم کیا ہے اور کس کو مؤخر کیا ہے؟ اور میں اس مال میں کوئی طریقہ اس سے بہتر نہیں سمجھتا کہ میں اسکو تمہارے اوپر باعتبارِ حِصَص تقسیم کر دوں۔ پھر کہا ابن عباس نے اور خدا کی قسم اگر عمرؓ اُسکو مقدم کر دیتے جسکو اللہ نے مقدم کیا ہے اور اُس کو مؤخر کر دیتے جس کو اللہ نے مؤخر کیا ہے تو فریضہ (میراث) میں عوال نہ واقع ہوتا۔ اس پر اُن سے پوچھا گیا کہ کن حصص کو اللہ نے مقدم کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جس فریضہ (میراث) کو اللہ نے نیچے نہیں اُتارا ہے مگر ایک فریضہ کی طرف (جیسے تہائی کو اُتار کر چھٹا حصہ کر دیا) تو یہ وہ ہے جس کو خدا نے مقدم کیا ہے۔ اور جو فریضہ ایسا ہو کہ جب اُس کو اُس کے معینہ فرض سے (یعنی حصے سے) ہٹایا تو اس کیلئے اور کوئی حصہ معین نہیں کیا۔ بجز باقی ماندہ کے تو یہ وہ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے مؤخر کیا ہے تو جن کو خدا نے مقدم کیا ہے جیسے زوجین اور ماں۔ اور جن کو مؤخر کیا ہے جیسے بہنیں اور بیٹیاں۔ جب اس طرح کے فرائض (حصے) جمع ہو جائیں جن کو خدا نے (بمعنی مذکور) مقدم و مؤخر کیا ہے تو مقدم سے شروع کیا جائے اُس کو اُس کا حصہ پورا دیا جائے۔ پھر اگر کچھ بچ جائے تو اُن مؤخر والوں کو دیا جائے اور کچھ نہ بچے تو اُن کو کچھ نہ دیا جائے۔'' (ازالۃ الخفا مترجم جلد 2 صفحہ 42)

جناب مترجم مولوی اشتیاق حسین صاحب دیوبندی نے عول کے معنی و تشریح لکھی ہے کہ:

> ''عول قائم کیا کا مطلب یہ ہے کہ سہام یعنی حصوں کے عدد بڑھا دیئے ہیں مثلاً: کسی نے دو بیٹیاں چھوڑیں اور ماں و باپ اور زوجہ چھوڑے تو ان کے کُل حصے چوبیس بننا چاہئیں۔ لہٰذا چوبیس حصوں میں سے دو ثلث (2/3) یعنی آٹھ آٹھ حصے دونوں بیٹیوں کے۔ اور چھٹا حصہ باپ کا اور چھٹا حصہ ماں کا یعنی چار چار۔ اور آٹھواں حصہ بیوی کا یعنی تین ہوتے ہیں۔ تو اُن حصوں کا مجموعہ چوبیس سے بڑھ کر ستائیں (27) ہو گیا۔ اس لئے ایسا کیا گیا کہ کل حصے چوبیس کے بجائے ستائیس کر دیئے گئے۔ لہٰذا سہام کے عدد میں تین کا اضافہ ہو گیا۔ اس کو عول کہتے ہیں۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 2 صفحہ 42 کا حاشیہ)

(i) ذرا حساب فہمی کرلیں۔ عول کا طریقہ:

قرآن کریم سے یہ حصے مقرر ہیں (سورۃ نساء 4/11-12) :

زوجہ	والدہ	والد	بیٹیاں
1/8	1/6	1/6	2/3

$$\frac{3 + 4 + 4 + 16}{24} = 27$$

ذو اضعاف اقل مشترک 24

یہاں کل 24 حصے ہیں 27 دینا ہیں۔

عبداللہ ابن عباس کا بتایا ہوا طریقہ کہتا ہے کہ کل حصے چوبیس بنتے ہیں۔لہذا پہلے مقدم حصہ والوں کو تقسیم کردیں:

یعنی ماں 1/6، باپ 1/6،زوجہ 1/8 لہذا:

زوجہ	باپ	ماں
1/8	1/6	1/6

$$\frac{3 + 4 + 4}{24} = \frac{11}{24}$$

$$\frac{24}{24} - \frac{11}{24} = \frac{13}{24}$$ باقی

کل ترکہ کا 11/24 مقدم لوگوں کو ملا تو باقی رہا 13/24......(24/24-11/24=13/24)

لہٰذا دونوں بیٹیوں کو 13/24 کا آدھا آدھا دے دیا جائے گا 13/48 فی کس۔

یوں میزان و تقسیم صحیح ہو جائے گی۔

بیٹیاں...... ماں......... باپ....... زوجہ.........

3 +4 +4 +13 =24

(ii)۔ (ہمارا مسئلہ) خلفا کے فیصلے خواہ غلط ہوں یا صحیح؟ ان پر عمل واجب ہے؟

اگر قارئین اس مترجم ازالۃ الخفاء جلد دوم کے صفحہ 39 تا 42 ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو وراثت کی تقسیم پر ایک بھول بھلیاں میں سے گزرنا پڑے گا۔اور اچھی خاصی گرانیٔ خاطر محسوس ہو گی۔ہمیں اِن مسائل پر کچھ کہنا منظور نہیں ہے۔سوائے اُس

کے جوقرآن کریم نے سکھایا۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِo (کافرون 109/6)
تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا دین مبارک۔ مگر قارئین کی توجہ اُس خلافِ قرآن وخلاف رسولؐ زبردستی پر ضرور مبذول کرنا ہے جو حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عباس کے جواب میں اپنے دین کے قانون کی حیثیت سے پیش کی تھی یعنی:

''عثمانؓ نے کہا کہ مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ اُن فیصلوں کو رد کر دوں جو مجھ سے پہلے کے ہیں اور شہروں میں اُن پر عمل بھی جاری ہے۔ اور اُن کی رُو سے لوگوں کو وراثت ملی ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ 40)

یہاں قارئین یہ بات نوٹ کر کے آگے بڑھیں کہ حضرت عثمان کا یہ جواب نہ صرف اللہ ورسولؐ یعنی قرآن وحدیث کے خلاف ہے بلکہ خود حضرت ابوبکر وعمر واصول اجتہاد اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ گویا اِس مذہب کا اصول یہ ہے کہ نہ تحقیقِ حق کی جائے گی نہ غلطی کی اصلاح کی جائے گی۔ جو ہو چکا وہ ہو چکا اور اب اس پر عمل واجب ہے۔ میں اور ہر صاحبِ عقل ایسے مذہب کا انکار کرنا اسلامی تعلیمات کا اصل الاصول سمجھتے ہیں اور اس کے منکر ہیں۔

مسئلہ نمبر 51۔ حضرت عمر کے ذہن میں نہ معلوم کتنی آیات تھیں جو قرآن میں نہیں

ہم نے جو یہ چند مسائل لکھے ہیں اِن کے جواز میں یہ بھی امکان ہے کہ ممکن ہے۔ (معاذ اللہ) حضرت عمر نے نزول قرآن کے دوران رسولؐ اللہ سے کچھ ایسی آیات اور احادیث سُنی اور اپنے مشہور ریکارڈ میں نوٹ کی ہوں جو آج قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ اور جو صحابہ میں سے کسی اور نے نوٹ ہی نہ کی ہوں۔ ہم نے یہ امکان اس لئے سامنے رکھا ہے کہ حضرت عمر نے اسی سلسلہ کی ایک نہایت اہم بات فرمائی ہے۔ جسے امام محمد اسماعیل بخاری اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھتے ہوئے یہ خیال بھی نہ کیا کہ اس بات کو ماننے سے قرآن کریم کی حقانیت پر کیا اثر پڑے گا۔ لکھتے ہیں کہ:

''اخذ کیا بخاری اور مسلم نے؛ مروی ہے ابن عباس سے کہ عمر کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ کی حمد وثنا کی اور فرمایا کہ اَئے لوگو! آیت رجم (اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌo) (ترجمہ نہیں کیا گیا)
(ہمارا ترجمہ: جب کوئی شیخ اور شیخانی زنا کریں تو شیخانی کو اللہ کی جانب سے بطور عذاب سنگسار کردو۔ اور اللہ ہمیشہ غالب رہنے والا حکیم ہے) (شاہ صاحب کی عبارت مسلسل)
کی طرف سے تم دھوکے میں نہ پڑنا کیونکہ وہ کتاب اللہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور ہم نے اُس کی قرأت کی ہے۔ اور وہ اکثر قرآنوں میں سے جاتی رہی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلی گئی ہے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے کہ نبیؐ نے رجم کیا۔ اور ابوبکرؓ نے رجم کیا۔ اور اُن دونوں کے بعد میں نے رجم کیا ہے۔ اور ایک ایسی قوم اس امت میں آئے گی جو رجم کی تکذیب کرے گی۔'' (ایضاً جلد 2 صفحہ 204)

اس پر مترجم نے حاشیہ میں یہ وضاحت فرمائی ہے:

''یہ آپ کی پیشینگوئی سچی ثابت ہوئی۔ خوارج نے انکار کیا کہ زانی کے رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے۔ اور بقول مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ممسوخ فرقہ اس زمانہ میں بھی انکار کر رہا ہے۔'' (ایضاً جلد 2 حاشیہ صفحہ 204)

ذرا صبر فرما کر یہی روایت بدلی ہوئی صورت میں تیسری جلد سے بھی سن لیں:

''حضرت عمر نے خطبہ دیا۔ پھر اللہ کی حمد اور اس کی ثنا کی۔ پھر رجم کا ذکر کیا اور کہا کہ تم اس کے بارے میں دھوکے میں نہ رہنا۔ کیونکہ وہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے۔ یاد رکھو کہ رسولؐ اللہ نے رجم کیا ہے اور ہم نے بھی آپؐ کے بعد رجم کیا ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کہنے والے یہ کہیں گے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں ایسی بات بڑھا دی جو اُس میں نہیں تھی تو میں قرآن میں کسی جگہ یہ لکھ دیتا کہ اس بات کا گواہ عمرؓ بن الخطاب ہے۔'' (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 512)

<u>دونوں روایات پر تین باتیں:</u> پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ حضرت عمر آیت یا حدیث بیان کرنے والے سے بڑی سختی اور پابندی کے ساتھ گواہ طلب کیا کرتے تھے۔ مگر رجم والی اس آیت پر تمام صحابہ میں سے کوئی ایک بھی اُن کا گواہ اور ہم نوا نہیں ہے۔ رہ گیا صحابہ کا مخالفت میں نہ بولنا؟ زبان بندی کا ہمہ گیر انتظام ہم نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اور خود اس بیان میں تکذیب کرنے والی قوم پر پیشگی عتاب کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ کوئی پیشینگوئی نہ تھی۔ اُس قوم کو حضرت عمر جانتے تھے اُن ہی کی روک تھام کر رہے تھے، اُن سے روزانہ ملتے تھے، طرح طرح کے مکالموں سے اُن کا دل ٹٹولتے رہتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں جو الفاظ ہیں اُن میں کسی شیخ (الشیخ) اور شیخانی کے زنا کا ذکر تو موجود ہے لیکن زنا کی سزا میں شیخ کو شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ شیخانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اس آیت میں **فَارْجُمُوْهُمَا** نہیں بلکہ **فَارْجُمُوْهَا** فرمایا گیا ہے۔ لیکن سنگساری کی سزا زانی اور زانیہ دونوں کو دی جاتی رہی ہے۔ کیا وہ سزائیں اس آیت کے مطابق تھیں؟ تیسری بات ذرا غور طلب ہے۔ یعنی خارجیوں نے یہ کہا تھا کہ:

(1) ''زانی کے رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے'' اور حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ:

(2) ''رجم کی آیت بہت سے قرآنوں میں سے جاتی رہی ہے۔'' اور یہ کہ:

(3) ''آیت رجم رسول اللہ کے ساتھ چلی گئی ہے۔'' اور یہ بھی کہ:

(4) ''ایسی بات قرآن میں بڑھا دی جو قرآن میں نہیں تھی۔''

میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ قرآن کو دیکھنے والا ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ:

(5) ''قرآن کریم میں ہرگز کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جس میں زانی اور زانیہ کے لئے لفظ رجم موجود ہو۔''

اب قارئین کرام بتائیں کہ کیا اِن پانچ اقوال کے قائلین کو مکذِب قرار دینا صحیح ہے؟

مسئلہ نمبر 52۔ بلا نکاح جنسی تعلق قائم کرنا مردوں کو جائز؛ عورتوں کے لئے حرام؟

اُمت کے عوام اور تمام شریف انسان یہ سمجھتے چلے آئے ہیں کہ جب تک اللہ و رسولؐ کے حکم اور شرائط مذہب کے مطابق مرد و عورت نکاح نہ کریں اور تمام متعلقہ ذمہ داریوں کو گواہوں کے سامنے قبول نہ کریں۔ جنسی تعلق حرام، مذموم، گناہ اور جرم ہے اور اُسی کو شریعت میں زنا فرمایا گیا ہے۔ اور اُسی کی سزا سنگسار کرنا ابھی مذکور ہوا ہے۔ مگر عربوں میں جہاں اور بہت سی آزادیاں تھیں وہاں یہ سہولت بھی تھی کہ زرخرید عورت ہر حال میں بلا کسی نکاح اور جھنجھٹ کے زوجہ کی طرح استعمال کی جاتی تھی۔ جب مشرکین عرب مسلمان ہو گئے تو اُنہوں نے اپنی زرخرید کنیزوں سے یہ تعلق جاری رکھا۔ اُس کی آئندہ روک تھام کے لئے قرآن نے حکم دیا کہ:

وَاَنكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ o وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهٖ......۔(نور 33-24/32)

’’تم غیر شادی شدہ لوگوں اور نیک زرخرید عورتوں اور مردوں کا نکاح کردو۔ اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور جن لوگوں کو اس حکم نکاح کی تعمیل میں ’’نکاح نہ ملے‘‘ (یعنی بیوی یا شوہر نہ ملے، یعنی موزوں رشتہ نہ ملے) انہیں پارسا زندگی اختیار کر لینا چاہئے۔ یہاں تک کہ اللہ اُن کو بھی اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جہاد میں ہتھیار ڈالنے والے قیدی، جو تمہیں رسولؐ اللہ نے دوطرفہ معاہدہ کے ساتھ تحویل میں دیئے ہیں (مااملکت ایمان) وہ اگر تحریری آزادی چاہیں تو انہیں آزاد کر دو اور اُنہیں اس مال میں سے بھی دے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی نوجوان لڑکیوں کو دنیاوی مال بٹورنے کے لئے جنسی بے راہ روی پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پابند شرع رہنا چاہتیں ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اُنہیں مجبور کرے گا۔ تو اللہ اُن (لڑکیوں) کو رحم و مغفرت سے نواز دے گا۔‘‘

لیکن عرب کے مسلمانوں نے نہ اس حکم کی تعمیل کی اس لئے کہ انہیں اس سے دنیاوی نقصان ہوتا تھا۔ اور نہ آئندہ اُن قوانین کو باقی رکھا جو بردہ فروشی اور حرامکاری کو امت میں سے نکال دیتے۔ اُس کا آخری نتیجہ کیا ہوا؟ سب کو معلوم ہے۔ آج بردہ فروشی اور کنیز بازی ساری دنیا میں حتیٰ کہ کافر اقوام میں بھی جرم ہے۔ مگر ماشاء اللہ مسلمان ممالک میں اور ہمارے علما کی کتابوں میں یہ سب جائز و حلال ہے۔ اس سلسلے کا ایک قدیم مگر معقول حادثہ سننے کے قابل ہے:

’’قتادہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام سے مباشرت کی۔ اُس کا حال عمر سے بیان کیا گیا تو آپ نے اُس عورت سے سوال کیا کہ اِس فعل پر تجھ کو کیسے جرات ہوئی؟؟ اُس نے کہا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ میرے لئے بھی وہ سب کچھ

حلال ہے جو مردوں کیلیئے زرخرید عورتوں اور مردوں سے حلال ہے۔ اسکے بعد عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اِس عورت نے کتاب اللہ سے اصل مفہوم کے خلاف معنی مراد لئے (تاویل کے علاوہ تاویل کی ہے) اس پر عمر نے کہا کہ قسم بخدا اب میں تجھے کسی بھی آزاد مرد کیلیئے حلال نہ کرونگا۔" "گویا عمر نے اس عورت کو سزا دی اور حدِّ (سزائے) زنا کو اُس سے روک دیا۔ اور غلام کو حکم دیا کہ وہ کبھی اُس کے پاس نہ جائے۔" (ازالۃ الخفاء جلد 2 صفحہ 179-178)

قارئین نوٹ کریں کہ حضرت عمر حلال وحرام کرنے کا اختیار رکھتے تھے اور کھل کر بالاعلان حرام وحلال کرتے تھے۔ حالانکہ تمام علمائے اسلام متفق ہیں کہ حلالِ محمدؐ حلال ہے قیامت تک اور حرامِ محمدؐ حرام ہے قیامت تک۔ اور یہ کہ اللہ ورسولؐ اللہ کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے یہ اجازت نہیں ہے کہ کسی مسئلہ یا معاملہ کے بارہ میں حلال وحرام کرنے کے لئے زبان کھولے۔ قرآن نے حکم دیا ہے کہ (شاہ ولی اللہ کا ترجمہ:)

"ومگوئید چیزیرا کہ بیان میکند حکم اُوزبانِ شمابدروغ کہ آں حلال است وایں حرام است تاافترا میکنند برخدا دروغ را۔ ہر آئینہ آناں کہ افترا میکنند برخدا دروغ را رُستگاری نمی شوند ایشاں را بُود بہرہ مندی اندک وایشاں را باشد عذابِ درد دھندہ۔" (نحل 117-16/116)

"اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر بھلا نہیں پاتے تھوڑا سا برت لیں اور اُن کو دکھ کی مار ہے۔" (نحل 117-16/116)

(شاہ عبدالقادر، شاہ ولی اللہ کے فرزند قرآن ڈبل ترجمہ صفحہ 374 مطبع انصاری دہلی)

قارئین کرام یہ آیات اپنے مکتب فکر کے ترجمہ میں دیکھ کر یہ تصدیق کرلیں کہ ہر وہ شخص جو قرآن وحدیث سے ہٹ کر اپنے الفاظ اور اپنی زبان حرام وحلال قرار دینے کے لئے کھولتا ہے۔ وہ دروغ باف ہے، اللہ پر افترا کرنے والا ہے اور آخر کار دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ سوائے اُس کے جو یہ کہے کہ اللہ نے فلاں آیت میں اور رسولؐ نے فلاں حدیث میں حرام یا حلال فرمایا ہے۔ اور زیر نظر شریعت سازی کی شان یہ ہے کہ فلاں مسئلہ اللہ ورسولؐ نے حلال وجائز کیا تھا۔ تمام مسلمانوں نے اُس پر عمل کیا پہلے خلیفہ نے اسے جائز رکھا مگر حضرت عمر نے کہا: "میں حرام کرتا ہوں اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دوں گا۔"

مذکورہ عورت کے لئے نہ اس کا غلام حرام تھا نہ خدا ورسولؐ اور قرآن کے نزدیک اس عورت پر کوئی اور غلام یا آزاد مرد حرام ہوا۔ نہ وہ زانیہ تھی۔ مگر حضرت عمر کا شرعی سکہ جاری تھا۔ لہٰذا اُسے تاحیات فطری ضرورت سے محروم کرکے جنسی موت کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ اُن کو قرآن وحدیث وعقل واجماع وغیرہ سے کوئی بھی تائید وسند حاصل نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ اسلام اور اہل اسلام کی لگام اُن کے ہاتھ میں تھی۔

مسئلہ نمبر 53۔ دنیا سے مساوات رُخصت، سرمایہ داری وطبقہ واریت کی ہمہ گیری کو دعوت

قارئین ہمیں اجازت دیں کہ ہم شریعت سازی کے اس ناپیدا کنار سمندر کے ان چند قطروں پر اکتفا کریں۔ اور آخر میں یہ بتا دیں کہ ہر نبیؑ کی تعلیم کو نظام اجتہاد نے حکومت و اقتدار کے تحفظ اور سرمایہ داری وطبقہ واریت کی بقا و استحکام کا آلہ کار بنایا۔ ہر آنے والے نبیؑ نے نوع انسانی کو مساوات کی تعلیم دی۔ حکومتوں، سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کے فولادی پنجے میں گرفتار سسکتی ہوئی انسانیت کو اُن کے ظلم و استبداد و استحصال سے نجات دلائی۔ امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ کے معاشی ومعاشرتی حقوق کو برابر کر دیا۔ تمام قسم کی ترجیحات کو ختم کر دیا، غربا کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اُن کو زمین سے اٹھا کر ترقی کے عرش اعظم تک پہنچنا ممکن کر دکھایا۔ لیکن ہر نبیؑ کے بعد شکست خوردہ دانشورانِ قوم، قوم کو ورغلا کر قومی فلاح و بہبود کی آڑ میں آگے بڑھتے اور تعلیماتِ خداوندی کو قومی مصلحتوں پر قربان کرتے اور دین کو بدلتے رہے۔ یہی کچھ قرآنی تعلیمات کے ساتھ ہوا۔ اسی کی شکایت آنحضرتؐ نے اللہ سے کی اور بتایا کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو راہنما بنانے کے بجائے اُسے مہجور کیا اور کسی دوسرے ماخذ و مستقر کی طرف ہجرت کر لی (فرقان 25/30)۔ اللہ نے یاد دلایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دشمنانِ انبیآء اپنی مجرمانہ پالیسی کو ہر نبیؑ کے خلاف اسی طرح استعمال کرتے رہے ہیں۔ مگر آپؐ مطمئن رہیں کہ تیرا تربیت کرنے والا ہدایت کاری اور اسلامی تعلیمات کی نصرت کے لئے کافی ہے (فرقان 25/31)۔ لہٰذا قرآن نے وہ تمام پالیسی اپنے دامن میں محفوظ رکھی ہے جو مذکورہ بالا قوم اور قومی راہنماؤں نے رسولؐ کی شریعت اور سبیل نجات کو ترک کرنے اور قومی منصوبہ برسر کار لانے کے لئے اختیار کی تھی (فرقان 29-25/27)۔ اور جس کو نافذ کرنے کے لئے اُنہوں نے رسولؐ اللہ کو رضا مند کرنا چاہا تھا (یونس 10/15)۔ وہ چاہتے تھے کہ خود رسولؐ اللہ قرآن کی معنوی تعبیرات کے خصوص کو قومی مفاد و مصلحت کے عموم سے بدل لیں۔ مگر رسولؐ اللہ وحی کی لفظ بلفظ پابندی پر مامور تھے اور اپنی عقل و بصیرت کو احکام خداوندی میں دخل انداز کرنے پر رضامند نہ ہوئے تھے (یونس 17-10/16)۔ اُسی جگہ یہ بھی بتایا گیا کہ یہ راہنمایانِ قوم وہی ذہنیت رکھتے تھے جو سابقہ انبیآءؑ کے زمانہ میں خلافت و حکومت کے مواقع پانے والوں کی تھی جو اُسی قسم کی قوم تھی جو رسولؐ کے ساتھ ہے (یونس 14-10/13)۔ یہی قوم اور اُس کے راہنما تعلیماتِ خداوندی کو تبدیل کرنے کے لئے آنحضرتؐ کے بعد کوشاں ہوئے اور حکومتوں کو گھیر گھیر کر اپنے قابو میں رکھتے رہے۔ آیئے شریعت سازی کی تاریخ یعنی تاریخ تشریع الاسلامی سے وہ دباؤ مُلاحظہ ہو جو پہلے خلیفہ پر ڈالا گیا تھا۔

''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں پر برابر مال تقسیم فرماتے تھے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ لیکن اُن سے کہا گیا کہ آپ نے تقسیم مال میں تمام لوگوں کو برابر کر دیا حالانکہ بہت سے لوگ فضیلت رکھتے ہیں۔ اُن کو قدامت حاصل ہے اور اُن کے اگلے کارنامے ہیں اُن لوگوں کو ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن اُنہوں نے کہا کہ اُن چیزوں کا ثواب تو اللہ کے یہاں ملے

گا۔معاش کے معاملے میں مساوات ہی بہتر ہے۔'' (تاریخ فقہ اسلامی ترجمہ مندرجہ بالا کتاب صفحہ 184)

قارئین نوٹ کریں کہ آنحضرتؐ کے بعد پہلی حکومت کو مساوات قائم رکھنے پر مشکلات واختلافات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ہم تفصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ دانشورانِ قوم ہرگز غلاموں اور نیچ اقوام کے برابر رہنا پسند نہ کرتے تھے۔وہ اللہ کے یہاں کسی اُدھار ثواب کے لئے رسولؐ اللہ کے ساتھ نہ ہوئے تھے۔اُن کی پوری جدوجہد ایک قومی حکومت کی تشکیل کے لئے تھی۔انہوں نے خاندانی وشخصی حکومت کو راہ سے ہٹانے میں اس لئے مدد نہ کی تھی کہ قومی حکومت بھی مساوات کے غیر معقول اصول پر جمی رہے۔اور سردارانِ قریش کو فاقہ مستوں، مزدوروں ومحنت کشوں کے پہلو بہ پہلو کھڑا کردے۔اس لئے انہوں نے خلیفہ اوّل کو تنبیہہ کی اور صورتِ حال یاد دلائی۔لیکن حضرت ابوبکر کی ضعیفی اور جنگی مشکلات اور کم آمدنی دیکھ کر وہ خاموش ہوگئے اور مستقبل پر نگاہ رکھنا ضروری سمجھا اور جب تک پہلے خلیفہ کا انتقال ہو اُنہوں نے زمین ہموار کرلی تھی۔چنانچہ اُسی تاریخ کا مذکورہ بالا بیان مسلسل کہتا ہے کہ:

''لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کو وسعت ہوئی تو اُنہوں نے ترجیحی حقوق قائم کئے۔اور فرمایا کہ جن لوگوں نے رسولؐ اللہ سے جنگ کی ہے۔میں اُن کو اُن لوگوں کے برابر نہیں کرسکتا جو آپ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے ہیں۔اسی اصول پر اُنہوں نے فوجی دفتر مرتب کیا۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 184)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ اللہ ورسولؐ وقرآن اور حضرت ابوبکر تو یہ پسند کرتے ہیں کہ کفر کے زمانہ کی جنگوں کو بھول جائیں۔تیغ بکف مقابلہ پر آنے والوں کو اپنے برابر معاشی ومعاشرتی حقوق دیں۔اور اُن کی سابقہ مخالفت کو اُن کے سابقہ مذہب سے خلوص کی بنا پر محمول کرکے فراخدلی سے اُن کو اسلام سے اُسی خلوص ومحبت رکھنے کے مواقع فراہم کریں۔لیکن جیسا کہ بار بار شاہ ولی اللہ اور شبلی صاحب نے ثابت کیا کہ حضرت عمر رسولؐ اللہ کے اکثر احکام اور فیصلوں سے اختلاف رکھتے تھے۔اس زیر بحث مسئلہ میں بھی وہ اسلامی تعلیمات کو غیر مفید سمجھتے تھے۔لہٰذا اُنہوں نے قائم شدہ پچیس سالہ مساوات کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔اور اُن کے بعد آج تک مساوات کا اسلامی خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔دو چار ہی قدم چلے تھے کہ حالات نے اُنہیں سکھایا کہ رسولؐ اللہ سے تیغ بکف مقابلہ پر آنے والے دانشوروں کو اور قرآن میں مذکور رسولؐ اللہ کے خلاف گٹھ جوڑ کرنے والوں کو امت کے تمام افراد سے زیادہ تنخواہ اور وظیفہ دیا جائے۔چنانچہ شبلی وشاہ ولی اللہ اور تمام تواریخ سے ثابت ہے کہ جناب امیر معاویہ کی تنخواہ سب سے زیادہ (بیس ہزار) تھی۔حضرت عمر کی زندگی ہی میں ہزاروں لوگ لکھ پتی بن چکے تھے۔جن لوگوں کو حکومت کے لئے شوریٰ میں نامزد کیا تھا اُن میں حضرت علیؑ کے علاوہ تمام کروڑ پتی لوگ تھے۔جبکہ اُسی زمانہ میں مدینہ میں بھوکے، قلاش اور بھیک مانگنے والے بھی موجود تھے۔ غلاموں، کنیزوں اور محنت کشوں کی بھی کمی نہ تھی۔

چونکہ آنحضرتؐ کے بعد نبوت ختم ہوگئی اور پھر یہ امید نہ رہی کہ کوئی اور نبیؑ آکر حقوق انسانی کو برابر قائم کریگا۔ اس لئے تمام اقوام کے ہمدردانِ نوعِ انسان میں بتدریج وتجربہ وتحقیق یہ تصوراُبھرا کہ مذہب حکومت واقتدار کا پاسبان ہوتا ہے، مذہب غربا ومحنت کشوں کا استحصال کرتا ہے۔ الغرض حکومتوں نے، خصوصاً مسلمان نام کی حکومتوں نے مذہب کو جس انداز سے پیش کیا وہ مخالفت کی آگ کو بھڑکاتا رہا۔ تصادم اور قتل عام ہوئے، رفتہ رفتہ بدکردار مسلمانوں سے نفرت کا نام اسلام سے نفرت ہو گیا۔ حالات کی پیچیدگی نے وہ فرق محسوس کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا جو مسلمانوں کے کرداراور اسلام کی حقیقی تعلیم میں تھا۔ مسلمانوں کا ہر فعل اسلام کا فعل سمجھ کر لوگ اسلام سے مایوس ہوگئے۔ اور دردمندانِ انسانیت نے یہ فیصلہ کرلیا کہ مذہب کو دنیا سے مٹانا ضروری ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اصول بن گیا کہ مذہب، مناکحت اور ملکیت انسانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔ چنانچہ مساوات قائم کرنے کے لئے لوگوں نے نئے نئے راستے اختیار کئے۔ سب سے پہلے سرمایہ داری کے خلاف حضرت ابوذرغفاری نے آواز بلند کی۔ جنہیں چند ہی روز بعد ایک ویران علاقہ میں جلاوطن کرکے ٹھکانے لگا دیا گیا اور اس تصور کو مسمار کردیا گیا۔ اس کے بعد غیر مسلم اقوام میں مساوات کے تصور نے جڑ پکڑلیں۔ اور آج اُن کے دباؤ سے ساری دنیا مساوات کی طرف قدم قدم بڑھ رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اسلامی حکومتیں بھی مساوات کے قیام کی فکر میں ہیں۔ مگر یادرکھو کہ مساوات جب ہی قائم ہو سکتی ہے جب اس مذہب سے دستکشی اختیار کرلی جائے گی جو اسلام نہیں بلکہ اسلام کے پردہ میں لپٹا ہوا سرمایہ دارانہ ومجتہدانہ نظام ہے۔ جب تک جہلا کی رائے کو خدا کا حکم سمجھا جائے گا، جب تک کثرت کو حق کا معیار قرار دیا جاتا رہے گا مسلمانوں میں ہرگز مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ قرآن کے احکام کو جب تک بلاچون وچرا وبلا ذاتی وجماعتی وقومی مصلحت کی رعایت کے قبول کرنے پر آپ کے قلوب آمادہ نہ ہوں گے، آپ کا حقیقی اسلام سے کوئی تعلق قائم نہ ہوگا۔ اور سنو! اب آپ مولوی، مُلّا، علامہ، حجۃ اللہ و مولانا ذہنیت سے قطعاً مایوس ہوجائیں۔ ان الفاظ کے پیچھے بسنے والے لوگ اس دنیا کے باشندے کبھی نہیں تھے۔ یہ سب شہنشاہیت کی یادگاریں ہیں، یہ سب مفت خوری کے عادی ہیں اُن کو کسی مذہب سے حقیقی وقلبی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اُن کا اگر کوئی مذہب ہے تو وہی جو علامہ اقبال نے کہا تھا: ؎ ''دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد''

لہٰذا امت کے تمام مکاتیب فکر کو صرف اُن علما اور دانشوروں سے وابستہ رہنا چاہیئے جو قرآنی اتحاد کی دعوت دیں جو کسی قیمت پر کفر سازی وفتویٰ بازی کو اختیار نہ کریں۔ جو نیکیوں میں ہرکسی سے تعاون اور برائیوں میں ہرکسی سے عدم تعاون (مائدہ 5/2) پر عمل کریں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا ذہنیت نے صدیوں سے اسلام کی یا بحیثیت مجموعی امت کی کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ اس کے برعکس جن دانشورانِ قوم کو یہ لوگ کافر کہتے اور لکھتے رہے وہ برابر امت کی بھلائی اور بہبود کے لئے کوشاں ہیں۔ لہٰذا اُن لوگوں کے نزدیک ہر حقیقی مسلمان کافر ہے۔ آج یہ گروہ مل کر حکومتِ وقت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کی برابر کوشش کررہا

ہے۔لہٰذا تمام عوام کو چاہئے کہ اس گروہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ہرگز اُن کی بات پر کان نہ دھریں، یہ قرآن پڑھ کر گمراہ کرنے والے لوگ ہیں۔

11۔ کثرت الناس کا اپنے بادشاہوں کے مذہب پر رہنا

(1) جب کسی گروہ یا قوم یا مذہب کی مذمت کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ: اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ یعنی لوگ تو اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوا ہی کرتے ہیں۔اور منشا یہ ہوا کرتا ہے کہ نہ بادشاہوں کا مذہب حق پر ہونا ضروری ہے نہ کثرت الناس کے مذہب کا مذہبِ حق ہونا لازم ہے۔ بلکہ بادشاہ جو کچھ بھی کرتے ہیں عوام اُسے اختیار کر کے اُن سے استفادہ کیا کرتے ہیں۔ اور جیسا راجہ ہوتا ہے پرجا (رعیت) ویسی ہی بنتی چلی جاتی ہے۔اس لئے کہ شاہی انتظام عوام کو دھکیلتا ہوا اپنے ساتھ لئے چلا جاتا ہے۔ایسے بہت کم اور شاذ و نادر لوگ ہوتے ہیں جو شاہی اطاعت یا اندھی تقلید پر غور کرتے ہیں، رُک کر حق و ناحق کا فرق نوٹ کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ اور بھی کم ہوتے ہیں جو حق و ناحق کو سمجھ لینے کے بعد اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔اور وہ لوگ جو ناحق و باطل پر عمل کر دینے سے انکار کر دیں اور بھی کم ہوتے ہیں۔اور ایسے لوگ تو اِکا دُکا ہی ملتے ہیں جو دار و رسن کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں اور کسی تخویف و تحریص کی پرواہ نہ کر کے جان پر کھیل جاتے ہیں اور باطل کے روبرو سر نہیں جھکاتے۔ یہ سبب ہے کہ کثرت کو کم سمجھوں، نادانوں اور سادہ لوح لوگوں کا مجموعہ کہا جاتا ہے (The majority consists of fools)۔ قرآن کریم میں کثرت کو دوسو (200) سے زیادہ مختلف طریقوں سے، حق و عقل کے مقابلے میں ناسمجھ، کم سمجھ و بے راہ و ناقابل اعتماد قرار دیا گیا ہے۔علامہ اقبال نے جمہوری تماشہ کی مذمت کرتے ہوئے سروں کے گننے کا ذکر کیا ہے۔اِس لئے کہ اُس کثرت میں وزن دار، تولے ہوئے لوگ نہیں ہوتے۔

چونکہ تعلیماتِ خداوندی کے خلاف یہ قاعدہ بنا لیا گیا کہ کثرت جسے پسند کرے اُسی کو چودھری، صدر، حکمران یا بادشاہ بنایا جائے گا۔اس لئے کہ کثرت ایک ثابت شدہ مشہود قوت ہے جو قلت کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔اس لئے ہر حاکم کثرت سے خوفزدہ رہتا ہے۔حکومت برقرار رکھنے کے لئے کثرت کی رضا جوئی کرتا ہے ورنہ کثرت اُس کا تخت و تختہ الٹ سکتی ہے۔لیکن ان تمام حقائق کی موجودگی میں بھی کثرت دلیلِ حق نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی کثرت ہے لہٰذا ہندوؤں کی حکومت ہونا چاہئے اور ہے۔لہٰذا ہندوستانی حکمرانوں پر اُس کثرت کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔اگر ہندو اکثریت یہ قانون پاس کرا دے کہ اذانوں کی آواز مساجد سے باہر نہ آئے اور وجہ یہ بتائے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے اُن کی دل آزاری ہوتی ہے اور مُحمدٌ رسول اللّٰہ کہنے سے اُن کے مذہب کا بطلان ہوتا ہے تو جمہوری اور کثرت کے فیصلے کی رُو سے ایسے قانون کو جائز ماننا

پڑے گا۔مگر مسلمانوں کی اپنی کثرتوں اور قلتوں کو یہ قانون پسند نہ آئے گا۔اسلئے کہ یہ قانون حق بجانب نہیں باوجودیکہ کثرت کا فیصلہ یہی ہے۔اس فیصلے کو جبر وظلم قرار دیا جائے گا۔یعنی کثرت کا قلت پر جبر وظلم۔لیکن میں اسے اسلام کی رُو سے صرف جبر وظلم ہی نہ کہوں گا۔ بلکہ اسلام کی رُو سے یہ جبر وظلم ہی نہیں بلکہ ایک نہایت قابل صد ملامت ولعنت وقابل شرم جبر وظلم ہے۔کیونکہ جبر و ظلم تو وہ بھی ہوتا ہے جو دو برابر کی طاقت رکھنے والے افراد یا اقوام ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔یہاں تو یہ دردناک فرق موجود ہے کہ کثرت قلت پر یا قوی ضعیف و بے کس پر ظلم کر رہا ہے۔جیسے کوئی زبردست پہلوان کسی معصوم بچے کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ایسی کثرت جو قلت پر جبر وظلم روا رکھے یقیناً باطل پر ہوتی ہے۔اس لئے کہ اگر وہ کثرت حق کی بنا پر کثرت میں ہوتی اور اگر اُس کے پاس حقیقی معنوں میں قوت ہوتی تو اُس پر عقلاً لازم تھا کہ وہ قلت کو قطعاً آزاد و خود مختار چھوڑ دیتی۔اس کے ہر فرد کو کثرت کے برابر حقوق دے کر تالیف قلب کیلئے اکثریتی گروہ سے زیادہ رعایات بھی دیتی تا کہ وہ کثرت کے مذہب و اخلاق کی حقانیت سے متاثر ہو کر اُس باحق کثرت کا مذہب اختیار کر لیتی۔

اسلام کا ذکر اسلئے کیا کہ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قریش کے سرداروں، سپہ سالاروں، خون کے پیاسے دشمنوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ آج میں تم سے جائز انتقام ہی نہیں بلکہ کسی قسم کا محاسبہ ومواخذہ بھی نہ کروں گا۔جاؤ میں ہمہ قسمی پابندیاں اور شرائط سے تمہیں آزاد کرتا ہوں (لا تثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء)۔ اس کے بعد اُنکے ساتھ جو سلوک ہوا اور ہوتا رہا وہ بڑے بڑے صحابہ کیلئے قابل رشک وحسد تھا۔اور آخر ایک دن مولفة القلوب کے قرآنی حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔اس لئے کہ وہ سارا کاروبار حق کے سہارے پر نہ تھا۔وہ انتظام جو چند بے کس و بے بس لوگوں کے اختلاف سے تباہ ہو جانے والا ہو۔حق نہیں ہوسکتا۔فرمایا تو یہ گیا تھا کہ اختلاف امتی رحمة ۔ یہ کیسا گروہ تھا؟ یہ کیسی کثرت تھی جو اختلاف سے یعنی رحمت سے تباہ ہو جاتی؟ جسے رحمت راس نہ آئے کیا وہ کثرت اور وہ مذہب حق پر ہو سکتے ہیں؟

اگر اتنی زبردست افواج و پولیس اور ایسے قاہرانہ انتظام کے باوجود چند گنتی کے لوگوں کے اظہار خیال سے خطرہ کا یقین تھا؟ تو بتایئے کہ ہم کیا کہیں؟ جو مذہب اپنے تمام مخالفین کی زبان بندی کے بعد پروان چڑھے، جس کی حفاظت کے لئے لوگوں کو ایک شہر میں نظر بند رکھنا ضروری ہو، بتایئے اس میں حق وحقانیت کی مقدار کیا ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ یا یہ کثرت بھیڑوں کی طرح ہانکے ہوئے ریوڑ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بہکائے ہوئے لوگوں کی کثرت، اختلاف خیال پر پابندیاں عائد کر کر کے تیار کی ہوئی کثرت، جھوٹی کہانیاں اور قصے سنا کر تیار کی ہوئی کثرت کب تک حق کی زد سے باہر رہے گی۔لطف تو جب ہے جب فریقین کے علما آزادانہ، مہذبانہ، ہمدردانہ طریقہ پر آمنے سامنے مل کر بیٹھیں۔اپنے حق پر ہونے کی دلیل عوام کے سامنے بیان کریں۔اشتعال انگیزی کرنے والا یقیناً باطل پر ہے۔دل شکنی کرنے والا توہین کرنے والا یقیناً ناکام شخص ہے۔کہنا یہ ہے کہ کم از

کم روشنی کے اس زمانہ میں تو لوگوں کی زبان بندی ونظر بندی سے پرہیز کیا جائے۔قوم وملک کے لئے مضربات کہنے والے یا تخریب پسند عناصر کے ساتھ یقیناً تعزیری سلوک کیا جائے؟ لیکن اگر کوئی حق پیش کرتا ہے تو اس کا منہ کیوں بند کیا جائے؟ ہم کہتے ہیں کہ کثرت اور صاحبان قوت کو ہم سے کیوں خطرہ ہے؟ ہمارے پاس کوئی جادو نہیں ہے۔ڈنڈا نہیں، قانون بناڈالنے کی قوت نہیں ہے۔اُدھر آپ ماشاء اللہ حق مطلق پر فائز ہیں؟ آپ کی ہر بات حق ہے؟ آپ کا ہر اصول وعقیدہ قرآن وسنت کے مطابق ہے؟ پھر آپ کو ہم سے کیا خطرہ ہے؟ جب ہم بدعتی ہیں؟ آپ نے اپنے مذہب کے لوگوں میں ہمیں بد مذہب مشہور کر دیا ہے؟ ہمارے اصول وقواعد وعقائد کو باطل ثابت کر دیا ہے تو آپ بے فکر ہو جائیں؟ آپ کا یہ شور وغوغا، یہ افترا پردازیاں آپ کو حق پر نہیں باطل پر ثابت کرتی ہیں۔

ہم نے عرض کیا ہے کہ صرف ایک سال کے لئے مجھے آزادانہ پورے ملک کا دورہ کرنے اور اپنے تمام پیروؤں کو سننے کا انتظام کر دیجئے اور دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔میں کسی کو شیعہ نہیں بناؤں گا، لکھوا لیجئے۔میں صرف آپ کی پول کھولوں گا، آپ کے وہ عقائد بیان کروں گا جن کو آپ عوام سے چھپاتے ہیں۔اور ٹھیکہ لیتا ہوں کہ آپ کسی اہل سنت مجمع کے سامنے آنے کے قابل نہ رہیں گے۔میں آپ کے مذہب سے واقف ہوں۔آپ اپنے عوام کے مذہب سے الگ مذہب رکھتے ہیں۔آپ مجتہد ہیں اور مجتہد سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن ایک حقیقی مجتہد ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا۔میں آپ کے عوام کو یہی بتاتا چلا آرہا ہوں۔آپ نے اس کثرت کو فریب بلکہ دوہرے فریب میں رکھا ہوا ہے۔میں اس فریب کا پردہ چاک کر رہا ہوں۔

(2) بادشاہوں یا حکمرانوں کے مذہب کو اسلام نہیں کہا جاسکتا

افسوس یہ ہے کہ اِن لوگوں نے روز اوّل سے عوام کے سامنے حقائق کو نہیں آنے دیا۔انہیں خود اپنے بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور عقائد پر مطلع نہ کیا۔خود ساختہ تاریخ بھی انہیں نہ پڑھنے دی۔اور اپنی مصلحت کے ماتحت تیار کی ہوئی حدیث نام کی کتابوں سے بھی جاہل رکھا۔یہی کتاب اردو میں ترجمہ ہو جانے کے باوجود عوام سے دُور ہے۔آیئے ذرا ایک بات سنئے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ (ترجمہ ومتن اصل کتاب کا)

''وابن عباس با کمال علم خود نزدیک بہ پنجاہ مسئلہ مخالف جمیع مجتہدین شد۔اَخرَج الدَّارمی عن ابراهیم قال خَالَفَ ابن عباس اهل القبلة فی امرأةٍ وابوین قال لِلاُمّ الثلث من جمیع المال۔وہم چنیں در مسئلہ عول ومسئلہ متعۃ الحج ومتعۃ النساء و بیع صَرف وغیرھا چنانکہ بر متتبعین فن حدیث مخفی نیست۔ودر بسیارے از مسائل شک پیدا کرد مانند غسل قدمین وطلاق ثلٰث دفعةً واحدة۔باز اقوالِ اُومشتبہ شد ورجوع از اکثر روایت کردہ اند۔'' (ازالۃ الخفاء جلد سوم صفحہ 301-300)

''اور ابن عباسؓ اپنے کمال علم کے باوجود تقریباً پچاس مسئلوں میں تمام مجتہدین کے خلاف تھے۔روایت کیا دارمی نے

ابراہیم سے۔ کہا کہ مخالفت کی ابن عباس نے اہل قبلہ کی متوفی کی بیوی اور ماں باپ کی میراث کے حصص کے بارے میں کہ کہا کہ ماں کے لئے تمام مال کا ایک تہائی حصہ ہے۔اور اسی طرح عول کے مسئلہ میں۔اور مسئلہ متعۃ الحج (حج کے متعہ میں)اور متعۃ النساء (عورتوں سے متعہ میں)اور بیع صَرف (نقدی کو نقدی سے بدلنا) وغیرہ میں جیسا کہ فنِ حدیث کا تتبع (پیچھا کرنے) کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔اور بہت سے مسائل میں انہوں نے شک کا اظہار کیا جیسے دونوں پاؤں کا (وضو میں) دھونا۔اور ایک ہی دفعہ تین طلاقوں کے بارے میں۔ پھر اُن کے اقوال مشتبہ (مشکوک) ہوگئے۔اور اکثر روایات سے انہوں نے رجوع کرلیا۔" (ازالۃ الخفاء جلد 3 صفحہ 301-300 مترجمہ (نور محمد چھاپ)

(3) حضرت عمر کا شاہانہ انتظام اور اُس کی داخلی خامیاں

اب یہ بتانے کا وقت نہیں ہے کہ عبداللہ ابن عباس حضرت عمر کی نظر میں نہایت اَرفع و اعلیٰ علمی و دینی مقام رکھتے تھے؟ اور اُس مقام پر ہوتے ہوئے اگر اُن کا حضرت عمر کی شریعت کے ایک مسئلہ سے انکار بھی ثابت ہو جاتا تو حضرت عمر کی تیار کردہ شریعت اور اُن کا سارا مذہبی انتظام باطل ومشکوک ہو کر رہ جاتا۔ چہ جائیکہ پچاس اہم ترین اور بنیادی مسائل کا انکار بلا تکلف تسلیم کرلیا گیا ہے۔اور لطف یہ ہے کہ وضو و نماز و مسائلِ متعہ وغیرہ میں عبداللہ بن عباس مذہب حقہ اثناعشریہ سے متفق ہیں۔ہم نے اپنے سابقہ بیانات میں یہ حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی ہے کہ حضرت عمر کے قاہرانہ اور مارشل نظام کے باوجود اُن کے خلاف صحابہ کی طرف سے اختلافِ خیال کا اظہار کیا جاتا تھا۔اور حضرت عمر اس سلسلے میں خود جناب عبداللہ ابن عباس کو بطور دھمکی کہہ چکے تھے کہ: "تم متعہ کر کے دیکھو کہ میں تمہارا کیا حال کرتا ہوں۔" (زادالمعاد حصہ 4 صفحہ 72 رئیس احمد)

حضرت عمر کی دھمکیوں اور اپنی شریعت کے خلاف بولنے پر غم وغصہ اور تعزیری کاروائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے اہل قلم اور حضرت عمر کے حقیقی جانشینوں نے جو تاریخ، حدیث یا ریکارڈ تیار کیا اُس میں بتدریج حقائق کو توڑ مروڑ کر حضرت عمر کی شریعت اور نظامِ حکومت سے متفق دکھانے کی برابر کوشش کی۔ چنانچہ مندرجہ بالا روایت کے آخر میں نہایت جرأت کے ساتھ بلاکسی دلیل کے حضرت ابن عباس کا اپنے فتاویٰ کو واپس لینا مذکور ہے۔مگر اس جھوٹ میں بھی ایک پتہ کی بات منہ سے نکل گئی ہے یعنی: "پھر اُن کے اقوال مُشتبہ ہوگئے۔"

یعنی حضرت عمر کے فوراً بعد والوں نے ایسی روایات تیار کر کے پھیلا دیں جن سے پہلے درجہ میں انکار کے بجائے عبداللہ ابن عباس کے عقائد ڈانواں ڈول اور مشکوک کر دیئے جائیں۔اور دوسرے درجہ میں ایسی روایات گھڑ دی جائیں جن سے یہ معلوم ہونے لگے کہ پہلے عبداللہ ابن عباس کا عقیدہ یہ تھا، بعد میں اُنہوں نے اپنا خیال بدل دیا تھا۔ چونکہ اُنہوں نے اپنے خیال

کوحضرت عمر وعثمان کی زندگی اور جبر وستم کی حالت میں بھی نہ بدلا جبکہ فائدہ کی امید تھی تو فولادی شکنجوں کے ٹوٹ جانے اور زبانوں پر سے پہرہ اُٹھ جانے کے بعد اپنا عقیدہ اور فتاویٰ بدلنا نا قابل فہم و نا قابل قبول ہے۔البتہ یہ یقین ہوجاتا ہے کہ بعد والے حکمرانوں کے مذہب کی تائید میں بعدوالے لوگ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ ملو کھم'' کے مطابق حکومت کے اشاروں پر چلتے رہے۔اور یوں ایک غلط تاریخ وحدیث کی کتابیں حکومت کی سرپرستی میں تیار ہوتی رہیں۔اور یہ ضرورت بھی تھی اور اس پر عمل کرانے کی قوت وارادہ بھی موجود تھا۔اور یہ سب کچھ اُسی خودساختہ ریکارڈ سے ثابت بھی ہے۔چنانچہ:

(4) قومی وملکی پنچائتی حکومت نے حضرت عمر کے مذہب وشریعت کو بحال رکھا

اُس کا ثبوت شریعت سازی کی تاریخ (تاریخ التشریع الاسلامی) سے ہر قاری کو مل سکتا ہے۔اور ایک ہوشمند قاری صرف اتنی سی بات سے اُس پردہ داری اور فریب سازی کو سمجھ سکتا ہے جو آج تک مسلمان علما کا ایک خاص گروہ کرتا چلا آرہا ہے۔یعنی مصر کے علمائے اہل سنت والجماعت کی کثرت بلاکسی ذاتی و جماعتی اور مذہبی تعصب کے دھڑادھڑ حقائق کی نشرواشاعت کر رہی ہے۔مگر پاکستان کا ایک دین فروش گروہ برابر حقائق کو مسخ وتبدیل کرنے میں دن رات مشغول ہے۔اور حکومت کا صاحب اقتدار مولوی گروہ خفیہ واعلانیہ اس تبدیل وتحریف میں مالی مدد اور حکومت کے وسائل کو استعمال کررہا ہے۔

محمد وآل محمد علیھم السلام کے مذہب سے دشمنی اور اپنے باطل وکافرانہ مسلک ومذہب کی جانبداری کی حد یہ ہے کہ مصری کتابوں کے تراجم میں بھی اور کتابوں کے نام میں بھی تحریف وتبدیلی کھلے عام کی جارہی ہے۔مثلاً علامہ محمد الخضری کی کتاب کا نام ہے: ''**تاریخ التشریع الاسلامی**'' اوراس نام کا ترجمہ ہے ''**اسلام میں شریعت سازی کی تاریخ**''

مگر پاکستان میں اس کا ترجمہ جب پہنچا تو اس کتاب کا اردو نام ''اسلام میں شریعت سازی کی تاریخ'' نہیں لکھا گیا۔اس لئے کہ اس نام سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی شریعت مسلمان حکومتوں نے گھڑ کر تیار کی ہے۔لہٰذا نام کا ترجمہ غلط کرنا ضروری ہو گیا تھا۔چنانچہ علامہ خضری کے مندرجہ بالا نام کا یہ غلط ترجمہ کیا گیا: ''**تاریخ فقہ اسلامی**'' یعنی ''**اسلام میں فہم وفراست کی تاریخ**'' جس میں حاکمانہ باطل مذہب اور اس کے پھیلنے اور عوام پر مسلط کرتے چلے آنے کا طریقہ شریعت سازی کی اس تاریخ سے ملاحظہ فرمائیں۔علامہ خضری نے لکھا کہ:

(i) <u>اسلام میں اکثریتی فرقہ حکمرانوں کے مذہب پر رکھا گیا:</u> ''جب کسی مذہب کی تقلید کسی بادشاہ یا سلطان (یا خلیفہ) نے کی، اور اُس مذہب کے پیروؤں کے لئے عہدہ قضاعت (عدالت کے قاضی) کو محدود کردیا تو یہ اُس مذہب کی اشاعت اور اُن علما کے اضافہ کا ایک عظیم الشان سبب بن گیا جو اُس مذہب کے قیام واشاعت کا سبب تھے۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 426)

یہ بیان ابھی آگے چلے گا لیکن ہم اسے یہیں روک کر قارئین کو یاد دلائیں کہ اسی قاعدے کو حضرت عمر نے کس قوت و

انتظام وقہاریت و جبر وتعزیر کے ساتھ استعمال کیا اور شبلی وشاہ ولی اللہ اور تمام مؤرخین نے فخریہ اس کو مفصل بیان کیا۔ لہٰذا شاہی مذہب تمام فاروقی مملکت میں جاری ہوگیا اور مذاہب علویہ ودیگر صحابہ عظام، دب کر دلوں میں بیٹھ گئے۔ اور جب موقعہ ملا عبداللہ ابن عباس کی طرح لوگوں کے کانوں تک پہنچے مگر حکومت اُن ہی قدموں پر چل رہی تھی۔ اس لئے کھل کر عوام میں رائج ہو جانے سے روکے جاتے رہے۔ اب بیان کو مسلسل ملاحظہ کریں:

(مثالیں دیتے ہیں مگراو پر والی حکومتوں اور خلفا سے بچ کر آگے بڑھ جاتے ہیں)

''جیسا کہ بلاد مشرق میں محمد بن سبکتگین اور نظام الملک نے اور مصر میں صلاح الدین یوسف بن ایوب نے شافعی مذہب کی تائید کی۔ اور حنفی مذہب کی تائید ترکی عناصر نے کی جو حنفی کے سوا اور کوئی مذہب اختیار نہیں کرتے تھے۔ اور جب کوئی سردار یا با اقتدار شخص کوئی مدرسہ قائم کرتا تھا اور اُس میں زیادہ تر یا محدود طور پر کسی خاص مذہب یا مذاہبِ معینہ کی تدریس لازم کر دیتا تھا تو یہ اُس کا ایک نیا حامی (حمایت کرنے والا) ہو جاتا تھا۔'' (ایضاً تاریخ صفحہ 426) (بیان ابھی باقی ہے)

یہاں شیعہ بزرگ اور ہماری طرح کے شیعہ طالبانِ علم بھی نوٹ فرمائیں کہ اِن ہی مذکورہ بالا طریقوں سے مذہب آئمہ معصومین علیہم السلام کو تبدیل کر کے مذہب اجتہاد کو شیعہ پبلک میں جاری کیا گیا تھا۔ اور اس کی تفصیلات ہماری تصنیفات میں دی گئی ہیں۔ یعنی اکثریتی فرقوں کے مذاہب نظام اجتہاد کے قدموں سے چل کر حکمرانوں کی تائید وقیادت سے اُمت میں پھیلائے گئے اور اُن میں حق وحقانیت کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں چلتا۔ اور سُنئے ہمارے شاہ ولی کا بیان بھی مصر کے علما نوٹ کراتے ہیں:

(ii) اکثریتی فرقہ تنخواہوں اور وظائف کے لالچ میں پھیلا تھا: ''شاہ ولی اللہ دھلوی اپنے رسالہ ''اِنصَاف فِی بیانِ اَسْبَابِ الِاختِلَاف'' میں امام بلقینی کے شاگرد ابوزرعہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار اپنے شیخ امام بلقینی سے کہا کہ شیخ تقی سبکی اجتہاد کے درجہ کو کیوں نہیں پہنچے؟ حالانکہ اُن کو یہ درجہ حاصل تھا۔ اور وہ کیونکر تقلید کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُن کے شیخ بلقینی کا ذکر نہیں کیا (یعنی خود اپنے شیخ بلقینی سے نہ پوچھا کہ تم کیوں مجتہد واجب الاطاعت تسلیم نہیں کئے گئے۔ احسنؔ) کیونکہ میں اس (جواب) پر جو نتیجہ نکلنے والا تھا اُس کی بنا پر مجھے اُن سے شرم آتی تھی۔ لیکن وہ (اس ترکیب کے باوجود سمجھ گئے اور) خاموش رہے تو میں نے کہا کہ میرے نزدیک اس کی وجہ صرف وہ وظائف ہیں جو مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کو پھیلانے میں) کے فقہا کو ملتے تھے۔ اور جو شخص اُن (چاروں) مذاہب کے دائرے سے نکل کر اجتہاد کرتا تھا۔ اُس کو وہ وظیفہ نہیں ملتا تھا۔ وہ عہدہ قضا سے محروم رہتا تھا۔ لوگ اُس سے فتویٰ نہیں پوچھتے تھے۔ اور اُس کی طرف بدعت کا انتساب کیا جاتا تھا۔ اس پر وہ (امام بلقینی) مسکرائے اور مجھ سے اتفاق کیا۔'' (تاریخ مذکور صفحہ 427-426)

یہاں قارئین کرام نہایت آسانی سے بلا کسی شک وشبہ کے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جب خلفائے وقت خود اُن علما کو آگے

نہ بڑھنے دیتے تھے جو پنجائتی تصور اور اوّلین خلفا کے مذہب کو برحق جانتے تھے۔ اور کسی پانچویں مذہب کو جاری کرنے والے سنی علما کو بھی بدعتی اور گمراہ کہتے تھے۔ تو بتایئے کہ مذہب شیعہ کی کہاں گنجائش ہوسکتی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ امت کی کثرت آج مذہب حقہ اثناعشریہ سے ناواقف ہی نہیں رکھی گئی بلکہ شیعوں کے خلاف سینکڑوں تہمتیں مشہور کی جاتی رہی ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج بھی حکومت کی آڑ میں بیٹھ کر تخریب پسند مُلّا کا مستقل کاروبار ہے۔ شیعوں اور شیعہ عقائد سے عوام کو متنفر رکھنے کی سرتوڑ کوشش جاری ہے۔ حالانکہ اُن کی اس کوشش نے انہیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے سامنے بھکاری بنا دیا ہے۔ مگر ابولہب و ابوجہل کی طرح مرتے مر جائیں گے، کافر و کمیونسٹ بن جائیں گے، مذہب حق قبول نہ کریں گے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مگر اُن مفسدہ پردازوں کو اللہ و رسولؐ کے انتظام نے ہر آنے والے قدم پر بتدریج ناکام کرتے جانے کا بندوبست رکھا اور مذہب حقہ برابر پھیلتا اور مذہب باطل اور حکومت باطل کو برہنہ کرتا چلا آیا ہے۔ اور ہم نے اپنے زمانہ میں دونوں قسم کے علمائے سُوء کے منہ میں لگام دے دی ہے۔ اب وہ سوائے اپنی قدیم سازش کے ہمارے کسی بیان و اعلان و تصنیف پر قلم و زبان نہیں کھولتے ہیں۔

(iii) <u>چاروں پنجائتی مذاہب کے زندہ رہنے پر ایک اور بیان:</u> ان ہی صفحات میں علامہ خضری نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

''یہ آئمہ مشہور جنکے مذاہب قائم ہیں (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) اِن کو ایسے تلامذہ (شاگرد) ملے...... جو اپنی قوم میں اور اپنے بادشاہوں کے نزدیک نہایت بلند پایہ تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے (اپنے) امام سے جو احکام (شریعت) سیکھے تھے۔ اُن کو (حکومت وقت کی مدد سے) مُدَوّن کیا۔ اور اُن سے ان شرعی احکام کو پھر اُن کے شاگردوں نے حاصل کیا...... اُن کی اشاعت کی۔ اُن آئمہ کے شاگردوں پر بادشاہوں (یعنی خلفائے اسلام) کو اعتماد تھا۔ اس کی بنا پر قاضی اسی شخص کو بناتے تھے جن کا یہ لوگ مشورہ دیتے تھے۔ اور یہ مشورہ صرف اُسی شخص کے متعلق دیتے تھے جن پر وہ خود اعتماد کرتے تھے...... اس لئے جن مذاہب کو اس قسم کے شاگرد نصیب ہوئے وہ اس مذہب کی بنیاد کو مضبوط کرنے کا ایک بڑا سبب ہو گئے اور جب عوام کے دلوں میں اُن آئمۂ مذاہب کا اعتماد راسخ ہو گیا تو اِسکے بعد یہ مشکل تھا کہ کسی نئے مذہب کا داعی کھڑا ہو اور لوگوں کو اپنے نئے مذہب کی اتباع کا حکم دے۔ کیونکہ اس نئے مذہب کی بنا پر لوگ ایسے تمام علما کو خارج از جماعت (بدعتی، بدمذہب اور اسلام سے خارج) سمجھتے تھے۔ اور جب حسد کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا تو اُنکے حریف اُنکے ساتھ جو چال چلتے تھے وہ ناقابل فراموشی ہے۔ اور یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ یہ ایک ایسا سبب ہے جس کی آگ کسی زمانہ میں بھی نہیں بجھی۔'' (تاریخ مذکورہ صفحہ 424-423)

(iv) چاروں مذاہب میں حق و دلیل و برھان کا فقدان محض کثرت دلیلِ حق

قارئین گزشتہ بحثوں اور حوالجات میں سوائے فرمانروایانِ حکومت اور انسانی پسند کے کہیں یہ دلیل قابل اعتنا نہیں سمجھی ہے کہ ان چاروں مذاہب کے پاس یا اُن میں سے کسی کو فلاں دلیل حق حاصل تھی۔ اور اُس دلیلِ حق کی بناپر فلاں مذہب پھیلا اور ترجیح رکھتا تھا۔ اس کے خلاف دلیل یہ ہے حکمران فُلاں مذہب کی تائید و تقلید کرتے تھے۔ وظائف دے کر کثرت کو گرویدہ بناتے تھے۔ یعنی اُن چاروں مذاہب کا ڈنڈے اور لالچ سے پھیلنا ثابت ہے۔

(v) شاہی اور اکثریتی مذہب کے خلاف والی ہر آیت و حدیث منسوخ یا اصلاح طلب ہے

اس مذہب کے باطل اور اہل دَوَل کے مذہب ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے کثرت میں ہونے کے گھمنڈ اور حکومت کی پشت پناہی کے سہارے قرآن و حدیثِ رسوؐل کو منسوخ کر دیا ہے۔ سنئے علامہ خضری فرماتے ہیں کہ:

''اُس دور کے فقہائے حنفیہ کے پیشوا اور مُسلَّم امام ابوالحسن عُبید اللہ الکرخی نے یہ کہہ کر کہ ''ہر وہ آیت جو اس (حنفیہ) طریقہ کی مُخالف ہو، جس پر ہمارے اصحاب (ابو حنیفہ، محمد، زفر اور ابو یوسف وغیرہ) کا عمل ہے۔ وہ یا تو مَاوَّل (قابل اصلاح) ہے یا وہ منسوخ ہے۔ اور اسی طرح جو حدیث اسی قسم کی ہو وہ بھی قابل اصلاح ہے یا منسوخ ہے...... (گویا حق صرف اُن کے امام کے دل و زبان پر اُترا تھا)۔'' (تاریخ مذکور صفحہ 421)

(vi) حضرت عمر، شبلی نعمانی اور شاہ ولی اللہ کو دوبارہ یاد فرمائیں اور چاروں مذاہب کو دیکھیں: جناب علامہ شبلی اور شاہ ولی اللہ نے یہ بتایا تھا کہ حضرت عمر کی تیار کردہ شریعت کے ایک ہزار مسائل اور احکام چاروں اماموں (ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد حنبل) نے متفقہ طور پر اختیار کئے ہیں۔ یعنی اُن کے چارون مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) حضرت عمر ہی کے مذہب کی چار شاخیں ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا تھا کہ اُن ایک ہزار مسائل کے علاوہ حضرت عمر کے تیار کردہ کئی ہزار مسائل و احکام ایسے بھی ہیں جن کو چاروں مذکورہ اماموں اور مذاہب نے اپنی اپنی پسند کے مطابق بانٹ لیا ہے۔ یعنی یہ چاروں مذاہب جن مسائل میں متفق ہیں وہ بھی حضرت عمر کی شریعت ہے۔ اور جن مسائل میں انہیں اختلاف ہے وہ مسائل بھی حضرت عمر ہی نے تیار کر کے دیئے تھے۔ تو جہاں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ چاروں مذاہب حضرت عمر ہی کے مذہب پر ہیں وہاں یہ بھی ماننا پڑا کہ حضرت عمر کی شریعت میں قابل فہم اور نا قابل اختلاف صرف ایک ہزار مسئلے تھے۔ لیکن جن مسائل نے خود حضرت عمر کے ان چاروں مذاہب میں پھوٹ ڈالی اور اختلاف و انتشار پیدا کیا وہ ہزاروں مسائل تھے۔ جن پر حضرت عمر کے ہم مذہب چار عالم بھی متفق نہ ہو سکے۔ اور ظاہر ہے وہ احکام منجانب خدا و رسوؐل نہیں ہو سکتے جن میں ہزاروں اختلافات ہوں (نساء 4/82)۔ ان مذاہب کے غلط ہونے کی دوسری دلیل وہی سرکشانہ بلکہ کافرانہ تصور ہے کہ جو آیت چند خطا کاروں، دنیا داروں اور محدود علم و عقل کے لوگوں کے

اجتماعی اور خیالی فیصلہ کے خلاف ہو وہ منسوخ ہے۔ یا اُسے موڑ کر مار پیٹ کر ان لوگوں کے ذاتی تصورات کے مطابق کرنا پڑے گا۔ اسی تصور کے ساتھ علامہ محمصانی کی یہ دو تین مقدس سطریں بھی ملا کر دیکھیں فرمایا ہے کہ:

''عمر فاروق اس معاملہ میں اس قدر مستعد اور اولوالعزم انسان تھے کہ سیاستِ مُلکی اور رفاهیة عامه کے پیش نظر مخالفتِ نصوص سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔'' (فلسفة التشریع فی الاسلام کا ترجمہ فلسفۂ شریعتِ اسلام صفحہ 170)

یعنی؛ اللہ کے قرآن اور رسولؐ کے واضح اور مفصل احکام کی مخالفت کرنے میں حضرت عمر بہت مستعد اور اولوالعزم انسان تھے۔''

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ بات اب کوئی ہمیں سمجھائے کہ پھر بھی اللہ اُن سے راضی تھا؟ اور رسوؐل بھی اُن سے خوش تھے؟ سبحان اللہ مذہب کم از کم ایسا تو ہو کہ اُس میں اللہ ورسولؐ سے زیادہ پبلک کے ہمدرد راہنما ہوں۔

12۔ حضرت عمر کے جاری کردہ مذہب اور شریعت کو اُن کے بعد کیسے بحال رکھا گیا تھا؟

ساری دنیا کم از کم ایک بات ضرور جانتی ہے کہ جب حضرت عمر اپنی اللہ ورسولؐ سے پیاری قوم پر قربان ہو گئے تو چند کروڑ پتی دانشوران اور امیدواران حکومت کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کو بھی نتھی کر دیا تھا۔ اور روزِ اوّل کی طرح اُس وقت بھی حضرت علیؑ حکومت کی راہ میں ایک خاموش مگر بہت وزنی رکاوٹ تھے۔ جسے راہ سے ہٹانے کے لئے حضرت عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف نے نظام اجتہاد کی پوری بصیرت اور سارا تدبر داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ علیؑ ہرگز اپنے قرآنی اصول کو چھوڑ کر اس داؤ سے فائدہ نہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو منبر پر بٹھایا گیا اور جناب عبدالرحمٰن نے بیعت کے انداز میں اُن کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کہا کہ:

''میں آپ کو اس شرط پر خلیفة المسلمین تسلیم کرلوں گا کہ آپ کتاب وسنة رسول اللہ اور سیرة ابوبکر وعمر پر عمل کریں گے۔''

حضرت علیؑ چاہتے تو اقرار کر کے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیتے اور چندروز بعد عبدالرحمٰن اینڈ کمپنی کے ساتھ وہی یا اس سے بدتر سلوک کرتے جو حضرت عثمان نے اِسی شرط کو مان لینے اور حکومت پر قبضہ کر لینے کے بعد کیا تھا۔ اور تمام صحابہ کو تگنی کا ناچ نچا دیا تھا۔ مگر حضرت علیؑ حقیقتاً جانشینِ خدا اور رسولؐ تھے۔ وہ یہ سب کچھ کرتے تو آج اُن کا دنیا میں نام ونشان تک نہ ہوتا۔ انہوں نے فرمایا: ''میں صرف قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق عمل کروں گا۔''

عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے عہد لیا اور اُن کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور بارہ سال کے قریب خلافت حضرت علیؑ سے اور دُور ہوگئی۔ مگر یہ ایک حد فاصل بن گئی۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ سیرة شیخین ہرگز کتاب اللہ وسنت رسولؐ اللہ کے مطابق نہ تھی۔ کارپردازانِ حکومت کی یہ بہت بڑی اور کھلی ہوئی غلطی تھی کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے خود اپنی

زبان سے قرآن کریم اور رسولؐ کریم کو خارج کر کے سیرۃ شیخین کو کتاب اللہ وسنت رسولؐ اللہ سے مغائر ہونا مان لیا۔ اِس لئے کہ اگر سیرۃ شیخین کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ اللہ کے مطابق ہوتی تو اُسے الگ سے مستقل شرط کے طور پیش ہی نہ کیا جاتا۔ اور وہ خود بخود کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ اللہ کی شرط میں داخل ہو جاتی اور حضرت علی علیہ السلام نے سیرۃ شیخین کو مخالفِ خدا و رسولؐ ثابت کرنے کے لئے شرط ماننے سے ایسی نازک صورت میں بھی انکار کر دیا جب کہ عرب وعجم کی حکومت ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ واقعی حضرت علیؑ عرب وعجم کی حکومت کو اپنی ٹوٹی ہوئی جُوتی اور بھیڑ کی ناک پر لگی ہوئی غلاظت سے بھی کم قیمت وگھنونی سمجھتے تھے۔ اِس لئے ہر وہ روایت جس میں یہ تصور دیا جائے کہ حضرت علیؑ نے (معاذ اللہ) ایک منٹ کے لئے بھی یہ حکومت حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ یا کوئی پارٹی بندی کی تھی، غلط اور افترا پردازوں کی اسکیم کی چال ہے۔

اس اصل الاصول کو سامنے رکھ کر ہی حقیقی قسم کے مجتہدین نے حضرت علیؑ کو خلفائے راشدین میں شمار نہیں کیا ہے۔ اور اسی اصول کے مطابق میں بھی حضرت علیؑ کو قومی حکومت کا چوتھا خلیفہ نہیں مانتا بلکہ حقیقتاً چوتھے خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ تھے۔ اور حقیقی معنی میں حضرت فاروق اعظم کے حضرت عثمان سے بہتر جانشین تھے۔ اور اُن سے بہتر حضرت عمر کی پالیسی اور منصوبہ بندی کو نہ کوئی اور جانشین سمجھا اور نہ حضرت عمر کی طرح مستعدی اور اولوالعزمی سے خدا و رسولؐ کی کسی اور سے حکیمانہ مخالفت ہو سکی۔ حضرت عثمان نے حضرت عمر کی اسکیم کے خلاف تمام مخالف اہل علم صحابہ کو مدینہ سے باہر جانے دیا اور نظر بندی کو ہٹا لیا۔ اور نتیجہ میں مصائب وآلام اور قتل تک نوبت پہنچی۔ لیکن امیر معاویہ نے تمام صحابہ کا صفایا کرنے اور اُنہیں فاروقی طرز فکر اختیار کرنے پر مجبور کرنے کی بہت کامیاب راہ اختیار کی اور ایسی بنیاد رکھ دی کہ فاروقی اسکیم کا سب سے بڑا مخالف محاذ ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اُس نے علیؑ وآل علیؑ کی عظمت ورفعت کو پبلک کی نظروں سے قطعاً ہٹا دیا۔ اور خانوادۂ رسولؐ پر تبرا اس مستحکم طریقہ پر جاری کیا کہ ننانویں سال تک ہر منبر سے اور ہر مسجد میں عرب وعراق ومصر وشام و ہندوستان میں ملتان تک جاری رہا۔ اور ایسی تاریخ وحدیث وتفسیر کی کتابیں لکھوا کر پبلک میں پھیلا دیں، مدرسوں میں پڑھانا شروع کیں کہ قرآن ورسولؐ والا اسلام اور قرآنی تعبیرات کثرت الناس کے سامنے سے غائب ہو کر پس منظر میں جانے پر مجبور ہو گئیں۔ اس تمام روئداد کو بیان کرنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے اس بیان کا ہر ایک جملہ اور ہر لفظ اُسی تاریخ سے ثابت ہے جو ہمارے اور اسلام کے دشمنوں نے تیار کی تھی۔

(1) معاویہ ویزید اور بعد کی تمام حکومتیں فاروقی مذہب پر کاربند تھیں

اُمت کی کثرت کو آج تک اس حقیقت پر اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ حضرت معاویہ اور یزید دونوں اُسی مذہب ومسلک و شریعت پر کاربند تھے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وعثمان کا مذہب وعقیدہ تھا۔ اور یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور پورے

خاندانِ رسولؐ کا قتل عام وغیرہ اُسی مذہب وقانون کی رُو سے عمل میں آیا تھا جو حضرت عمر نے تیار کیا تھا۔ یہ حقیقت جیسا کہ قبلاً عرض کیا گیا اہلسنت علما کے ریکارڈ میں دوٹوک طریقہ پر قلمبند رکھی ہے۔ ہم یہاں علامہ مودودی کے قلم سے اس پر فیصلہ دکھاتے ہیں۔ اُنہوں نے پہلے یہ ثابت کیا ہے کہ علی وخاندانِ علی علیہم السلام ہرگز حکومت واقتدار کے لالچ میں تلوار بکف نہیں نکلے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔

''امامؑ عالی مقام کی نگاہیں مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی رُوح اور اُس کے مزاج اور اُس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دیکھ رہی تھیں۔ جسے روکنے کی جدّ وجہد کرنا اُن کے نزدیک ضروری تھا۔ حتّٰی کہ اِس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو نہ صرف جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔'' (شہادت امام حسینؑ صفحہ 5)

یہ بیان ابھی جاری رہے گا۔ مگر آپ یہاں رُک کر ذرا ماحول پر نظر ڈالیں اور سوچیں کہ جو تغیر حضرت مولانا کی نظر میں ہے اور جسے روکنے کے لئے حضرت امامؑ عالی مقام اُٹھے اور اپنے تمام انصار ورفقائے کار اور سارے خاندان کے بچے اور جوان قربان کر دیئے وہ تغیر کیا صرف امام حسین علیہ السلام کے خلاف تھا؟ کیا مکہ اور مدینہ کے صحابہ اور اُن کے خاندانوں کے خلاف نہ تھا؟ اگر وہ تغیر اسلام وتعلیمات قرآن وحدیث کے خلاف تھا تو تمام صحابہ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی تائید میں اُٹھنا چاہئے تھا۔ مکہ ومدینہ کے تمام بزرگ ورضی اللہ عنہم کہلانے والے لوگ کیوں چین سے بیٹھے رہے؟ اور کیوں سب نے معاویہ کے ورود پر یزید کی بیعت کی تھی؟ اور بعد قتل خاندان رسولؐ یہ صحابہ کیوں نہ یزید کے خلاف قصاص حسین علیہ السلام کے لئے تیغ بکف میدان میں آئے؟ چونکہ حضرت علامہ نے یہ کتابچہ عزاداری حسین علیہ السلام کو بند کرانے کی غرض سے لکھا ہے اس لئے وہ ایک زقند (High Jump) لگا کر بیچ کے چارسوبیس (420) واقعات پر سے گزر آئے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ کسی کو اُن تمام حالات وعوامل واسباب کا علم ہوسکے جو واقعہ کربلا کی تمہید ہیں۔ بہرحال وہ بھی تو مجتہد ہیں اُن کا باقی بیان سنئے:

''وہ تغیر کیا تھا؟ 1: ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا۔ 2: حکمرانوں یعنی خلفا سمیت سب لوگ خدا اور رسولؐ اور قرآن کو اُسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے۔ 3: مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ 4: عدالتوں میں قرآن وسنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے۔ 5: جس طرح اُن کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو اُنیسویں (19) صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مُسلم حکومتوں میں سے کسی کے دَور میں بھی نہیں ہوا۔'' (ایضاً صفحہ 5)

اس بیان سے بھی ثابت ہوگیا کہ شریعتِ فاروقی کو تمام مسلمان خلفا واُمرا وسلاطین نے اپنے اپنے عہدِ حکومت ومملکت میں نافذ کیا اور برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ اُنیسویں (19) صدی عیسوی ختم ہوگئی۔ یعنی آج سے چھہتر (76) سال قبل تک وہی قانون ہر

مسلمان حکومت میں نافذ تھا جو حضرت عمر نے بنا کر مسلمانوں کو دیا تھا۔ اُسی قانون کی رُو سے اور اُسی مذہب کے علما آج بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہم پر کثرت وقوت کے ذریعہ جبر وظلم وستم جائز قرار دے رہے ہیں۔ اور کسی طرح تیار نہیں کہ قرآن کے واضح احکام اور پاکستان کے مُشرّح دستور کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور اُس دین میں مداخلت سے باز رہیں جو خالص قرآن کریم اور مسلمہ بین الفریقین احادیث سے ثابت ہے۔ اور جس کی رُو سے دین میں یا دین پھیلانے میں زبردستی ممنوع ہے (لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْن بقرہ 2/256)۔ اور شریعت ساز ادارہ یعنی طاغوت سے کفر وانکار لازم ہے (فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ 2/256) (دیکھیں تفہیم القرآن جلد اوّل حاشیہ نمبر 286,288)

(2) حضرت امیر معاویہ نے فاروقی شریعت ومذہب کو کس طرح نافذ کیا؟

حضرت امیر معاویہ نے اپنے تمام گورنروں کو حکم جاری کیا جو مندرجہ ذیل روایت میں مذکور ہے:

روی ابو الحسن علی بن محمد ابی سیف الدین المدائنی فی کتاب الاحداث قال کتب معاویہ نسخة واحدة اِلٰی عماله بعد عام الجماعت اَن برئتَ الذمه مِمَّنْ رَوَی شیئًا من فضل ابی تراب واھلبیته۔ فقامة الخطباء فی کُلِّ کورة وعَلٰی کُلّ منبر یلعنون عَلِیًّا وَیَبْرَؤن منه و یقعون فیه وفی اھل بیته۔ وکان اشد الناس بلاء حینئذٍ اھل الکوفة للکثرة من بھا من شیعة علی علیه السلام۔ فاستعمل علیھم زیاد بن سمیة وَضمّ الیه البصرة۔ فکان یتبع الشیعة وھو بھم عارف لانه کان منھم ایام علی علیه السلام۔ فَقَتَلَھُمْ تحت کل حجر و مدر واخافھم وقطع الایدی والا رجل وسمل العیون و صلبھم علٰی جذوع النخل وطردھم و شردھم عن العراق فلم یبق بھا معروف منھم۔ وَکتب معاویة اِلٰی عماله فی جمیع الافاق الا یجیز و الاحد من شیعة علیؑ و اھلبیته شھادة و کتب الیھم اَن انظروا من قبلکم من شیعة عثمان و محبّه و اھل ولایته والذین یَرْوُوْن فضائلہٖ ومناقبه فادنوا مجالسھم وقربوھم اکرموھم واکتبوا اِلَیَّ بکلّ مایروی کل رجل منھم واسمه واسم ابیه وعشیرتہٖ ففعلوا ذلک حتّٰی اکثر وا فی فضائل عثمان و مناقبه لماکان یبعثه الیھم معاویة من الصلات ولکساءِ وَ الحباء والقطاع وبفیفه فی العرب منھم والموالی فکثر ذلک فی کل مِصْر و تنافسوا فی المنازل و الدنیا فلیس یجئی احد مرد ود من الناس، عاملًا من عمال معاویه فیردی فی عثمان فضیلةً او منقبةً الا کتب اسمه و قربه و شفعه فلبثوا بذلک حِیْنًا۔ ثُمَّ کتب اِلٰی عماله اَنَّ الحدیث فی عثمان قد کثر وفشا فی کل مِصْرٍ فی کل وجھه و ناحیة۔ فاذا جاء کم کتابی ھذا فادعوالناس اِلَی الرّوایة فی فضائل الصحابة والخلفاء الاوّلین ولا تترکوا خبرا یرویه احد من المسلمین فی ابی تراب اِلّا واتونی بمناقض له فی الصحابة مفتلعة فان ھذا اَحَبُّ اِلَّی وَ اَقَرُّ لعینی واوحص لِحُجة ابی تراب و شیعتہٖ واشد الیھم من مناقب عثمان و فضله فقرئت کتبه عَلَی الناس۔ فرویت اخبار کثیرة فی مناقب الصحابة مفتلعة لا حقیقة لھا وجد الناس فی روایة ما یجری ھذا المجریٰ حتّٰی اشاد وا بذکر ذلک علی المنابر۔ و القی اِلٰی معلمی الکتاتیب فعلّموا صبیانھم وعلمانھم من ذلک الکثیر الوسع حتّٰی ردوه و تعلّموهُ کما یتعلمون القرآن

وحتی علّموہ بناتھم و نساء ھم و خدمھم وحشمھم فلبثوا بذلک ماشاء اللّٰہ ۔ثم کتب اِلٰی عمالہ نسخة واحدة اِلٰی جمیع البلدان اَنِ انْظُرُوا اِلٰی مَن اقامت علیہ البیّنة انّہ یحبّ عَلیًّا و اھل بیتہ فامحوہ من الدیوان واسقطوا عطاءَہٗ و رزقہ وشفغ ذالک بِنُسخة اُخریٰ و من اتھمتوہ بموالات ھٰؤُلاء القوم فنکلوا بہ واھد موا دارہ فلم یکن البلاء اشدّ ولا اکثر منہ بالعراق ولا سیما بالکوفة حتی ان الرجل من شیعة علیؑ لیاتیہ من یثق بہ فیدخل بیتہ فیلقی الیہ سرہ ویخاف من خادمہ و مملوکہ و لا یحدثہ حتی یا خذ عَلَیہ الایمان الغلیظة لیکتمن علیہ فظھرحدیث کثیر موضوع و بھتان منہ نشر و مضی عَلٰی ذلک الفقھاء والقضاة والولاة وکان اعظم الناس فی ذلک بلیة القراء المراؤن والمستضعفون الذین یظھرون الخشوع والنّسک فیفتعلون الا حادیث لیحظوا بذلک عند وُلّاتھم یقربوا مجالسھم ویصیبوا بہ الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تِلک الاخبار والاحادیث اِلٰی ایدی الدیانین الذین لا یستحلون الکذب والبھتان وَقبلوھا و رَوَوُھَا و ھم یظنّون انّھا حق و لو علموا انّھا باطلة لما روو ھاوَ لا تدینوا بِھَا فلم یزل الامر کذلک حتّٰی مات الحسنؑ بن علیؑ ۔ فازداد البلاء والفتنة فلم یبق احد من ھٰذا القبیل الا وھو خائف عَلی دمہ اوطرد فی الارض......وقدروی ابن عرفة المعروف بنفطویہ وھومن اکابر المحدثین واعلامھم فی تاریخہ ماینا سب ھذا الخبر وقال اِنَّ اکثر الاحادیث الموضوعة فی فضائل الصحابة افتعلت فی ایام بنی اُمیہ تقربا الیھم بما یظنّون انھم یرغمون بہ انوف بنی ھاشم۔“

(ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ الجزالثالث صفحہ 16-15 تشریح خطبہ اِنَّ فی ایدی الناس حَقًّا و باطلاً وَّ صدقًا و کذبًا)

شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن ابی سیف الدین نے جو مدائن کے رہنے والے تھے۔ اپنی کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح والے سال کے بعد ہی اپنے تمام گورنروں کوایک ہی مضمون کاحکم جاری کیا کہ:

”تم اُس شخص کے تحفظ اور ذمہ داری سے بریت کا اعلان کردو جوابوترابؑ اور اُن کے اہلبیتؑ کی فضیلت پر حدیث بیان کرتا ہو۔ یہ حکم پہنچتے ہی ہر طبقہ اور ہر علاقہ میں منبروں پر خطبہ دینے والے واعظوں نے علی واولا دعلی علیہم السلام پرلعنت بھیجنا اوراُن سے بریت کا اعلان شروع کر دیا۔ اہل کوفہ پر یہ مصیبت سب سے زیادہ زور کے ساتھ ٹوٹ پڑی۔اس لئے کہ وہاں شیعانِ علیؑ کثرت میں تھے۔ چنانچہ معاویہ نے زیاد بن سمیہ کوکوفہ کا گورنر بنا کر بصرہ بھی اس کے ماتحت رہنے دیا۔ زیاد شیعوں کو ڈھونڈنے اوراُن کوگرفتار کرنے میں کامیاب تھا۔اس لئے کہ وہ شیعوں کو پہلے سے جانتا تھااوراُن کے ساتھ کافی عرصہ تک رہ چکا تھا۔ چنانچہ اُس نے شیعوں کاقتل عام کیا،خوفزدہ کیا،اُن کے ہاتھ پیر کٹوادئے،آنکھیں نکلوادیں،درختوں پراُن کو پھانسی دے کر لٹکتا چھوڑ دیااورتتر بتر کر کے جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ جن شیعوں سے وہ واقف تھا اُن میں سے کوئی باقی نہ رہا۔اور معاویہ نے مملکت کے تمام علاقوں کے گورنروں کولکھا کہ شیعان علیؑ واہل بیت علیؑ کی گواہی کونا جائز قرار دے دو۔اور یہ بھی لکھا کہ عثمان کے شیعوں

اور اُن کی حکومت کو صحیح ماننے والوں پر اور اُن لوگوں پر جو عثمان کے فضائل و مناقب کی روایت کریں نظر رکھو۔ اُن کو مُقرب بناؤ اور اپنے جلسوں میں اپنے قریب جگہ دو، اُن پر لطف و کرم کرو۔ اُن کی تیار کی ہوئی حدیثیں مجھے لکھوا کر بھیجو۔ اور تیار کرنے والے کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اُس کے طرفداروں اور متعلقین کی تفصیل لکھو۔ چنانچہ تمام گورنروں نے اس حکم پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ عثمان کے فضائل و مناقب پر روایات کے ڈھیر لگ گئے۔ اور معاویہ اس کے بدلے میں جاگیریں باغات، زمینیں، خلعتیں، پوشاک و انعامات دیتا تھا۔ تمام رعایا اس کام میں مصروف ہوگئی۔ نا کارہ اور نا اہل لوگ گورنروں سے ملاقات کرتے اور عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرتے تو اُن کا نام شاہی فہرست میں لکھا جاتا، اُسے درباری بنایا جاتا، اس کی سفارش کو پورا کیا جاتا۔ اس عملدرآمد پر ایک زمانہ گزر گیا تو معاویہ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ یقیناً عثمان کی شان میں بہت کثرت سے حدیثیں بن کر مملکت کے تمام شہروں میں اور تمام طبقات اور گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں۔ لہٰذا میرا یہ فرمان ملتے ہی آپ لوگ صحابہ اور اوّل دونوں خلفا کی شان میں احادیث تیار کرنے کے لئے لوگوں کو عام دعوت دے دو۔ اور اگر انہیں ابوترابؑ کی شان میں کوئی حدیث ملے تو اُسی کی مثل صحابہ کے لئے حدیث بناؤ۔ اور ابوتراب والی احادیث میں کمزوری و نقص پیدا کراؤ۔ اور ایسی تمام احادیث بھی مجھے ارسال کرو۔ یہ عمل درآمد مجھے بہت ہی محبوب اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور علیؑ اور اُن کے شیعوں کی ہمت توڑنے اور اُن کو مشکلات میں الجھانے والا ہے اور عثمان کی فضیلت والی حدیثوں سے بھی زیادہ تکلیف دینے والا ہے۔ معاویہ کے یہ خطوط متعلقہ لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے۔ لہٰذا صحابہ کی شان میں دھڑا دھڑ حدیثوں کے انبار تیار ہونے لگے۔ اور انہیں منبروں سے نشر کیا جانے لگا۔ حالانکہ وہ سب بے حقیقت اور جھوٹی روایات تھیں۔ مدرسوں میں تعلیم دی گئیں تاکہ استاد بچوں کو قرآن کی طرح پڑھائیں اور حفظ کرائیں۔ معلمین نے اپنی اور دوسروں کی بیٹیوں اور ازواج کو پڑھایا۔ نوکروں چاکروں اور امیروں غریبوں میں تعلیم کیا یہاں تک کہ یہ نشر و اشاعت برابر جاری رہتی چلی گئی۔

پھر معاویہ نے اپنے گورنروں کو ایک ہی مضمون کا خط تمام ممالک میں ارسال کیا اور تمام ذمہ دار افسروں کو لکھا کہ جس شخص کے متعلق یہ ثبوت فراہم ہو جائے کہ وہ علیؑ اور اہلؑ بیت سے محبت رکھتا ہے تو ایسے تمام لوگوں کے نام فہرستوں سے کاٹ دو، اُن کے وظائف اور عطیات بند کر دو، اُن کا آزوقہ و رزق بند کر دو۔ اور ایک دوسرا تائیدی حکم بھی بھیجا کہ جس شخص پر علیؑ اور اہل بیتؑ اور اُن کی قوم کی محبت کی تہمت لگ جائے اور وہ اُن کی حکومت کے قائل ہوں اُن کو اذیت پہنچاؤ۔ اُن کے مکانات مسمار کر دو۔ یہ بلا سارے عراق اور کوفہ میں شدت کے ساتھ پھیل گئی۔ حد یہ تھی کہ کوئی شیعہ شخص اگر کسی سے ملنے جاتا تو جب تک اُس کے ہمدرد ہونے کا یقین نہ کر لیتا اس کے مکان میں داخل نہ ہوتا تھا۔ اس کے نوکروں اور متعلقین سے بھی خوفزدہ رہتا تھا۔ اور جب تک سخت قسمیں اور معاہدہ نہ کر لیتا کوئی راز کی بات نہ کہتا تھا۔ لہٰذا اس عملدرآمد کے بعد بے روک ٹوک گھڑی ہوئی حدیثیں صحابہ

کے حق میں پھیلا دی گئیں۔ بہت سے بہتان اور تہمتیں علیؑ واہلؑ بیت کے خلاف مرتب کی گئیں۔

اُن ہی جھوٹی روایات پر فقہا و مجتہدین اور قاضی اور تمام حکام چلے اور اُن ہی کے مطابق مذہب تیار ہوتا گیا۔ اور اس کے سب سے زیادہ پابند اور اس جھوٹے ذخیرہ کو قابل اعتماد بنانے والے وہ مقدس لوگ تھے جو بڑے خشوع اور خضوع سے عبادتیں کرتے تھے، قرأتیں کرتے تھے اور ہر موقعہ کے لئے موزوں مضمون کی احادیث جڑتے رہتے تھے۔ تاکہ وہ افسروں اور والیان شہر و حکومت کا قرب حاصل کریں اور ہر ممکن استفادہ کریں، مال و جائداد و مکانات حاصل کریں۔ یُوں یہ من گھڑت روایات حدیث بن کر ایسے لوگوں تک جا پہنچیں جو دیندار اور نیک لوگ تھے اور جھوٹ اور بہتان کو برا سمجھتے تھے۔ اُن لوگوں نے اُن کو صحیح احادیث سمجھ کر اُن پر عمل کیا اُن کو موقعہ بموقعہ روایت کرکے آگے بڑھایا۔ اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ یہ سب باطل ہیں تو وہ ہرگز ان کو اختیار نہ کرتے اور دوسروں میں نہ پھیلاتے۔ یہ کاروبار اسی طرح چلتا چلا جارہا تھا کہ حسنؑ بن علیؑ کا انتقال ہوگیا۔ اُن کے بعد یہ بلا اور تیز تر ہوکر پھیلی اور ایک بھی شیعہ ایسا نہ رہا جو ہر وقت اپنے قتل ہوجانے اور جلاوطنی کا یقین نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح جناب ابن عرفہ نے جو کہ نفطویہ کے نام سے مشہور اور بہت بڑے محدث اور اعلیٰ درجہ کے علما میں سے ہیں یہ روایت کیا ہے اور مندرجہ بیان کی تائید میں کہا ہے کہ صحابہ کے فضائل میں بیان کی ہوئی جھوٹی احادیث کا اکثر حصہ بنی امیہ کے زمانہ میں تیار کیا گیا تھا۔ اس کاروبار سے متعلقین کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اس طرح بنی امیہ کا قرب حاصل کرتے تھے۔ اور بنی امیہ یہ سمجھتے تھے کہ صحابہ کی شان میں جھوٹی احادیث گھڑوانے سے وہ بنی ہاشم کی ناک رگڑتے اور اُن کا زور توڑتے ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 16-15)

قارئین کرام یہاں رک جائیں اور نہایت مختصر طور پر ہماری دو باتیں سُن لیں تاکہ مندرجہ بالا بیان کی تائید میں آنے والے دیگر بیانات سے پورا پورا اثر لیا جاسکے اور وہ تقاضہ سامنے آسکے جو اس بیان سے مطلوب ہے۔

اوّل: اس بیان سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ کے اثر اور اُن کے اسلامی تصور کو دنیا سے مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ ہی سے مہم شروع ہوگئی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ مہم تیز تر اور سخت و شدید تر ہوتی گئی۔ علی وآل علی علیہم السلام اور اُنکے پیروؤں کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ اُس سے قطع نظر کرکے یہ یاد کرلیں کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کے مقابلہ میں جو حضرات آئے یا آج مدمقابل ہیں اُن کے مذہبی ریکارڈ پر یقین و اعتماد ناممکن ہے۔ اور اگر ہمارا فیصلہ کثرت سے نہیں بلکہ ملکی عدالت سے کرایا جائے تو ہمارا مخالف محاذ مع اپنے مذہب کے خود اپنے ریکارڈ سے باطل ثابت ہوجائے۔

دوم: قارئین اس بیان سے سبق سیکھیں اور اس کی تیاری کریں کہ اگر کثرت الناس کی غلط فہمی دور نہیں ہوتی اور یہ مفسدہ پرداز و دین فروش مفتی حضرات عوام کا ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں تو پھر آپ ہر وقت اُس موڈ میں رہیں جو ہماری

عزاداری کی اصلی غرض ہے۔ یعنی اپنی جان و مال وگوشت اور خون کی قربانی اور مال واولا دومکانات کی تباہی۔ جلاوطنی قتل و غارت کا مقابلہ کرنے کے لئے نئے انداز اختیار کریں اور ایک دفعہ پھر اسلام اور اپنے راہنماؤں علیہم السلام پر قربان ہوجانے کا آج ہی سے انتظام کریں اور اُن روباہ صفت ملانٹوں کو سرمیدان یہ دکھانے کی تدبیریں سوچیں کہ ہمیں عزاداری اور تلوار وقمہ کے ماتم نے تمہارے ہی لئے تیار رکھا تھا۔ آؤ ہمیں قتل کرو آؤ ہمارے گھر جلاؤ آؤ ہمارے بچوں کو اور ہمیں پیاسا رکھو۔ اور دیکھو کہ مذہب حق کس طرف ہے؟ اور جہلا وحُمقا وگمراہ کس طرف ہیں؟ مختصر یہ کہ آج ایک اور کربلا کی ضرورت ہے، جس کی قیادت کے لئے آج بھی بقیۃ اللہ قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم موجود ہیں۔

(3) مذہبِ باطل کی تائید میں شیعوں کا قتلِ عام؛ علامہ احمد امین اور پرویز

مندرجہ بالا بیان ذرا پرانا ہے۔ اس لئے ہم ادارہ طلوع اسلام مسٹر پرویز کی پسندیدہ اور شائع کردہ کتاب فجر الاسلام مؤلفہ علامہ احمد امین مصری کی تازہ ترتحقیق پیش کرکے دکھاتے ہیں کہ اس دنیا میں مذہب حق اور اُس کے پیروؤں کو دنیا سے مٹانے اور اسلام کے نام پر مذہب باطل کو برقرار رکھنے کے لئے کیا کیا ہوا؟ چنانچہ چند مقامات ملاحظہ ہوں۔

(الف) غلط اور غیر مستحق لوگوں کو صحیح لیڈر بنانے کا سرکاری انتظام

''بنواُمیہ نے حضرت علیؑ اور دیگر ہاشمی صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہؓ کے فضائل میں اور خصوصاً حضرت عثمانؓ کے فضائل میں حدیثیں گھڑیں۔'' (فجر الاسلام صفحہ 773)

(ب) مذہب حقہ کے پیروؤں کا قتلِ عام اور مذہب باطل کے لئے حدیث سازی

1 ''زیاد بن سمیہ، شیعوں کو چُن چُن کر پکڑتا تھا۔ کیوں کہ اُسے اُن کا پورا حال معلوم تھا۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے دورِ حیات میں وہ خود اُن کے ساتھ رہ چکا تھا۔ چنانچہ زیاد نے ہر پتھر اور ہر ڈھیلے کے نیچے (سے چھپے ہوئے شیعوں کو) قتل کیا۔ اور اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کاٹ کر انہیں انتہائی خوفزدہ کر دیا تھا۔ اُس نے اُنکی آنکھوں میں سلائیاں (آگ میں لال کرکے) پھیریں۔ انہیں کھجوروں کے تنوں پر سولیاں دیں۔ انہیں منتشر کرکے عراق سے اس طرح ملک بدر کیا کہ وہاں کوئی مشہور ومعروف شیعہ باقی نہیں رہا۔ امیر معاویہ نے اپنے تمام گورنروں کو ہر طرف لکھ دیا تھا کہ شیعانِ علیؑ اور اہلؑ بیت کے کسی آدمی کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ امیر معاویہ نے تمام گورنروں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ دیکھو تمہارے علاقہ میں حضرت عثمانؓ کے ہوا خواہ، خیر خواہ اور بہی خواہ کون کون لوگ ہیں؟ ایسے لوگ کتنے ہیں؟ جو حضرت عثمان کے فضائل اور مناقب بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی مجلسوں میں اپنے قریب جگہ دو۔ اور اُنکی پوری پوری عزت کرو۔ اور ایسے آدمیوں کی تمام روائتیں مع اُنکے ناموں، اُنکے باپ اور خاندان کے ناموں کے مجھے لکھ بھیجو۔ چنانچہ تمام گورنروں نے اس

حکم کی تعمیل کی چنانچہ اس طرح حضرت عثمان کے مناقب اور فضائل بکثرت بیان کئے جانے لگے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے امیر معاویہ ایسے لوگوں پر برابر انعام واکرام کی بارشیں کرتے رہتے تھے......(کافی حقائق چھوڑ کر لکھتے ہیں کہ) امیر معاویہ نے اپنے گورنروں کو یہ بھی لکھ بھیجا تھا کہ تحقیق وتفتیش کرو۔ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ وہ حضرت علیؑ اور اُنکے اہلبیت سے محبت کرتے ہیں اُنکا نام دیوان سے کاٹ دو اور اُنکا روزینہ اور وظیفہ بند کردو۔ بنوامیہ کے بعد عباسیوں کا دور آیا تو یہ شیعوں کے حق میں بنوامیہ سے بھی دس قدم آگے نکلے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 771-773)

اس سے پہلے لکھا ہے کہ بنوامیہ نے:

2 ''ہر طرف انہوں نے شیعوں کا پتہ لگانے کے لئے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ اور انہوں نے شیعوں کو بری طرح پامال کیا۔ اُنہوں نے امام حسنؑ کے خلاف سازش کی۔ اُن کے پہلو میں خنجر مروایا۔ لیکن وہ اس زخم سے بچ گئے۔ پھر امام حسنؑ کی فوج میں اُنہوں نے بددلی پھیلائی۔ حتّٰی کہ وہ انہیں چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ پھر امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کیا۔ اس کے بعد چن چن کر اہلبیتؑ کو ذلیل وخوار کرایا۔ کہیں انہیں قتل کیا، کبھی کوئی تہمت لگا کر اُن کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ جس شخص پر انہیں شیعان علیؑ میں سے ہونے کا گمان ہوا اُسے قید کردیا۔ اس کا مال واسباب لوٹ لیا۔ اُس کا گھر گروا دیا۔ عبیداللہ بن زیاد یعنی قاتل حسینؑ کے زمانہ میں تو عرصۂ حیات اُن پر تنگ ہوگیا تھا۔ زیاد کے بعد حجاج آیا۔ جس نے بہت بُری طرح انہیں قتل کیا۔ اور ہر تہمت اور سازش میں اُن کو پکڑا۔ حتّٰی کہ اُس (ملعون) کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اگر کسی شخص کے متعلق اُس کے سامنے کہا جاتا تھا کہ وہ زندیق یا کافر ہے تو یہ بات اُسے اِس سے کہیں زیادہ گوارہ تھی کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ شیعۂ علی میں سے ہے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 771-770)

(ج) مذہب باطل کے سربراہوں نے ہمیشہ اپنے مخالف کے خلاف جھوٹی احادیث گھڑیں

فجر الاسلام میں علامہ محمد امین احمد مرحوم نے حسب ذیل عنوان قائم کیا ہے:

''خوارج کے خلاف وضع حدیث کی گرم بازاری'' : ''مہلب بن ابی صفرہ نے خارجیوں کے خلاف جن ہتھیاروں سے جنگ کی تھی اُن میں سے ایک ہتھیار یہ بھی تھا کہ اُن کے خلاف زور شور سے حدیثیں گھڑی گئیں۔ وہ خود بھی اُن کے خلاف حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ تاکہ اس طرح اپنی قوم کی ہمت اُن حدیثوں سے بلند کرسکے۔ اور خارجیوں کی قوت وشدت کو ضعیف اور کمزور بنا سکے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 737)

(4) اہلِ انصاف وعدالت سے چند سوالات اور حق وباطل کا فرق؟

اگر آپ نے علامہ مودودی کے بیان سے لیکر یہاں تک مسلسل اور بغور مطالعہ کیا ہے؟ تو چند چیزیں ضروری نوٹ کی ہوں گی۔

اوّل یہ کہ جب محبان علی اور اہل بیت علیہم السلام یعنی شیعوں کو برابر قتل کیا جاتا رہا اور اُن میں سے کوئی سر برآوردہ اور مشہور و معروف شیعہ باقی نہ چھوڑا گیا تو یہ کہنا کہ شیعوں نے دین اسلام کو بدل دیا، تمام احادیث کی کتابوں میں اور تاریخ کے واقعات میں ردوبدل کردی، کہاں تک صحیح اور ممکن ہوسکتا ہے؟ غیر معروف اور جاہل شیعہ جس کو کسی حیثیت سے بھی لوگ نہ جانتے ہوں کیا اس قابل ہوسکتے ہیں کہ تمام مخالف علما کو فریب دے کر اُن کی تصنیفات کو تبدیل کردیں؟ چنانچہ یاد رکھیں کہ یہ اور اس قسم کی تمام ہی باتیں اُسی قسم کی سازش ہے جس کا تذکرہ ابھی ابھی زیاد اور ابن زیاد کے حربوں میں ہو چکا ہے۔ یعنی شیعوں کے مخالفین شیعوں کو مٹانے کے لئے اُن کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا نہ شیعوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ تاریخ یا حدیث کو بدل ڈالیں نہ یہ ممکن تھا کہ وہ جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اپنا کاروبار چلائیں۔ البتہ اہل خلاف کی حکومت تھی، کثرت تھی اُن کے قابو میں دولت تھی، کاغذ تھا۔ اہل قلم خریدے ہوئے تھے، تلوار و تباہی اُن کے قابو میں تھی، وہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ اور اُنہوں ہی نے دین کو تبدیل کیا، جھوٹی تاریخ و حدیث تیار کی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سا ایسا لالچ یا مفاد تھا؟ جس کو حاصل کرنے کے لئے شیعہ اپنی جان و مال و اولاد کو بے دریغ قربان کرتے اور ہر مصیبت کو برداشت کرتے چلے آئے؟ اور اپنے مذہب اور محبت اہلؑ بیت پر قربان ہوتے رہے۔ اور اُس مذہب و مسلک کو اختیار نہ کیا جس کو اختیار کرنے سے خود محفوظ رہتے اور دولت و عزت و حکومت کا تقرب حاصل ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے؟ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ باطل مذہب یا باطل راہنماؤں کے لئے شیعوں نے وہ سب کچھ سہا اور خوشی خوشی برداشت کیا۔ جس کا ہزارواں حصہ جب ابوحنیفہ اور دیگر علما کے اوپر وارد ہوا تو دست بستہ معافیاں مانگ کر جان بچالی؟ اور تبدیلی مسلک و مذہب کا اعلان کردیا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا علی و اولاد علی اور اہل بیت رسول علیہم السلام کا مذہب و مسلک وہی تھا؟ جو اُن کے مدمقابل صحابہ کا تھا؟ اگر وہی مذہب دونوں کا تھا؟ تو یہ مسلسل تنازع؛ جنگیں اور اعلانِ بیزاری و گمراہی کیوں تھا؟ کیا 11 ہجری سے لے کر 61 ہجری تک علیؑ و اہلبیتؑ کی سمجھ میں اُن کی غلط فہمی یا اجتہادی غلطی آئی ہی نہ تھی؟ کیا اُن کو اپنی غلط فہمی کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا؟ پھر اگر مخالف محاذ حق پر تھا؟ تو اُن کو تبدیلیٔ شریعت اور شریعت سازی اور جھوٹی احادیث گھڑنے کی ضرورت کیوں ہوئی؟

چوتھا سوال یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا، اور جو کمی ہے ابھی ابھی پوری کی جائے گی کہ معاویہ نے صحابہ ثلاثہ کی شان میں احادیث گھڑوا کر پھیلائی تھیں تو اب وہ کون سی مشین ہے جس سے علیؑ و اہل بیتؑ کے مخالف محاذ کے ریکارڈ میں سے حق و باطل کو الگ الگ کیا جاسکے؟ اور اسی سے؛

پانچواں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مخالف محاذ کی یہ تگ و دو، حدیث سازی، شریعت سازی اور کروڑوں مسلمانوں کا قتل

عام اُس صورت میں بھی ہوتا اگر علی علیہ السلام کا وجود نہ ہوتا؟ یا وہ اپنے قول وفعل سے اپنے مدِ مقابل گروہ کی تائید ہی کرتے اور کسی قسم کی مخالفت ظاہر نہ ہوتی؟ واقعات وحالات سے واقف ہر شخص کہے گا کہ ایسی صورت میں جب کہ علیؑ ہی کا وجود نہ ہوتا تو وہ آیات واحکامات واحادیث بھی نہ ہوتیں جو حضرت علیؑ سے متعلق ہیں۔ پھر مخالف محاذ کو نہ شریعت سازی کی ضرورت ہوتی نہ کسی صحابی کی شان میں احادیث بنوانے کی احتیاج ہوتی۔ بہرحال عربوں کا سارا انتظام اور پوری دوڑ بھاگ اُس تصور اسلام سے محفوظ رہنے کے لئے تھی جو آج تک مذہب شیعہ پیش کرتا ہے اور اُس وقت حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ پیش کرتے رہے۔ اور اُنہیں دنیا کی کوئی طاقت اظہارِ حق سے نہ روک سکے گی۔

(5) اسلام کی صورت بگاڑنے اور ملکی حکومت ومذہب کی تائید میں حدیث سازی

قارئین کرام علامہ غلام احمد پرویز سے واقف ہوں گے۔ یہ حضرت اُن تمام علما کا مجسم نمونہ ہیں جو شریعت سازی کو ہر زمانہ میں جائز سمجھتے رہے۔ اور شریعت سازی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن کریم اور حدیث کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ لہٰذا وہ سب حضرات جو شریعت سازی کرتے رہے یا آج تازہ بتازہ شریعت گھڑنے پر زور دیتے ہیں، ہر زمانہ میں منکرین حدیث کہلاتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ تمام احادیث کا انکار نہیں کرتے۔ مگر منکر حدیث اس لئے کہلاتے ہیں کہ وہ صرف اُس حدیث کو صحیح مانتے ہیں جو اُن کی شریعت سازی اور اُن کے مقصد کی تائید کرتی ہو۔

(الف) علمائے اہلسنت کے تحقیقی فیصلے: ہم مسٹر پرویز کے قلم سے علمائے اہلسنت کے تحقیقی فیصلے اور حدیث سازی پر چند جملے لکھتے ہیں۔

وہ عنوان جس پر حدیث سازی ہوئی	پرویز اور علمائے اہل سنت کا فیصلہ
1: ''زیارت قبر نبیؐ ''	''ایک حدیث بھی صحیح نہیں''
2: ''فضائل آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، امام مالک وامام شافعی اور امام احمد حنبل)	''ایک حدیث بھی صحیح نہیں''
3: ''فضائل عرب اور زبان عربی''	''ایک حدیث بھی صحیح نہیں''
4: ''مذمت عجم اور زبانِ عجمی''	''ایک حدیث بھی صحیح نہیں''
5: ''فضائل ابدال واوتاد وقطب اور غوث''	''ایک حدیث بھی صحیح نہیں''
6: ''صوفیہ کی کل مشہور حدیثیں''	''موضوعات (خودساختہ ہیں'')
7: ''فضائل صحابہ''	''اکثر حدیثیں موضوع ہیں''
8: ''مناقب اہل بیت''	''اکثر حدیثیں موضوع ہیں''

9: ''ہدیہ دینے اور تحفہ دینے کی فضیلت'' ''اکثر حدیثیں موضوع ہیں''

10: ''فضائل درود'' ''اکثر حدیثیں موضوع ہیں''

11: ''نبیؐ کی مدح وثنا'' ''اکثر حدیثیں موضوع ہیں''

12: ''احمد بن حنبل نے فرمایا کہ تین (قسم) کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ 1: مغازی 2: ملاحم اور 3: تفسیر''

(مقام حدیث حصہ اوّل صفحہ 223-220)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ 241 ہجری مطابق 855 عیسوی تک جتنی کتابیں غزوات یعنی وہ کتابیں جو رسولؐ اللہ کے جہاد کی تفصیل پر اور قرآن کی تفصیل وتفسیر پر اور باقی دوسری قسم کی جنگوں اور رزم آرائی پر لکھی گئی تھیں وہ سب احمد بن حنبل کے نزدیک جھوٹ کا پلندہ تھیں۔ یہ جھوٹ کا پلندہ اور انبار کیوں تیار کرایا گیا؟ جواب میں یہ کتاب لکھی جارہی ہے۔ یہ گنتی کے چند سر پھرے لوگ ہیں۔ ورنہ علمائے اہل سنت کی کثرت مندرجہ بالا تمام عنوانات اور متعلقہ حدیثوں کو صحیح سمجھتی ہے۔ بہر حال یہ معلوم ہوتا جارہا ہے کہ قرآن وصاحبانِ قرآن کے اسلام کو مفادِ ملکی وقومی کے لئے مفید بنانے میں انبار در انبار کذب وجعلسازی کی گئی تھی۔

(ب)۔ جھوٹی حدیثیں تیار کرنے کے وہ اسباب جن کو بیان کرنے میں خطرہ محسوس نہ کیا

علامہ خضری کی کتاب تاریخ التشریع الاسلامی (اسلامی شریعت سازی کی تاریخ) کا ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی (مترجمہ عبدالسلام ندوی) میں حدیث گھڑنے کے بہت سے اسباب میں سے چند ملاحظہ ہوں:

1: ''جاہل عبادت گزار لوگوں نے بزعمِ خود نیک اور دینی کام سمجھ کر فضائل اور مذہبی ترغیبات کے متعلق حدیثیں وضع کیں۔'' یہ ایک عالمانہ فریب ہے کہ اُن حضرات کو جاہل لکھا جائے جو اپنی سوجھ بوجھ اور علمی قدرت سے ایسا کلام پھیلا سکیں جو کلام رسولؐ سمجھ کر اختیار کر لیا جائے۔ لہٰذا یہ حدیث ساز گروہ عالم وفاضل وقابل وعابد ومتقی اور صاحبان اثر لوگ تھے۔

2: ''بدکار محدثین نے عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے حدیثیں بنائیں۔''

یہ بھی غلط ہے۔ بدکار لوگوں کی بات کوئی نہ مانتا۔

3: ''بعض لوگوں نے اہل دنیا کی خواہشوں کی پیروی اور اُن کے افعال پر شرعی عذر (پردہ ڈالنے) قائم کرنے کے لئے جعلی حدیثیں بنائیں۔''

4: ''سیاسی اختلاف اور مذہبی تعصب کی بنا پر اپنے عقائد واعمال کی تائید میں جھوٹی حدیثوں کی روایت کرنا اپنے لئے جائز کر لیا تھا۔'' (تاریخ فقہ اسلامی صفحہ 204-203)

5: ''اس کے علاوہ خلفاء سیاست شرعی اور مصلحت عامہ کے پیشِ نظر قرآن وحدیث کے بعض احکام تبدیل کرنے میں بھی پس وپیش نہ کرتے تھے۔'' (فلسفہ التشریع فی الاسلام کا ترجمہ، فلسفہ شریعت اسلام مترجمہ مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 197)

اس سلسلے کی آخری اور پتہ کی بات سنئے:

6: ''شرع اسلامی خلیفۂ وقت کے (اپنے ذاتی) مذہب اور عقائد سے بھی متاثر ہوتی رہی ہے۔ کیوں کہ خلیفہ کسی ایک مذہب کی تقلید کرنے یا ایک طریقۂ اجتہاد اختیار کرنے کا حکم صادر کردیتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 197)

قارئین جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر سے لے کر خلفا اُسی مسلک پر چلے اور پبلک کو اُسی پر قائم رکھنے کی جدوجہد کی جو حضرت عمر کی بصیرت سے تیار ہوا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے سب نے پوری قوت کے ساتھ اُسی مسلک و مذہب و شریعت کی تائید وتشریح وتنفیذ جاری رکھی یہاں تک کہ بقول مودودی ''19 ویں صدی تک وہی قانون شریعت و مذہب جاری رہا۔'' جو آج بھی مُلّا ازم کا ہر مُلّا نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اور حضرت معاویہ وغیرہُم کی طرح تمام مخالفین کو مجبور کرکے اُسی مسلک پر لانا چاہتا ہے۔

(6) مذہبِ علیؑ وشیعانِ علیؑ اور مذہبِ معاویہ

یہاں تک یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارے مخالف محاذ کے مذہب وعقائد میں قرآن مفصل ومکمل کتاب نہیں ہے۔ یعنی اُس میں قیامت تک آنے والے انسان کے سوالات وضروریات کا جواب اور تدارک موجود نہیں۔ آنحضرتؐ کو وہ (معاذ اللہ) خطا کار مجتہد سمجھتے ہیں۔ انسانی رائے اور قیاس کو قرآن وحدیث پر حاکم بناتے ہیں۔ خود ساختہ پرداختہ دین کو اسلام اور اسلامی شریعت کہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کا ہر حاکم اپنی مصلحت کے ماتحت قرآن وحدیث کے احکام کو تبدیل کرنے، قرآن وحدیث کے احکام کو منسوخ اور معطل کرنے، جھوٹی احادیث تیار کرنے اور کرانے اور قرآن وحدیث کے خلاف احکام جاری کرنے اور مصلحت کے ماتحت اجتہادی شریعت تیار کرنے کو جائز سمجھتا رہا ہے۔

یہاں ہم اپنے مخالف محاذ کے ریکارڈ سے حضرت امیر معاویہ اور جناب محمد بن ابی بکر کی خط وکتابت پیش کرکے قدیم ترین عقائد وتصورات کو سامنے لاتے ہیں۔ تاکہ عوام الناس یہ دیکھ لیں کہ حضرت علیؑ اور اُن کے شیعوں کی کیا پوزیشن تھی؟ ہم وہ خط نقل نہیں کریں گے جو حضرت محمد بن ابی بکر نے معاویہ کو لکھا تھا۔ اس لئے کہ معاویہ کے جواب سے وہ بنیادی اعتراضات و بیانات واختلافات واضح ہوجاتے ہیں جو حضرت محمد بن ابی بکر نے اپنے خط میں لکھے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار کی بہت فکر ہے۔ سُنئے کہ جب معاویہ کو خط ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ:

فکتب اِلیه معاویة: من معاویة بن صخر اِلٰی الزاری عَلٰی ابیه محمد بن ابی بکر۔ اما بعد اتانی کتابک تذکر فیه ما اللّٰه اهله فی عظمته و قدرته و سلطانه وما اصطفٰی به رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و علی آله، مع کلام کثیر لک فیه

تضعیف، ذکرت فیه فضل ابن ابی طالب و قدیم سوابقه و قرابته اِلٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و مواساته ایّاہ فی کل هول و خوف ۔فکان احتجاجک عَلِیَّ و عیبک لی بفضل غیرک لا بفضلک فاحمد رَبًّا صَرَفَ هٰذَا الفضل عنک وجعله لِغَیْرک ۔ فقد کُنَّا و ابوک فینا لعرف فضل ابن ابی طالب و حَقَّهُ لَازِمًا لَنَا مَبْرُوْرًا عَلَیْنَا ۔فلمّا اختار اللّٰہ لِنبیهٖ علیه الصلوٰۃ والسلام ماعندہ و اتم له ما عدہ وَاظهر دعوته فابلج حجته وقبضه اللّٰہ الیه صلوۃ اللّٰہ علیه کان ابوک و فَارُوْقَه اَوَّلُ مَنْ ابتزہ حقه و خالفه عَلٰی امرہ عَلٰی ذلک اتفقا و اتسقا ثُمَّ اِنَّهُمَا دعواہ اِلٰی بیعتهما ۔ فَأَبطأ عنهما و تلکا علیهما ۔فَهَمَّا بِه الهموم واراداا به العظیم ثُمَّ انَّه بایع لهما و سلم لهما اواقاما لا یشرکانه فی امرهما ولا یطلعاته علی سِرّهِما حتّٰی قبضهما اللّٰہ ۔ ثُمَّ قَامَ ثالثهما عثمان ۔ فَهَدَی بِهَدیهما وَسَارَبسیرهما فعبة انت وصاحبک حتی طمع فیه الا قاصی من اهل المعاصی وَاظهر تماعدا و تکما حتی بلغتما فیه مناکما ۔ فخذ جذرک یا ابن ابی بکر و قس شبرک بفترک یقصر عن ان توازی و تساوی من یزن الجبال بحِلمه لا یلین عن قسرقنا ته ولا یدرک ذُومقال اناته مهد مهادہ و بنی لملکه و شادہ فان یک مانحن فیه صوابا فابوک استبدّ به و نحن شرکاؤہُ ولو لا ما فعل فعل ابوک من قبل ما خالفنا ابن ابی طالب لسلمنا الیه ولکنّا رأینا اباک فعل ذلک به من قبلنا فاخذنا بمثله ۔فعب اباک بما بدلک اودع والسلام علٰی من اناب۔"(مروج الذهب)

"یہ خط معاویہ بن صخر کی طرف سے محمد بن ابی بکر کے نام ہے جس نے اپنے والد کی عیب جوئی کی ہے۔واضح ہو کہ تو نے اپنے خط میں اللہ کی اُس عظمت وقدرت وحکومت کا ذکر کیا ہے جو اُس کی شان کے لائق ہے۔اور تم نے وہ حمد وثنا لکھی ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسولؐ کو مخصوص فرمایا ہے۔اور اسی تذکرے کے ساتھ ساتھ تم نے ایسی بہت سی باتیں بھی لکھ ماری ہیں جن سے تمہاری اور تمہارے باپ کی کمزوری اور مقام سرزنش وملامت ظاہر ہو گیا ہے۔تم نے اپنے خط میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کی فضیلت، سابقیت اور قرابت قریبہ اور خطرناک حالات میں رسولؐ اللہ سے فداکاری اور فیاضی کے سلوک کا بھی ذکر لکھا ہے مگر یہ وہ فضائل ہیں جن سے تو خالی ہے۔اور میں اس لئے خدا کی حمد وثنا کرتا ہوں کہ اُس نے اُس فضیلت کو تجھ سے دُور رکھا اور تیرے علاوہ دوسرے شخص کو مرحمت فرما دی۔ہم سب مع تیرے باپ کے علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل اور اُن کے مقام پر مطلع تھے۔اور یہ جانتے تھے کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے حقوق کی ادائیگی ہم پر لازم اور اٹل ہے۔چنانچہ جب اللہ نے آنحضرتؐ کو نبیؐ کی حیثیت سے اختیار فرما لیا اور انہیں وہ سب کچھ دے دیا جو اس کے پاس تھا۔اور جو وعدے کئے تھے وہ پورے کر دیئے اور اُن کا مشن ہر طرف پھیل کر غالب آ گیا تو اللہ نے اپنے نبیؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔اُس وقت تیرا باپ اور اُن کا فاروق ہی تو وہ اوّلین ہستیاں تھیں جنہوں نے علیؑ کو اُنکے حق سے جدا کیا۔اُنکی حکومت کی مخالفت کی اور اُن دونوں نے اس سلسلے میں اتفاق واتحاد جاری رکھا اور حکومت سنبھال لینے کے بعد علیؑ کو اپنی بیعت کرنے کو کہا۔چنانچہ علیؑ عرصہ دراز تک کنارہ کش رہے

اور انہیں اُن کے حال پر چھوڑے رکھا۔ پھر اُن دونوں نے علیؑ کے خلاف بڑے اہم اور تباہ کن منصوبے بنائے تو علیؑ نے اُن کی بیعت کر لی اور پُر امن رہنے لگے۔ مگر اس کے باوجود اُن دونوں نے علیؑ کو اپنے کسی معاملہ میں شریک نہ کیا اور نہ اپنے خفیہ منصوبوں پر انہیں مطلع کیا۔ یہاں تک وہ دونوں اپنی اپنی باری آنجہانی ہو گئے اور اُن کی جگہ اُن کا تیسرا جانشین ہو گیا۔ چنانچہ عثمان نے اُن ہی دونوں کی ہدایات پر عمل کیا اور اُن ہی کی سیرت پر کار بند رہا۔ لیکن تو نے اور تیرے صاحب علیؑ نے عثمان میں اتنے عیب نکالے اور اپنی عداوت کو تم دونوں نے اس قدر اچھالا کہ تمام بدکردار لوگوں کو اس کی مخالفت کی طمع پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ تم دونوں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا اے ابوبکر کے بیٹے ذرا بچ کر دن گزارو اور اپنے جامہ سے باہر نہ نکلو، اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں سے بڑی نہ سمجھو۔ تم اُس شخص کے متوازی اور مساوی ہو جانے کا خبط رکھتے ہو جس کے بردباری اور تحمل سے پہاڑوں کو تولا جا سکتا ہے۔ لہٰذا زیر نظر مسئلہ اگر ٹھیک ہے تو تیرے ہی باپ نے جبراً اس کی ابتدا کی تھی۔ البتہ ہم سب اُن کے شریک کار تھے۔ اگر تیرا باپ پہلے ہی ایسا نہ کر چکا ہوتا تو ہم علیؑ سے مخالفت نہ کرتے بلکہ اُن کی حکومت تسلیم کر لیتے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ تیرا باپ علیؑ کے ساتھ یہ کر گزرا۔ لہٰذا ہم نے اُن ہی کے مثل رویہ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اپنے باپ کی مذمت کرو یا اس سے باز رہو۔ والسلام

(7) فاروقی شریعت کی تکمیل پر چند توجہ طلب جُملے

ہمیں بڑی مسرت ہے کہ بفضل خدا کتاب کا یہ حصہ اس حد تک مکمل ہو گیا کہ آج کے بعد یہ دعویٰ نہ کیا جائے گا کہ ہمارے مخالف محاذ کے پاس کسی زمانہ میں یا آج کل خالص اللہ و رسولؐ یا قرآن و حدیث کا لایا ہوا اسلام تھا یا ہے۔ اور ہم نے اس حقیقت کا ہر پہلو معتبر ترین اہل سنت ریکارڈ سے ثابت و واضح کر دیا ہے۔ بس اتنا کہہ کر اسلامی نماز کا عنوان قائم کرتے ہیں کہ اہل سنت ریکارڈ کو تیار کرنے والے حضرت معاویہ اور اُن کے قبل و بعد کے خلفا و سلاطین و بادشاہ تھے۔ جنہوں نے وظیفہ خوار و تنخواہ دار اہل قلم سے اپنی مرضی کے مطابق جو ضروری ہوا لکھوایا اور تاریخ و ریکارڈ کی تمام کتابیں مذہبِ فاروقی کی مصلحت اور تحفظ کے لئے لکھی گئیں۔ اور یہ کہ مخالفین کے تیار کردہ اس ریکارڈ کی کوئی بات ہمارے مذہب کے خلاف عدالت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مدعی کو اپنے دعویٰ کے لئے دلیل میں اپنا قول یا تحریر پیش کرنے کا حق نہیں ہوتا۔

(i) تاریخ کو مرتب کرنے کرانے والے کون لوگ ہیں؟ علامہ شبلی کا فیصلہ

''وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے۔ سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں۔ اور بظاہر اُن میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو اُن ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔''

(المامون قومی پریس لکھنو صفحہ 61)۔علامہ نے دبی زبان سے یہ مان لیا ہے کہ:۔

''ظاہری طور پر تواریخ مذہبی تعصب سے خالی مگر حقیقتاً تعصب سے لبریز ہیں۔اور یہ کہ اُن میں مذہبی تحفظ کا خاص نہیں بلکہ عام طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔'' عبارت بار بار ملاحظہ فرمائیں۔

13۔ اسلامی نماز بھی اسلام کے ساتھ ہی رُخصت کردی گئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق آج جو کچھ اسلام کے نام پر باقی ہے وہ سب کچھ ہے مگر اسلامی نہیں ہے۔ گو یہ بات بھولے بھالے اور علما کے رعب سے دبے ہوئے عوام کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہے۔مگر ہم اس مشکل کو عملی صورت حال سامنے رکھ کر نہایت سہولت سے آسان کریں گے۔اور عوام کو یقین دلا کر چھوڑیں گے کہ ہمارے علامہ اور خود ساختہ حجۃ اللہ حضرات نے اُمت محمدؐ یہ کو اُن تمام فیوض وبرکات سے محروم کردیا ہے جو نماز کے ذریعہ اور وسیلے سے ملنا بیان کیا گیا ہے۔

(1) مولانا حضرات سے سوال

(i) آپ کسی بہت مقدس اور مشہور متقی مولوی یا مولانا سے سوال کریں کہ جناب میں جو نماز پڑھتا ہوں ذرا اُسے مجھ سے سُن کر یا خود سوالات کر کے اور مجھ سے پوچھ کر میری نماز کی تصدیق کیجئے کہ میں صحیح اور وہی نماز پڑھتا ہوں جو آپ نے اور ہمارے مذہب کے دیگر علما نے سکھائی ہے۔جب وہ حضرت تصدیق کردیں تو اُن سے ہی یہ عرض کریں کہ جناب اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَo (بقرہ 2/153 اور 2/45)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم صبر اور صلوٰۃ سے اعانت یا مدد طلب کیا کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ آپ تمام علما ہم سے بہرحال بہتر طریقہ پر اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔لہٰذا فلاں مشکل میں اس حکم پر عمل کر کے نماز سے مدد لے کر مشکل کو حل فرمادیں؟ یا یہ کہیں کہ حضور علامہ ڈھکو صاحب یا مفتی صاحب مجھے وہ قربت دکھائیں جو پچاس سال سے ہمہ قسمی نمازیں پڑھنے سے حضور نے آج تک حاصل کی ہے۔یعنی کیا آپ کو وہ مقصد حاصل ہو چکا ہے جو نماز کی نیت میں قُرۡبَۃً اِلَی اللّٰہِ سے ظاہر کیا جاتا ہے؟ یا اُن کو یہ آیت سنائیں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَصَلِّ عَلَیۡھِمۡ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمۡ ... الخ ''اُن پر نماز پڑھ یقیناً آپؐ کی نماز اُن (مومنین) کے لئے باعث سکون واطمینان وسکونت وقیام ہے۔'' (توبہ 9/103)

(ii) پھر دریافت فرمائیں کہ حضور آپ کو اور تمام نمازی مومنین کو یقیناً ایسی سکونت اور قیام حاصل ہوجانا چاہئے تھا جس میں زوال وناپائیداری ختم ہوجاتی۔لیکن اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک میں علامہ اور حجۃ اللہ حضرات اور اُن کی پسندیدہ

نماز پڑھنے والوں کی کثرت ہے، وہ سب پس ماندہ غیر ترقی یافتہ غیر مہذب اقوام وممالک کہلاتے ہیں اور اکثر بے نمازوں بلکہ کافروں کے دست نگر ومحتاج ہیں؟ علوم کائنات سے کورے جاہل اور کفار سے تعلیم پا رہے ہیں۔ اُن سب کو نماز سے نہ مدد ملی ہے نہ اُنکی مشکلات میں کمی ہوئی ہے۔ نہ اللہ کے یہاں انہیں کسی قسم کا تقرب اور رسائی ملی۔ اور نہ دنیا میں اُنہیں اور اُن کے تصوراتِ مذہبی کو قیام وسکون ملا۔ نہ غم واندوہ سے چھٹکارہ ملا۔ بلکہ ہر آنے والا دِن اُن لوگوں کیلئے تازہ مصیبت لاتا ہے۔

(iii) یہ بھی دریافت کریں کہ جناب مولوی صاحب! نماز کو مومنین کی معراج فرمایا گیا ہے اور آپ اگر زمین سے کبھی بلند ہوئے بھی ہوں گے تو وہ کافروں کا احسان ہے جنہوں نے ہوائی جہاز بنا دیا ہے؟ ورنہ معراج وعروج تو بہت بڑی بات ہے آپ تو پوری اُمت کو زوال وتباہی کے غار میں لئے جا رہے ہیں۔

(iv) اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کثرت الناس بلکہ ہمہ قسم کی کثرت تمہارے ساتھ ہو گی۔ اور تمہارے بُرا چاہنے والے تباہ اور منتشر ہو جائیں گے (سورہ کوثر) لیکن مولانا یہ کیا بات ہے کہ نوع انسان کی کثرت تمہیں اور تمہاری وجہ سے تمام مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے؟ اور تو اور مولانا کے اپنے ہم مسلک لوگ مولانا کو ایک گالی سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے فعل وفاعل ومفعول کی گردانیں سناتے ہیں۔ دانشورانِ قوم وحکیمانِ امت تمہیں فتویٰ فروش کہتے ہیں:۔

ع ...... مفتیِ دینِ نبی فتویٰ فروش

اور ہمدردانِ ملک وملت فتنہ وفساد پھیلانے کو آپ کا دین کہتے ہیں: ع ...... دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد

(v) یہ بھی جاننے، کہنے اور پوچھنے کی بات ہے کہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ......الخ (حٰمٓ سجدہ 41/30)

''یقیناً جن لوگوں نے اللہ کو اپنا پروردگار کہہ کر اس بات پر قائم رہے۔ اُن پر ملائکہ نازل ہوں گے اور اُنہیں خوف ورنج وملال سے محفوظ رکھنے کی بشارت سناتے رہیں گے۔''

لیکن مولانا حضرات دن رات اللہ اکبر کے وِرد کرتے ہیں نماز تہجد بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن خود اپنے لئے اور پوری امت کیلئے ایک دردانگیز ومصیبت خیز ونفرت بیز سامان بن کر رہ گئے ہیں۔ ملائکہ تو ملائکہ ہیں ابلیس بھی اُن کے پاس آنے سے ڈرتا ہے۔

(2) اسلامی نماز کو ضائع کرنے پر چند باتیں

آج مسلمانوں کے تمام مکاتیبِ فکر کا ہر فرد جانتا ہے کہ اُن کے علما نے نماز کو فروع میں شمار کیا ہے۔ اور اسلام یا دین کو ایک کُل مان کر نماز کو اس کُل کا ایک جزو بتایا ہے۔ مولانا حضرات کی زبان میں یہ جملہ اکثر لکھا ہوا ملے گا اور آپ حضرات بھی اکثر بولتے ہیں کہ ''نماز دین کا ستون ہے۔'' مطلب وہی ہے یعنی اگر دین ایک عمارت یا بلڈنگ ہے تو اس کے بہت سے

ستونوں (Pillers) میں سے نماز بھی ایک ستون (Piller) ہے۔

اہلسنت والجماعت میں تو بچوں کی تعلیم اچھی خاصی بڑی عمر میں شروع ہوتی ہے۔مگر شیعوں کے بچوں کو نہایت کم سنی میں دین کے اصول اور فروع یاد کرا دیئے جاتے ہیں۔اور اس کار خیر میں اتنی عجلت کی جاتی ہے کہ ابھی بچہ تُتلا کر پُورے پورے جملے بھی بولنے نہیں پاتا کہ اُسے اصول دین پانچ ہیں اور فروع دین چھ (یا آٹھ) ہیں، رَٹانے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔اور ہر نئے آنے والے عزیز یا دوست کو اپنے دیندار ہونے کا ثبوت دینے کے لئے بچہ کو بلایا جاتا ہے۔اور اُس کو اصول وفروع سنانے کو کہا جاتا ہے۔حالانکہ خود بچہ کا معلم (ماں یا باپ) نہ لفظ اصول کے معنی جانتا ہے نہ فروع کا مطلب سمجھتا ہے۔نہ اُسے یہ پتہ کہ لفظ اصول وفروع واحد ہیں یا جمع ہیں؟ اور چونکہ ننانوے فیصد (99%) ماں باپ بلامعنی رٹی ہوئی نماز اور زیارتیں پڑھتے ہیں اس لئے اُن دونوں کو یہ فکر کیوں ہو؟ کہ بچہ کو باشعور ہو جانے دیا جائے۔تاکہ وہ عربی کے ان غیر مانوس الفاظ کو سمجھ کر یاد کر سکے۔اور خوشی خوشی بلا کسی گرانی ُطبع کے مذکورہ اصول وفروع کو دل میں تسلیم بھی کر سکے۔بہرحال یہ عملی صورت حال صدیوں سے چلی آرہی ہے۔اسی طرز زندگی پر بچے پیدا ہو کر جوان ہوتے رہے بوڑھے ہو کر مرتے چلے آئے۔

ہمارا نظام اجتہاد اس قسم کے معاشرہ کے استحکام میں ہر دم تازہ کوشش کرتا چلا آیا۔چونکہ مقلدین کو نہ دلیل مانگنے کی اجازت ہے نہ انہیں بقول مجتہدین، اتنا شعور ہے کہ وہ مجتہد کی بیان کردہ دلیل کو سمجھ سکیں۔نہ اُنہیں زیادہ شعور کی ضرورت ہے۔اس لئے کہ اُن کا کام سمجھنا نہیں بلکہ جو مجتہد فرمادے اس پر عمل کرنا ہے۔اِدھر یہ صورت حال رہی۔اُدھر مولوی کا مدمقابل محاذ عقل وشعور وعلوم کائنات میں ترقی کرتا چلا آیا۔یہ ترقی مجتہدین کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔وہ ترقی پسند لوگوں اور ترقی دینے والے علوم کی مذمت کرتے رہے۔اُنہیں کافر وملحد وبدعتی اور مشرک بناتے رہے۔لیکن یہ ترقی معیار زندگی بلند کرنے، اور کائنات پر تسلط حاصل کرنے اور روزمرہ کی ضروریات میں مدومعاون تھی۔مُلّا جی چِلّاتے رہے، قتل عام کرواتے رہے، کفر ساز مشین زور شور سے گھماتے رہے مگر ترقی جاری رہی۔مولوی چیختے چیختے تھک گیا اور ہر زمانے کی نوجوان نسل مُلّا سے اور مُلّا کے خودساختہ اور بے معنی مذہب سے متنفر ہوتی گئی۔یہ غیر فطری، جبری اور بے سمجھی عبادتیں رفتہ رفتہ چھوٹتی گئیں۔جوانی سے پہلے ہی مولانا اور مولوی کے خلاف سوچنا شروع کر دیا۔ہر نئی ایجاد کو مجتہدین نے مذموم سمجھا۔لاؤڈ اسپیکر، ٹیلیفون، وائرلیس، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، الغرض یہ ایجادات وعلوم اپنی افادیت واہمیت کی بنا پر مقبول ہوتے اور مُلّا حضرات اُسی تناسب سے مردود ہوتے چلے گئے۔مولانا ان چیزوں سے اس لئے ناراض تھے کہ اُن کے موجد پوری نوع انسانی میں قابل قدر ومنزلت قرار پارہے تھے۔اور یہ خودساختہ مذہب کے راہنما کائنات کی ہر چیز کی ماہیت وخاصیت سے جاہل تھے۔جس طرح یہ مخلوق آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی افادیت اور اہمیت سے خوفزدہ ہو کر اُن کے خلاف محاذ بنانے میں کامیاب ہوگئی تھی اُس طرح کی کامیابی کے مواقع ان کے ہاتھ سے نکل

چکے تھے۔اُن کے ہاتھ سے اللہ نے حکومت اور تلوار چھین لی تھی۔انہیں ذلیل وخوار کر کے دوسری اقوام کا غلام بنا دیا تھا۔لہٰذا یہ گروہ ناکام ہوگیا اور دنیا آگے بڑھتی اور علماؤں اور مولویوں کو پیچھے دھکیلتی چلی گئی۔اُن کے خودساختہ مذاہب وقوانین کے پنجے سے نوع انسان کو نکالنے اور مذہبی استحصال سے غربا کو بچانے کے لئے کئی ایک ازم میدان میں آگئے۔

رفتہ رفتہ مولوی گروہ جاگا اور جن چیزوں کو باطل اور کفر کہتا چلا آیا تھا اُن سے سمجھوتہ کرلیا۔اور دانشوروں کی خوشامد کی راہ سے سیاسی رنگ میں نمودار ہوا، کرسیاں سنبھالیں۔اور رفتہ رفتہ آزاد ہوا تو وہی مذہبی دورہ زور کرنے لگا۔آج یہ لوگ اپنے خبیث و مردود وفرسودہ نظام کو نئے میک اپ (Makeup) کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔کبھی اُس نظام کو نظام مصطفوی کا نقاب پہنا کر سامنے لانا چاہتے ہیں، کبھی اُسے اسلامی نظام کہتے ہیں۔لیکن اُنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم انہیں ہر لباس میں پہچانتے ہیں۔جس چیز کو وہ اسلام کہتے ہیں وہ طاغوتی تصورات ہیں۔ہم جسے اسلام کہتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے مسلمات وعقل انسانی کے معیار پر ثابت ہے اور اس میں جو احکام یا قوانین ہیں اس میں جبر کا شائبہ نہیں ہے وہ کافر ومسلم دونوں کیلئے مفید ہے۔اُس میں کثرت ایک مذموم ومجسمہ جہالت کا نام ہے۔طاغوتی نظام میں کثرت کو معیار حق کہا جاتا ہے۔آئیں یہ مولوی حضرات قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر ہم سے بات کریں اور جو حق ہو اُسے قبول کریں۔لیکن اگر یہ لوگ قرآن وحدیث میں بیان شدہ حق کو مان لیں تو مولوی اور مولانا اور حجۃ اللہ ومجدد ومسیح کیسے کہلائیں؟ لیکن ہم اُنہیں قانونِ ملکی اور قرآن وحدیث کی دھار پر رکھیں گے۔اور اُس اسلام کو منوا کر یا اُس سے انکار کرا کر چھوڑیں گے جو قرآن وشیعہ سنی ریکارڈ میں مسلمہ طور پر موجود ہے۔ہم واقعی دل سے کفر و اسلام کو الگ الگ دیکھنا چاہتے ہیں۔جو مذکورہ معیار وریکارڈ کا انکار کرے گا وہ یقیناً کافر ہوگا۔

(3) اسلامی نماز قرآن وصاحبانِ قرآن کی نظر میں

قارئین کرام اب مولوی صاحبان کی بیان کردہ نماز کے مقابلہ میں قرآن کریم اور قرآن ناطق حضرت علی علیہ السلام سے اُس نماز کو دیکھیں جو اللہ نے مسلمانوں تک پہنچائی تھی۔اور جسے دونوں قسم کے منفی مجتہدین نے فروعی مسئلہ بنا کر اسلام کی روح نکال دی اور جس کی تحقیر کی بنا پر پوری امت مسلمہ فیوض خداوندی سے محروم ہوگئی۔حضرت علی علیہ السلام اَلصَّلٰوۃ کو دین کا جُز نہیں فرماتے بلکہ وہ نماز کو مکمل دین فرماتے ہیں ارشاد ہے کہ:

اِقَام الصَّلٰوۃِ اِنَّھَا الْمِلَّۃُ۔''نماز کے قیام کا مطلب یقیناً پورے دین ''اَلْمِلَّۃ'' کو قائم کرنا ہے۔'' (خطبہ نمبر 108 مترجمہ مفتی جعفر صفحہ 313)۔دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: صَلِّ الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا الْمُوَقَّتِ لَھَاوَلَا تُعَجِّلْ وَقْتَھَا لِفَرَاغٍ۔ وَلَا تُؤَخِّرْھَا عَنْ وَقْتِھَا لِاشْتِغَالٍ وَاعْلَمْ اَنَّ کُلَّ شَیْءٍ مِنْ عَمَلِکَ تَبَعٌ لِّصَلَاتِکَ'' (عہدنامہ نمبر 27 صفحہ 50 مفتی جعفر جلد نمبر 3)

''نماز کو اُس کے مقرر کردہ وقت پر قائم کرو۔اور جلدی سے فارغ ہو جانے کے خیال سے اُس کے وقت میں عجلت نہ

کرو۔اور نہ ہی نماز کو اُس کے وقت سے اس لئے پیچھے ہٹاؤ کہ تم اپنے دوسرے کاموں میں مشغول ہو۔اور یہ بات نوٹ کر لو کہ تمہارے تمام کام و پروگرام تمہاری نماز کے اتباع میں رہنا چاہئیں۔‘‘

ہمارے قارئین بھی نوٹ فرمالیں کہ آپ اسلامی نماز کو قائم کرنے کے معنی مولانا کی نماز نہ سمجھیں بلکہ نماز کو سارا دینِ اسلام سمجھ کر قائم کریں اور ساتھ ہی اپنے تمام کام اور ہر پروگرام ،اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، خرید وفروخت، لین دین، تجارت وملازمت ومزدوری، لوگوں سے میل جول ومعاشرت، عدالت وحکومت وغیرہ ہر چیز کو نماز کے ماتحت رہنا اور نماز کے تقاضوں اور ہدایات کی بے چُوں وچرا پیروی واتباع کرنا چاہئے۔ پہلے یہ آخری فرمان قرآن سے ملاحظہ فرمالیں۔ پھر نماز کا پورا دین ہونا دکھائیں گے۔

(4) نماز کے ماتحت رہنا اور نماز کی اتباع کرنا ہمیشہ ناپسند رہا ہے؟

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ مدینہ اور عقبہ کے درمیان ایک شہر آباد تھا۔ جس کا نام مَدْیَن یا مَدْیَان تھا۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے دوہزار تین سوسال پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی اُمت کو یہی نماز سکھائی تھی جو مکمل دین تھی اور جس کے ماتحت تمام انسان اور انسانی اعمال وتصورات رہنا لازم ہیں۔ لیکن جن اندیشوں کی بنا پر عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین و شریعت یعنی نماز بدلی گئی وہ اندیشے عرب میں پہلے سے اُن کے بزرگوں نے ورثہ میں سینہ بسینہ اہل مکہ وسرداران قریش کو پہنچائے تھے۔ اور جو کچھ مکہ کے نقاب پوش مسلمانوں یا منافقوں نے کیا وہی کچھ حضرت موسیٰ اور حضرتِ شعیب علیہما السلام کی عربی اُمت کرچکی تھی۔ سُنئے حضرت شعیب علیہ السلام سے اُس زمانہ کے سیاسی مومنین کس شاطرانہ انداز میں سوال کرتے ہیں؟ یہاں ہم اُس سیاسی ٹولہ کی منشا کو واضح کرنے کے لئے اپنا ترجمہ سیاسی اور عوامی زبان میں پیش کریں گے۔ اور اگر آپ نے ذرا ٹھہر کر اس سیاسی سوال اور سوال کے ماحول پر غور فرمایا تو آپ کو وہ تمام پالیسی نظر آجائے گی۔ جس کو سامنے رکھ کر منفی قسم کا اجتہاد ضروری ہو گیا تھا۔ اللہ نے قرآن کریم میں یوں ریکارڈ فرمایا ہے کہ:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُo۔ (سورہ ھود 11/87)

’’حضرت شعیبؑ سے اُن کی مخاطب قوم نے کہا کہ اَے شعیبؑ کیا تیری نماز تجھے یہ حکم بھی دیتی ہے کہ ہم لوگ اُن کو ترک کردیں جن کو ہمارے آباؤ اجداد پُوجتے تھے؟ اور یہ بھی کہ ہم اپنے مال ومتاع میں جس طرح چاہیں تصرف نہ کریں؟ یار تُو تو بڑا اُستاد ہے اور بڑی ٹھنڈی مار دے رہا ہے۔‘‘

قارئین پہلے تو وہی فرمان نوٹ کرلیں جو حضرت علی علیہ السلام نے محمدؒ بن ابی بکر کو لکھا تھا کہ تمام انسان اور انسانی اعمال وتصورات

نماز کے تابع رہیں۔ یہی بات اہل مدین سمجھے اور طنز کیا کہ آپ کی نماز نے تو ہماری ذات اور ہمارے اموال پر قبضہ کرلیا ہے۔اور یہی چیز اہل مدینہ نے سمجھ کر دین کو تبدیل کیا تھا۔دوسری بات ہے۔اتباع اور امر۔ذرا سوچئے کہ آیت میں نماز کو حکم دینے والی ہستی لکھا گیا ہے۔یعنی: ''کیا تیری صلوٰت تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ۔''

اورحضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: ''تیرے تمام اعمال نماز کی اتباع یعنی پیروی کریں۔''

معلوم ہوا کہ جس نماز کو ہمہ گیر اور پُورا دین قرار دیا گیا ہے وہ بولتی چالتی ہستی ہے۔اُسی طرح جس طرح قرآن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔اور قرآن کے متعلق تمام مسلمان جانتے ہیں کہ ایک قرآنِ صامت ہے جو خود بول نہیں سکتا لیکن ہمہ گیر تعلیمات کا ریکارڈ اور اُس کی تعلیم کے لئے رسولؐ (الذِکر) اور اہلؑ الذکر کا ہونا ضروری ہے۔اسی اصول پر حضرت علیؑ قرآن ناطق ہیں۔اور یہی بات نماز کے لئے ہے کہ ایک خاموش نماز ہے اور ایک مجسمۂ علوم خداوندی نماز ہے۔اور وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔یہ تذکرہ ابھی ابھی ہونے والا ہے۔پہلے یہ دیکھ لیں کہ زیر بحث الصلوٰۃ کس قرآنی آیت سے پورا دین ہے؟

(5) قیامِ نماز اَلْمِلَّۃ ہے۔اور اَلْمِلَّۃ دین اسلام کا دوسرا نام ہے

اللہ نے فرمایا ہے کہ: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًاo (نساء 4/125 اور نحل 16/123)

''اس شخص کے دین سے کس کا دین بہتر ہوسکتا ہے۔جس نے اپنی تمام توجہات کو اللہ کے لئے محفوظ کردیا ہو اور پھر احسان پیشہ بھی ہو؟ چنانچہ اے رسولؐ آپ بھی ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کریں جو خالص دیندار تھے۔اور جن کو اللہ نے اپنا دوست بنا رکھا تھا۔''

اُسی ملت کو اسلام اور اُس کو اختیار کرنے والوں کو مسلمین فرمایا گیا۔چنانچہ ارشاد ہے کہ:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِن قَبْلُ ...... الخ (سورہ حج 22/78) ''اے رسولؐ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہی وہ دین ہے۔جس میں کسی قسم کا حرج نہیں ہے۔ابراہیمؑ ہی نے آج کے لئے اس سے پہلے ہی تمہارا نام مسلمین رکھا تھا۔''

جب اُنہوں نے دعا کی تھی کہ: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo (بقرہ 129-2/128)

''اے رب ہم دونوں کے پالنے والے ہم دونوں کو اپنا مسلم بنالے اور ہماری ذُرّیت میں اپنے لئے ایک مسلم اُمت قائم کردے۔اور اے ہمارے پروردگار اُس مُسلم اُمت میں مسلمانوں ہی میں سے ایک رسولؐ مبعوث فرمانا جو اُن

مسلمانوں میں تیری آیات کی تلاوت کرے اور اُن مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔''

(6) اَلْمِلَّۃ کا دین اسلام ہونا اور خانوادۂ رسولؐ کا پہلے سے مسلم ہونا ثابت ہو گیا

اگر مجتہد قسم کے لوگوں نے قرآن کے الفاظ کا وہ ترجمہ کیا ہوتا جو تمام ڈکشنریوں اور عربی قواعد سے لازم تھا تو ساری دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ جناب ابراہیمؑ کے زمانہ سے اُمت مُسلمہ شروع ہوئی اور اس میں برابر حکومت اور کتاب برقرار رہی۔ ہر سربراہ اسلام درجہ امامت پر فائز رہا (انعام 90-6/89، انبیاء 21/73، بقرہ 2/124)۔ یہاں تک کہ آخری سربراہِ اسلام جناب ابوطالب علیہ السلام کا زمانہ آیا اور اُن کے عہدِ حکومت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمنا اور دعا کے مطابق اس مُسلم خانوادہ میں مبعوث برسالت ہوئے۔

اللہ نے دوسرے مقام پر خانوادۂ نبوت کو مومن قرار دیا اور ان مومنین پر اپنا احسان بتایا اور کہا کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ......۔ (آل عمران 3/164)

'' یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت ابراہیمؑ کی مَنَّتُ اور آرزو کے مطابق احسان (مَنَّ) کیا، جب کہ اُن 1: مومنین، 2: مومنین ہی میں سے ایک مومن رسولؐ مبعوث کیا۔ جو اُن 3: مومنین پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور اُن 4: مومنین کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔''

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ ہم نے چار مقامات پر اُس ضمیر کی جگہ مومنین لکھ دیا جو مومنین کے لئے ھم کی صورت میں پانچ دفعہ استعمال کی گئی ہے۔ تاکہ بات دوٹوک طریقہ پر واضح ہو جائے۔ اور کافر یا کافرزادہ یہ نہ کہہ سکے کہ یہ ترجمہ غلط ہے۔

(7) نماز کو جزوِ دین بنانا نظامِ اجتہاد کی سازش تھی

قارئین نے دیکھ لیا کہ قرآن صامت اور قرآنِ ناطق علیہ السلام نے واضح الفاظ میں الصلوٰۃ کو مکمل دینِ اسلام قرار دیا ہے۔ اور ہم سے چاہا ہے کہ ہمارا ہر عمل اور ہر تصور نماز کے ماتحت رہے۔ یعنی قیام صلوٰۃ سے مدد طلب کرنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ ہمیں اور ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے انسان کو اُس کی زندگی کا پروگرام عطا کرے۔ تمام رکاوٹیں راہ سے ہٹانے اور تمام مشکلات اور عقدہ ہائے حیات کو حل کرنے کا طریقہ بتائے اور جب بھی ضرورت ہو ہمیں ہمہ قسمی مدد فراہم کرے تاکہ ہم سب نمازی حضرات کسی کے محتاج نہ رہیں۔ اس کے برعکس وہ تصورات ہیں جن کو برسرکار لانے سے نماز ایک اختلافی اور فروعی مسئلہ بن کر رہ

گئی۔ برابر پانچ دفعہ ہر روز نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کو یہ یقین نہ آسکا کہ رسولؐ اللہ نماز میں ہاتھ کہاں رکھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا اور ماننا ناممکن ہے۔ بات وہی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں کو ایسی ضروریات پیش آئیں؛ اور وہ ایسے حالات سے دوچار ہوئے کہ:

(الف) پورے دین کو فوجی مقاصد اور ملکی دفاع پر تقسیم کرنا پڑا

1: نماز کو مسلمانوں کی مردم شماری یا افرادی قوت کا اندازہ لگانے کا ذریعہ بنایا گیا۔ 2: زکوٰۃ کو ٹیکس اور سرکاری واجبات وصول کرنے کا وسیلہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ جو نماز پڑھے مسلمان ہے اور جو مسلمان ہو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر حکومت کی مالی مدد واجب ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے رہنے کے لئے 3: جہاد فرض اور بہترین ذریعہ ٹھہرا۔ جہاد سے غنیمت آئے گی، مسلمانوں کی مالی پوزیشن ترقی کرے گی۔ اُس میں سے پانچواں حصہ یعنی 4: خمس پہلے وصول کر لینا فرض ہونا ہی چاہئے۔ یوں سرکاری خزانہ بھرے گا۔ باقی ماندہ غنیمت مسلمان مجاہدوں میں جا کر زکوٰۃ دینے کی استطاعت بڑھائے گی جو پلٹ کر خزانہ میں آئے گی۔ مجاہدین کی مالی حالت باقی مسلمانوں کو مجاہد بنا کر میدان جنگ میں لائے گی۔ فوجی پیشرفت کے لئے افواج میں اضافہ اور نتیجتاً جہاد، غنیمت، خمس پھر زکوٰۃ وغیرہ کے چکر میں اضافہ ہوگا۔ 5: روزہ میدان جنگ کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کی مشق کے لئے لازمی ذریعہ ثابت ہوگا۔ 6: حج سفر وحضر کا فرق بتائے گا اور دُور دراز فوجی مارچ میں مُمد رہے گا۔ 7: سربراہان قوم سے محبت اور دشمنان قوم سے 8: عداوت افرادی، قومی وملکی بقا کا سبب ٹھہریں گے۔ یہ ہو گئے آٹھ عدد فروع۔ اسی قومی وملکی ہشتگانہ فروعی ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کے لئے چند عقائد اور انتظامی قوانین ضروری تھے۔ جن کا تیار کرنا قومی دانشوروں کا فرض ہے اور اُن پر عمل کرنا تمام رعایا پر واجب ہے۔

بس جناب یہ ہے وہ اسلام جو باقی رکھا گیا اور آج یہی اسلام موجود ہے۔ اسی کے تحفظ اور بقا کے لئے دونوں قسم کے مجتہدین نے ہزاروں کتابیں لکھیں، ہزاروں جھوٹ بولے، ہزاروں روایات گھڑیں۔ لاکھوں مخالف مسلمانوں کو قتل کرایا، لاکھوں عصمتیں لوٹ لیں، مکہ ومدینہ کے باشندوں، صحابہ اور صحابہ کی اولادوں اور مستورات کے ساتھ وہ کچھ کیا جو ہیرا منڈی کے بدترین لوگ اور غنڈہ گروہ بھی کرتے ہوئے شرمائیں۔ خاندانِ رسوؐل کو (معاذ اللہ) مشرک اور ملعون ٹھہرایا گیا۔ اُن کا بچہ بچہ قتل کر دیا گیا۔ تمام قسم کی رکاوٹیں دُور کر کے چوڑے میدان میں دن رات اسلام وقرآن اور اسلامی شریعت کو تبدیل کیا اور تمام مسلمانوں کو یہ حق دیا کہ ہر آنے والا مجتہد قومی مصلحت اور ضرورت کے ماتحت یہ تبدیلی جاری رکھے۔ اور اپنے تبدیل کردہ احکام کو خدا ورسوؐل کا حکم کہہ کر مخالفین کو قتل کرا دے۔ آج اُن کے جانشین علما ہمیں کافر قرار دلانا چاہتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ہمارے پاس دین اپنی ابتدائی، بنیادی اور حقیقی صورت اور معصومؐ الفاظ میں موجود ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو اذان اور نماز میں ولایت

علویہ کا اقرار واعلان پسند نہیں کرتے۔ اُن میں شیعہ سنی مجتہدین دونوں ہمیشہ سے شریک ہیں۔ اِن لوگوں نے اَلْمِلَّۃ کو پورے دین کی جگہ فروع میں رکھا۔ پھر اس میں سے ولایۃ کی نفی کر کے فروع سے بھی خارج کر دیا۔ حالانکہ مجتہدین کا شیعہ گروپ شیعوں کو دھوکہ دینے کے لئے ولایت و امامت کو اصول دین میں لکھتا چلا آیا ہے اور نبوت کے ساتھ ولایت و امامت کو لازم کہتا ہے۔ لیکن نماز میں نبوت کے ساتھ ولایت و امامت کی شہادت کا منکر ہے۔ یعنی درحقیقت یہ شیعہ مجتہدین ولایۃ و امامۃ کے نقاب پوش دشمن ہیں۔

(8) ولایۃ، صلوٰۃ اور دین کی پوزیشن قرآن واحادیث کی روشنی میں

(الف) آئمہ اہل بیت علیہم السلام شہداء اللہ علی الناس ہیں

آپ نے عنوان (5) میں قرآن سے آیت (حج 22/78) ملاحظہ فرمائی تھی۔ اُس کی تفسیر کے ساتھ ساتھ چند دوسری آیات کی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جناب برید العجلی رضی اللہ عنہ نے دریافت کی تھی۔ یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:۔

عن برید العجلی قال: سَأَلْتُ ابا عبداللّٰہ علیہ السلام عن قول اللّٰہ عزّوجل "وکذلک جعلنا کم اُمّۃ وَسُطًا لتکونوا شھداء علی الناس" قال: نحن الامَّۃ الوسطٰی ونحن شھداء اللّٰہ علٰی خلقہ و حُجَجہ فی ارضہ؛ قُلتُ: قول اللّٰہ عزَّوَجلَّ: "ملۃ ابیکم ابراھیم" قال: اِیَّا نا عَنّٰی خاصّۃ "وَھُوَ سمّا کم المسلمین من قبل" فی الکتب الّتی مضت "و فی ھذا" القرآن "لیکون الرسوؐل علیکم شھیدا" فرسولؐ اللّٰہ الشھید علینا بِمَا بلّغنا عن اللّٰہ عزّوجلّ و نحن الشھداء عَلَی الناس۔ فمن صَدَّقَ صَدَّقْنَاہ یوم القیامۃ ومن کَذَّبَ کَذَّبْنَاہُ یوم القیامۃ۔

(کافی کتاب الحجۃ باب فی انّ الآئمۃ شھداء اللّٰہ علٰی خلقہ)

برید العجلی نے اللہ کے اس قول کے متعلق دریافت کیا کہ "اُسی طرح ہم نے تمہیں اُمت وسط بنایا تاکہ تم انسانوں پر چشم دید گواہ بنو۔" فرمایا کہ ہم اُمت وسطیٰ ہیں اور ہم ہی اللہ کی طرف سے تمام مخلوقات پر اس زمین میں وہ گواہ اور حجت ہیں۔ پھر اللہ کے قول: "تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت" کی بابت دریافت کیا تو بتایا کہ اس میں ہمارا ہی خصوصی ذکر ہے۔ اور یہ جو کہا کہ "اُسی نے تمہارا نام اس سے پہلے والی کتاب میں مسلم رکھا اور اب اس قرآن میں بھی مسلمین کہا ہے تاکہ رسولؐ اللہ تم پر چشم دید گواہ ہوں" جواب میں فرمایا کہ رسولؐ اللہ ہم پر چشم دید گواہ ہیں اُس پر جو انہوں نے ہمیں تبلیغ کی ہے۔ اور ہم تمام انسانوں پر گواہ ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ہماری تصدیق کریں گے ہم بھی قیامت میں اُن کی تصدیق کریں گے۔ اور جو لوگ ہماری تکذیب کریں گے ہم قیامت کے دن اُن کی تکذیب کریں گے۔" (کافی مکتبۃ الاسلامیہ طہران جلد اوّل صفحہ 360-359)

اس حدیث میں ملۃ ابراھیمہؑ کا دین اسلام ہونا ثابت ہوا اور قیام نماز کو قیام ملۃ فرمایا تھا۔ لہٰذا اُدھر ملت وصلوٰۃ

کوایک ہی چیز ماننا ہوگا۔اوراُدھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس زمین پر زندگی بسر کرنے والے ہر انسان کے تمام اعمال آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہو سکتے ورنہ ہر انسان کی عملی وخیالی تصدیق وتکذیب پر اطلاع نہیں ہوسکتی اور وہ حضرات شہداء اللہ علی الناس نہیں ہو سکتے ۔ پھر اسی حدیث سے تمام مخلوقات پر نظر رکھنا بھی ثابت ہے ۔اوریہی ہمارا تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ عقیدہ ہے۔اور مجتہد اسکے منکر رہتے آئے ہیں ۔اور اسی انکار کی وجہ سے اُن کو مذہب شیعہ کے افراد سے خارج لکھا جاتا رہا ہے۔ (مندرجہ بالا حدیث دوسری آیات کے ساتھ اسی باب میں دوبارہ بھی آئی ہے)(صفحہ 360)

(ب) امامت دین اسلام کی بنیاد ہے اور امامؑ ہی سے نماز وغیرہ نتیجہ خیز ہوتے ہیں

مسلمانوں کی تمام عبادتیں بے نتیجہ اورنقصان پہنچانے والی کیوں ہوگئیں؟ اس سوال کا جواب اس حدیث میں ملاحظہ فرمالیں۔امام رضا علیہ السلام ایک مجمع کو جواب دے رہے ہیں کہ:

”یقیناً امامت اور ولایت ہی دین کی باگ ڈور ہے، وہی دینی نظام ہے۔اُسی سے مومنین کی عزت و بزرگی برقرار رہتی ہے۔امامۃ ہی دین کی اساس و بنیاد ہے اور امامۃ ہی وہ ذریعہ ہے۔

(اِنَّ الامامۃ اَسّ الاسلام النامی و فرعہُ السامی ۔بالامام تمام الصلٰوۃ والزکاۃ والصیام والحج والجھاد ۔الخ) جس کی وساطت سے نماز وروزہ اورزکوٰۃ وحج وجہاد وغیرہ عبادتیں بار آور اور مکمل ہوتی ہیں۔“(ایضاً باب نادر(جامع)فی فضائل امامؑ وصفاتہ صفحہ 386)

(ج) مطالب ومفاہیم قرآن وحدیث؛ ولایت کی شان واہمیت پر

اس عنوان میں مختصراً وہ نچوڑ لکھتے ہیں جو اصول کافی کے باب **فیہ نکت و نتف من التنزیل فی الولایۃ** کی بانوے احادیث میں مذکور ہے۔ہم خلاصہ کے ساتھ ساتھ قرآن کی آیت اور حدیث کا نمبر لکھیں گے۔تفصیل کتاب اور قرآن میں ملاحظہ ہو۔کسی کی مجال نہیں کہ ولایت کے مندرجہ ذیل مقام واہمیت کا انکار کر سکے۔سنئے اور ذرا تیز چلئے:

(1) روح الامین جو کچھ لے کر قلب محمدؐ پر نازل ہوا وہ ولایت تھی۔(شعراء 26/193-195، حدیث1)

(2) جس امانت کو سماوات اورارض اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا اور وہ اُس کے تحمل کی جرأت نہ کر سکے وہ ولایت تھی۔“ (احزاب 33/72، حدیث2)

(3) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ اپنے ساتھ لائے ”وہ ولایت تھی۔“(انعام 6/82، حدیث3)

(4) عالم ذر میں جس چیز پر عہد لیا گیا وہ ولایت تھی۔(آل عمران 3/81، حدیث4)

(5) توریت وانجیل کے ساتھ جس چیز کو اہل کتاب پر لازم کیا تھا وہ ولایت تھی۔(مائدہ 5/66)(حدیث6)

(6) تعلیمات اسلامیہ پر جس مودۃ فی القربیٰ کا مطالبہ تھا وہ آئمہؑ اور اُن کی ولایت کو تسلیم کرنا تھا۔
(شوریٰ 42/23، حدیث 7)

(7) اللہ و رسولؐ کی اطاعت میں ولایت علویہؑ اور ولایت آئمہؑ کا مطالبہ ہے۔ (احزاب 33/71، حدیث 8)

(8) تمام انسانوں کو جس سلامتی میں داخلہ کا حکم ملا وہ ولایت تھی۔ (بقرہ 2/208، حدیث 29)

(9) صحف ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کا نچوڑ بھی ولایت تھی۔ (اعلیٰ 87/16-19، حدیث 30)

(10) دعوت اسلام میں جو چیز مشرکین مکہ کو سب سے بڑی اور باعث گراں باری تھی وہ ولایت تھی۔
(شوریٰ 42/13، حدیث 32)

(11) قرآن کریم نے جس خبر کو سب سے بڑی (نباء العظیم) اطلاع فرمایا اور جس ولایت کو ولایتِ حق قرار دیا وہ ولایتِ مرتضویؑ تھی۔ (سورہ النبا 78/2 اور سورہ کھف 18/44، حدیث 34)

(12) رسول اللہؐ کو جس دین حنیف پر توجہ مرکوز رکھنے کا حکم ملا وہ قیام ولایت تھا۔ (الروم 30/30، حدیث 35)

(13) جس طریقہ پر مستقلاً قائم رہنے سے نعمتوں سے مالا مال کرنے کا وعدہ تھا وہ ولایت کا قیام تھا۔
(سورہ جن 72/16، حدیث 39)

(14) اقرارِ ربوبیت اور اُس پر استقامت سے ملائکہ کا نزول ولایت پر استقامت تھا۔ (حٰم سجدہ 41/30، حدیث 40)

(15) جس ایک بات کی نصیحت سے تمام دین درست ہو جاتا وہ ولایت تھی۔ (سبا 34/46، حدیث 41)

(16) بہت سی اہم آیات (محمدؐ 47/25-26 اور زخرف 43/79-80) جن میں ولایت کے منکروں اور ولایت کی شان مذکور ہے۔ (حدیث 43)

(17) ولایت کے منکرین کا گمراہ ہونا (الملک 67/29، نساء 4/135، حٰم سجدہ 41/27 حدیث 45) عذاب ہونا۔

(18) جس کو نہ مانتے ہوئے نظام شرک کے ایک ممبر نے عذاب طلب کیا تھا۔ وہ ولایت تھی۔ اور عذاب فوراً نازل ہوا تھا۔ (المعارج 70/1-2، حدیث 47)

(19) اہل قریش جس چیز سے اختلاف کر رہے تھے وہ ولایت تھی۔ (ذاریات 51/8-9، حدیث 48)

(20) نجات نوع انسان اور ان کی معاشیات میں فراوانی کا ذریعہ ولایت ہے۔ (بلد 90/11-13، حدیث 49)

(21) مسلمانوں کو صحیح اقدام پر بشارۃ ملنا قیام ولایت سے ہونا تھا۔ (یونس 10/2، حدیث 50)

(22) جس پر ایک مخالف محاذ نے جھگڑا کیا اور لوگوں کو جہنم کی راہ دکھائی وہ ولایت تھی۔ (حج 22/19، حدیث 51)

(23) جس رنگ کو اللہ کا رنگ فرمایا وہ ولایت ہے۔(بقرہ 2/138، حدیث 53)

(24) وہ گھر اور وہ والدین جو نجات کا وعدہ دئے گئے ولایت ہے(نوح 71/28، احزاب 33/33 حدیث 54)

(25) اللہ کا وہ فضل جس پر خوشیاں منانے کا حکم ملا ولایت تھی۔(یونس 10/58، حدیث 55)

(26) رسولؐ اللہ جس حق کو لے کر آئے وہ ولایت تھا۔(نساء 170-4/168، حدیث 59)

(27) جس چیز سے نظامِ شرکت نے ناشکری سے سرتابی کی اور جس میں سب کو مختار رکھا گیا تھا وہ ولایت محمدؐ یہ تھی۔
(الاسراء 17/89، کھف 18/29، حدیث 64)

(28) مساجد خالص اللہ کے لئے ہیں اور خدا کے ساتھ کسی اور کی دعوت منع ہے وہ ولایت کے مخالفین کی دعوت کی ممانعت ہے۔(جن 72/18، حدیث 65)

(29) جس شرک سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں وہ محمدؐ وآل محمدؐ کی ولایت میں کسی کو شریک کرنا ہے۔
(زمر 39/65، حدیث 76)

(30) وہ نعمت جس کو نعمت جانتے ہوئے اس کا انکار کیا اور کافر ہو گئے وہ ولایت تھی۔(نحل 16/83، حدیث 77)

(31) جس وعدہ کو پورا کرنے کی شرط پر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کرنا طے کیا تھا وہ ولایت پر ایمان تھا۔
(بقرہ 2/40، حدیث 89)

(32) سورہ مریم کی آیات نمبر 73، 74، 75، 76، 87، 96، 97 پر امامت ولایت کی تفصیلات اور ولایت کو ماننے والوں اور منکروں کے لئے مفصل احکام(حدیث 90)

(33) جس کے ذکر سے روگردانی کا نتیجہ معاشی بدحالی اور آج کل کے حالات ہیں وہ ولایت کا تذکرہ دین سے نکال دینا ہے(طٰہٰ 20/124) اور جس کے انکار کی بنا پر قیامت میں اندھا اُٹھایا جائے گا وہ ولایت ہے۔(حدیث 92)

(34) هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ(صف 61/9) قال هوالذی امر رَسُوۡله بالولاية لوصيّه و الولاية هِیَ دين الحق (حدیث 91) (کافی جلد دوم؛ شرح وترجمہ الشیخ محمد باقر الکمرئی صفحہ 367 تا 426)

وہ عظیم الشان ہستی جس نے دین حق کے ساتھ رسولؐ بنا کر بھیجا وہ کون ہے۔امامؑ نے فرمایا وہی ہستی ہے جس نے اپنے رسوؐل کو اُس کے وصی کی ولایت قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔(اور سنو!) الولاية ہی تو مکمل دین ہے۔

قارئین کرام یہاں ذرا سا رُک جائیں اور سوچیں کہ وہ لوگ جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے بیانات کو قرآن کریم کی آیت کی طرح واجب الاطاعت سمجھتے ہوں۔اُن پر تو لازم و واجب وفرض ہو جاتا ہے کہ وہ ولایت کو پورا دین اسلام سمجھیں اور اپنی

ہر عبادت ہر اقدام اور ہر تصور کو ولایت کے ماتحت رکھیں اور یہی مقام جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے الصلوٰۃ یا نماز کا بیان فرمایا تھا۔ اُسے پورا دین (الملّة) کہا تھا۔ اور ہم سے چاہا تھا کہ ہمارے تمام اعمال وتصورات نماز کے ماتحت رہیں تو کیا تمام شیعوں کا یہ فرض نہ تھا کہ ولایت کو مکمل دین سمجھتے؟ اور نماز کو ولایت کے بغیر پڑھنا بے دینی مانتے؟ اور سوچتے کہ جن لوگوں نے ولایت کو نماز واذان اور دیگر عبادات سے خارج رکھا وہ دشمنانِ ولایتِ محمدؐ و آل محمدؐ ہیں؟ اور جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ امامت اور ولایت دین اسلام اور ملة ابراہیمیؑ کی بنیاد ہیں۔ اور اُن کے بغیر کوئی عبادت بار آور اور نتیجہ خیز نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں بھی اذان ونماز کو بلا ولایت مکمل اور صحیح کہنا درست تھا؟

(د) ولایت سے خالی نماز پڑھنے والے بروزِ قیامت مُصلّین سے خارج

مندرجہ بالا باب کی حدیث نمبر 91 یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ لوگ جو بلا ولایت کے نماز پڑھا کرتے تھے جب جہنم میں داخل ہوں گے تو اُن سے جہنم کے نگران فرشتے دریافت کریں گے کہ تمہارے جہنم میں آنے کا سبب کیا ہے؟ **قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَo** (مدثر 74/43) تو اُن کا جواب یہ ہوگا کہ ہم نمازی نہ تھے۔ امامؑ نے وضاحت کی کہ:

اِنَّالَمْ نَتولّ وصیّ محمدؐ والاوصیاءَ مِن بعده ولَا يَصلُّون عَلَيْهِم (کافی صفحہ 424-423)

معصومؑ نے تفسیر میں یہ فرمایا کہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ ''ہم اُن نمازیوں میں سے نہ تھے جو محمدؐ کے بعد والے اوصیاءؑ کی ولایت کے قائل اور نماز میں یا صلوٰۃ میں اُن کو شامل رکھتے تھے۔'' یعنی بلا ولایت، نماز نمازی نہیں بنا سکتی ہے۔

(9) حضرت علیؑ خود بھی اذان ونماز وصراط مستقیم ہیں

سوچنا یہ ہے کہ جو ہستی خود مجسمہ دین ہو، جس کی اولاد بنائے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** ہو؟ اُس کا نام نماز واذان میں لینا کم از کم شیعوں کو ناپسند نہ ہوگا۔ اور وہ شیعہ جو تشہد میں علیؑ ولی اللہ پڑھنے سے نماز کو باطل کہہ دے وہ یقیناً ایک ملعون ومردود، دشمنِ خدا و رسولؐ، شیطان ہی ہوسکتا ہے۔ بہر حال آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن کریم کے ایک اہم ترین واقعہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ واقعہ یہ تھا کہ اللہ نے چاہا کہ مکہ کے نظام شرکت کو آخری تنبیہہ کرکے اعلان ولایت کر دیا جائے۔ چنانچہ سُورہ بُرأت نہایت غیظ وغضب اور شوکت ودبدبہ کے ساتھ نازل ہوئی۔ اور حقیقی جانشین وحاکم کا تعین وتشخص کرنے کے لئے حضرت ابوبکر کو دی گئی اور دورانِ سفر اُنہیں معزول کرکے حقیقی سربراہِ اسلام اور مجسمہ دین وملت کو تعینات فرمایا تاکہ وہ مکہ میں دورانِ حج اللہ کا آخری فیصلہ سنادیں۔ چونکہ یہ فیصلہ کفار عرب اور سرداران مکہ کو ایک چیلنج تھا۔ اس لئے یہ اعلان کسی ایسے ہی شخص کے شایان شان ہوسکتا تھا جس کے سامنے سے کفار کے بہادر بھاگتے رہے ہوں، جس کا سَر ایک لمحہ کے لئے خدا کے سوا کسی کے سامنے نہ

جھکا ہو، جس کی تلوار کی ہر ضرب تمام مخلوقات کی مجموعی عبادت سے افضل ہو، جو ایمانِ مجسم اور ایمانِ کُل ہونے کی نبوی سند رکھتا ہو، جس کو شیخین ابوبکر وعمر اور تمام زعمائے عرب اپنا مولا کہہ کر مبارکباد کا مستحق سمجھتے ہوں، جن کے بچوں کا غلام بن جانا خلیفہ ثانی کے لئے قابل فخر وذریعہ نجات ہو، جن کی راہنمائی کے بغیر ہلاکت یقینی ہو۔ وہی مکرم و معظم ہستی خداوند عالم کی طرف سے تجویز کی گئی۔ اور جب اُنہوں نے یہ اعلان فرمایا تو تمام سردارانِ قریش اور سربرآوردگانِ قبائل نے سر جھکا کر سورۂ برأت کا اعلان سُنا اور ہر لفظ اور ہر آیت پر لب ولہجۂ مرتضویؑ نے دلوں میں ہیبت اور جسموں میں لرزہ پیدا کیا۔

(الف) حضرت علیؑ ہی اللہ کی اذان اور کفروشرک سے بریت کا پیغام

اُسی اعلان میں ایک آیت کی تفسیر آپ کو سُنانا ہے۔ اور بتانا ہے کہ شیعہ لیبل کے اُن مجتہدین کی اسکیم کو سمجھیں جنہوں نے بارہ سو سال صرف اس بات پر محنت کی کہ جس طرح ہو سکے مذہب شیعہ سے ولایت وامامت اور مقام محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو چپکے سے نکال کر شیعوں کو مطمئن کر دیا جائے۔ ہم آپ کے اطمینان میں مُخل ہو کر آپ کو مذہبِ حقہ اثنا عشریہ سے روشناس کر رہے ہیں۔ تا کہ دین کی ہر بات اور ہر عقیدہ اپنے صحیح مقام پر رکھا جائے۔

قال: سَأَلْتُ ابا عبداللہ (ع) عن قول اللّٰہ تعالیٰ: ”وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ؟ (توبہ 9/3) فقال: قال امیرالمؤمنین کُنْتُ اَنَا الاذان فی الناس...الخ۔

حفص بن غیاث نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر معلوم کی کہ ''اللہ ورسولؐ کی طرف سے آج حج اکبر کے دن تمام انسانوں کو اذان دی جاتی ہے کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ مشرکین کے لئے کسی حیثیت سے ذمہ دار نہیں بلکہ بری الذمہ ہیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ کی وہ اذان ہوں جو کفر و شرک سے بریت کا پیغام ہے۔'' (علل الشرائع باب نمبر 188 صفحہ 442)

ہمارے ہم مذہب مومنین ڈھکو اینڈ کمپنی کو زبانی اور بذریعہ خطوط بتائیں کہ تم علیؑ کو جُزو اذان بھی نہیں مانتے۔ اس لئے ہم تمہیں خالص کافر ومنافق کہنے میں حق بجانب ہیں۔ اگر علیؑ کو نماز واذان سے الگ کر دیا جائے تو نہ تم نمازی ہو نہ مسلمان ہو۔ تمہیں جہنم مبارک ہو۔

(ب) حضرت علیؑ مجسم صراطِ مستقیم ہیں

مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ نماز جس میں سورۂ الحمد نہ پڑھی جائے، باطل ومردود ہے۔ خواہ پورا قرآن پڑھ لیا جائے تب بھی بلا سورۃ فاتحہ نماز نماز نہیں ہے۔ اور پڑھنے والا نمازی نہیں ہے بلکہ جہنمی اور اسلامی شریعت میں تبدیلی کا مجرم ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیوں سارا قرآن پڑھنا بھی نماز کو نماز نہیں بناتا؟ مفصل جواب تو ہماری

تصنیفات میں ملے گا۔ یہاں اس قدر بتانا کافی ہے کہ فرمایا یہ گیا ہے کہ:

''جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ سورۃ فاتحہ (الحمد) میں ہے۔اور جو کچھ سورۃ فاتحہ میں ہے وہ **بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم** میں ہے۔اور جو کچھ **بسم اللّٰہ** میں ہے وہ **بسم اللّٰہ** کی ''**ب**'' میں ہے۔اور جو کچھ ''**ب**'' میں ہے۔وہ ''**ب**'' کے نقطہ میں ہے۔اور میں وہ نقطہ ہوں جو ''**ب**'' کے نیچے ہے۔(**انا نقطة تحت الباءِ**)۔'' (علیؑ)

یہ پہلا سبب ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مردود ہے۔دوسرا سبب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں تمام مسلمان صراط مستقیم کی طرف اللہ سے ہدایت کے لئے مدد چاہتے ہیں۔اور صراط مستقیم پر رہنے ہی کے لئے اللہ کی عبادت اور اُس کے دین اسلام کے احکامات کی اطاعت اور پیروی کرتے ہیں۔تاکہ وہ کبھی اور کسی طرح بھی غلط راہ یعنی گمراہی کی طرف نہ مُڑ جائیں۔یعنی پورے دین اسلام کی غرض وغایت صراط مستقیم پر قائم رہنا ہے۔اور یہ کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌo اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ....الخ (حجر 15/41-42)

''یہ ہے علیؑ کا قائم رہنے والا راستہ۔یقیناً جو میرے بندے ہیں اُن پر تجھے ہرگز قابو یا تسلط نہیں ملے گا۔''

لہٰذا ہر وہ شخص جو سورۂ فاتحہ پڑھے گا وہ صراط مستقیم کی تلاش میں رہے گا۔اور ظاہر ہے کہ جو تلاش حق کرے گا ایک روز اللہ اُسے حضرت علی علیہ السلام کے بیانات تک پہنچا دے گا۔اور یہ قرآن کی معنوی اور زیر وزبر کی تحریف اُسے مستقل فریب نہ دے سکے گی۔ایک دن وہ معصوم تفسیر (عیاشی واصول وفروع کافی) تک پہنچ کر رہے گا۔اور تمام باطل راہوں کو چھوڑ دے گا۔اور پھر ایک دن نماز میں باقاعدہ ولایت علویہؑ کی شہادت دینے لگے گا۔یہاں یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ مندرجہ بالا آیات (حجر 15/40-42) میں پہلے شیطان نے یہ اعلان کیا کہ تیرے مخلص بندوں پر مجھے تسلط نہیں ہوگا (حجر 15/40)۔اللہ نے بھی اُس کے قول کی تصدیق کی (حجر 15/41) اور پھر اُس طرز حیات کو علیؑ کا صراط مستقیم فرمایا۔یعنی علیؑ کے راستے پر چلنے والا شیطان سے محفوظ و مامون رہے گا۔اور قرآن میں حضرت ھود علیہ السلام کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ:

''یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔'' (اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo ھود 11/56) اور پھر آنحضرتؐ کو اللہ نے صراط مستقیم پر ہونے کی سند عطا فرمائی۔یہ بات جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے سنئے ارشاد ہے:

''عن ابی جعفر علیہ السلام قال: اوحی اللّٰہ اِلٰی نبیّہٖ '' فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo'' (زخرف 43/43) قَالَ: اِنَّکَ عَلٰی ولایة عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ هُوَالصراط المستقیم۔

(کافی کتاب الحجة باب فیه نکت و نتف، حدیث نمبر 24 صفحہ 379)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کی طرف وحی بھیجی کہ: ''تم پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے اُس

سے وابستہ رہو۔ یقیناً تم صراط مستقیم پر ہو۔" امامؑ نے فرمایا کہ اللہ کا منشا یہ تھا کہ تم ولایت علویہؑ پر قائم ہو اور علیؑ ہی وہ صراط مستقیم ہے۔" یعنی جس کو تم قائم کرنے میں مصروف ہو۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ اور تشہدِ ولایت ہی نماز کو مکمل دین بناتے ہیں۔ اس لئے نماز نہ بلا سورۂ فاتحہ ہوسکتی ہے نہ ولایت کو نماز سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

(ج) حضرت علیؑ صراط مستقیم ہیں وہی دین قیّم اور ملّة ابراہیمؑ ہیں

اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان کرایا کہ:۔

قُلۡ اِنَّنِیۡ ھَدٰنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰھِیۡمَ حَنِیۡفًا وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَo قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَo لَا شَرِیۡکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَo (انعام 163-161/6)

"کہہ دو کہ یقیناً اللہ نے مجھے صراط مستقیم (قیام ولایت علویہؑ) کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو قائم رہتے چلے آنے والا دین ہے ملة ابراہیمؑ ہے جو خالص دیندار تھے اور مشرکوں سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز ہو یا دیگر دینی اقدام ہوں میری زندگی ہو یا میری موت ہو وہ بالکلیہ **لا شریک لهٗ رب العالمین** کیلئے ہیں۔ مجھے یہی حکم دیا گیا تھا۔ اور میں ہی سب اسلام لانے والوں سے پہلا مسلم ہوں۔"

مطلب واضح ہوگیا کہ محمدؐ و علیؑ اپنی نورانی تخلیق کے وقت سے مسلم تھے۔ اُنکے اسلام اور عبادت سے کائنات کی باقی مخلوق، ملائکہ و ارواح اور جن و انس نے اسلام اختیار کیا (آل عمران 3/83) انبیاؑ نے تمہیدِ نبوت محمدؐیہ پوری کی (آل عمران 3/81) پھر حضورؐ نے جو کچھ کیا وہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اور مذہب شیعہ میں اِن ہی عقائد پر عمل درآمد رہتا چلا آیا ہے۔ رہ گئے شیعہ نقاب میں چند علمائے سُوء اُن کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ جدھر سامانِ دنیا نظر آیا اُدھر جھک گئے اور متعلقین کے مذہب کا لیبل لگالیا۔

(د) علی علیہ السلام ہی وہ دین ہیں جس کو اللہ نے مکمل کیا اور جس سے راضی ہوا

چونکہ دین کا تذکرہ چل رہا ہے اسلئے ہم ایک طویل حدیث میں سے پہلے دو جملے لکھتے ہیں۔ پھر اُس حدیث کو مکمل عنوان کے طور پر آپکے رُوبرو لائیں گے۔ لہٰذا جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس حدیث کا نچوڑ اور لُبِ لُباب سُن لیں ارشاد ہے کہ:۔

کَانَ وَاللّٰہ علی علیه السلام اَمین اللّٰہِ عَلٰی خلقه وغَیۡبِهٖ و دینه الَّذِی ارتضاہ لنفسهٖ۔

(کافی کتاب الحجّة باب مانص اللّٰه ورسوله علی الآئمةؑ واحدًا فواحدًا حدیث 6 صفحہ 85-84 جلد 2)

"قسم بخدا کہ علی علیہ السلام اللہ کی طرف سے اُس کی تمام مخلوقات پر اور اُس کے علم غیب پر اور اُس کے اُس دین پر جسے اُس نے اپنی ذات پاک کے لئے پسند فرمایا تھا امین تھے۔"

یہاں رُک کر ڈھکو کو بتائیں کہ اگر محمدؐ و آل محمدؐ خدا کے علم غیب سے ناواقف ہوتے تو اُنہیں علم غیب کا امین کہنا کیا معنی رکھتا؟ امین تو

اُسے کہا جاتا ہے جس کے پاس امانت موجود ہو۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے اپنے علمِ غیب میں سے اُتنا علمِ غیب عطا کر دیا تھا جس کی محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو ہدایتِ مخلوق کے لئے قیامت تک ضرورت پڑنا تھی۔ اور وہ حضرات سلام اللہ علیہم اُس علمِ غیب پر امین تھے۔ **اللّٰھم صلی عَلٰی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔**

(10) ولایت کو نماز سے کیوں نکالا؟ نماز و ولایت کا عام فہم تعلق

(الف) نظامِ اجتہاد کے خود ساختہ اصول، اصطلاحات اور اُن کے نتائج

اس عنوان میں ہم یہ عرض کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی نظامِ اجتہاد نے یہود و نصاریٰ کے اور رومۃ الکبریٰ کے منشور و دستور و قانون سازی کے اصول کو سامنے رکھ کر قومی و ملکی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے اسلامی احکام و شریعت سے استفادہ شروع کیا۔ اور وہ تمام اصطلاحات جاری کیں جن سے قرآن و حدیث کے مستقل اور غیر متبدل احکام و قوانین میں لچک پیدا ہو جائے۔ مثلاً اُن الفاظ کی بحث چھیڑی گئی جو حکم یعنی صیغہ امر و نہی کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ پھر حکم اور ممانعت کی بہت سی قسمیں تیار کی گئیں تا کہ جس حکم کو جب چاہیں کسی دوسری قسم کا کہہ کر معطل کر دیں۔ اور اُسکے خلاف قانون بنالیں۔ مثلاً رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ: اَلعِلمُ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ و مُسلِمَۃٍ۔

''ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔'' مگر نظامِ اجتہاد نے جو کرتب دکھائے اس کا نتیجہ سامنے ہے۔ ماشاءاللہ سوائے تین ہزار چھوٹے بڑے کل نام نہاد علما کے باقی تمام ستر کروڑ عوام دینی علوم سے قطعاً بے بہرہ ہیں اور دنیاوی علوم میں تین چار فیصد مسلمانوں سے زیادہ بمشکل ہی ملیں گے۔ یعنی مجتہدین نے کہا کہ علم کا حاصل کرنا فرض کفائی ہے۔ اگر ایک آدمی علم حاصل کر لے تو باقی تمام مسلمانوں کا فرض بھی پورا ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک مجمع میں سے ایک آدمی سلام کا جواب دے دے تو سب کا فرض پورا ہو گیا۔ اُن حضرات نے فرض اور فریضہ کی ایک اور قسم بنائی۔ اسکی ایک تعریف (Definition) مقرر کی اور وہ ہے واجب۔ پھر واجب کی روز افزوں قسمیں بنائیں مثلا واجب، واجب عینی، واجب تعینی، واجب مضیق، واجب تخیری وغیرہ۔ مختصر یہ ہے کہ پورے دین کو بالکل سیّال بنا دیا گیا تا کہ پانی کی طرح جس شکل کی بوتل یا برتن یا ٹینک اور تالاب ہو اُس میں بھر لیں۔ اور وہی خود ساختہ اور اجتہاد باختہ دین تھا جسکا ذکر شریعت سازی کی ذیل میں مختصراً ہو چکا ہے۔ اور یہ مختلف فرقے وہی بوتلیں، ٹینک اور جوہڑ ہیں جن میں وہی خود کشیدہ دین مختلف لیبلوں کے ساتھ پیک (Pack) کیا ہوا آپکے سامنے ہے۔ اور اُن سب کی نمازیں چار مختلف صورتوں میں پانچ وقت برسرِ نمائش رہتی ہیں۔ مگر اُن چاروں دن رات لڑنے والے اور ایک دوسرے کو کافر تک کہنے والے علما نے اپنے لئے اذان کو چار شکلیں نہیں دیں۔ بلکہ وہ ایک ہی اذان پر متفق ہیں۔ اور شیعہ لیبل کے

ڈھکوی مجتہدین اُسی اذان اور اُسی چوکور نماز کو ہمارے یہاں امپورٹ کرنا چاہتے ہیں ۔تا کہ مذہبِ حقہ اثنا عشریہ سے بھی ولایت مرتضویؑ کو خارج کرادیا جائے۔ یہ کوشش چودہ سو سال سے جاری ہے۔مگر ہم نے عربوں کی قومی وملکی حکومت اور سرکاری مذہب سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔اور آج ہم اُس خودساختہ مذہب کی رام کہانی اپنے قارئین اور محافظینِ قوانین کو سُنا رہے ہیں۔

(ب) دانشورانِ قوم نے خاندانِ نبوّت کی ولایت کو ختم کردیا

ہم نے شریعت وحکومت سازی کی ذیل میں حضرت عمر کا وہ بیان لکھا ہے جس میں اُنہوں نے عبداللہ ابن عباس کو بتایا تھا کہ قریش نے چاہا کہ نبوۃ اور حکومت دونوں خانوادہ نبوۃ میں نہ رہیں (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103)۔ پھر ہم نے وہ تمام اقدامات اور کوششیں ترتیب وار دکھادی ہیں جو قریشی دانشوروں اور حکومتوں نے کی ہیں۔اور جن کے نتیجے میں خاندان رسالت مآب اور اُن کے لاکھوں طرفداروں کا قتل عام ہوتا چلا آیا ہے۔اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ اللہ و رسولؐ اور خود حضرت علی علیہ السلام نے جبر وقوت سے حکمیہ ولایت وحکومتِ مرتضویہؑ کو کیوں نافذ نہ کیا؟ اور کیوں حکومتِ الٰہیہ کو اختیار کرنے میں اُمت کو مختار چھوڑ دیا؟

ان سوالات کا پہلا جواب تو یہ حقیقت ہے کہ اسلام میں کسی پر جبر وقوت کا استعمال جائز نہیں ہے۔جس طرح اللہ نے ابلیس کو جبر وقوت سے حضرت آدم علیہ السلام کا اور خود اپنا مطیع اور فرمانبردار نہیں بنایا اور جس طرح اسلام اختیار کرنے اور نہ کرنے میں تمام ہی انسانوں کو آزاد ومختار رکھا، جس طرح نیک اور بد واضح کردینے کے بعد اور ہدایت وگمراہی کی دونوں راہیں بتادینے کے بعد انسانوں کو یہ چھوٹ دے دی کہ جس کا دل پسند کرے اسلام اختیار کرے اور جس کا دل نہ چاہے وہ کفر اختیار کرلے۔ بالکل اُسی طرح اُمت کو حکومتِ الٰہیہ اور ولایت علویہؑ کا مفاد اور نتیجہ واضح کر کے قطعاً آزاد ومختار چھوڑ دیا۔تا کہ ہر شخص کو اُس کے ارادہ اور نیت کی بنا پر اُس کے اعمال کی جزا وسزا دی جائے اور عدلِ خداوندی پر حرف نہ آئے۔

دوسرا جواب ذرا پیچیدہ ہے اور وہ اُس پالیسی کے جواب میں ہے جو دانشورانِ عرب کی انتہائی دور اندیشی کی دلیل ہے۔یعنی اعلان نبوت کے بعد دانشوران قوم نے قومی تحفظ کے لئے دو عدد نہایت دانشمندانہ اقدامات کئے تھے۔وہ ماضی کی تاریخ پر مطلع تھے۔وہ مسلسل اُس نور کو پہچانتے چلے آتے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین سربراہانِ اسلام کی پیشانیوں میں چمکتا اور موجودہ وآئندہ سربراہِ اسلام کا پتہ دیتا چلا آتا تھا۔حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے زمانہ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور عرب کے بچوں اور عورتوں تک کو معلوم تھا۔اور اُس نور کو حاصل کرنے کی کوشش کئی ایک مستورات نے کی تھی۔اور بحیرہ راہب اور دیگر ازدی علما نے حضرت ابوبکر تک کو بتادیا تھا کہ ایک ایسا اور ایسا پیغمبرؐ مبعوث ہونے والا ہے۔بہرحال دانشوران عرب سینہ بسینہ جانتے اور سنتے چلے آئے تھے کہ نبوت وحکومت ایک ہی خاندان میں رہا کرتی ہے۔ اور یہی حقیقت قرآن کریم نے یہ کہہ کر بیان فرمائی ہے کہ:

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡـكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا o فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا o اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ......الخ

(نساء 4/54-56)

’’کیا دانشورانِ قوم اُن حضرات سے اس لئے حسد کر رہے ہیں کہ ہم نے اپنے فضل سے وہی کچھ عطا کر دیا ہے؟ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب وحکمت اور عظیم الشان حکومت عطا کر رکھی ہے۔ چنانچہ حسد کرنے والوں میں سے کچھ لوگ اُس کتاب وحکمت وحکومت پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور کچھ لوگ اُس حکومت کی راہ روکے ہوئے ہیں۔ اور اُن کو جہنم ایسا بُرا ٹھکانا کافی ہوگا۔ یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات (محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ اور آئمہ معصومینؑ۔ کافی) کی حکومت سے کفر روا رکھا ہے۔ ہم انہیں جلد ہی جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔‘‘

عرب اس مشہور ومشہود سُنۃ اللہ سے واقف تھے۔ لہٰذا اعلان نبوت کے بعد نہایت موزوں انداز میں یہ اعلان کیا گیا کہ:۔

(1) ’’نہ کوئی وحی اُتری نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا۔ بنی ہاشم نے ملک وقوم پر اقتدار جمانے کے لئے دعویٰ نبوت کیا ہے۔‘‘ (تمام تواریخ متفق ہیں)

(2) دوسرا قدم یہ اُٹھایا کہ تمام سردارانِ قوم ونمائندگانِ قبائل اور دانشورانِ قریش نے آنحضرتؐ کے رُوبرو قومی وملکی حکومت؛ اپنی ازواج اور بیٹیاں؛ اور قومی وملکی دولت پیش کر دی اور مطالبہ کیا کہ اگر آپ کو حکومت واقتدار مطلوب ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور اپنا تمام سرمایہ وعزت وناموس سونپتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ عہدہ نبوت ورسالت سے دست برداری کا اعلان واقرار کر لو۔‘‘

یہ پیش کش نہ صرف بڑی خطرناک تھی بلکہ آئندہ خاندان نبوّت سے حکومت کو نکالنے کے لئے بہترین سیاسی پیش قدمی بھی تھی۔ اس کا ہر نتیجہ قوم کے حق میں مفید اور خانوادۂ نبوّت کے لئے ہر صورت میں بڑا دردناک تھا۔ یعنی اگر رسولؐ اللہ (معاذ اللہ) عہدۂ نبوت سے دستکش ہو جائیں تو بھی قریش مختار تھے، اپنا وعدہ پورا کرتے یا نہ کرتے۔ اور پورے عرب کو محمدؐ وآل محمدؐ کے خلاف جھوٹا دعویٰ کرنے کا مجرم اور قوم وملک کو فریب دینے کا ملزم قرار دے کر صفحۂ ہستی سے مٹا سکتے تھے۔ اور وعدہ پورا کرنے کی صورت میں آنحضرتؐ کے بعد مختار ہوتے کہ حکومت جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔ اور جیسا کہ رسولؐ اللہ نے انکار کر دیا تو یہ انکار اس بات کا ثبوت بن گیا کہ اقتدارِ بنی ہاشم مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ آپ سچ مچ خدا کے پیغمبرؐ ہیں۔ اب اگر آنحضرتؐ یا حضرت علیؑ خاندانی حکومت کا حکمیہ اعلان کر دیں تو سردارانِ قریش عوام الناس کو یہ کہہ کر مخالفت کرائیں گے کہ یہ اقتدار کا جھگڑا ہے۔ اور ہم شخصی حکومت کے استبداد کے ماتحت آنا نہیں چاہتے۔ یہ تھا وہ سیاسی حربہ اور پالیسی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولایت

علویہؑ کو حکمیہ نافذ کرنے میں اسلام پر یہ دھبہ پسند نہ کرتے تھے کہ:

''نہ کوئی وحی آئی نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا محمدؐ نے اپنے بھائی کی حکومت ٹھونسنے کیلئے نبوت ورسالت کا ڈھونگ رچایا تھا۔''

یہ تھا وہ دوسرا اور دردناک سبب جسکی وجہ سے آنحضرتؐ نے اُمت کو سب کچھ بتایا ،علیؑ کے فضائل گنوائے ،عملاً علیؑ کی فداکاریاں دکھائیں۔ اُنکی رسم ولی عہدی آخر میں اور اعلان خلافت ووزارت واخوات ابتدا میں باقاعدہ ادا کیا ،گمراہ نہ ہونے دینے کا ٹھیکہ لیا، قرآن کیساتھ مستقل ردیف ٹھہرایا، ساری امت سے بڑا قاضی کہا، ایک نور سے اور اپنا نفس ہونا بتایا (وغیرہ)۔ لیکن ایسا جبری حکم نہ دیا کہ جس کا انکار کرنے والے محمدؐ وعلیؑ کی وجہ سے کافر ہوجاتے۔ اسکے برعکس اُنہیں مومن بننے کا موقعہ دیا، اپنے مخالفانہ تصورات کو آزما دیکھنے کا سامان فراہم کیا۔ جیسے اللہ نے ابلیس کو مہلت دی تھی کہ وہ ذریتِ آدم علیہ السلام پر اپنا کُھلا تجربہ کرلے۔ اُسی طرح اللہ ورسولؐ نے حکومتِ علویہ کے مخالفین کو موقعہ دیا کہ وہ اپنی قومی حکومت قائم کرکے اپنے باطل منصوبوں کو آزما دیکھیں اور اسکے بعد حق کی طرف رجوع کا موقعہ پالیں۔ چنانچہ ولایت علویہؑ کو مکمل دین، پوری ملت ہوتے ہوئے بھی نو مسلموں پر نہیں ٹھونسا اور اُسی سُنت پر علی اور اولادِ علی علیہم السلام نے بھی لاکھوں قربانیاں دے کر استقلال سے عمل فرمایا۔

(ج) دانشوران مکہ کے شر سے محفوظ تبلیغ اور کامیاب پیشرفت

ساری دنیا عموماً اور مسلمان خصوصاً جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے تمام احکامات ایک دم بیان نہیں کردیئے تھے۔ شراب ہر نبیؑ کی کتاب میں حرام تھی، نماز ہر امت پر واجب تھی۔ مگر آپؐ نے عرصہ دراز کے بعد مدینہ میں شراب کی حرمت کا اعلان کیا۔ نماز مدتوں تک تنہا اور خاندانی طور پر بجالاتے رہے۔ حکم عام کا اعلان مدت کے بعد دیا۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو قرآن ورسولؐ اللہ کے ہر حکم میں وہ مصلحت نظر آئے گی جو عرب کی سیاست کو ناکام کرنے اور اسلام کو سارے عرب میں پھیلا دینے کے لئے ضروری تھی۔ اور ہر جگہ آپ اُس عربی اقدام کا خیال رکھتے تھے جو اوپر مذکور ہوا کہ عرب ذاتی اقتدار کا الزام لگا کر عوام کو ورغلا نہ دیں اس لئے آپ نے کافی مدت تک کلمہ میں محمدؐ رسول اللّٰہ کو شامل نہ کیا۔ صرف یہ فرماتے رہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کرو اور فلاحِ دین ودُنیا حاصل کرلو۔ حالانکہ محمدؐ رسول اللّٰہ کا اقرار روزِ ازل سے واجب ولازم وفرض تھا۔ اور آج یا کل محمدؐ رسول اللہ کا منکر اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا قائل کافر ہے اور تھا۔ مگر صرف اس لئے کہ عرب کا مکار گروہ گرفت کا موقعہ نہ پائے۔ اُس کلمہ کو کافی قرار دیا گیا اور اتفاق یہ ہے کہ اُس پر حضرت عمر ہی نے اعتراض کیا تو رفتہ رفتہ قوت حاصل ہوجانے پر محمدؐ رسول اللہ بھی کلمہ میں شامل کردیا گیا۔ اس کتاب کے حصہ ''اسلامی کلمہ ونماز'' میں آپ دیکھیں گے کہ سنی وشیعہ ریکارڈ میں جس کلمہ سے اس کائنات کی تخلیق کی ابتدا ہوئی، جو کلمہ عرشِ خداوندی پر؛ ابوابِ جنت پر؛ سدرۃ المنتہیٰ پر لکھا ہوا ہے۔ اور جس کلمہ کا اقرار تمام مخلوقات سے عموماً اور نوعِ انسان سے خصوصاً لیا گیا۔ وہ کلمہ ہے:

1: لا اله الّا اللّٰه 2: محمدٌ رسُول اللّٰہ 3: علیٌّ ولی اللّٰہ

جس طرح محمدؐ رسول اللہ کو کچھ عرصہ تک ملتوی رکھنے سے اُس کا فرض ہونا ساقط نہیں ہوا تو کیا علیؑ ولی اللہ کا مصلحتاً ساقط رکھنا اُس کے وجوب ولزوم کو ختم کر دینے کی دلیل بن سکتا ہے؟ یہ وہی عربی پروپیگنڈے کا دباؤ اور اسلام کو پھیلانے اور قریشی کافرانہ ذہنیت کو دبا دینے کا سبب تھا کہ تدریج ملحوظ رکھنا فرض ہوگیا۔ ورنہ جس طرح مومنین کیلئے محمدؐ رسول اللہ کا انکار کفر ہے۔ اُسی طرح علیؑ ولی اللہ کے منکر کا حال ہے۔ اور یہ وہ عملی، عقلی، قرآنی اور اسلامی دلیل ہے جو ہزاروں آیات اور لاکھوں احادیث سے ثابت ہے۔ اور ایسی محکم دلیل کا منکر بھی اَز رُوئے قرآن کافر ہے۔

(11) مجتہدین کے معیار پر ولایۃ ونماز کا تعلق

آنحضرت اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے نظام اجتہاد کے معیار کو مدنظر رکھ کر مجتہدین کا منہ بند کر دیا تھا۔ اور اُنہیں اُن تمام مواقع سے محروم کر دیا تھا جن سے وہ ولایت کو شرعی دلیل کے ساتھ نماز یا مِلّۃ و دین سے مستقل طور پر الگ اور باطل قرار دے سکیں۔ اس سلسلے میں چند احادیث کا سامنے سے گزرنا ضروری ہے تا کہ ہمارا ہر قاری ایک صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں دقت محسوس نہ کرے۔ چنانچہ مجتہدانہ طرزِ ادا اور مولویانہ زبان میں بات سنیں:

(الف) اللہ نے پانچ چیزیں فرض کی تھیں جن میں سے ولایت کو بندوں نے ترک کر دیا گیا

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: فرض اللّٰہ عَلَی العباد خمسًا اَخذ وا اربعًا و ترکوا واحِدًا۔

(کافی کتاب الحجۃ باب مانص اللّٰہ و رسوّلہ علی الآئمۃ واحدًا فواحدًا حدیث 6 جلد 2 صفحہ 83)

''اللہ نے اپنے بندوں پر پانچ فرض عائد کئے تھے۔ اُنہوں نے چار کو تو اختیار کر لیا مگر ایک کو ترک کر دیا۔''

(1) یہاں قارئین کے نوٹ کرنے کی پہلی بات تو یہ ہے کہ آیا وہ کتاب کافی کو قبول کرنے کے موڈ میں ہیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ امامؑ نے لفظ تَرَکُوْا (چھوڑ دیا) فرمایا ہے۔ اور اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ پہلے پانچوں فرائض کو اختیار کیا پھر کسی وقت ترک کر دیا۔ عمل کے بغیر لفظ ترک غلط ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ترک کرنے والا گروہ اُس پر عمل پیرا تھا، بعد میں کسی وجہ سے اُسے چھوڑ دیا، ترک کر دیا۔

(2) یہ حدیث یہ بتاتی ہوئی آگے بڑھتی ہے کہ بتدریج نماز و زکاۃ و روزہ وحج اور ولایت کے احکام نازل ہوتے رہے۔ اور اُنکی ادائیگی، اوقات، ترتیب، مقام ولباس ومواقع ومتعلقہ اعمال ودعائیں اور مقدار و اہمیت ومقاصد وفوائد وخلاف ورزی کے نتائج و احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوی تعلیم پر چھوڑ دیئے گئے۔ اور آپؐ نے اللہ کی داخلی تعلیم کے مطابق نماز وزکوۃ وروزہ و

حج وغیرہ کی ذرہ ذرہ تفصیل عملاً کر کے دکھائی اور نوٹ کرائی اور سب مانتے گئے۔ لیکن ولایت کی تشریحات اور تشخص کا وقت آتا تو آپ اشاروں کنایوں اور بالواسطہ بیانات پر اکتفا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے یہ آیت نازل کر دی :

اَنْزَلَ اللّٰہ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ آیت 3) وکان کمال الدین بولایۃ علی بن ابیطالب علیھما السلام فقال عند ذلک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمَّتِی حدیثوا عھد بالجاھلیۃ ومتٰی اخبرتُھُمْ بِھذا فی ابن عمّی یقول قائِلٌ ویقول قائِلٌ ۔فقلتُ فی نفسی من غیر اَن ینطق بہ لسانی فاتتنی عزیمۃ من اللّٰہ عزّوجلّ بتلۃ اوعدنی اِن لم ابلغُ اَن یعذ بنی فنزلت: یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (مائدہ آیت 67) فَاَخَذَرسولُ اللّٰہ بید علیٌّ فقال ... الخ۔ثُمَّ قال یا معشر المسلمین ھٰذا ولیکم من بعدی فلیبلّغ الشاھد منکم الغائب ..الخ (ایضاً کافی وباب، حدیث نمبر 6 جلد دوم صفحہ 84-83)

اللہ عزّ وجلّ نے نازل کیا کہ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔'' اور مجھے دین کی تکمیل کی وضاحت اعلان وقیام ولایت علی بن ابی طالب علیہما السلام سے کرنا لازم تھا۔ اُس موقعہ پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اَے اللہ میری اُمت تازہ تازہ عہد کفر وجہالت سے نکلی ہوئی ہے۔ اگر میں اپنے چچازاد بھائی کی حکومت کے قیام کا اعلان کر دوں گا تو وہ شخص جو ہمیشہ بولتا رہتا ہے کبھی یوں پروپیگنڈا کرے گا کبھی دوسری طرف نومسلم لوگوں کو بھڑکائے گا۔ اور میں اسی سوچ میں تھا کہ اللہ نے عزم صمیم کا حکم بھیج دیا اور مجھے تنبیہہ کی گئی کہ اگر تم اعلان حکومت علویہؐ نہ کرو گے تو عذاب دیئے جاؤ گے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: اے رسولؐ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہو چکا ہے اُس کی تبلیغ کر دے۔ اور اگر تم نے عملاً اُس کی تعمیل کر کے نہ دکھادی تو آپ نے پوری رسالت خداوندی کی تبلیغ کو صفر سے ضرب دے کر سارے دین کا ستیاناس کر دیا۔ اور رہ گیا حاسدین کی طرف سے خطرہ؟ تو اللہ تمہیں اُن لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔ یقیناً اللہ حق پوش قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ اس کے بعد رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور تمام حاضرین حج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھ سے پہلے ایسا کوئی پیغمبرؑ نہیں گزرا جسے اللہ نے کافی عمر نہ دی ہو۔ اُس کے بعد اللہ نے ہر نبیؑ کو اپنی تعلیمات سے نوازا اور ہر نبیؑ نے اُن تعلیمات کی تبلیغ کی۔ اور آخر دنیا سے رخصت ہوتے رہے۔ مجھے بھی اللہ بلانے والا ہے اور میں جانے والا ہوں۔ میں بھی اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں اور تم بھی اپنا حساب وجواب دو گے۔ میری تبلیغی کوششوں کے بارے میں تمہارا کیا تاثر ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے اور اپنے فرائض سے کما حقہ فارغ ہو گئے۔ اللہ آپ کو تمام رسولوںؑ کے ساتھ جزائے پیغام رسانی عطا کرے۔ یہ سُن کر رسولؐ اللہ نے تین بار فرمایا کہ اے اللہ گواہ رہ کہ ان لوگوں نے اقرار کر لیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اے گروہِ مسلمانان یہ علیؑ میرے بعد تمہارا ولی ہے۔ لہٰذا یہاں جو لوگ حاضر ہیں وہ سب ذمہ دار ہیں کہ یہ پیغام اُن لوگوں کو پہنچا دیں جو

موجود نہیں ہیں۔''

(3) یہ واقعہ تاریخ وحدیث کی تمام کتابوں میں بڑی تفصیل سے مذکور اور مسلمانوں کا مُسلمہ واقعہ ہے۔لیکن نظام اجتہاد نے جس علم کی فرضیت سے انکار کر دیا تھا اُسی ضرورت کے ماتحت ولایۃ علویہؑ کا بھی انکار کر دیا۔اور کہا کہ ولی اور مولیٰ کے ایک معنی دوست ،ایک معنی غلام اور زیر سر پرستی بھی ہوتے ہیں۔لہٰذا ولی اور مولا بنانے کے معنی اُمت پر حاکم یا سلطان یا خلیفہ ہونا ضروری ولازمی نہیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کو اپنا جملہ کچھ یوں بولنا چاہئے تھا کہ:

''میں علیؑ کو اپنے بعد تم پر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں۔''

قارئین سوچیں کہ علم کو لازمی قرار دینے کے لئے آنحضرؐت نے لفظ فریضۃ بولا تھا۔تو فرض کو اجتہادی جھُولا جھلا کر صفر اور غیر ضروری بنا دینے والے لفظ خلیفہ بولنے کے باوجود بھی حضرت علیؑ کو اپنا حاکم نہ بناتے۔

اوّل اس لئے کہ پہلی تبلیغِ رسالت کے موقعہ پر لفظ خلیفہ فرمایا تھا،لفظ وزیر بھی بولا تھا۔اور اس عہدے سے کبھی حضرت علیؑ کو معزول بھی نہ کیا تھا۔اور مدینہ میں بھی آنحضرؐت نے موسیٰؑ وہارونؑ کی مثال دے کر واضح الفاظ میں خلیفہ بنایا تھا۔

دوم اس لئے کہ جن لوگوں سے محمدؐ وآل محمدؑ کا واسطہ وسابقہ پڑا تھا وہ مجتہد تھے۔وہاں الفاظ کھلونے کا کام دیتے تھے۔وہ یہود ونصاریٰ سے تعلیم پانے والے حضرات تھے۔اُنکے ساتھ کثرت تھی۔خَلِیُفَه کو خُلَیُفَه بنا سکتے تھے۔حَلِیُفَه کہہ سکتے تھے۔

اس ردو بدل اور عبارتوں کو زیروزبر کرتے رہنے کی سینکڑوں مثالیں قرآن کریم اور اُن کی اپنی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہیں۔

اللہ نے وضو میں سر اور پیروں کا مسح کرنے کا حکم دیا۔قرآن میں لفظ مسح (وَامسحوا) موجود ہوتے ہوئے ایک لفظ پر غلط زبر دے کر (مائدہ 5/6) مسلمانوں کی کثرت کے وضو کو حکم خدا کے خلاف کر دیا۔اور اُسی آیت میں محض مسح کو تیمّم میں اختیار کر لیا۔اور کسی نے پرواہ نہ کی کہ وضو میں جن اعضا کو دھونے کا حکم تھا اُن پر تیمّم میں مسح واجب ہے تو کیوں اللہ نے تیمّم میں پیروں کے مسح کا حکم نہ دیا؟ مگر یہ سب کچھ اہل دیانت وامانت واہل عقل کی باتیں ہیں۔لیکن وہاں ان چیزوں کو مار کر بھگا دیا گیا ہے۔یہ وہی مجتہدین تھے جن کا تفصیلی تذکرہ ہو چکا ہے۔جنہوں نے حیات رسولؐ میں قرآن میں معنوی تحریف کی اور عوام میں اُسے پاژند بنا کر پیش کیا اور کثرت الناس بلکہ اپنی پوری قوم کو قرآن کے خلاف لا کھڑا کیا (فرقان 32-25/27)۔قرآن کے بقول یہ جرائم پیشہ لوگ جو کچھ نہ کر گزرتے کم تھا۔اُنہیں آج بھی کوئی روکنے والا نہیں ہے۔قرآن کے صحیح ترجمہ کا نعرہ مارنے والا خاموشی سے قرآن کی تحریف کو دیکھ رہا ہے۔وہ جانتا ہے کہ شاہ عبدالقادر مرحوم نے وضو کی آیت میں پیروں کا دھونا ترجمہ نہیں کیا تھا بلکہ مسح کرنے کے لئے چھُوؤ اپنے سر کو اور پیروں کو لکھا تھا۔جو اوّلین اشاعت میں آج بھی ہمارے پاس اور لائبریریوں میں موجود ہے۔مگر تاج کمپنی دن دھاڑے چوڑے میدان میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ کہہ کر بازار میں بیچتی ہے اور وضو کی آیت میں نہایت

ڈھٹائی اور اپنی مذہبی دیانت سے ترجمہ بدلتی ہے اور پیروں کا دھونا لکھتی ہے۔ لیکن نام نہاد قاضی القضاۃ کی رگِ حمیتِ مذہب میں حرکت نہیں ہوتی۔ اِن حضرات سے نمٹنے کے لئے دو چیزیں درکار ہیں۔ ایک ڈنڈا اور قوت ہے۔ جس کی اسلام میں ممانعت ہے اور اسی امن پسندی کی وجہ سے یہ گروہ ہمیشہ ظلم وستم کرتا رہا ہے۔ دوسری چیز حق وانصاف وعدالت ہے۔

کاش اس گروہ کے تمام چھوٹے بڑے علما تیار ہو جائیں اور جس طرح ختم نبوت کے جھگڑے میں، عدالت عالیہ کو ثالث بنایا گیا تھا اُسی طرح یہ گروہ ہمارے ساتھ عدالت میں اپنا مذہب وموقف پیش کرے تو ہم اُنہیں دکھائیں کہ دنیا کی ہر عدالت انہیں اسلام کا منکر ومخالف ومنافق قرار دے گی۔ اور ہم اُن کے اپنے مسلمہ ریکارڈ وقرآن سے حقیقی مسلم ومومن وفدا کارانِ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم ثابت ہوں گے۔ ہے کوئی جو اس پُر امن اور قانونی واسلامی چیلنج کو قبول کرے۔ مگر وہ مجھے جانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں نظام اجتہاد اور شیعہ سنی دونوں نام نہاد مجتہدین کو باطل سمجھتا ہوں۔ اور اُن کا رد وابطال قرآن وحدیث سے کرتا ہوں۔ اور کثرت کے فیصلوں اور اجماعی مسلمات کو طاغوتی سامان ثابت کرتا ہوں اور کلام اللہ اور کلام معصومؑ سے حجت قائم کرتا ہوں۔ اس لئے وہ جبر وتشدد وقوت ودھاندلی اور دھونس تو استعمال کر سکتے ہیں چونکہ ان چیزوں کی اُن کے پاس افراط ہے۔ مگر کلام اللہ سے وہ محروم ہیں۔ اور **حسبنا کتاب اللّٰہ** کے کھوکھلے نعروں کے سوا انکے پاس کچھ نہیں ہے۔ رسولؐ کو اپنے ایسا مجتہد اور خاطی کہنے والے لوگ اُس کے سامنے نہیں آسکتے جو اللہ ومعصومٌین کا دامن تھامے ہوئے ہو۔ یہ ہمیں کافر کہنے والا دین فروش گروہ تو خود اپنے قلم سے اپنی اور اپنے بزرگوں کی تحریروں سے کافر ثابت ہے۔ معاملہ عدالت میں پیش ہونے دو۔ وہاں اُنہیں لینے کے دینے پڑیں گے۔

(ب) اسلام کی بنیادوں میں سب سے زیادہ زور ولایت پر دیا گیا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے ماحول کے مجتہدین کے سمجھنے کے زبان میں فرماتے ہیں کہ:

قال: بنی الاسلام علی خمس: عَلَی الصّلاۃ والزکٰوۃ والصوم والحجّ والولایۃ ،وَ لَمْ یَنَاد بِشَیءٍ کما نُوْدِیَ بالولایۃ؛ فَاَخَذَ النّاس بأربع وتَرکوا ھذہ یعنی الولایۃ۔ (کافی کتاب الایمان والکفر باب دعائم الاسلام حدیث 3)

''اسلام پانچ بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت پر۔ اور جس طرح قیام ولایت کے لئے پکار پڑتی رہی، کسی اور چیز کے لئے اُس طرح اعلانات نہیں کیئے گئے۔ مگر اس کے باوجود اُن لوگوں نے ولایت کو ترک کر دیا۔ اور باقی چاروں کو اختیار کیئے رکھا۔''

(ج) اسلام کے تین پائے ہیں۔ ایک کے بغیر باقی دونوں غلط ہیں

یہاں امام جعفرؑ صادق کا فرمان ویسے تو عام فہم ہے مگر اہل صنعت ٹیکنیکل حضرات زیادہ لطف اندوز ہوں گے۔ وہ

جانتے ہیں کہ کسی چیز کا ڈگمگانا روکنا ہوتا ہے تو اُس میں میز کرسی کی طرح چار ٹانگیں نہیں لگائی جاتیں۔اس لئے کہ اگر زمین یا فرش سو فیصد ہموار نہ ہو تو ڈگمگاہٹ لازم ہے۔اس لئے سرفیس پلیٹ (Surface Plates) اور مارکنگ آف ٹیبل (Marking off Tables) میں تین سپورٹ لگائے جاتے ہیں جو ہر حال میں تینوں زمین یا فرش وغیرہ پر ٹکتے اور ڈگمگانے کو روکتے ہیں۔ حدیث سنئے ارشاد ہے۔

اَثافی الاسلام ثلاثة: الصلاة و الزکٰوة و الولایة۔ لا تَصَحُّ وَاحِدَةٌ اِلَّا بِصَاحبتیها۔

(ایضاً باب جلد 3 کتاب الایمان و الکفر حدیث 4 صفحہ 33)(پچھلی حدیث اسی صفحہ پر ہے)

''اسلام تین پایوں پر قائم ہے 1: نماز 2: زکٰوۃ 3: ولایۃ۔ اِن میں سے کوئی ایک باقی دو کے بغیر صحیح نہیں ہے۔''

یہ حدیث پڑھ لینے والوں کو سوچنا چاہئے کہ کیا اُن کی نمازیں ولایت کے بغیر صحیح ہوسکتی ہیں؟ علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے اپنی شرح میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

مقصود از اینکہ بر اینھا ساز مان شدہ اند اینست کہ اینھا اجزاء و ارکان آنند بنا برایں ممکن است مقصود از ولایت معنی اعم شامل شھادتین باشد۔ (ایضاً جلد 3 صفحہ 33)

مقصد یہ ہے کہ ان بنیادوں پر اسلامی اساس اس لئے قائم ہے کہ یہ اسلام کے اجزاء اور ارکان ہیں۔لہٰذا اسی وجہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ ولایت کے معنی عام لئے جائیں اور ولایت کو شہادتین کے ساتھ شامل کیا جائے۔'' (یعنی نماز میں پڑھا جائے۔احسنؔ)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ: علامہ محمد باقر مجلسیؒ گیارہویں صدی کے عالم ہیں۔اور اپنے زمانہ میں پورے ملک ایران کے شاہی قاضی القضات یا شیخ الاسلام تھے۔سینکڑوں چھوٹے بڑے، شیعہ سنی قاضی و مفتی اور تمام ملکی عدالتیں آپ کے ماتحت تھیں۔وہ ہماری وزارت امور مذہبی کی طرح نہ تھے۔اُنہیں ایک ہمہ گیر اسلامی نظام عدالت چلانا تھا۔اس لئے وہ شیعہ ہوتے ہوئے بھی نظام اجتہاد پر محدثانہ عمل کرتے اور دونوں فرقوں کے علما سے عمل کراتے تھے۔وہ پیدائش سے لے کر وفات تک نظام اجتہاد کے ماحول میں رہے۔اس لئے اُن کے قلم سے ایسی تحریریں اور فیصلے و فتاویٰ نکلنا لازم تھے جو ملک کے اہل سنت باشندوں کو بھی مطمئن کریں اور شیعوں کو بھی خوش رکھیں۔لہٰذا اُن کی تمام کتابیں مجتہدانہ زبان و انداز و اصول پر لکھی گئیں ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کی ہر بات ہر وقت بلا سوچے سمجھے اختیار کرنے کی نہیں ہوسکتی۔سوچنا ہوگا کہ مخاطب کون تھا؟ صورت حال کیا تھی؟ اور یہ کہ زیر غور مسئلہ پر اُنہوں نے اور کیا کیا لکھا ہے؟ تب یہ فیصلہ ممکن ہوگا کہ وہ بات مذہب شیعہ میں قابل سند ہے یا نہیں ہے۔ جہاں جہاں وہ اجتہادی مسائل میں اُلجھے ہوئے پائے جائیں گے اُن کی بات رد کردی جائے گی۔مثلاً ہم اُن کے مان لینے اور لکھ دینے سے یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ رسولؐ اللہ کی چار بیٹیاں تھیں یا حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی سے کسی غیر خاندان فرد کا نکاح ہوا

تھا۔ یا یہ کہ حضرت علیؑ نے کسی خلیفہ کی بیعت کی تھی یا یہ کہ امام حسن علیہ السلام معاویہ سے روپیہ لیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ اہلبیتؑ کے پاس بڑا بینک بیلنس اور جائیدادیں تھیں ۔ یہ تمام باتیں مذہب شیعہ کی بنیادی اور واضح تعلیم کے خلاف ہیں۔ مجتہدین نے خود آئمہ علیہم السلام کے ذمہ ایسے اقوال لگائے ہیں۔ اسی لئے مجتہدانہ ذہنیت جہاں بھی پائی جائے گی ہم اسے طاغوتی تصور کہہ کر رد کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب محمد باقر مجلسی نے اپنی مندرجہ بالا شرح میں ولایت کے سلسلہ میں صحیح بات لکھی مگر اُس کو مجتہدانہ ترکیب سے ایسا بنا دیا کہ بعد والے مجتہدین نے محمد باقر کے لکھنے کے باوجود نماز میں ولایت کو شامل نہ کیا اور چوکس شیعہ بھی رہے۔ حالانکہ حدیث میں بلا ولایت نماز باطل ہے۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ مجتہدین نے قرآن کریم وحدیث کے الفاظ کو سیال بنا کر اپنے باطل تصورات کو سہارا دیا ہے۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ ہر لفظ کی کئی کئی قسمیں بنا دی گئی ہیں۔ ایک صورت یا قِسم عام ہے، ایک قِسم خاص ہے۔ ایک مقید ہے، ایک مطلق ہے۔ ایک وغیرہ وغیرہ بکواس ہے۔ چنانچہ حدیثِ زیر بحث میں آیا ہوا لفظ ولایت مجتہد کے رحم وکرم پر ہے۔ وہ ولایت کو مذکورہ بکواس میں جس شیطانی قِسم میں چاہیں رکھ دیں۔ اگر وہ اُسے عام فرما دیں تو بقول محمد باقر مجلسی ولایت کو نماز میں اور ہر جگہ **اشھد انّ لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد انّ مُحمدًا عبدہ ورسولہ** کے ساتھ پڑھنا لازم ہو جائے گا۔ اور اگر مجتہد نہ چاہے تو پھر ولایت کو قسم خاص میں رکھ دے۔ لہٰذا وہ تمام مجتہدین کے عمل درآمد کی سند بن جائے گا اور نماز سے خارج ہو جائے گا۔ اور اُن کی نماز بلا ولایت بھی چاروں خانے چت اور صحیح ٹھہرے گی۔ یہ بات تھی جو رسول اللہؐ نے فرمائی تھی کہ ''قرآنی تعلیمات میں سے کوئی تعلیم باقی نہ چھوڑیں گے۔ صرف قرآن کے الفاظ باقی رہ جائیں گے'' اور الفاظ شیطانی چکروں میں دن رات گھمائے جائیں گے۔ تاکہ نت نئے مکاتیب فکر اور کھانے کمانے کے نئے طریقے اور مذہب نکلتے چلے آئیں۔ اِسی ابلیسی طرزِ عمل کی آنحضرتؐ نے اللہ سے شکایت کی تھی۔ اور اُسی مجتہد قوم نے قرآن کو مہجور کر کے طاغوت کو اپنا ہدایت کار بنالیا تھا۔ (فرقان 33-25/27)

(د) ولایت علویہؑ نماز وغیرہ کی کنجی ہے۔ اور علی علیہ السلام دلیل اسلام ہیں

قارئین نوٹ فرمائیں کہ نماز، جو پورا دین وملّۃ ہے کے فوائد ونتائج حاصل کرنے کیلئے ولایت وہ کنجی ہے کہ اسکے بغیر تمام عبادتیں باطل وبے نتیجہ رہتی ہیں۔ اور آج ایک طویل تجربہ آپ کو مُنہ چڑا رہا ہے۔ پھر مجتہدوں کی زبان میں بات سنئے اور اُنہیں بتائیے کہ تم فوائد نماز سے کیوں محروم ہوئے؟ امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال ہو رہا ہے کہ:

بَنی الاسلام علی خمسة اشیاء ۔عَلَی الصّلاۃ والزکاۃ والحجّ والصوم والولایة ۔قال زرارۃ: فقلت: واَیُّ شیءٍ من ذلک افضل ؟ فقال: الولایه افضل، لانَّھَا مِفْتَاحھُنّ والوالی ھوالد لیل عَلَیھِنَّ... الخ

(کافی کتاب الایمان والکفر باب دعائم الاسلام حدیث 5 صفحہ 36)

''ان پانچوں میں سے کون افضل ہے۔فرمایا کہ ولایت، نماز وزکوٰۃ وحج اور روزہ سے افضل ہے۔اس لئے کہ ولایت اُن سب کی کنجی ہےاوروالی یعنی امام زمانہ علیہ السلام اُن سب کے لئے نتائج فراہم کرنے کی ذمہ داری ہستی ہے۔''

یہی حدیث ہے جس میں رسولؐ اللہ نے بھی اپنے زمانہ کے مجتہدین کی زبان استعمال کی ہے اور نماز کو دین کا ستون فرمایا ہے۔لیکن محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے اپنے یہاں صلوٰۃ یا نماز مکمل دین وملت ہے۔یہ نوٹ کریں کہ مخاطب سے اُس کی اپنی زبان میں اوراُس کی علمی وعقلی سطح کے مطابق بات کرنے کا حکم آنحضرتؐ ہی نے دیا تھا۔لہٰذا مجتہدین سے کہہ دو کہ آپ محمدؐ وآل محمدؐ کے بیانات سے دلیل وسند نہیں پاسکتے۔جب تک اصل موضوع پر اُن حضرات کے تمام اقوال وفرمان نہ دکھا دو کوئی ایک لفظ یا جُملہ دکھا کر شیعوں کوفریب نہیں دیا جا سکے گا۔تم نے بڑے بڑے علمائے حقہ شیعہ اثنا عشریہ کو اپنی رَو میں بہایا۔انہیں اپنی زبان بولنے اوراپنے اصول پر بات کرنے پر مجبور کیا۔لیکن احسنؔ (مصنف) خود تمہیں اُس طاغوتی زبان چھوڑنے اور انسانی زبان بولنے پر مجبور کرے گا۔تا کہ تمہاری بات جنوں کے بجائے سیدھے سادے انسان اور مومنین سمجھیں اور تم اَحوَط ہے،اِشکال ہے، مُقدّر ہے،اظہر ہے وغیرہ کی بکواس سے فریب نہ دے سکو۔جا گو کہ پبلک کو حقیقی اسلام کی ضرورت ہے۔اُن سے کہہ دو کہ تم اُن تیسرے درجہ کے صوفیا سے زیادہ خطرناک ہو۔بھنگ اور چرس کا نشہ عارضی ہوتا ہے اور انسان کو اچانک راہ حق نظر آجاتی ہے۔لیکن تم جواجتہادی الفاظ کی گولیاں کھلاتے ہو،تم جو آعوذ کی بھنگ اور چرس پلاتے ہو وہ انسان کو ہمیشہ کیلئے غافل اور نشے میں مبتلا رکھتا ہے۔تم یار بد سے بھی بدتر ہو۔اسلئے کہ تم دین وایمان کے ڈاکو ہو:

یارِبد بدتر بود از مارِ بد: بُرا دوست بُرے سانپ سے بُرا ہوتا ہے

مارِ بد تنہا ہمیں بر جان زند: بُرا سانپ صرف جان لیتا ہے

یارِ بد بر دین و برایمان زند: بُرا دوست دین وایمان تباہ کرتا ہے

(۵) ولایت کے اعلان واقرار کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

ولایت اُن تمام فرائض میں مخصوص مقام رکھتی ہے جو اللہ نے انسانوں پر فرض قرار دیئے ہیں۔اوراس حقیقت کی وضاحت میں بہت سی احادیث میں ایک یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ عزَّ وجلَّ فَرَضَ عَلٰی خَلقِہٖ خَمسًا فَرَخَّصَ فی اَربَعٍ وَّ لَمْ یَرَخَّصَ فی واحدۃ۔

(کافی کتاب الایمان والکفر باب دعائم الاسلام حدیث 12 صفحہ 41)

یقیناً اللہ عزّ وجلّ نے تمام مخلوقات پر پانچ فرائض عائد کئے تھے۔جن میں سے چار میں کچھ رعایت اوراختیار دیا گیا تھا۔لیکن ایک مستقل فرض ہےاس میں کوئی رعایت واختیار نہیں دیا گیا ہے۔''

قارئین خود جانتے ہیں کہ نماز بعض اوقات میں ساقط ہے بعض حالات میں قطعاً معاف ہے۔ زکوٰۃ اہل دولت پر فرض ہے۔ باقی سے تعلق نہیں۔ روزہ بھی ساقط اور معاف ہو جاتا ہے۔ حج صاحب استطاعت پر اور زندگی بھر میں ایک دفعہ فرض ہے۔ مگر ولایت ہر حال میں فرض ہے۔ اُس سے چھٹکارہ وہی لوگ حاصل کر سکتے جو اپنی ولایت وحکومت ونیابت قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

اس حدیث میں پانچوں فرائض کا نام نہیں لیا گیا اسلئے دوسری حدیث ملاحظہ فرمالیں۔ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ افترض عَلٰی امۃ محمدٍ خمس فرائض ۔الصلاۃَ والزکاۃَ والصیامَ والحجَّ ووِلَایَتِنَا ۔ فرخّص لھم فی اشیاء من الفرائض الاربعۃ ولم یرخّص لاحدٍ من المسلمین فی ترک ولایتنا ۔ لَا واللّٰہ ما فیھا رخصۃ۔(الرّوضۃ من الکافی حدیث399 صفحہ 271)

''یقیناً اللہ نے اُمت محمدؐ پر پانچ فرائض عائد کئے تھے۔ نماز، زکاۃ، روزے اور حج اور ہماری ولایت۔ چنانچہ اُمت کے لئے چار فرائض میں سے بعض صورتوں میں رخصت ورعایت دی تھی۔ لیکن پوری اُمت کے مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی ولایت کو کسی حال میں ترک کرنے کی رعایت نہیں دی۔ خدا کی قسم ولایت میں بالکل رخصت نہیں ہے۔''

اِن تمام تاکیدوں کے بعد بھی مذہب شیعہ کے داخلی اور نقاب پوش دشمنوں نے ولایت کو تمام عبادات واعمال سے خارج کر کے شیعہ پبلک کو مطمئن کر دیا کہ وہ پکے شیعہ ہیں۔

14۔ شیعوں کو نظامِ اجتہاد نے کس طرح فریب دیا؟

علمائے سُوء نے کہا کہ ولایتِ علویہ وآئمہ علیہم السلام پر ایمان لانے سے وہ تمام تقاضے اور تاکیدیں اور شرائط پُورے ہو جاتے ہیں جو مذکورہ بالا اور اُسی قسم کی سینکڑوں احادیث میں محمدؐ وآل محمدؐ نے قائم کئے ہیں۔ یعنی جو شخص ایک دفعہ یہ مان لے کہ:۔

1: ''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۔اور

2: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ۔اور

3: اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰهِ وَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ خَلِیْفَتَهٗ بِلَا فَصْل۔

1: میں شاہد ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے جو قطعاً یگانہ ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اور

2: میں شاہد ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اُس کے رسولؐ ہیں۔اور

3: میں شاہد ہوں کہ علیؑ اللہ کی طرف سے ولی وحاکم ہیں۔اور رسولؐ اللہ کے وصی ہیں اور براہ راست بلا کسی فاصلہ کے رسولؐ کے پہلے خلیفہ ہیں۔

ایسا ماننے والا شخص مذکورہ احادیث کی رُو سے پکا شیعہ ہے۔ چنانچہ مجتہدین کے فرمانبردار شیعہ اسی پر عمل کرتے رہے۔ اور آج ملت شیعہ کی کثرت مع مجتہدین کے اسی پر عمل کر رہی ہے۔ اور اذان و نماز میں تیسری شہادت لازم نہیں سمجھتی ہے۔ ہم اُس کثرت پر اس لئے اعتراض نہیں کرتے کہ اُس نے مذکورہ علما کو محمدؐ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا جانشین سمجھ کر اُن پر اعتماد کیا اور اُن کے بتائے ہوئے احکام کو لاعلمی کی بنا پر اللہ و معصومینؑ کے احکام سمجھ کر اُن پر سو فیصد یقین کر لیا۔ اور علما کی جن فریب کاریوں کی بنا پر اُنہیں قابل اعتماد وغیرہ سمجھا، اُن کی جعل سازیوں کی طویل فہرست میں سے صرف ایک بتا دینا کافی ہے۔ اُنہوں نے رسولؐ کی وہ حدیث اپنے اوپر چپکا لی کہ ''میری اُمت کے علماؑ بنی اسرائیل کے انبیاؑ کی مانند ہیں۔'' (**علماء اُمتی کانبیاٗء بنی اسرائیل**) حالانکہ اِن علمائے سُوء میں ایک بھی علمی بات ایسی موجود نہ تھی جو انبیاؑ میں لازم اور سب کو معلوم ہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کے خاطی وخطا کار تھے اور اپنی خطاؤں اور غلطیوں کا تحریری اقرار کرتے چلے آئے۔ مگر عوام کو اُن کی خاص خاص کتابوں تک رسائی نہ تھی۔ اُنہوں نے اِن کے احکام کو معصومینؑ کے احکام کی طرح مانا اور عمل کیا۔ مذکورہ بالا حدیث پر اس کتاب میں کافی روشنی آپ کے رُوبرو آچکی ہے۔ بہرحال ہمیں امت کے عوام سے بلا تفریق مذہب وملت کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہر زمانہ کی کثرت کو ان نام نہاد علما نے گمراہ رکھا اور اُن کو اُمت کے گناہوں میں الگ سے ماخوذ کیا جائے گا۔ فرمایا گیا تھا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ امت اسی صورت میں گمراہ ہوگی جب کہ پہلے علما اور امیر لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ چودہ پندرہ سو سال سے امت کی گمراہی کے ذمہ دار یہی دونوں گروہ ہیں۔ تاریخ میں فرقہ واریت گواہ ہے۔

(1) شیعہ علمائے مجتہدین سے ولایت اور نماز پر چند باتیں ہو جائیں

پہلی بات ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ اگر اقرار ولایت اذان و نماز کے دوران فرض و واجب و مستحب اور سنت وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ بلکہ صرف دل سے مان لینا کافی ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ تمہیں اور پوری اُمت کو نماز کے فوائد و انعامات کیوں حاصل نہیں ہوئے؟ جب کہ ولایت تمام عبادات کی کنجی ہے۔ اور یہ کنجی آپ کے پیدائشی شیعہ ہونے کی وجہ سے یا آپ کے اقرار و ایمانِ ولایت کے سبب سے آپ کو بقول آپ کے مل چکی ہے تو اُس کنجی سے آپ نے کون سی عبادت کا قفل کھولا ہے؟ اور قفل کھولنے کے بعد آپ کو وہ کون سی چیز یا نعمت ملی ہے؟ جس کو تالے میں مومنین کے لئے محفوظ رکھا تھا؟ اور جو ولایت علویہ کے مخالف نمازیوں کو نہیں ملی ہے؟ جب کہ خدا نے اپنی تمام نعمتیں مسلمانوں کے لئے وقف کر دی ہیں؟ اور جن کی تفصیل ہم نے قرآن و حدیث سے چونتیس (34) جُملے چند صفحات قبل (13/8 کا ج) لکھے ہیں؟ قارئین نوٹ کریں تمام شیعہ وسُنی مجتہدین مل کر قیامت تک ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتے۔

دوسری بات یہ عرض کرنا ہے کہ ولایت کا اقرار زندگی بھر میں ایک دفعہ کر کے اگر دین کی ایک بنیاد مکمل ہو جاتی ہے تو باقی چاروں

بنیادوں کا صرف اقرار اور وہ بھی زندگی میں ایک دفعہ اقرار کر کے پورا ہو جانا مان لینا چاہیئے؟ یعنی عملاً نہ نماز پڑھی جائے، نہ روزے رکھے جائیں، نہ زکوٰۃ دی جائے نہ حج کیا جائے؟ صرف دل سے ایمان لے آیا جائے؟ اگر آپ یہ فرمائیں کہ جناب نماز وغیرہ کو عملاً بجالانے کا حکم الگ سے موجود ہے تو ہم عرض کرینگے کہ کیا آپکا وہ ریکارڈ جس میں اللہ ورسولؐ اور آئمہ معصومینؑ کے تمام احکام موجود ہوں، آپکے پاس موجود ہے؟ آپکو پختہ یقین فراہم ہو چکا ہے کہ احادیث تمام وکمال آپکے ریکارڈ میں موجود ہے؟ ہم نے تو آپ ہی کی تحریروں میں پڑھا ہے کہ لاکھوں احادیث اور سینکڑوں دینی احکام کی کتابیں ضائع کردی گئی تھیں۔ اور لاکھوں احادیث خلفائے جور نے گھڑوا کر شائع کرادی تھیں۔ آپ کو کن ذرائع سے یہ یقین فراہم ہوا ہے کہ ہر کام میں اور ہر نماز میں ولایت محمدؐیہ کی شہادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ کیا آپ کے ریکارڈ میں کوئی ایک حدیث ایسی ہے جس میں یہ ممانعت موجود ہو اور نماز میں ولایت کی شہادت منع ہو؟ کیا تم نے وہ حدیثیں نہیں دیکھیں جن میں سے ایک ہم نے بھی لکھی ہے کہ:

(1) نماز بلا زکوٰۃ اور ولایت کے صحیح نہیں ہے۔ اور

(2) زکوٰۃ بلا نماز اور ولایت کے صحیح نہیں ہوتی۔ اور

(3) ولایت بلا نماز اور زکوٰۃ غلط ہوتی ہے؟ یعنی یہ تینوں دین کے ایسے سہارے یا پائے ہیں کہ اگر ایک پایا ہٹا دیا تو پورا دین دھڑام سے گر جائے گا۔ یعنی تم دین کو مسمار کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اگر آپ نے یہ حدیث دیکھ لی ہے؟ تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ نماز کو بلا اعلان شہادت مرتضویؑ پڑھنا غلط ہے؟ اور کیا اس پر عمل کر کے نہیں دکھایا گیا کہ نماز قائم کرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ کی تیاری کر لی جائے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَo (مائدہ 5/55)

کیا حضرت علیؑ نے تینوں چیزوں کو اکٹھا جمع نہ کر دیا تھا۔ تم تو روپیہ کمانے کے لئے اس آیت کو سینہ ٹھونک کر پڑھتے ہو۔ مگر کبھی بھی مجالس کی فیس کو حلال کر کے نہیں کھاتے۔ کبھی نہیں بتاتے کہ ولایت وزکوٰۃ ونماز تینوں ایک جگہ دیکھنا ہوں تو اللہ ورسولؐ کے ولی وحاکم علیؑ کو دیکھ لو۔ اور تم زکوٰۃ اوّل تو دیتے نہیں بلکہ لیتے ہو۔ اور اگر دو گے تو اُس وقت حالت رکوع میں نہ ہو گے۔ بلکہ اپنے قصرِ ڈھکوی میں جُھول پہنے ذوالجناح بنے بیٹھے ہو گے۔ اور کسی سیدانی بیوہ کی بیس درخواستوں کے بعد احسان جتا کر حجت اللہ اور آیت اللہ منوا کر زکوٰۃ دو گے۔ وہ زکوٰۃ چونکہ نماز اور ولایت سے الگ کر کے دی اس لئے تمہارے منہ پر ماردی جائے گی۔ اور چونکہ تم مذکورہ بالا حدیث کے منکر و کافر ہو اس لئے تمہیں دھکے مار کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ لہٰذا حقیقی مومنین اور شیعانِ ولایت علویہؑ ہر نماز میں ولایت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ہر سانس علیؑ علیؑ کہتی ہوئی آتی جاتی ہے۔ اسلئے وہ اُس حدیث پر مکمل عمل کرتے ہیں اور دین ودنیا میں کامیاب رہتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ چاروں بنیادوں میں رخصت دی گئی ہے۔ ولایت میں رخصت نہیں ہے۔ لہٰذا بتاؤ کہ جن غریب مومنین پر زکوٰۃ وروزہ وحج ونماز باری باری یا ایک دم ساقط ہوں (مثلاً ایک غریب حائضہ خاتون پر) وہ سقوط کی مدت میں دین کے (4/5) چار بٹا پانچ حصوں سے محروم یا آزاد ماننا پڑیں گے۔ اور اُنہیں تینوں پایوں میں سے دو کو ساتھ رکھنے کا موقعہ ہی نہ ملے گا۔ گویا اللہ ورسولؐ نے اُنہیں دین کو مسمار کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے؟ یہ تمہارے تصورات کا حال ہے۔ لیکن ولایت کُل دین ہے، ولایت پوری ملت ہے، ولایت ہی صراط مستقیم ہے۔ لہٰذا اس سقوط کے وقت بھی وہ مومنین ومومنات علیؑ علیؑ کہتے رہنے پر مامور ہیں۔ اُس میں رخصت یا چھٹی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ سب مکمل دین پر عامل وفائز ہیں۔ مگر تمہارے مقلد تمہاری طرح پورے دین سے محروم ہیں۔

چوتھی گزارش یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ تخلیق کائنات کے وقت سے ہر ہر اعلان ومعاہدہ میں ولایت مرتضویؑ کی شہادت لازم رہتی چلی آئی (دیکھیں کتاب کا حصہ اسلامی کلمہ ونماز) تو نماز میں دو شہادتیں کیوں باقی رہیں اور علیؑ کی ولایت کو کیوں غائب کر دیا گیا؟ اور ولایت کی نفی کر کے نماز کو یا نمازیوں کو کونسا فائدہ پہنچایا گیا؟ اور وہ کون سا نقصان تھا جو ولایت کو نماز میں رکھنے سے نماز یا نمازیوں کو پہنچتا؟ جس سے بچانا ضروری تھا؟ پھر یہ بتایئے کہ جب ہم نے پیدائشی طور پر اسلام اختیار کرتے وقت اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمدؐ کے رسولؐ اللہ اور اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور ساری عمر اس پر ایمان رکھا تو ہر نماز میں اِن دونوں کی شہادت کو کیوں دُھرایا جائے؟ نہ دُھرانے سے کیا نقصان ہوگا؟ پھر یہ بتائیں کہ اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ اللہ کی رسالت پر ایمان لانے کو یعنی وحدانیت اور رسالت کو پورا دین کیوں نہ کہا؟ اس ایمان کو اَلْمِلَّۃ کیوں قرار نہ دیا؟ اور بجائے توحید ورسالت کو صراط مستقیم کہنے کے یہ کیوں فرمایا کہ:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ھود 11/56) ''یقیناً میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔''

مولوی صاحب آپ کے حساب سے یہ شرک جلی ہو گیا کہ علیؑ کو راستہ کہہ کر وحدانیت کو صحیح راستہ کا راہرو قرار دے دیا؟ اور اِسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اللہ نے رسالت کے لئے فرمایا اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo (زخرف 43/43) اور سند عطا کی کہ اے محمدؐ تم اور تمہاری نبوت ورسالت اور بندگی صراط مستقیم پر ہو۔ بتایئے اور سوچ کر ہمیں بتایئے کہ وحدانیت ورسالت دونوں صراط مستقیم کے راہ رَو ہیں۔ اور اللہ نے تو بڑی بے تکلفی سے مشرکوں کا منہ بند کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ:

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ.. الخ (شوریٰ 53-42/52)

''اَے محمدؐ تو اور تیری مُرسلانہ کوششیں صراط مستقیم یعنی علیؑ کی طرف یقین کے ساتھ راہنمائی کر رہی ہیں۔ اور یہ کہ وہ صراط اللہ کا ہے یعنی حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی مخصوص مخلوق ہیں۔ اور اُن کی ذات پاک کی طرف راہنمائی کرنا اللہ کا مقصود ہے اور

تمام انبیاؑ و رُسل علیہم السلام ولایۃ علویہؑ کی طرف راہنمائی کرتے رہے ہیں (دیکھیں کتاب کا حصہ اسلامی کلمہ ونماز)۔اور نظام خداوندی کا ہر سربراہ محمدؐ ہی کے نور سے ظہور پذیر ہوا ہے۔اس لئے وہ سب محمدؐ ہی ہیں، وہ سب علیؑ بھی ہیں۔اس لئے یہ بتایا گیا کہ نوعِ انسانی کی ارتقائی ترقی کا سدرۃ المنتہٰی قیامِ امامت و ولایتِ محمدؐیہ کے ہاتھوں سرانجام پانا مقدر ہے۔اور اس ولایت و امامت کی بنیاد جناب علیؑ مرتضٰی کو قرار دیا گیا ہے۔اس لئے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ نوعِ انسانی کو بتدریج نظامِ ولایت کی طرف بڑھاتے چلے آئے اور ابلیس اسی امامت و ولایت کے قیام میں روزِ اوّل سے رکاوٹیں پیدا کرتا چلا آیا۔یہ ہے منشا صراط مستقیم کی طرف ہدایت کا اور یہ ہے علمائے سُوء کا مقصد کہ وہ سب کچھ کریں مگر ولایت کو نہ مانیں اور امت مسلمہ کو اس سے الگ رکھیں تاکہ ابلیس کے مقصد کو پورا کریں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اگر ہم کلمہ شہادت اور نماز میں صرف تیسری شہادت پڑھیں یعنی اُس بنیادی تشہد کا اعلان کریں جس میں وحدانیتِ خداوندی اور رسالت محمدؐی خود بخود داخل ہیں تو کیا حرج واقع ہوتا ہے؟ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ: اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ وَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ خَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل۔"میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً علیؑ اللہ کے مقرر کردہ ولی ہیں۔اور رسولؐ اللہ کے وصی ہیں۔ اور براہ راست بلاکسی فاصلہ کے رسولؐ کے پہلے خلیفہ ہیں۔" ہمیں بتایئے کہ جس طرح شہادتِ ولایت میں اللہ پر ایمان اور رسالتؐ پر ایمان وعمل کا اقرار شامل ہے کیا اُسی طرح پہلی دونوں شہادتوں میں ولایت شامل ہے؟ اگر نہیں؟ تو بتایئے کہ سابقہ احادیث کے حکم کی رُو سے ولایت کو ایمان سے الگ کرنے سے ایمان باطل ہو جانا طے ہو چکا تو آپ کا ایمان کدھر گیا؟ توحید اور نبوت کے اقرار سے نبوّت کے بعد جاری رہنے والے نظام کا اعلان نہیں ہوتا۔حالانکہ یہ نظامِ ہدایت وتقلید قیامت تک بلا نبوت کی تجدید کے چلنا ہے۔جس قدر جھوٹے نبی اُٹھے اور باطل اُمتیں وجود میں آئیں وہ سب تمہارے فراہم کردہ دلائل اور سند دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔اگر تم نے ولایت کو مقصودِ خداوندی سمجھا اور اختیار کیا ہوتا تو کسی کو دعوائے نبوت کی جرأت نہ ہوتی۔تم نے نبوت اور نبیؐ کو (معاذ اللہ) اپنے ایسا جذباتی اور خاطی اور کائنات سے جاہل انسان لکھا ثابت کیا۔لہٰذا تم ہی جیسے جذباتی اور خاطی اور جاہل انسان نبوت کا نعرہ مار کر آتے رہے۔تم ہی نے تجدیدِ دین کی ضرورت بیان کی، بدعتوں کو مفید کہہ کر جاری کیا لہٰذا بہت سے مجدد اور بدعتی تمہارے رہنما بنتے رہے۔اگر تم نے محمدؐ وآل محمدؐ کے قرآنی مقام کو تسلیم کیا ہوتا، تم نے یہ مانا ہوتا کہ قرآن ہمہ گیر اور پوری کائنات کے علوم پر حاوی کتاب ہے اور اُس کتاب کیساتھ قیامت تک محمدؐ کے قائم کردہ آئمہؑ اہل الذکر لازم ہیں، وہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے، ہر سوال کا جواب، ہر مشکل کا حل قیامت تک اُن سے ملے گا تو بتایئے یہ ہر تیسرے چوتھے دن تھرڈ کلاس اور جاہل لوگ کیسے نبوت ومسیحیت ووہابیت وشیخیت ومجددیت کا دعویٰ کرتے؟ لہٰذا اعلانِ ولایت سے اعلانِ توحید ورسالت خود بخود ہو جاتا ہے۔تم آج سے نماز میں اُس شہادت کو اختیار کر و جو پورے دین، ساری ملت اور صراط مستقیم کی تنہا

ذمہ دار ہے۔رہ گیا آپ کا یہ کہنا کہ اذان ونماز میں الگ سے کہیں یہ حکم نہیں ملا کہ شہادت ولایت کو ضرور ادا کیا کرو۔ یہ قول تمہارے دوسرے اقوال کی طرح باطل ہے۔تم اور تمہارے بزرگ صرف اُسی ریکارڈ کو دنیا سے مٹانے اور ختم کرتے اور چھپاتے چلے آئے ہو جو قیامِ ولایت پر زور دیتا تھا۔لیکن ہم موجودہ ریکارڈ سے بھی وہ سب کچھ دکھا سکتے ہیں جو اس سلسلہ میں مومنین کو درکار ہے۔البتہ کافر ومنافق لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے نہ مانے تو میری بات کیوں مانیں؟

(2) تاریخ اسلام کے وہ حقائق وحادثات جن کو نظر انداز کیا جاتا رہا

یہاں سے ہم مختصراً وہ اسباب بیان کرنا شروع کرتے ہیں جن کی بنا پر اسلام کی مجموعی تنفیذ میں تدریج کا مدنظر رکھنا واجب ولازم وفرض ومفید تھا۔اور اس اصول کو کلام اللہ وکلام معصومین علیہم السلام میں تقیّہ فرمایا گیا ہے۔اور حکم دیا گیا ہے کہ دین کی اشاعت وتبلیغ میں تقیّہ کو کسی لمحہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔چنانچہ آئمہ معصومین علیہم السلام نے تقیہ کو بھی مکمل اور اپنا آبائی دین قرار دیا ہے۔کہیں تقیہ کی اہمیت پر زور دینے کیلیئے نظام اجتہاد کی زبان میں دین کے دس حصوں میں سے تقیہ میں دین کے نو (9) حصے موجود ہونا فرمایا ہے۔مگر مجتہدین کے یہاں اسلام کے کلیدی مسائل کو ہمیشہ تبدیل کرتے رہنے کا دستور رہا ہے۔چنانچہ تقیہ کے معنی اُنہوں نے مصلحت آمیز جھوٹ بیان کیئے اور کہا کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کی اجازت ہے۔ورنہ تقیہ کرنا حرام ہے۔اور چونکہ اِن لوگوں کو ہر غلط بات دین کے پردوں میں لپیٹ کر کہنا لازم تھی تاکہ مسلمان اُن کی بات کو اسلام کی بات سمجھیں۔اسلیئے ہر غلط بات کو قرآن کی آیات یا حدیث کی غلط تشریح کے ذریعہ مسلمانوں میں پھیلانا ضروری تھا۔چنانچہ اُنہوں نے مسئلہ تقیہ کے لیئے بھی آیات واحادیث کو مروڑ کرفٹ کیا ہے۔لیکن لفظ تقیہ اور تقویٰ ایک ہی مصدر کے الفاظ ہیں۔لہٰذا تقیہ کرنے والا شخص متقی ہوتا ہے۔اور کسی مسلمان کو کسی بھی حالت میں تقویٰ ترک کر کے فاسق (قانون شکن) ہوجانے کی اجازت نہیں ہے۔اسی لیئے قرآن کریم میں تقویٰ پر جس قدر زور دیا گیا کسی دوسری عبادت یا عمل پر اُتنا زور نہیں دیا گیا ہے۔حد یہ ہے کہ ایک غیر متقی شخص کا نہ ایمان قبول ہے نہ عبادت واسلام کی کوئی قدر و قیمت ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو کوئی تقیہ یا تقویٰ کو ایک لمحہ کیلیئے نظر انداز کردے وہ فاسق ہے۔اور فاسق کی کوئی بات حتّٰی کہ گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے (حجرات 49/6) یعنی تقویٰ بھی امامت وولایت کی طرح کسی حال میں ساقط ومعاف نہیں۔اور ظاہر ہے کہ امامت وتقویٰ کوئی ایسی چیزیں ہونا چاہئیں جن پر ہر شخص آسانی سے ہر وقت عمل کر سکے۔چنانچہ خطرات اور دقتوں کے عالم میں بھی امامت وولایت مرتضویؑ پر ایمان رکھا جاسکتا ہے۔کیوں کہ ایمان ایک قلبی وذہنی عمل ہے۔یہی حال عمل کے میدان میں تقیہ کا ہے۔یعنی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین کی فلاں بات اگر بلاتمہید وتالیف قلب کہہ دی گئی تو نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے گا تو ہم پر واجب ہے کہ وہ تمام سامان فراہم کریں جسکے بعد ہماری

تبلیغ قلوب کی گہرائی تک اُتر جائے گی اور کسی جانب سے انکار نہ ہوگا۔ یہی تقویٰ اور تقیہ ہے۔ یعنی ایسے اقدامات کرنا جنکے بعد مخالفت اور بہانہ سازی کی تمام گنجائشیں ختم ہو جائیں اور تبلیغ کا نتیجہ اسلامی مقاصد کے حق میں نکلے۔ یہ وہ فطری طریقہ اور انسانی و دینی ضرورت ہے جس سے مفر نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری تمام ناکامیاں اس وجہ سے سامنے آتی ہیں کہ ہم نے اپنے اقدامات میں، بالکل یا کسی مقدار میں، تقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یعنی سو فیصد متقی وہ ہے جو کبھی تقیہ نہ چھوڑے اور کبھی ناکام نہ ہو۔ تقویٰ اور تقیہ کے معنی بھی بُرے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا ہیں۔ یعنی ایسا محتاط عمل جس کا نتیجہ اچھا ہو۔

قارئین بتائیں کہ ہمارے اس بیان میں کہاں غلطی یا جُھول ہے؟ اور یہ کہ تقیہ میں کونسی بات ایسی ہے جو مذموم ہو؟ لیکن لفظ مجتہد قرآن کے نزدیک مردود و مذموم ہے۔ اسلئے نظام اجتہاد نے جگہ جگہ شیعوں پر اور ہمارے آئمہؑ پر تقیہ کی ذیل میں تنقید کی ہے اور اپنے باطل تصورات کا خود مذاق اُڑایا ہے۔ یعنی خود ہی تقیہ کے غلط معنی متعین کئے اور پھر اُن غلط معنی کا ہم پر اطلاق کر کے اپنی مذمت کی۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اُنکے اپنے ریکارڈ میں اُنکے اپنے بزرگ متعصب ترین مجتہدین کو ماننا پڑا کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تقیہ پر عمل کیا ہے۔ لہٰذا ہماری مذمت کی آڑ میں وہ انبیاءؑ کی مذمت کرتے ہیں۔ آیئے ہم آپکو ایک مجتہد سے دوبارہ ملائیں۔ یہ وہی صاحب ہیں جو حضرت عمر کے سب سے بڑے حامی اور شریعت فاروقی پر عامل تھے۔

(الف) علامہ شبلی نعمانی آنحضرتؐ کے تقیّہ کی مدح وثنا کرتے ہیں

ہم علامہ کے چند جملے لکھیں گے تا کہ یہ پتہ چلے کہ تقیّہ کیا چیز ہے اور ایک مجتہد تقیّہ پر کس طرح نظر ڈالتا ہے؟ آپ محسوس فرمائیں گے کہ علامہ صاحب جس انداز میں بات کرتے ہیں اُس سے وہی معنی ٹپکتے ہیں جو مجتہدین کے یہاں تقیہ کے لئے اختیار کئے گئے ہیں۔ یعنی: ''بے بسی و بے کسی و کمزوری کے عالم میں حقائق کو مصلحتاً پوشیدہ رکھنا۔''

اور اس سے بھی لوگ دبی زبان میں زیرِ پردہ رسولؐ اللہ کی مذمت ہی کرتے ہیں۔ سنئیے ارشاد ہے:

<u>اوّل</u>: ''یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیوں کر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث دوسرے حصوں میں آئے گی۔ لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دھونا تھا۔ کون کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟''

(سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 207) ذرا آگے چل کر لکھا ہے کہ:

<u>دوم</u>: ''تین برس تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا صاف حکم آیا ''اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے <u>واشگاف</u> کہہ دے۔'' (ایضاً صفحہ 210) پھر لکھا کہ:۔

<u>سوم</u>: ''اُس وقت تک (یعنی تین سال گزرنے کے بعد تک) اگر چہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور

بہادر حضرت حمزہ سید الشہداؓء نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔تا ہم مسلمان (مع رسولؐ اللہ) اپنے فرائض مذہبی اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔'' (صفحہ 226 سیرۃ) اب ذرا بالکل ابتدائی صورتِ حال پر نظر ڈالئے:۔

چہارم: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں۔اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا کریں یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی (یعنی شبلی کے نزدیک ابوسفیان وابولہب وابوبکر وعثمان وابوجہل سب ہمراہ چلنے کو باآسانی تیار ہوجاتے۔کیا احمقانہ ادبیت ہے؟) لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر۔عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔اسلئے تدبیر وتدریج سے کام لینا پڑا۔سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُر خطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کیلئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے۔1: جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے۔2: جن کو آپکے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپکے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے۔یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپکی حرم محترم تھیں۔حضرت علیؓ تھے۔جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 205) اور سُنئے:

پنجم: ''یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں پھیلا۔اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا......لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا نہایت احتیاط کی جاتی تھی۔محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرتؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے۔اور وہاں نماز ادا کرتے۔چاشت کی نماز آپ حرم ہی میں ادا کرتے تھے۔کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں جائز تھی۔ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالبؓ آنکلے۔اُن کو اس جدید طریقہ عبادت پر تعجب ہوا۔کھڑے ہوئے اور بغور دیکھتے رہے۔نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔'' (سیرۃ النبیؐ صفحہ 206 تا 207)

(ب) علامہ شبلی کے بیانات پر ایک سادہ نظر

ہمارے قارئین یہ سُن لیں کہ ہم اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر علامہ شبلی پر تنقید کے بجائے صرف وہ اصول سامنے رکھتے ہیں جس کا نہ تو اُنہوں نے نام لیا اور نہ اُن کے مذہبی دامن میں اُس کی گنجائش تھی۔اور نہ اُن کے ان بیانات کا مقصد تقویٰ تھا۔نہ اُن کے دین میں تقویٰ کی ضرورت ہے۔یہ لوگ کمزوری اور بے بسی کے عالم میں موقعہ شناسی اور ابن الوقتی کے قائل ہیں اور اُسی پر عمل کرتے ہیں۔یعنی طاقت وکثرت ساتھ ہو تو ہر ظلم وزیادتی جائز اور مفلوک الحال اور مفلوج ہوں تو غلامانہ خوشامد سے کام نکالنے میں بے تکلف۔اور وہ لوگ اللہ کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ وہ بھی موقعہ دیکھ کر احکام نازل کرتا ہے۔اور جب انبیاؑ ذرا مضبوط ہو

جاتے ہیں تو ڈنڈا لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بہر حال شبلی ہی نہیں بلکہ تمام مجتہدین مانتے ہیں کہ:

(i) ''چونکہ آنحضرتؐ کو ساری دنیا کو فروغِ اسلام سے منور کرنا تھا۔ اسلئے اُنہوں نے نہایت رازدارانہ انداز میں چپکے چپکے تین سال تک اس طرح تبلیغ کی کہ کافروں اور مخالفوں سے اُنکی جان سلامت رہے۔'' (دیکھیں حوالہ چہارم وغیرہ)

(ii) ''آنحضرتؐ خوفِ جان کی بنا پر نہ خود فرائض مذہبی کو اعلانیہ بجالاتے تھے نہ باقی چالیس پچاس مسلمان اعلانیہ نماز پڑھنے کی جرأت رکھتے تھے۔ چھپ چھپ کر غاروں اور پہاڑ کے دَرّوں میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔'' (حوالہ سوم وغیرہ)

(iii) ''تین سال اسلام کو ایک خطرناک اور جان لیوا راز سمجھا۔ اور چند مخصوصین کے علاوہ کسی پر کھل کر ظاہر نہ کیا۔ اپنے گھر والوں اور عادات سے واقف لوگوں کو یہ راز بتاتے تھے تاکہ وہ مخالفت نہ کریں۔'' (حوالہ چہارم وغیرہ)

(iv) ''مخالفت کا خطرہ ہو تو فرائض نبوت کو پورا کرنے کے لئے تدریج اور خفیہ تبلیغ جائز ہے۔'' (حوالہ چہارم)

(v) ''حضرت علی علیہ السلام اس رازدارانہ، خفیہ تدریجی تبلیغ سے کماحقہ واقف تھے اور اُسے اُسوہ رسولؐ سمجھتے تھے۔''

(حوالہ چہارم)

(vi) ''رسولؐ اللہ کو بلا کسی عملی مخالفت کے تبلیغ میں بہت مشکلات درپیش تھیں۔'' (حوالہ چہارم)

(vii) ''آفتاب رسالت کو چپکے چپکے، رازدارانہ تبلیغ کرتے کرتے، گھر گھر کے لوگوں کو اور ہمدردوں کو ہموار کر کے بلند کیا تو اب موقعہ آگیا کہ ڈنڈا سنبھالیں۔'' (حوالہ دوم)

قارئین یہ نہ سوچیں کہ ہم مجتہدین پر الزام لگا رہے ہیں ایسا نہیں ہے، ہم تو اُنکا حقیقی مذہب بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ شبلی تو شبلی ہیں جناب خلیفہ دوم نے مؤلفۃ القلوب کو اللہ کے قائم کردہ قرآنی حصہ (توبہ 9/60) سے محروم فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''آنحضرتؐ نے اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری کے زمانہ میں مؤلفۃ القلوب (9/60) کا حصہ مقرر کیا تھا۔ اب ہم طاقتور ہیں ہم کوئی حصہ اُنکو نہ دیں گے زیادہ گڑ بڑ کریں گے تو ہمارے پاس اُن کیلئے تلوار ہے۔'' (تمام تواریخ و حدیث و فقہ کی کتابیں) (زندہ باد فاروق اعظم) یہی وجہ ہے کہ حق چاریار اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر ہر قتل و غارت اور لوٹ مار جائز ہے۔

(ج) عقل و شبلی کو سامنے رکھئے اور ہمارے قلم سے تنفیذ دین سنئے

ہم نہایت اختصار کے ساتھ عہد رسولؐ کا تذکرہ کرنے والے ہیں۔ مگر آپ عہد رسولؐ اور عہد آئمہ معصومین علیہم السلام کے فرق کو سامنے رکھیں۔ جس طرح آئمہؑ کے زمانہ میں ہر امامؑ کے اور ہر شیعہ کے سر پر تلوار لٹکتی رہتی تھی اور جس طرح اُن کے عہد میں یزید و معاویہ اور حجاج کی قسم کے حکمران تھے۔ اس کا ایک لاکھواں حصہ بھی عہد رسولؐ میں موجود نہ تھا۔ بہر حال ہم عرض کرتے ہیں کہ مسئلہ امامت کو اس لئے فوراً نافذ نہ کیا کہ قریش کے سیاست مآب لیڈروں نے پہلے ہی پیش بندی کر دی تھی کہ یہ نبوت نہیں

بلکہ اقتدار وحکومتِ خاندانِ ہاشمؑ کا ڈھونگ ہے۔لہٰذا دین کے احکام کو شک وشبہ سے بلند تر رکھنے اور مشرکینِ عرب کی سیاست کو بے نتیجہ وبے اثر بنانے کے لئے آنحضرؐت نے مسائل کی ترتیب میں اصولِ تدریج وتمہیل (مہلت) اختیار کی تاکہ مقاصدِ دینی واضح تر، مفید تر اور محکم تر ہوکر برآمد ہوں۔اور اسی کو ہم نے تقیہ وتقویٰ کی ذیل میں بیان کیا تھا۔آپؐ نے پہلے نمبر پر اپنی نبوت کے اقرار واعلان کو ملتوی فرما دیا۔اور پہلا اسلامی مطالبہ وحدانیتِ خداوندی کی صورت میں پیش فرمایا۔باقی سینکڑوں فرائض و واجبات کو تقیہ کی تدریجی منازل میں تقسیم کر دیا۔تاکہ عوام وخواص بلا کسی مزاحمت اور دباؤ کے سمجھ کر اور خوشی خوشی اختیار کرتے چلے جائیں اور قریشی لیڈر مخالفت کا عام فہم بہانہ نہ پاسکیں۔اور جو حضرات آنحضرؐت کی تعلیم کے ماتحت اللہ کو یگانہ مان لیں گے وہ بالواسطہ آپؐ کی نبوت کے ماننے والے بھی ہو جائیں گے۔چنانچہ عرصہ دراز تک وحدانیت کی وضاحت کی ذیل میں انسانی وحدت ویگانگت اور حقوق اللہ وحقوق العباد اور اخلاق حسنہ کی تعلیم جاری رکھی۔تمام طبقات اور مذاہب کے لوگ حضورؐ کی قوتِ قدسیہ سے مستفید ہوتے رہے،اپنی مرادیں پاتے رہے۔بلا تفریق قوم وملت آپ سب کے لئے مشکل کشاء اور پناہ بن کر رہ گئے۔مخالف محاذ میدان جنگ سے ہٹا تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ کر اپنے متعین کردہ داخلی اور منافق محاذ کے ساتھ شامل ہوگیا۔اور طے کرلیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔اور وحدانیت سے آگے بڑھنے والے ہر لفظ اور ہر تعلیم کو پبلک میں شرک قرار دیا جائے۔اور یہ بتایا جائے کہ دیکھو فلاں بات غیر ضروری ہے۔اور خاندان ہاشمؑ کی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کا پیش خیمہ اور تمہید ہے۔اِس کے بعد یہ کہا جائے گا اور پھر وہ کہا جائے گا۔اور یوں ہی رفتہ رفتہ علی بن ابی طالب علیہما السلام کی جانشینی اور حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔

یہ اور اسی قسم کی مشرکانہ ومشترکہ پالیسیاں تھیں جن کو ناکام کرنے کے لئے نہ صرف اقرار ولایت کو التوا اور مُناسب حالات کے سپرد کیا گیا۔بلکہ نماز وروزہ وزکاۃ اور اقرار نبوت ورسالت کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔آپ کو تعجب نہیں ہوتا کہ شراب جو تمام اُمتوں میں حرام چلی آرہی تھی،توریت وانجیل نے جسے حرام لکھا تھا اُس کے لئے آخر تک قرآن میں لفظ حرام نازل نہ ہوا۔ اُسے مدینہ کے اوّلین مسلمان حلال سمجھ کر پیتے اور نمازیں بھی نشے میں پڑھتے رہے۔یہاں تک کہ دو شرابی صحابہ میں دوران نماز لڑائی ہوگئی تو شراب کو لفظ رجس کہہ کر شیطانی حربہ بتا کر اعلان نبوت سے اُنیس بیس (19یا20) سال کے بعد جو کچھ اللہ نے فرمایا اُس میں نہ کوئی دھمکی ہے۔نہ سزا مقرر کی ہے۔نہ سخت الفاظ ہیں بس یہ فرمایا گیا کہ:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ ......الخ

(مائدہ 91-5/90) ''اے مومنین یہ شراب وغیرہ......وغیرہ شیطانی کاموں میں سے گندی چیزیں ہیں۔لہٰذا اُن سے اجتناب کرو۔اور یہ سب چیزیں اس لئے ہیں کہ شیطان تم میں پھوٹ ڈالے،نماز سے روکے،ذکر خداوندی سے

بازرکھے، اورعداوت کو مستحکم کرے۔ کیا تم باز آجاؤ گے؟''

یہی نرم الفاظ ہیں کہ بعض دشمنانِ دین نے شراب کو حرام ماننے سے انکار کیا اور آج پکے اسلامی ممالک میں تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے داڑھی والے لوگ کلبوں اور ہوٹلوں میں شراب پیتے نظر آتے ہیں۔

یہ نماز جس پر آج جھگڑا ہے پہلے خاندانِ رسولؐ میں شروع ہوئی اور دوسرے مسلمان بھی چوری چوری، چھپکے کبھی کبھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ مدت دراز تک صرف دو رکعتیں رہیں۔ مدینہ میں آکر کافی مدت کے بعد سترہ رکعتیں پوری ہوئیں۔ اور خانوادۂ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے باہر کے لوگوں میں آج تک نماز کی صورت اور ترتیب وترکیب میں سینکڑوں قسم کے اختلاف ہیں۔ آپ اُن کی احادیث کی کتابیں دیکھ جایئے جس چیز پر آپ کو ہر فرقہ مطمئن نظر آئے گا وہ چیز نہ قرآن کی آیت ہوگی نہ اُن کی اپنی سچی یا جھوٹی روایت ہوگی۔ بلکہ یہ لکھا ہو ملے گا کہ فلاں اور فلاں اور ہمارے بزرگوں نے اس طریقہ پر اتفاق (اجماع) کر لیا ہے۔ اس لئے ہم نماز کو یوں ہی پڑھیں گے۔ ورنہ اگر اُن کے پاس اللہ یا رسولؐ یا دونوں کا حکم ہوتا تو چار طریقوں میں سے ایک ہی طریقِ حق ہوتا، تین مختلف طریقے باطل ہوتے۔ مگر اس پر بھی ایک بادشاہ کے فرمان کے ماتحت اجماع ہو گیا کہ یہ چاروں طریقے جائز ہیں۔ اور اُن چاروں میں حق موجود ہے۔ اور کوئی یہ دعویٰ نہ کرے کہ؛ مثلاً حنفی ہی حق پر ہیں۔ ایسا کہنے سے مالکی و شافعی اور حنبلی باطل پرست ہو جائیں گے۔ لہٰذا اجماع نے سمجھوتہ کرا دیا۔ اور وہ سب ایک دفعہ برحق ہو گئے۔ مگر بعد میں ہر ایک نے باقی کو کافر وملحد ومشرک وغیرہ کہنا جاری رکھا۔

ذرا سوچئے کہ نبوّت کے تیرہ سال مکہ میں گزرے۔ مدینہ میں آکر چھ سات سال کے بعد جنگ خیبر ہوئی۔ اُس کے بعد کہیں حضرت ابو ہریرہ ایمان لائے۔ اور نہ معلوم اُن کے ایمان لانے کے کتنے دن بعد رسولؐ اللہ نے اُن کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ: ''قولوا لَا اِلٰہَ الا اللّٰہ و تفلحوا۔'' جو بھی اقرار وحدانیت کرلے وہ جنتی ہے۔ یعنی نماز میں اُس وقت تک بھی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ واجب نہ کیا گیا تھا اور عوام بلاتشہدِ نبوت نماز پڑھتے تھے۔ صاحبانِ استطاعت شراب بھی پیتے تھے۔ جوئے سے دل بہلاتے تھے۔ البتہ خاندان رسولؐ کے اندر شراب روزِ ازل سے حرام تھی۔ نماز پہلے دن سے مکمل اور تشہدِ ولایت و نبوت کی حامل تھی۔ البتہ یہ نماز، بقول شبلی مخصوص صحابہ وصحابیات کے محدود حلقے میں اس طرح پڑھی جاتی تھی کہ ناپختہ کاروں کو بہانہ ہاتھ نہ آجائے۔ اور وہ شرک بدوش مسلمان شرک کا نعرہ نہ مار سکیں۔ لہٰذا عوام کی نماز میں آج بھی بخاری وکافی میں بلاتشہد کی نماز جائز ہے۔ اور تشہد کو سُنت کہا گیا ہے۔ یعنی چھوڑ دینے کا اختیار دیا ہے۔ اور آخری سجدہ میں اگر ہوا (پاد) نکل جائے تو پنکچر لگوانا ساقط کر دیا ہے۔ ذرا دیر بعد یہ گفتگو آنے والی ہے۔

بہر حال سینکڑوں ایسے فرائض ملتوی کر دیئے گئے جو قریشی دانشوروں کے لئے بغاوت اور ارتداد کا بہانہ بن سکتے تھے۔

مثلاً مُسلّمات میں سے ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تیری قوم مرتد ہو جائے گی تو میں خانہ کعبہ کو توڑ کر دوبارہ اُن بنیادوں پر تعمیر کرتا جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔'' چنانچہ اس حدیث کو بھی برسر عام بیان نہ فرمایا بلکہ اپنی زوجہ سے برسبیل تذکرہ فرما دیا کہ کل کو سند رہے۔اور تدریج دین کے ثبوت میں کام آئے۔اس کے باوجود وہ صحابہ جو غیر جانبداری کے ساتھ غور وفکر وتحمل کرتے تھے، جو علوم القرآن کی ہمہ گیری اور محمدؐ وآل محمدؐ کی لامحدود علمی پوزیشن پر مطلع ہو کر ایمان لائے تھے اُن سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔حضرت خدیجہؑ، حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دیگر اہلؑ خاندان اور صحابہ کرامؓ روز اوّل سے ہی حضرت علی علیہ السلام کو رسولؐ اللہ کا جانشین وخلیفہ خدا وحجت اللہ اور وزیر اور رسوؐل کا بھائی سمجھتے تھے۔اُنہیں وقت کے ساتھ ساتھ آنے والے واقعات اور اسلامی پالیسی اور تدریجی تبلیغ پر مفصلاً اور عوام کو مجملاً مطلع رکھا جاتا تھا۔ ہر آیت اور ہر بات (حدیث) اس انداز سے پیش کی جاتی تھی کہ جب بھی قوم (فرقان 25/30) کے جبر وتشدد سے محفوظ موقعہ ملے تو وہی آیات اور وہی احادیث، جو سیاسی بصیرت کو اندھا رکھتی تھیں کھُلی کھلی حقیقت کی ترجمان بن جائیں۔

اگر تنزیل وتحدیث میں یہ خدائی حسن وتدریج نہ ہوتی تو اس قرآن کو مہجور کرے والی رسوؐل کی قوم (فرقان 25/30) نے قرآن کے متن کو بھی خاندانِ رسوؐل کی طرح قتل وتباہ کر دیا ہوتا۔اسلامی ریکارڈ کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں اگر یہ متقیانہ انتظام نہ ہوتا تو آج ہم قومی حکومت کی بھول بھلیاں سے باہر نکلنے اور حقیقت کے وسیع میدان میں آنے کے قابل نہ ہوتے۔چنانچہ اسلامی حقائق ومعارف کھنچی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں کی چھاؤں میں ہم تک آپہنچے۔اور آج ہم جس انداز سے حقیقی اسلام پیش کر رہے ہیں اُس میں نہ آیات کی کمی محسوس ہوتی ہے نہ احادیث کی قلت راہ روکتی ہے۔نہ شیعہ سُنی ریکارڈ کی تفریق کی آڑ لینا پڑتی ہے۔جدھر نظر ڈالتے ہیں حقائق کے لامحدود انبار دکھائی دیتے ہیں۔صحاح ستہ ہوں یا کتب اربعہ ہوں سب ہماری تصدیق کرتی ہیں۔آپ نے بخاری سے جناب ابوہریرہ کا وہ بیان پڑھا ہے کہ مجھے رسولؐ اللہ نے دوطرح کی تعلیم دی تھی۔ایک تو یہی ہے جو میں عموماً بیان کرتا رہتا ہوں۔اور دوسری وہ ہے کہ اگر میں اُس میں سے کچھ موجودہ حالات میں بیان کر دوں تو ملکی قانون میری گردن کٹوا دے گا۔سوچئے کہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا تعلیم تھی؟ جس کو اُن کے زمانہ کی حکومت برداشت نہ کر سکتی تھی؟ جس کا ذکر کرنا واجب القتل قرار دیتا تھا۔

دوسری طرف حدیث کے شیعہ ریکارڈ میں، علمائے شیعہ کی مُسلّمہ حدیث بتاتی ہے کہ امام معصومؑ نے فرمایا کہ اگر جناب ابوؓذر غفاری کو وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو حضرت سلمانؓ فارسی کو علم ہے۔تو ابوؓذر غفاری کے نزدیک جناب سلمان واجب القتل ٹھہر جائیں۔یہ تھے وہ حالات جو رسوؐل کی خدا اور رسوؐل وقرآن سے باغی قوم نے نزول قرآن کے دوران ہی پیدا کر دئے تھے اور مختصراً آپ نے اس سے پہلے فاروقی شریعت کے عظیم عنوانات میں دیکھے ہیں۔پھر حضرت معاویہ کی اور قبل وبعد کی

ضروریات کا تقاضہ یہ تھا کہ خاندانِ رسولؐ اور اُس خاندان سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اور ایک ایسا دین تیار کرلیا جائے جو قوم کی تمام پالیسیوں کا محافظ ہو۔ اور ڈھونڈنے والے محقق و مفتش کو بھی یہ پتہ نہ چلے کہ آنحضرتؐ نے اسلام وقرآن کی کیا تعبیر وتشریح وتفسیر کی تھی؟ مگر اُن قومی حکمرانوں کو غالباً یہ یقین نہ تھا کہ رسولؐ اللہ اور اُن کے جانشین علیہم السلام ماضی و مستقبل کی ہر ہر تفصیل پر مطلع ہیں۔ اور دین کے تحفظ کے لئے ایسا معصوم اور خدائی انتظام کر رہے ہیں جو تمام قومی رازوں اور پالیسیوں کو بروقت منظر عام پر رکھتا چلا جائے گا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ مخالف اقدامات شروع ہوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرما دیا اور یہ ایک معجزہ بالائے معجزہ ہے کہ خود مخالف محاذ نے بھی اپنے ریکارڈ میں محفوظ کرلیا کہ عنقریب تم پر یعنی مخاطبین پر وہ زمانہ آنے والا ہے (سَیَاتی علیکم زَمَانٌ) جب تعلیمات قرآن میں سے اُس کے الفاظ کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ اور اسلامی تعلیمات میں سے صرف اسلام کا نام ہی رہ جائے گا تا کہ لوگوں کو مسلمانی نام رکھنے کا موقعہ رہے۔

ذرا سوچئے کہ وہ زمانہ، رسولؐ اللہ کی زبان سے یہ حدیث سُننے والوں پر آنا تھا اور کہیں آسمان سے نازل نہ ہونا تھا۔ بلکہ خود اُن سامعین ہی کی اپنی پیدا کردہ ضرورتوں اور کوششوں سے آنا تھا۔ یعنی شریفانہ انداز میں یہی تو کہا ہے کہ تم لوگ بہت جلد قرآن اور اسلام کی تعلیمات کو تباہ کر کے اپنا قومی واجتہادی مذہب جاری کرلو گے۔ پھر یہ بات بھی چوڑے میدان میں فرما گئے اور خوشی خوشی ریکارڈ میں جانے کے قابل بنا گئے کہ:

''حوض کوثر پر کچھ لوگوں کو میرے پاس سے دھکے مار کر ہٹایا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملے گا کہ تمہیں درایتاً یہ معلوم نہیں کہ اُن لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا ایجادیں کیں اور کس طرح دین کو بدل دیا۔''

بتایئے اب یہ باتیں (حدیثیں) کتنی واضح ہیں؟ یہ کمال تھا آنحضرتؐ کے معصومؑ نظام کا۔ اسی انداز سے برابر دین کی تشریحات جاری رہیں۔ جن سے عوام ہی نہیں بلکہ دشمنان اسلام بھی مطمئن رہے اور خواص بھی حقیقت واقعی تک پہنچتے رہے۔ آج مخالف محاذ کے شیعہ سُنی علما عوامی تعلیمات کو پیش کر کے محمدؐ وآل محمدؐ کے مقام بزرگ کو گھٹانے کی اُمید رکھتے ہیں۔ لیکن ہم اُنہیں حقیقی تعلیمات دکھا کر خاموش کر دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ تم پیش کرتے ہو وہ تم ہی ایسے مفسدہ پردازوں کا منہ بند رکھنے کے لئے فرمایا تھا۔ اگر تمہیں حقیقی تعلیماتِ معصومینؑ دیکھنا ہوں تو ہم دکھائے دیتے ہیں۔

(د) آئمہ اہلبیت علیھم السلام کے ادوار میں ظلم وستم اور تبدیلی مذہب میں شدت

بعض ایسی روایات موجود ہیں اور مخالف محاذ کے علما اُن ہی کو پیش کر دیا کرتے ہیں کہ جن سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اقرار واعلان ولایت اسلام لانے کی شرط نہیں بلکہ ایمان لانے کی شرط ہے۔ تا کہ مخالف محاذ کے سامنے یہ حقیقت رکھ دی جائے کہ ناواقف اور آئمہؑ کی معرفت سے خالی لوگوں کا مسلمان ہونا محمدؐ وآل محمدؐ کو منظور رہے۔ وہ حضراتؑ ایسے نادان وناواقف لوگوں

کا اسلام قبول فرماتے تھے۔ اور ظلم و جبر و مغالطات کے ماحول میں انہیں اُن کی لاعلمی کا اسلامی حق دے کر انہیں کافر قرار دینے سے منع فرماتے تھے۔ اور یہ حدیث چونکہ مجتہدانہ زبان سمجھنے والوں کے لئے فرمائی ہے۔ اس لئے کہ اجتہاد کی زبان میں اسلام اور ایمان میں فرق بتایا جاتا تھا۔ لہٰذا مخالف اور اجتہادی ماحول مطمئن رہا۔ اور لوگ کفر سے محفوظ رہے۔ اُدھر وہ لوگ جو حقیقی معنی میں شیعہ مذہب رکھتے تھے اور معصوم نظامِ ہدایت و تقلید کی زبان سمجھتے تھے اُن کے یہاں اسلام اور ایمان میں لفظی فرق کے سوا معنوی فرق نہ تھا۔ اُنہوں نے اُسی حدیث سے یہ سمجھا کہ اُن میں سے جو کوئی اقرار ولایت نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ یعنی وہ شرط ایمان سے بے بہرہ ہے۔ اور جب ایمان ہی کی نفی ہوگئی تو اُن کا اسلام کہاں ٹھہرا وہ بھی رخصت ہوگیا؟ ایسا شیعہ نہ مسلم ہے نہ مومن ہے۔ اس لئے کہ اُن کے یہاں ولایت، ایمان کی اوّلین شرط ہے۔ چنانچہ یہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی خداداد بصیرت و علم تھا کہ وہ حضرات اپنے ہر قول (حدیث) میں اُدھر حقیقت واقعی کا اظہار کر جاتے ہیں۔ اِدھر مخالف محاذ اُن پر قانونی گرفت نہ کرسکتا تھا۔ ہم نے ساری عمر مجتہدین سے درخواست کرتے گزاری ہے کہ ایک مسلّمہ حدیث ایسی دکھاؤ جس میں آئمہ معصومین علیہم السلام نے تمہارے نظام اجتہاد کی تائید وتوثیق کی ہو؟ سنو اور خود اپنے اُوپر منطبق کر کے جواب دو۔ آپ زیادہ عالم ہیں یا آپ کا قلب و ذہن زیادہ عالم ہے؟ سوال کے بے ڈھنگے پن پر غور کئے بغیر تُرت (فوری) جواب دیں؟ آپ کا جو بھی جواب ہو وہ آپ ہی کی ذات کے حق میں ہوگا۔ قلب بھی آپ کا دماغ بھی آپ کا۔ اور اُن دونوں مادی آلات کی بنا پر آپ عالم ہیں۔ یہ نہ ہوں تو آپ بھی نہ ہوں گے۔ علم و جہل کا سوال ہی نہ ہوگا۔ لہٰذا بے فکری سے کہہ دیں کہ میرے قلب و ذہن مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ سوال ہوا کہ حضوؐر آپ کا علم زیادہ ہے یا ملائکہ کا؟ جواب میں فرمایا کہ ملائکہ زیادہ عالم ہیں۔ اس جواب سے ڈھکوی مجتہدانہ ذہنیت اور اُن کا تیارہ کردہ ماحول مطمئن ہوگئے۔ اور کوئی افترا و تہمت نہ لگا سکے۔ لیکن اہل علم و عقل شیعہ ماحول میں حضرت آدم علیہ السلام تمام ملائکہ کے مسجود اور علمی بزرگ تھے۔ اُدھر تمام ملائکہ و انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ کی مخلوق تھے۔ اور وہ ادارۂ نبوت و رسالت محمدؐیہ کے مادی و محسوس آلات ہیں۔ لہٰذا وہ بمنزلہ قلب و ذہن بھی نہیں۔ چنانچہ آئمہؑ کے روحانی اجزاء اگر زیادہ عالم ہوں تو ہر پھر کے فضیلت و منزلت اُن ہی حضرؑات کی ہے۔ اُن حضرؑات نے بعض احادیث میں انبیاؑء کی افضلیت فرمائی ہے۔ مطلب واضح ہے۔ لیکن اگر آپ علوم اہلبیتؑ سے محروم ہوں یا مجتہد ہوں تو یہ اور اس قسم کی احادیث آپ کی سمجھ اور ذہنیت پر گمراہی کا قفل ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔

(۵) آئمہ اہل بیت علیہم السلام مجتہدین کو علوم و حقائق سے محروم رکھتے تھے

ہماری احادیث کی کتابوں میں جگہ جگہ ایسی احادیث ملیں گی جن میں شیعہ محدثین اور مبلغین کو منع کیا گیا ہے کہ نظام اجتہاد کے تیار کردہ اذہان و قلوب کو حقائق سے دور رکھیں اور اُن لوگوں سے بھی اپنی پالیسی بیان نہ کریں جو محتاط شیعہ نہ

ہوں۔ چنانچہ جناب جابر رضی اللہ عنہ سے شیعہ وسُنی دونوں کے یہاں انکا یہ بیان محفوظ ہے کہ جابر نے بیان کیا کہ:

قال حد ثنی ابوجعفر علیه السلام تسعین الف حدیثٍ لم احدث بها احدًا قَطّ ولا احدث بها احدًا ابدًا۔قال جابر قلت لابی جعفرؑ جعلت فداک انک قد حملتنی وقرًاعظیمًا بما حدثنی به من سِرّکُمُ الذی لا احدث به اَحَدًا۔فَرُبَّمَا جاش فی صدری حتّٰی یاخذنی منه شبه الجنون۔قال: یاجابر فاذا کان کذلک فاخرج اِلَی الجبّالِ و احفر حفیرة ودَلّ راسک فیها ثُمّ قل حدثنی محمدؑ بن علیؑ بکذاو کذا۔

''جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے نوے ہزار (90,000) حدیثیں بیان فرمائی تھیں۔ جونہ تو میں نے کسی سے بیان کیں اورنہ آئندہ کسی سے بیان کروں گا۔ پھر جابر نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ میں فدا ہوجاؤں آپ نے مجھ پر ایک عظیم الشان ذمہ داری لادی ہے۔آپ کے بیان کردہ رازورموزکو میں ہرکسی سے بیان بھی نہیں کرسکتا ہوں۔ چنانچہ اکثر میرا سینہ اس قدر مضطرب ہونے لگتا ہے کہ مجھے اپنے اوپر پاگل پن کے دورہ کا شبہ ہوجاتا ہے۔فرمایا کہ اے جابر جب یہ حالت ہوا کرے تو اُس خاص کنویں کی طرف چلے جایا کرواورایک موزوں گڑھا تیار کرکے اس میں اپنا سرلٹکاؤ اور پھر احادیث بیان کرواور کہو کہ مجھ سے محمد بن علی (زین العابدینؑ بن حسینؑ) علیہم السلام نے ایسا اور ایسا بیان کیا ہے۔''

جس طرح وہ نوے ہزار احادیث ہماری کتابوں میں نہیں ہیں۔اُسی طرح حضرت جابر کو بتائی ہوئی یہ ترکیب بھی صیغہ راز میں ہے۔وہ کون سا کنواں تھا؟ کنواں ہوتے ہوئے سوراخ کرنے کو کیوں فرمایا؟ کیوں نہ کنویں میں سرلٹکا کر روایت کرنے کا حکم دیا؟ کیا آواز گونجنے کا خطرہ تھا؟ بہرحال یہ زمانہ بڑا خطرناک تھا۔شیعوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کرقتل کیا جارہا تھا۔ظاہر ہے کہ وہ احادیث اس شیعہ تحریک کے لئے تھیں جس نے دشمنوں کے خلاف زیرزمین (under ground) محاذ بنا کر مخالف حکومتوں کا تختہ الٹنا تھا۔اور منظر عام پرلانا منع تھا۔

حضرت جابر کے سائز کے سینکڑوں صحابہ تھے۔اورسب اقوال معصومینؑ (احادیث) کے حامل تھے۔ان سب کے پاس اسرارو خفیہ ہدایاتِ معصوؑمین کا ذخیرہ تھا جو منظر عام پرلانے کا نہ تھا۔ذرا سوچئے کہ معصومؑ احکام واحادیث کا کتنا عظیم الشان ذخیرہ ہے جس سے مجتہدین محروم رہے۔یہ گنتی کی چند احادیث پڑھ کر یہ دعویٰ کردیتے ہیں کہ شیعوں کی فلاں رسم کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں ہے۔فلاں روایت کسی مجتہدانہ کتاب میں نہیں ہے۔لہٰذا وہ رسم اور وہ روایت دونوں غلط ہیں۔حالانکہ اُنہیں معلوم ہے کہ شیعوں میں وہ رسوم وروایات سینہ بسینہ اور عملاً چلے آرہے ہیں۔امام محمد باقر علیہ السلام کربلا کے قتل عام اور شیعوں کے کوفہ و بصرہ میں مسلسل قتل عام کے دَور سے قریب تر امامؑ ہیں۔واقعات کربلا کی یادگار منانے اور دشمن سے محفوظ رہنے پر آپ سے ہزاروں احادیث اور رسوم کو وابستہ ہونا چاہئے۔پھر تمام آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے لاکھوں احادیث واحکام ملتِ شیعہ میں

آ کر اعمال وعبادات ورسومات کی صورت میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔اُسی کو سنة کہا جاتا ہے۔اوراحادیث میں شیعہ محدثین ومبلغین کوحکم دیا گیا ہے کہ وہ اُس سنة قومی کومحفوظ وملحوظ رکھ کرتبلیغ کریں اورکوئی ایسی بات (حدیث) پیش نہ کریں جواُس سنت کوالٹ پلٹ کر کے شیعہ عوام میں خلجان پیدا کردے۔جیسا کہ بارہ چودہ سال سے ڈھکوی مجتہدین نے شیعوں کے قدیم ترین عقائدورسومات کے خلاف مجتہدانہ ٹکڑ مچا رکھا ہے۔اورجو اپنے عروج کے ہرزمانہ میں تخریب کاری کرتے رہے ہیں۔اور ہراُس حدیث کو جسے اُن کی خودساختہ پالیسی نے ناپسند کیا ردکرتے اورشاذونادراورضعیف وغیرہ کی بکواس میں لپیٹتے چلے آئے ہیں۔اور اپنے بیانات کواس قدرشہرت دی ہے کہ بڑے بڑے علمانے اُن کی تحریروں کوصحیح باورکرلیا ہے۔

(و) شیخ طوسی رضی اللہ عنہ ماحول سے متاثر ہوکرولایت کواذان میں لاتے ہوئے ڈرے

آپ نے کتاب مبسوط میں لکھااوروہاں سے کتاب متدرک میں نقل کیا گیا کہ:

فامّا قول اشهد انّ عليًّا امير المؤمنين و آل محمدٌ خيرالبريه على ماورد فى شواذ الاخبار فليس بمعمولٍ عليه ولو فعله الانسان لَمْ يَاثم به غير انَّه لَيْسَ من فضيلة الاذان ولا كمال فصوله۔''

''رہ گیااذان میں یہ کہنا کہ میں شہادت دیتاہوں کہ علیؑ مومنین کے امیر تھے۔اورآل محمدؐ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ جیسا کہ بعض شاذونادرقسم کی احادیث میں واردہوا ہے۔لیکن اس پرعمل درآمدنہیں ہے۔اگرکوئی انسان اذان میں یہ کلمات کہہ ڈالےتوکوئی گناہ نہیں ہوگا۔بشرطیکہ وہ اس کواذان کے رتبہ یافضیلت میں اضافہ قرارنہ دےاورنہ یہ سمجھ کر کہے کہ ایسا کہنے سےاذان کے جملے مکمل یاپورے ہوجائیں گے۔''(اِنّا لِلّٰه وانا اليه راجعون)

علامہ کے اس قول کامذکورہ احادیث کے مقابلہ میں کیامقام ہے؟ یہ بات مومنین کے طے کرنے کی ہے۔ہمیں توموجودہ حالات میں اس قدرعرض کرنا ہے کہ علامہ ہمارے مخالف محاذ کی تائیدفرمارہے ہیں۔اورجن احادیث کوعلامہ نے شاذیاشواذ فرمادیا ہے اُن میں شہادت ولایت لازم تھی۔محض علامہ کےفرمادینے سے اگراحادیث معصومینؑ کوردکیا جاسکتا ہے؟ تو ماننا پڑے گا کہ کم ازکم علامہ کامرتبہ محمدؐوآل محمدؐ سے کہیں زیادہ ہے۔(لاحول ولا قوة الّا باللّٰه)

لیکن ہم نے علامہ کیلئے رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ علامہ نظام اجتہاد کوختم کرنے میں مصروف تھےاورہم عصرمجتہدٹولہ سے قبضہ حاصل کرنے کیلئے ازراہِ تقیہ اُن ہی کی زبان بول رہے تھےاورآخراُنہوں نے برسوں کے لئے نظام اجتہادکازورتوڑدیا تھا۔لیکن حکمران وسلاطین خواہ شیعہ رہے ہوں یاسُنی لیبل لگاتے ہوں اُن کو ہمیشہ مجتہدین کی ضرورت رہی ہے۔تاکہ قرآن وحدیث کے جھنجھٹ سے جان چھوٹے اورمقاصدِ حکومت کوفٹافٹ خودساختہ فتاویٰ اور احکام کا اسلامی تحفظ حاصل ہوتا چلاجائے۔درحقیقت حکمرانوں اورمجتہدین نے مل کرجودین گھڑا تھاوہی برابرمسلمان عوام پرمسلط رہتا چلاآیا ہے۔اورحالانکہ

اَب زمانہ کافی بیدار ہے مگر ذہنیت ابھی اجتہاد کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ آج مجتہد گروہ حکومت کو چاروں طرف سے گھیرنے میں کوشاں ہے۔اور اونچی سے اونچی کرسی پر بیٹھ جانا چاہتا ہے۔

15۔ اَذان ونماز کے متعلق چند مخالفانہ تحریکات کا سُراغ

(1) اُمت مغالطہ وفریب میں مبتلا رکھی گئی

اس عنوان میں ہم یہ عرض کریں گے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے آج اپنی اپنی پسند کی اذان اور نماز بڑے اطمینان سے بجالاتے ہیں۔اورعوام یہ سمجھتے ہیں کہ جونماز وہ پڑھتے ہیں وہ وہی نماز ہے جس کا اللہ نے حکم دیا تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھی اور اُمت کو پڑھنا سکھائی تھی۔مگر افسوس کہ وہ سب مغالطہ اور فریب میں مبتلا رکھے گئے ہیں۔اُنہیں یہ کون بتائے کہ اُن کے مذہب کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ نماز بھی اللہ و رسولؐ والی نہیں ہے۔اس پر بھی مجتہد کا دستِ شفقت پھیرا گیا تھا۔ہم بنظر اختصار چند تصرفات وتحریکات کا نمونہ بیان کرتے ہیں تا کہ شیعہ سنی عوام کو یہ سمجھانا آسان ہو جائے کہ اذان ونماز میں اسلام کا پورا نظام موجود ہونا لازم ہے۔یعنی 1: اللہ کی وحدانیت۔اس لئے کہ اُس نے ہمیں پیدا کیا اور ہدایت کیلئے یہ دین اور تمام سامانِ تربیت وترقی عطا کیا۔2: پھر محمدؐ کی نبوت ورسالت کا اعلان۔اس لئے کہ انہوں نے پوری کائنات کو اللہ سے روشناس کرایا اور تمام مخلوقات، ملائکہ جن وانس وحیوانات کی ہدایت کا عملی نظام قائم کیا۔3: اور رسولؐ کے بعد قیامت تک تمام مخلوقات کی ہدایت جاری رکھنے والے جانشینانِؑ نبوت ورسالت کا اقرار واعلان۔تاکہ مخلوقِ خدا کو کوئی دوسرا مدعی گمراہ نہ کرسکے اور ہر شخص قیامت تک اپنی ہر ضرورت اور ہر مشکل پر اُن سے صحیح تدارک اور جواب پاسکے (نحل 16/43) اور یہ کہ اگر رسولؐ اللہ کے احکام کو مان کر اُن کی حیات میں یا وفات کے بعد اُن کو تسلیم کرلیا ہوتا تو مسلمانوں میں افتراق و انتشار و زوال نے ڈیرہ نہ جمایا ہوتا۔اور اگر وہ موجودہ تمام مصائب وآلام وتباہی وتنزل سے نکلنا چاہتے ہیں تو اپنی نماز کو جوکُلِ دین ہے، پوری اور مکمل ملت ہے، درست کرلیں تاکہ انعاماتِ خداوندی نازل ہوں اور وہ اقوام عالم میں عزت واکرام حاصل کرسکیں۔اور ایک دن اس قابل ہوجائیں کہ تمام دُنیا اُن کی راہنمائی کی احتیاج محسوس کر کے اپنی باگ ڈور اُن کو خوشی خوشی سونپ دے۔اور یہ کائنات اور اس کا ہر ذرہ و پہاڑ اور مخلوقات دستِ تعاون بڑھائیں۔

(الف) اَذان میں اضافہ وکمی

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے اور ہم ثابت کرچکے ہیں کہ آج کی اذان میں جُملہ ''اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' عہد رسولؐ کے بعد

بڑھایا گیا تھا۔ اور اکثر صحابہ اِس اضافہ کو نہایت مذموم بدعت سمجھتے تھے۔ اور اُن مساجد میں نماز نہ پڑھتے تھے جن میں یہ بدعتی اذان ہوتی تھی۔ ''رَوَیٰ عَنْ مجاھد قال: دَخَلْتُ مَعَ عبداللّٰہ ابن عمر مسجدًا و قد اذن فیه و نحن نرید اَن نصلّی فیه۔ فَثَوَبَ الموذن فخرج عبداللّٰہ بن عمر من المسجد وقال اُخرج بِنَا مِنْ ھذا المبتدع ولم یصل فیه۔ وَاِنّما کَرِہَ عبداللّٰہ بن عمر التثویب الذی احدث الناس۔ (ترمذی جلداوّل صفحہ 28)

چنانچہ مجاہد نے بیان کیا کہ میں عبداللہ بن عمر (خلیفہ ثانی) کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا۔ اور ہمارا ارادہ وہاں نماز پڑھنے کا تھا۔ اذان ہو رہی تھی کہ اتنے میں موذن نے الصلوٰۃ خیر من النوم پڑھ دیا۔ عبداللہ ابن عمر فوراً مسجد سے نکل گئے اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ تم بھی اِس بدعتی کے پاس سے نکل آوَ۔ اور اُنہوں نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ بات یہ تھی کہ عبداللہ ابن عمر اُس جملہ (تثویب) سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے کہ لوگوں نے خود ہی اس کو گھڑ کر اذان میں داخل کر دیا تھا۔''

(ب) ہم تک صحیح اذان پہنچانے کا حکم

یہاں ضروری ہے کہ ہم قارئین کرام کو ایک حدیث دکھائیں جس میں قتل و غارت سے محفوظ رہنے کے لئے وہ اذان سکھائی گئی ہے جو مجمع عام میں کسی شیعہ کو دینا پڑ جائے۔ ''روی ابوبکر الحضرمی و کلیب الاسدی عن ابی عبدؔاللّٰہ اِنّه حکی لھما الاذان فقا ل اللّٰہ اکبر ،اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر۔ اشھدان لا اله الا اللّٰہ ،اشھدان لا اله الا اللّٰہ۔ اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ ،اشھدان محمدًا رسول اللّٰہ ۔حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح، حی علی الفلاح ۔حی علٰی خیر العمل، حی علٰی خیر العمل۔ اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر۔ لااله الا اللّٰہ ،لا اله الا اللّٰہ۔ و الاقامة کذلک وَ لا باس ان یقال فی صلوٰۃ لغداۃ علٰی اثر حی علٰی خیر العمل الصلوٰۃ خیر من النوم مَرَّتین لِلتقیة۔'' (من لا یَحْضُرُہُ الفقیه کتاب الصلوٰۃ باب الاذان و الاقامة.... صفحہ 78 حدیث نمبر 37)

''چنانچہ ابوبکر حضرمی اور کلیب الاسدی سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بطور حکایت بیان فرمایا کہ اذان میں تقیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ چار دفعہ اللہ اکبر، دومرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ، دوبار اشھد ان محمداً رسول اللہ، دومرتبہ حی علی الصلوٰۃ، دودفعہ حی علی الفلاح، دوبار حی علی خیر العمل ، دومرتبہ اللہ اکبر پھر دوبار لا الہ الا اللہ کہہ دیا کرو اور اُسی غرض سے صبح کی اذان ہو تو حیّ علی خیر العمل کے بعد دودفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ ڈالنے میں بھی کوئی گڑبڑ نہ ہوگی۔''

مومنین کے غور فرمانے کی ضرورت ہے کہ اگر اُن حالات کو سامنے رکھا جائے جو آئمہ معصومین علیھم السلام اور اُن کے ہم مذہب لوگوں پر سے گزرتے رہے تو یہ حدیث بہت ہی صحیح تدارک ہے اگر کسی شیعہ کو شیعہ سمجھ کر یا مخلوط مجمع میں شیعہ کو سُنی سمجھ کر اذان دینے کے لئے کہا جائے اور وہ مذکورہ بالا اذان میں اشھد انّ علیاً امیر المؤمنین وغیرہ پکار دے تو اُسے بلا کسی دوسرے جرم کے اِسی

اعلان پر قتل کر دیا جانا ملکی قانون میں جائز تھا۔ یہ نوٹ کر لیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام 80 ہجری میں پیدا ہوئے اور بنی امیہ کا دَورِ حکومت 132 ہجری تک رہا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں عراق وعرب ومصر وشام ودیلم وایران وسندھ الغرض پوری مملکت اسلامیہ میں ہر منبر و ہر مسجد سے حضرت علی اور خاندان علی علیہم السلام پر (معاذ اللہ) تبرا بھیجنا مسلمانوں کے مذہب میں جائز تھا۔ اور دوستداران وطرفداران خاندانِ علیؑ کو دو گواہیوں پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ اُس کا گھر مسمار کر دیا جاتا تھا۔ خاندان کو لُوٹ لیا جاتا تھا۔ لہٰذا اذان میں شہادت ولایت وحکومتِ مرتضوی کا پیہم اعلان تمام طرفدارانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو دنیا سے ختم کر دیتا۔ اور یہ پیغام ہم تک نہ پہنچتا۔ اس لئے دشمنان اسلام سے دفاع کی یہی صورت تھی جو معصومؑ نے بیان فرمادی۔

(ج) اُس وقت اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل موجود تھا

چونکہ اس حدیث نے شیعوں کو اجازت دی ہے کہ تقیہ کی غرض سے یعنی خود محفوظ رہ کر دین کا تحفظ اور کامیاب اشاعت کرنے کے لئے وہی اذان دے سکتے ہیں۔ جو مخالفینِ محمدؐ وآل محمدؐ کے مجتہدین نے پسند کر رکھی تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اُس وقت تک اذان میں حَیّ علیٰ خیر العمل جاری تھا۔ چنانچہ علامہ نورالدین نے انسان العیون میں اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں تسلیم کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر اذان میں حَیّ علیٰ خیر العمل پڑھتے تھے۔

(د) تقیّہ کی حدیث نے اہلِ خلاف کی اذان میں دو مزید غلطیاں ثابت کر دیں

چونکہ تقیّہ میں مخالف مجتہدین کی اذان واقامت سکھائی گئی ہے۔ لہٰذا **حَیّ علیٰ خیر العمل** کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوا کہ اُس زمانہ کی سُنّی اذان کے آخر میں دو مرتبہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کہا جاتا تھا۔ جو بعد میں آج تک بند رکھا گیا ہے۔ پھر یہ حدیث کہتی ہے کہ (**وَالْاَقَامَۃُ کَذٰلِک**) اہل خلاف کی اقامت بھی اِسی طرح ہے جیسا کہ اذان ہے یعنی اقامت میں بھی چار مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا تھا۔ اور باقی تمام جملے دو دو مرتبہ کہتے تھے۔ یعنی اُس وقت مخالف مجتہدین نے اپنی سابقہ اذان کی اصلاح کر لی تھی یا بعد میں کچھ دنوں تک اقامت میں تمام جملے صرف ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے۔ چنانچہ موطائے امام مالک میں اذان کے تمام جملوں کو دو دو مرتبہ اور اقامت میں ایک ایک دفعہ کہنے پر زور دیا گیا ہے۔

(صفحہ 73 ماجاء فی النداء مترجمہ علامہ وحید الزمان ناشر نور محمد)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں کہیں جا کر اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہنا شروع کیا ہے۔ اور اقامت کو دو دو دفعہ اختیار کیا گیا ہے۔ اگر آج باقاعدگی کے ساتھ مخالف محاذ کے ریکارڈ پر ریسرچ کی جائے تو ثابت ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہونے کے بعد پانچ سو سال تک اُس مذہب میں شریعت سازی ہوتی رہی جسے نام نہاد علما نے مذہب اہل سنت کہا ہے۔

اور جو سب کچھ ہے مگر اس میں سُنّتِ رسوؐل کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ وہ سُنت ہے مگر چند حکمرانوں کی، چند مفتیوں اور مجتہدین کی۔ وہ یقیناً سُنت ہے حضرت امیر معاویہ کی اور علیؑ و اولادِ علیؑ پر (معاذ اللہ) تبرا بھیجنے والوں کی۔ وہ سنت ہے حضرت علیؑ کو (معاذ اللہ) کافر کہنے والے لوگوں کی۔ اور وہ سُنّت ہے خاندانِ رسوؐل کو کربلا میں تہہ تیغ کرنے والوں کی۔ اور وہ سنت ہے اُن حضرات کی جنہوں نے کعبہ کو نذرِ آتش کیا، مسجد نبویؐ میں گھوڑے باندھے، اہل مدینہ کے تمام باشندوں کے گھروں کو لُوٹا اور پورے مدینہ کی مستورات کی عصمت دری کی۔ اور سنت ہے اُن لوگوں کی جو اُن ڈاکوؤں، لٹیروں اور زانیوں کو اور قتل و غارت کو جائز کرنے والے حاکم کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اُسے جنتی بتاتے ہیں۔

(۵) اُس تقیہ والی حدیث نے ایک سربستہ راز کھول دیا

قارئین کرام اب ہم آپ کو وہ ریمارکس (Remarks) یا تبصرہ دکھاتے ہیں جو حضرت شیخ صدوق رضی اللہ عنہ کے قلم سے مندرجہ بالا تقیہ والی اذان کے فوراً بعد لکھا گیا ہے۔ اور جہاں سے شیعوں میں کھل کر ولایت مرتضویہؑ کی مخالفت کی بنیاد اٹھائی گئی ہے۔ اور اذان و نماز میں عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ کو خارج کرنے کی سند لی گئی۔ پھر ہم مختصراً اس گروہ کا ذکر کریں گے۔ جس نے یہ اور اسی قسم کی کئی ایک فریب سازیاں کی ہیں۔ چنانچہ وہ نام نہاد تبصرہ سنیے۔ گویا حضرت صدوقؒ لکھتے ہیں کہ:

قال مصنف هـذا الكتاب رحمه الله: هٰذا هُوَ الْاَذَانُ الصَّحِيْح لا يَزَادُ فيه ولا ينقص منه ؛ والمفوضة لَعَنَهُمُ الله قـد وضعـوا اخبارًا وزاد وا فی الاذان محمدٌ وآل محمدٌ خير البريّه مَرَّتَيْن ...وفی بعض روايا تهم بعد اشهد اَنَّ محمدًا رسولُ الله اَشهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِیُّ اللّٰهِ مَرَّتَيْن؛ ومنهم من رَوٰى بدل ذٰلک اَشهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ المؤمنين حَقًّا مَرَّتَيْن؛ ولا شک فی اَنَّ عـليًّا ولی الله واَنَّهٗ امير المؤمنين حَقًّا وان محمدً وّآله خير البريّه ولكن ذٰلک لَيْسَ فی الاذانِ واِنّما ذكرتُ ذٰلک ليعرف بِهٰذِه الزيادة المتهمون بالتّفويض المدلسون انفسم فی جُملَتِنَا ۔

(ایضاًمن لا يحضره الفقيه كتاب الصلوٰة باب الاذان والاقامة و ثواب المؤذنين صفحہ 78)

''اللہ اُن پر رحم کرے اس کتاب کے مصنف نے کہا ہے کہ یہ مذکورہ بالا اذان بالکل صحیح ہے۔ نہ اُس میں کوئی اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ کمی کی جا سکتی ہے؛ اور خدا لعنت کرے مفوّضہ پر یقیناً اُنہوں نے احادیث گھڑی ہیں۔ اور اذان میں دو مرتبہ یہ جملہ کہنے کا اضافہ کیا ''محمدؐ و آل محمدؐ خیر البریہ'' (مطلب یہ کہ محمدؐ اور ان کی آلؑ تمام مخلوقات سے زیادہ صاحبان اختیار ہیں۔ احسن) اور اُن کی بعض احادیث میں اَشْھَدُ اَنَّ محمداً رسولُ اللہ کے بعد دو مرتبہ یہ جملہ کہنے کا اضافہ کیا ''اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلی اللہ'' اور اِن ہی میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جنہوں نے اِس جُملے کے بدلہ میں اِس جملہ والی حدیث بیان کی ہے کہ ''اَشْھَدُ اَنَّ امیر المؤمنین حقًّا'' (یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ علیؑ حقیقی امیر المؤمنین ہیں۔ یا حقیقی مومنین کے حاکم ہیں۔ احسن) دو مرتبہ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ

حضرت علیؑ درحقیقت ولی اللہ ہیں اور یہ کہ وہ مومنوں کے حقیقی حاکم ہیں۔ اور یہ کہ محمدؐ و آل محمدؐ تمام مخلوق سے زیادہ صاحبان اختیار ہیں۔ لیکن وہ تمام جملے اذان میں داخل نہیں ہیں۔ اور میں نے یہ تذکرہ اِس لئے کیا ہے کہ اُن لوگوں سے تعارف ہو جائے جو خود کو ہم میں پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر تفویض کی تہمت لگی ہوئی ہے۔ اذان میں یہ اضافہ اُن ہی لوگوں نے کیا ہے۔''

(و) اس نام نہاد تبصرہ پر ایک ناقدانہ و مومنانہ نظر ڈالیں

پہلی بات یہ ہے کہ یہ تبصرہ کرنے والا خود مصنف اعلی اللہ مقامہٗ نہیں بلکہ کوئی دشمنِ علیؑ و آلِ علیؑ ہے۔ اور یہ بات اس تبصرہ کے پہلے ہی جملہ میں ثابت ہے۔ یعنی کوئی شخص اپنے متعلق یہ جملہ نہیں لکھے گا کہ ''اللہ اُن پر رحم کرے اس کتاب کے مصنف نے کہا'' (قال المصنف ہذا الکتاب رحمہ اللہ) لہٰذا بات بالکل صاف ہے کہ پورا مضمون مجتہد گروپ نے علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی اس کتاب میں داخل کیا۔ یہی وہ گروہ تھا جس نے علامہ کی طرف سے محمدؐ و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے لئے سہو و نسیان کا عقیدہ تحریر کیا۔ اور یہی گروہ ہے جو ہر اُس مومن کو غالی اور مفوضہ کہتا چلا آیا ہے جو محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے بھول چوک، لغزش و خطا اور غلط تصورات کی سو فیصد نفی کرتے ہیں اور ترک اَولیٰ ایسے مجتہدانہ عُذر کو بھی اُن حضرات کی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں۔ یہ مجتہد چونکہ محمد و آئمہ علیہم السلام کو اپنے ایسے انسان بنانا چاہتے رہے ہیں۔ اس لئے جو شخص اُن حضرؐات کو علم مَا كَانَ وَ مَا يَكُونُ وَ مَا هُوَ كَائِن کا عالم مانتا ہو یا قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ضروریات اور اُن کو حل کرنے کا عالم مانتا ہو اُسے یہ مجتہد گروہ غالی اور مفوضہ کہہ ڈالتا ہے۔ اس گروہ نے بادشاہانِ اسلام کی مدد سے بہت سے ایسے علما و عوام کو قتل کرایا ہے۔ آج مسٹر محمد حسین ڈھکو اینڈ کمپنی اُن ہی لوگوں کا پارٹ ادا کر رہی ہے۔

دوسری بات یہ سمجھ کر سُنیں کہ جناب صدوؒق کے زمانہ میں عباسی خلیفہ کا اقتدار مفلوج ہو چکا تھا۔ بغداد (دارالخلافہ) میں تمام رسوماتِ عزاداری برپا تھیں۔ جلوس تعزیہ اور ماتمی دستے شہر کی سڑکوں اور بازاروں میں گشت کرتے تھے، دکانیں بند رکھی جاتی تھیں۔ شیعہ مساجد میں اذان کے اندر ''شہادت ولایت'' سارے شہر میں گونجتی تھی۔ ایسے عالم میں مندرجہ بالا قسم کا ریمارکس ناممکن تھا۔ البتہ بعد میں جب شیخ صاحب کی کتابیں حکومت کی مدد سے اور مجتہدین کی نگرانی میں شائع کی گئیں تو مجتہد پالیسی کو سہارا دینے کے لئے مذکورہ مردود تبصرہ اور اسی قسم کا چھوٹا موٹا اضافہ اور ردوبدل تمام کتابوں میں ممکن تھا۔ لیکن یہ کتابیں خود اس قسم کی تحریف کو دوسرے بیانات سے ردّ و باطل کر دیتی ہیں۔ اور ہم مجتہدانہ اضافہ سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس تبصرہ میں اضافہ کنندہ مجتہد مانتا ہے کہ ایسی احادیث کتابوں میں موجود اور پبلک میں روایت ہو رہی تھیں۔ جن میں اذان و نماز میں ''عَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰه'' شامل تھا۔ رہ گیا یہ کہنا کہ یہ روایات مفوضہ کی خود ساختہ تھیں ایک مجتہدانہ افترا اور خود ساختہ افسانہ ہے۔ سنئے علامہ محمد تقی مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

''صدوق علیہ الرحمۃ زیادہ کردن محمدؐ وآلہ خیر البریۃ واشھد انّ علیاً ولی اللہ۔ دو بار از موضوعات مُفَوِّضہ نیداشتہ وملا محمد تقی مجلسی در روضۃ المتقین فرمودہ است کہ نِسبتِ وضعِ روایات بسوئے مُفَوِّضہ ثابت نیست۔ بلکہ روایات مذکورہ از دیگر طُرق نیز وارد است۔ ولازم نیست کہ ہر چہ مفوضہ بآں عمل نمایند باطل باشد وظاہر آنست کہ اگر کسے عمل برآں کند گنہگار نخواھد شد۔ مگر در وقتیکہ جزم کند باینکہ در اذان بحسب شرع داخل است وبہتر آنست کہ بگویند کہ جُزو ایمان است نہ جُزو اذان۔''

''وَ اُنچہ گفتہ است خوب است وگویا طعن صدوق بر معتقدانِ جُزّیست واخوند علیہ الرحمہ ہم از آن انکار ندارد واللہ یعلم۔''

(کتاب روضۃ الاحکام حصہ دوم صفحہ 67 مصنفہ مجتہد العصر والزمان سید العلما السید حسین صاحب۔ مطبوعہ 1265ھ بعہد بادشاہ محمد امجد علی اور وزیر امین الدولہ وعمدۃ الملک امداد حسین خان بہادر بحکم جناب مجتہد سید علی نقی التقوی۔ مطبع محمدیہ لکھنؤ)

''جناب صدوق رحمۃ اللہ نے یہ سمجھا ہے کہ اذان میں دو مرتبہ محمدؐ وآلہ خیر البریہ اور دو مرتبہ علیؑ ولی اللہ کہنے والی حدیثیں مفوضہ نے گھڑلی تھیں۔ یہ سمجھنا غلط تھا۔ اس لئے کہ اُن روایات کا خود ساختہ ہونا ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ویسی ہی روایات معتبر طریقوں اور راویوں سے موجود ہیں۔ اور پھر یہ بھی تو لازم نہیں کہ مفوضہ جو بھی عمل کریں اور جس حکم پر بھی عمل کریں وہ ضرور ہی باطل ہوگا؟ اور اِس وقت تک کے دینی حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی اذان میں مذکورہ جملوں کو ادا کرے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ سوائے اُس صورت کہ وہ اُن جملوں کو شرعی حیثیت دے دے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ جملے ایمان کے اجزاء ہیں نہ کہ اذان کے اجزاء۔'' (کتاب روضۃ المتقین) یہ لکھ کر علامہ نے فرمایا کہ علامہ محمد تقیؒ نے جو کچھ کہا بہت خوب کہا۔ اور اُس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ علامہ صدوقؒ نے جو لعنت کی تھی وہ گویا اُن لوگوں پر کی تھی جو محمدؐ وآلہ خیر البریہ اور عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہ کو اذان کا جز سمجھتے تھے۔ اور جناب اخوند نے بھی اِس رائے کا انکار نہیں کیا ہے۔'' (روضۃ الاحکام صفحہ 67)

قارئین نوٹ فرمالیں کہ محمد وآل محمد اور علی علیہم السلام کی ولایت کو اذان میں داخل کرنے والے پہلے علما لعنتی ٹھہرائے گئے اور جب یہ حقیقت اذان ونماز میں جاری ہوگئی تو رفتہ رفتہ لعنت کا طوق نکال لیا گیا اور ولایت کو جزو ایمان مان لیا گیا۔ اور ثابت ہوگیا کہ حضرت صدوق رضی اللہ عنہ نے وہ ریمارک نہیں لکھے تھے۔ بلکہ نظام اجتہاد کی تائید کرنے والے لوگوں نے خود ہی لکھا اور مجبور ہوکر اذان میں ولایت کو رہنے دیا۔ مگر دل میں آج تک منکر ہیں۔ اور اسی لئے اب اپنے بڑے بھائیوں کی مدد سے ولایت علویہؑ کو اذان سے خارج کرانے میں ممد ومعاون ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ جو کلمہ جُزو ایمان یا شرط ایمان ہو اُسے نکال کر یہ مومن کیسے رہیں گے؟ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ بھی تو شرط ایمان ہیں؟ لہٰذا اُن کو بھی اگر اذان ونماز سے نکال دیا جائے تو کیا حرج ہوگا؟ اگر جزو ایمان یا شرط ایمان کو نکال دینے کے بعد بھی یہ لوگ مومن رہتے ہیں اور اُن کی نماز صحیح رہتی ہے؟ تو بسم اللہ کل سے پورا کلمہ اذان ونماز سے نکال کر خالص مومن بن جایئے، مُبارکباد۔

(ز) شیعوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے الفاظ مفوضہ؛ غالی اور نصیری گھڑے گئے

تمام محبانِ محمدؐ و آل محمدؐ یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ ہر دور کے حکمران کھُل کر علی اور خاندان علی علیہم السلام کے دشمن تھے۔اور یہ دینی اور سیاسی دونوں قسم کی دشمنی تھی۔انہیں آئمہ اہلبیتؑ سے یہ خوف بھی پیہم رہا کہ کہیں پبلک انہیں اپنا حاکم نہ بنالے اور پبلک نے ایسی تاریخ سازکوششیں جاری بھی رکھیں۔انہیں مذہب محمدؐ و آل محمدؐ سے اس لئے دشمنی تھی کہ ہمارا ریکارڈ اور ہمارے مذہب کی ہر ہر بات سے اُن کے مذہب کا خودساختہ اور باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔اس لئے حکومت کی پوری مشینری ہمیشہ علیؑ و اولادِ علیؑ،اُن کے مذہب اوراُن کے پیروؤں اور طرفداروں کو مٹاتے مٹاتے جب ناکام ہونے لگتے تھے تو کوئی سیاسی حربہ بر سر کار لے آتے تھے۔مثلاً چند ماہرین کو شیعوں میں سے یا دیگر دانشوروں میں سے خرید کر ایک نیا نعرہ،ایک نیا تصور یا ایک نئی جماعت سامنے لاتے تھے۔حضرت امیر مختارؒ کی قوت توڑنے اور شیعوں کو اُن سے برگشتہ کرنے کے لئے مذکورہ نام نہاد شیعہ ماہرین نے مشہور کیا کہ مختار رضی اللہ عنہ نے امامت یا نیابت کا دعویٰ کیا ہے۔اسی قسم کی تحریک حضرت زید بن امام زین العابدین علیہما السلام کے نام سے مشہور کر دی تھی۔دونوں سے ایک ایک مذہب (کیسانیہ اور زیدیہ) آج تک منسوب ہے۔پھر آئمہ علیہم السلام اُن تمام تحریکوں اور اُس مجتہد گروہ سے شیعوں کو محفوظ رکھنے کے لئے احکام واحادیث نشر فرماتے تھے۔اُس قسم کی جماعتوں کو حکومت پوری مدد دیتی تھی۔وہ جماعت مشہور کرتی تھی کہ شیعہ اور آئمہ علیہم السلام علیؑ مرتضیٰ کو اللہ کہتے ہیں۔اُنہیں اس کائنات کا خالق و رازق اور خدا کے درجہ پر مانتے ہیں۔الغرض یہی جماعت ہر دور میں حکومت کے لئے غالی اور مفوضہ اور نصیری بناتی رہتی تھی۔اور اپنی ابلیسی چالوں سے شیعوں کے متعلق غلط عقائد مشہور کر کے مومنین پر عموماً اور شیعہ علما پر خصوصاً غلو اور تفویض کی فرد جرم عائد کرتی رہتی تھی۔غیبت کبریٰ کے بعد اُس جماعت کے مجتہدین اور دانشوروں کا مرکز قم میں قائم ہوا اور وہیں سے ہمیشہ شیعوں کے خلاف دُوررَس اسکیمیں جاری ہوتی رہیں۔اور چونکہ منافق گروہ اپنے چاروں طرف غیاثوں،رضا کاروں اور چمچوں یعنی نوابین کا جال بچھائے رہتا تھا۔لہٰذا پبلک میں بہت مقدس مآب مشہور کر دیا جاتا تھا۔اُدھر ہر حکومت کی سر پرستی کی بنا پر سرمایہ اور دولت کا انبار رہتا تھا،تمام غربا و ضرورت مند و اہل قلم روپیہ کے لئے دستِ نگر رہتے تھے۔جس کو چاہتے تھے وہی قاضی،مفتی،عدالت کا جج اور محکمہ مال کا افسر بنتا تھا۔جس کو یہ ناپسند کرتے تھے اُس پر دنیا تنگ ہو جاتی تھی،پھانسی اور قتل تک کی سزائیں اُن کے اختیار میں رہتی چلی آتی تھیں۔جسے نظام اجتہاد کا مخالف دیکھتے اُسے قتل،قید اور جلاءِ وطنی کے ذریعہ راہ سے ہٹا دیتے تھے۔اور اگر اُس تک اُن کی رسائی نہ ہوتی تو اُسے کافر و مرتد و مشرک اور غالی اور مفوضہ اور نصیری کہہ کر قوم کی نظروں میں گرا دیتے تھے۔اِس معاملہ میں وہ اپنے ہم مذہب مجتہدین کا بھی پاس نہ کرتے تھے۔جو بھی اُن کی راہ میں رکاوٹ بنتا یا پارٹی پالیٹکس سے الگ ہوتا یا اپنی الگ پارٹی بناتا اُس کے ساتھ وہی سلوک کرتے تھے۔ہم اس کی مثالوں پر ایک مستقل کتاب لکھیں گے۔فی الحال قمی ادارہ کی

ایک دو مثالیں آپ کے سامنے ان ہی کے ریکارڈ سے پیش کرتے ہیں۔

(ح) قُم اور قُمیّوں کا ادارۂ اجتہاد شیعوں کو غالی اور مفوضہ بنا تا رہا

(i) اَنْ لَا یَخفِی انّ کثیرًا مِنَ القدماء سَیّما القُمِیّیْنَ کَانَتْ لَھُمْ اعتقادات خاصة فی الآئمةً یحسب اجتهاد هم لا یجوزّون التعدّی عنها ۔وَیَسمُّون التعدّی غُلوًا و ارتفاعًا حتی اِنَّھُمْ جعلوا نفی السّهو عن النبیّ غُلوًا بل رُبَّمَا جعلوا التفویض المختلف الیهمؑ ومثل خوارق العادات عنهمؑ اَوِالا غراق فی جلالتهمؑ و ذکر علمهم بمکنونات السماء والارض ارتفاعًا و مورث التُّهمة ۔(کتاب اسماء الرجال ابوعلی ادلة الفریقین مجمع البحرین صفحہ 800 مصنفہ السید احمد حسین رضی اللہ عنہ 1293ھ مطبوع خواجہ کلاں دہلی)

''یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے کہ بہت سے قدیم زمانے کے مجتہدین اور خصوصاً قم کے مجتہدین نے آئمہ علیہم السلام کے متعلق اپنے نظام اجتہاد کے ماتحت مخصوص قسم کے عقائد اختیار کرر کھے تھے۔اور یہ لوگ اپنے بنائے اور تیار کردہ عقائد سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں کرتے تھے۔اوراُن عقائد سے ہٹ جانے کا نام اُن مجتہدین نے ''غلو'' اور ''اِرتفاع'' رکھ لیا تھا۔اوراس معاملہ میں اس حدتک چلے گئے تھے کہ جو شخص رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کو بھول چوک میں ملوث نہ سمجھے اُسے غالی قرار دے دیتے تھے۔رہ گئی ''تفویض'' اس کا فتویٰ دینے میں یہ مجتہدین تھوڑا تھوڑا اختلاف رکھتے تھے۔مثلاً فطرت کے خلاف (یعنی معجزات و کرامات) محمدؐ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے کسی امر کا ظہور میں آجانا۔یا اُن حضرات کی جلالتِ شان کو اس طرح بیان کرنا کہ باقی تمام مخلوق کی شان اُنکے بحر فضائل میں غرق وگم ہو کر رہ جائے۔اور جو شخص یہ مانتا تھا کہ محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتے تھے اُنکو یہ مجتہد گروہ ''اھلِ ارتفاع'' یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل کو اعلیٰ وارفع ماننے والا قرار دیتا تھا۔ اوراسی قسم کی تہمت طرازی اُنکا کام تھا۔'' (کتاب مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین صفحہ 800 از کتاب الرجال ابوعلی)

(2) قُم کے باہر والے علما اُن علما اور افراد کو صحیح العقیدہ سمجھتے تھے

اس حقیقت پر ہم سینکڑوں حوالے پیش کر سکتے ہیں کہ مذکورہ دشمنِ محمدؐ و آل محمدؐ گروہ نے جن علما کو کنڈم کیا وہی حقیقی علمائے شیعہ تھے۔ یہاں بطور نمونہ چند الفاظ سنتے چلیں۔ارشاد ہے:

''وَبالجملة الظاهر اَنّ القدمآء مختلفین فی المسائل الاصولية وَرُبَّما کان شیء عند بعضهم فاسدًا؛وَّ کفرا وَّ غُلوًاو عند آخرین عدمه بل مما یَجِبُ الاعتقاد۔''(ایضاً صفحہ 800)

''اوراس سلسلے میں یہ ایک حقیقت تھی کہ مذکورہ بالا قدیم قمی مجتہدین اور دیگر علما اصولی مسائل میں باہم مختلف العقیدہ

تھے۔اُن کے یہاں وہی عقائد بعض کے نزدیک فساد پیدا کرنے والے اور کافر بنانے والے اور غالی کہلانے والے تھے۔اور بعض قدیم علما اُن عقائد کو صحیح اور واجب قرار دیتے تھے۔“

(3) حضرت شیخ مفیدؒ کی زبان سے قمی ادارہ کا مذہب سُنئے

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ آج بھی وہ لوگ جو تمام علمائے ایران ونجف کے خلاف حکومتوں کی چاپلوسی میں مہم چلا رہے ہیں۔اُنھوں نے بھی قم ہی کو اپنی کمین گاہ بنا رکھا ہے۔اُن کی مختلف شاخیں شیخیوں اور بابیوں و بہائیوں سے مل کر کام کر رہی ہیں۔کہیں مسلم برادرھُڈ کے ساتھ رابطہ ہے کہیں اسلامی جماعت سے استمداد کی درخواستیں ہیں۔اور ادھر ڈھکوی ادارے بھی تھک کر اُن ہی سے فریاد کر رہے اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح اُن کو اپنا جمورا بنالیا جائے تاکہ اُنھیں کرتب دکھانے والی پٹاری میں سے کچھ حصہ مل سکے۔بہرحال انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مذہبِ حقہ اثناعشریہ میں حضرت حجت قائم آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے مدد و نصرت طلب کی جاتی ہے۔اور ہم اہلِ باطل کو اُنؑ ہی کی مدد سے شکست دیں گے۔سنئے قُم اور قُم کے مجتہد کا حال سُنئے:۔

قال المفیدؒ وقد سمعنا حکایة ظاهرة عن ابی جعفر محمد بن الحسن بن الولید لم نجد لها رافعًا لِلتّقصیر وهی ما حکی عنه اِنّه قال فی الغلونفی السهو عن النبیؐ و الامامؑ فان صحّت هٰذِهِ الحکایة عنه فهو مُقَصِّرٌ مع اَنّه من علماءِ القُمِّیِّیْنَ ومشیختهم ۔وقد وجدنا جماعة ورودا الینا من قم یقصرون تقصِیرًا ظاهِرًا فی الدین ویَنَزّلونَ الآئِمَّة عن مراتبهم ویزعمون اَنَّهُم کانوا لَا یَعْرفون کثیرًا مِنَ الاحکام الدِّینیّة حتّٰی ینکت فی قلوبهم وَرَاَیْنَا مَنْ یَّقُوْلُ اِنَّهُمْ ملتجیٔون فی حکم الشریعة اِلَی الرَّای وَالظّنون ویدعون اَنَّهُم مِنَ العلمآءِ وهٰذَا هُوَالتقصیر الذی لَا شُبْهَةَ فِیه۔“ (کتاب نفس الرحمان فی فضائل سلمان باب 2)

”شیخ مفید رضی اللہ نے فرمایا کہ میں نے یقیناً ابوجعفر محمد بن الحسن بن ولید کی ایک واضح حکایت سُنی ہے اور ہمیں یہ پتہ چلا کہ اُس نے کبھی بھی محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی فضیلت کم کرنے والوں کا سامنا کیا ہو اور اُن حضراؑت کی شاندار و بلند مرتبہ پوزیشن بیان کی ہو۔اور جو کچھ اُس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔وہ یہ ہے کہ اس کا یہ فیصلہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ علیہم السلام سے بھول چوک اور غلط فہمی کی نفی کرنا غلو اور غالیوں کا کام ہے۔چنانچہ اگر اُس کے متعلق یہ حکایت صحیح ہے تو وہ قم کے علما اور اُن کا شیخ ہوتے ہوئے محمدؐ وآل محمدؐ کے مقام بلند کو گھٹانے اور کم کرنے والوں میں سے ایک ہے۔اسی طرح ہمارے پاس اہل قم کی ایک جماعت آئی تھی جو محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل میں کمی کرتی تھی۔اور آنحضرؐت کے مرتبہ کو بہت نیچے اُتارتی تھی۔اور وہ علما اس کثر بیونت کے باوجود یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے کہ محمد اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام بھی دین کے کثیر احکام کی معرفت نہ رکھتے تھے۔یہاں تک کہ اُن کے دل میں بات نہ پڑ جائے۔اور ہم نے اُن میں ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ اور آئمہؑ بھی شریعت کے

احکام دینے میں رائے وظن (اجتہاد) کے محتاج تھے۔ اور وہ حضراتؑ بھی علما ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور یقیناً حقیقی معنی میں یہ محمدؐ و آل محمدؐ کے رتبوں کو گھٹانا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔'' (ایضاً صفحہ 800)

(الف) وہ تمام علما جو مومنین کو غالی اور مفوضہ اور نصیری کہتے ہیں دشمنانِ اہل بیتؑ ہیں

قارئین کرام یہ تھا وہ گروہ جس نے ہر امامؑ کے زمانہ میں شیعوں کے اندر اور محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے خلاف وہی محاذ بنانے کی مسلسل کوشش کی جو دشمنان اسلام نے حکومتوں کی مدد سے باہر بنا رکھا تھا۔ اس محاذ کی ابتدا قریش مکہ کے سردار، خلیفہ پنجم کے دادا ابوسفیان نے کی تھی۔ اور موقعہ بموقعہ ضرورت پڑنے پر یہ زیر زمین اور داخلی تحریک شیعوں کے عقائد کو تبدیل کرنے، محمد و آل محمد و آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے مرتبہ کو عام لوگوں کی سطح پر اُتارنے پر کاربند رہی۔ اگر ہم ایسے نام نہاد شیعوں کا تذکرہ شروع کر دیں تو سینکڑوں صفحات دور نکل جائیں گے۔ مگر آپکے اطمینان کیلئے صرف دو مثالیں دے کر اذان و نماز کی طرف بڑھ جائیں گے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس اُنکے صحابہ کا مجمع ہے۔ وہ نظارہ سامنے لائیں اور دیکھیں کہ کن لوگوں کو صحابہ کہتے ہیں۔

عَنْ ضریس الکناسی قال: سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول؛ وعنده أُناس من اصحابه ؛ عَجِبْتُ مِنْ قومٍ یَتَوَلَّوْنَا و یَجْعَلُوْنَا آئِمَّةً وَ یَصِفُوْنَ اَنَّ طاعتنا مُفْتَرِضَةٌ عَلَیْهِمْ کَطَاعة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم ـ ثُمَّ یکسّرون حجّتهم ویخصمون انفسهم بِضعف قلوبهم ـ فَیَنْقُصُونا حقّنا ویعیبُون ذٰلک عَلٰی مَنْ اعطاه اللّٰه برهان حَقّ معرفتنا والتسلیم لامرنا، اَتَرون اَنَّ اللّٰه تبارک وتعالٰی افترض طاعة اولیائه علٰی عباده ثُمَّ یُخفی عَنْهم اخبار السمٰوٰت والارض ویقطع عنهم موادّ العلم فیما یرد علیهم مما فیه قوام دینهم... الخ'' (اصول کافی کتاب الحجة باب اَنَّ الآئمّة یعلمون علم ما کان و مایکون وانه لا یخفی علیهم الشیء حدیث 4)

''ضریس الکناسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس کچھ لوگ اُنؑ کے صحابہ میں سے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سُنا کہ امام علیہ السلام اُن سے فرما رہے تھے کہ ''مجھے تعجب تو اُن لوگوں پر ہے جو ہماری ولایت پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ہماری امامت کو بھی مانتے ہیں۔ اور ہماری اطاعت کو اپنے اوپر رسولؐ اللہ کی اطاعت کی طرح فرض کہتے ہیں اور طرح طرح ہماری صفت بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب ہمارے مقامِ بلند اور فضیلت کی بات ہوتی ہے تو خود اپنے مذکورہ ایمان کے خلاف گفتگو کرتے ہیں اور اپنی دلیل اور حجت کو خود ہی توڑ کر اپنے مدمقابل حریف بن جاتے ہیں۔ اور خود پر مخالفوں کو حجت قائم کرنے کا موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ اور ہماری فضیلت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اور ہماری بزرگی پر جو دلیل و برھان اُن کو ملا ہے اس کو عیب دار و ناقص بناتے ہیں۔ اور ہمارے احکام کو ہر حال میں تسلیم کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ کیا تم لوگوں کی رائے یہ ہے؟ کہ جس اللہ نے تمام مخلوق پر اپنے اولیاء کی اطاعت فرض کی ہو۔ وہ اللہ اُن اولیاء سے آسمانوں اور زمینوں کی تمام

خبروں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اوراس تمام سامان سے اُن اولیاء کو الگ رکھے گا جو دین کے استحکام کیلئے جاننا ضروری ہے؟''

قارئین یہ نوٹ کریں کہ مسٹر ڈھکو اور اُن کا قمی ادارہ کائناتی علوم کی آئمہؑ سے نفی کرتے ہیں۔ اور جو شخص محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو پوری کائنات کا عالم مانتا ہوا ُسے غالی اور مفوضہ کہتے ہیں۔ حالانکہ ہماری سب موجودہ کتابوں سے عظیم کتاب کافی میں ایک پورا باب (Chapter) ایسی احادیث سے لبریز ہے جو ہم نے لکھی اور تمام ماضی وحال و مستقبل کے علوم کو حضرات آئمہ علیہم السلام میں ثابت کیا ہے۔ اور ہماری تصنیفات وہ تمام عقائد پیش کرتی ہیں جو حقیقی شیعوں کے یہاں پندرہ سو سال سے چلے آرہے ہیں اور جن سے منافقین کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ محمدؐ وآل محمدؐ کو اُن کے ابلیسی بزرگوں سے اونچا درجہ مل سکے۔ آپ کے نوٹ کرنے کی خاص چیز یہ ہے کہ حضرت علامہ شیخ مفیدؒ تیسری وچوتھی صدی کے علمائے شیعہ میں سے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ مولوی ڈھکو کے بزرگوں نے آج سے ایک ہزار سال پہلے اپنا مرکزی ادارہ قم میں قائم کیا تھا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پہلی اور دوسری صدی کے آئمہؑ میں سے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ شیعہ لیبل کے ساتھ ایک پوری قوم محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھی۔ اب آپ سوچئے کہ آپ کو کدھر شامل ہونا ہے؟ مولانا ڈھکو اینڈ کمپنی کے ساتھ یا ہمارے ساتھ؟ یہ بھی سُن لیں کہ ہم نے اِس لئے مذہبِ حقہ شیعہ اثنا عشریہ کو اختیار نہیں کیا کہ ہمیں کثرت کا تعاون حاصل ہوگا۔ یا اس لئے کہ دنیا میں ہماری بڑی قدر ومنزلت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہمیں مولانا ومقتدانا اور حجت اللہ کہا جائے گا۔ خمس وزکوٰۃ اور دولت کا انبار جمع ہو سکے گا۔ یا آپ کے موجودہ علما کی طرح جائیدادیں، موٹریں اور بسیں حاصل کریں گے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ حقیقی شیعہ کبھی سرمایہ دار نہ تھے۔ کبھی طعن وتشنیع اور تہمت وقتل وغارت سے محفوظ نہیں رہے۔ ہم اس ساری دنیا کے مقابلہ کے لئے شیعہ ہیں۔ اور جناب شیخ مفید رضی اللہ عنہ کی تمنا کے مطابق محمدؐ وآل محمدؐ کے رتبوں میں کمی کرنے والوں کی بیخ کنی ہمارا پیشہ ہے۔ آپ سب ڈھکو سے تعاون کریں تب یا ہم سے منسلک رہیں تب بھی ہم دنیا کو بتاتے رہیں گے کہ:

(ب) آئمہ اہل بیت علیہم السلام قرآنِ مجسم اور کائنات کے ہر ذرّہ پر مطلع تھے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

قد ولدنی رسوّل اللّٰہ وعَلِمتُ کتاب اللّٰہ وفیہ تبیان کلّ شیءٍ بدء الخلق وأمر السمآء وأمر الأرض وأمر الأوّلین وأمر الآخرین وأمر ما کان وأمر ما یکونُ، کَاَنِّی أنظر اِلٰی ذلک نصب عینی۔ (کافی کتاب الایمان والکفر باب الکتمان)

''مجھے رسولؐ اللہ نے جنم دیا ہے۔ اور میں کتاب اللہ کا عالم ہوں جس میں ابتدائے تخلیق سے لے کر آسمانوں کے معاملات اور زمین کے واقعات اور تمام اوّلین مخلوقات کی سرگزشت اور آخری مخلوقات کے حالات اور جو کچھ ماضی میں ہو چکا اس کا علم اور جو اب درپیش ہے یا مستقبل میں ہونے والا ہے اُس کا علم موجود ہے۔ اور یہ سب کچھ میرے سامنے اس طرح حاضر

ہے گویا سب کچھ سمیٹ کر میری آنکھوں کے گرد فٹ (Fit) کر دیا گیا ہو۔'' (ایضاً حدیث 5)

کہاں ہے شیعہ منافقین کا سرگروہ وہ آئے اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ہمہ گیر اور کائناتی علوم کا انکار کرے اور کہے کہ اُن حضراتؑ کا علم حضوری نہ تھا۔ بلکہ جب تک ضرورت نہ پڑتی تھی (معاذ اللہ) محمدؐ و آل محمدؐ لاعلم رہتے تھے۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ پہلے اللہ سے دعا کرتے تھے۔ اور لاعلمی اور بے بضاعتی کا اعلان و اقرار کرتے تھے۔ تب جا کر کہیں اللہ اُن کو ذَرا وَرا سا علم عطا کر دیتا تھا۔ سُن او ابلیس مجسم سُن !! کہ تیرے ایسے شیعہ لیبل والے منافقوں کے لئے کیا حکم ہے؟ اور یہ کہ تیرے بزرگ کب سے تیرے لئے سامان تیار کر رہے تھے؟

(ج) پہلی صدی کے ڈھکوؤں کا حال اور اُن پر ولایت سے خروج وکفر کا فتویٰ

مومنین دیکھیں کہ دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ آئمہؑ کے صحابہ میں بھی موجود تھے۔ اور معصومینؑ کی احادیث سن کر وہی کچھ کہتے اور کرتے تھے جو آج مولانا محمد حسین مجتہد العصر کہتے اور کرتے ہیں۔ منبر پر جاتے ہیں تو سامعین کو فریب دینے اور پیسہ بٹورنے کے لئے سب کچھ ماننے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ لیکن گھر میں آ کر اپنی کتابوں میں فضائلِ محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ قلم سے جاری شدہ سلوک کرتے ہیں۔ اُن کو مجلس میں پکڑ کر قلم دوات اور کاغذ دے کر وہ سب کچھ لکھوایئے جو وہ اوپر کے دل سے کہتے ہیں۔ یاد رکھو قلم دوات اور کاغذ کا نام سنتے ہی باطل کا دم نکل جاتا ہے۔ یہ تینوں الفاظ ان شیاطین کو لاحول کی طرح بھگا دیتے ہیں۔ اُن کی زبانی باتوں کو مان لینے والے بھی آدھے منافق ہیں۔ سنئے ایک ڈھکوی گروہ کا تذکرہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے صحابہ کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں۔ اور اپنے حقیقی صحابہ کو اُن خبیثوں سے خبردار رہنے کی ترکیب بتا رہے ہیں فرمایا کہ:

وَاللّٰہِ اِنَّ اَحَبَّ اصحابی اِلَیَّ اَورعھم واَفقھھم وَ اکتمھم لحدیثنا۔ وَاِنَّ اَسْوَأَ ھُم عندی حالًا واَمقتھم لِلَّذِیْ اِذَا سمع الْحَدِیْثَ ینسب اِلَیْنَا ویروی عَنَّا فَلَمْ یقبله، اِشْمَازَّ مِنْهُ وَ جحده وَ کَفَّرَ مَنْ دَانَ بِہٖ وھو لا یدری لَعَلَّ الحدیث مِنْ عِنْدِنَا خَرَجَ وَ اِلَیْنَا اُسْنَدَ؛ فیکون بِذٰلک عن ولایتنا۔'' (ایضاً حدیث 7)

''قسم بخدا یقیناً مجھے اپنے صحابہ میں وہ صحابی سب سے زیادہ محبوب ہے جو سب سے زیادہ پارسا ہو، جو سب سے زیادہ فقیہ ہو۔ جو منافقوں سے ہماری احادیث کو سب سے زیادہ محفوظ رکھے؛ اور میرے صحابہ میں سے وہ صحابی مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور قابل بغض وعناد ہے جو کہ ہم سے منسوب شدہ اور ہماری طرف سے روایت کی ہوئی حدیث کو سنتے ہی قبول نہ کرے اور طرح طرح کی ہٹ دھرمی اور انکار پر دلیلیں پیش کرے۔ اور اُن لوگوں کو کافر قرار دے جو اُن حدیثوں کے مطابق اپنے دینی عقائد رکھتے ہوں۔ حالانکہ اُس کے پاس ایسی کوئی درایتی دلیل نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ پرواہ نہیں کرتا کہ شاید یہ حدیث ہمارے ہی یہاں سے گئی ہو اور ہم ہی نے اُس کو مستند کیا ہو۔ چنانچہ وہ صحابی اپنے اس رویہ سے ہماری ولایت سے خارج ہو جاتا ہے۔''

ہم نے برابر ڈھکو اور اُس قمی ادارہ کا منکرین حدیث ہونا ثابت کیا ہے۔مومنین مانیں یا نہ مانیں ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ڈھکوی اور قمی گروہ کی قدامت اُن کے عقائد اور دل میں پوشیدہ مذہب کو حضراتِ معصومینؑ اور علمائے شیعہ کی سند سے منظر عام پر رکھدیں۔تاکہ اُن کے قدیم و جدید تمام حربے اور بہانے واضح ہو جائیں۔اور تمام مومنین یہ سمجھ لیں کہ:

(د) شیعوں میں زبان سے اقرار اور دل میں انکار کرنے والا گروہ بھی ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

فطبع اللّٰه علٰى قلوبهم و أنساهم ذلک، ثُمَّ اَطْلَقَ اللّٰه لسانهم بِبَعْضِ الحقّ فهم ينطقون به و قلوبهم منكرة،...الخ (اصول کافی کتاب الحجة باب فيماجاء ان حديثهم صعب مستصعب حديث 5)

''چنانچہ اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر بھی لگادی اور انہیں باقی سب کچھ بُھلا دیا۔پھر اللہ نے اُن کی زبانوں کو بعض حقائق بیان کرنے کے لئے آزاد کر دیا۔چنانچہ وہ حقیقت کو زبانی بیان کرتے رہتے ہیں مگر اُن کے دل حقیقت کے منکر ہی ہیں۔''

یہ ڈھکوی شیعوں اور علما کا حال ہے۔

(4) اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ عہدِ رسولؐ میں تھا بعد میں خارج کیا گیا تھا

آپ نے ولایت اور اذان و نماز کے خلاف چند تحریکات اور مخالف گروہ کو دیکھ لیا۔اب یہ دیکھیں کہ اذان میں ولایت مرتضویؑ کا اعلان آنحضرتؐ نے کرا دیا تھا۔مگر شاہانِ بنی امیہ کی جمع کردہ اور خود ساختہ تاریخ و حدیث میں اس کا ذکر چھپایا گیا۔لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت سینہ بسینہ آگے بڑھتی اور کبھی کبھی زبان و قلم سے باہر نکلتی رہی۔دیکھئے کہ امام ابو اللیث الہروی نے اپنی کتاب ریاض الصادقین میں اعتراف کیا ہے کہ:

درحین حیات رسولؐ خدا پنج بار درمُدتِ ششماہ و نہ ماہ اتفاق این مقال افتاد۔رفضہ را ازیں جادست دادہ کہ ایں الفاظ در اذان و اقامت می بردارند امانمیداند کہ این حکم منسوخ شدہ۔کہ مشائخ صحابہ گاہے آن را در زمان خلافتِ خود در اذان و اقامت نہ گفتہ اند۔بلکہ احدے اگر این امر جرأت میکرد حضرت فاروق اُورا بتادیب شدید میگرفت۔لہٰذا آئمہ بخاری شریف گوئندہ یا علیؑ را بدون اذان ہم فاسد المذہب دانستہ۔نماز پشت سرِ اُورا باطل دانستہ اند(......یہاں تین الفاظ صحا کمادۃ الفساد صاف پڑھنا ممکن نہیں پھر لکھا کہ) ایں معنی شناعتے ندارد انتہی ترجمہ عبارتہ ملخصًا و ابوبکر باقلانی در بعض کتب خود گفتہ کہ امام العارفین و قدوۃ السالکین عبدالرحمٰن عسقلانی در کتاب فضائح الروافض برنگاشتہ کہ این طائفہ را بہرہ از خدا پرستی نیست آنچہ ہستند خود را بعلیؑ می چسپانند بروایت منسوخہ متمسک میشوند چنانچہ شعار خود ساختہ اند کہ در اذان و اقامت عَلِیًّا وَلی اللّٰہ میگویند و این گفتن را عین دین می انگارند و نمی دانند کہ اکابر صحابہ در ترک آن کوشیدہ اند۔اگر جوازے میداشت از ایشان اول صادر میگردید۔چون نشد دانستہ شد کہ

اصلے ندارد و تحقیق این مبحث رادر کتاب معارفِ عثمانیہ بہ بسط تام نوشتہ ام ناظران را باید کہ رجوع بآں نمایند۔''

''رسولِ خدا کی زندگی کے دوران چھ مہینے کی ایک مدت میں اور نو (9) ماہ کی ایک مدت میں پانچ مرتبہ یہ قول اذان میں کہے جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور وہیں سے رافضیوں کے ہاتھ میں یہ بہانہ آ گیا کہ وہ اذان میں اُن کلمات کو کہتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ ان کلمات کو کہنے کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ اور بڑے بڑے صحابہ نے اُن کلمات کو اذان میں نہیں کہا ہے۔ اور اگر کبھی بھی کسی ایک شخص نے اذان میں ایسا کہنے کی جرأت کی تو حضرت فاروق نے اُس کو سخت سزا دی۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری میں مذکورہ آئمہ نے اذان سے باہر بھی یا علیؑ کہنے کو ایک فسادی مذہب سمجھا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے مزار کے سرہانے نماز پڑھنا باطل قرار دیا ہے۔ اور اُسے مادۂ فساد کہا ہے۔ اور ان معنی پر کوئی مذمت نہیں کی جاسکتی ہے۔ انتہیٰ اُس کی عبارت کے ترجمہ کی اور ابو بکر باقلانی نے اپنی کچھ کتابوں میں کہا ہے کہ امام العارفین جناب عبدالرحمٰن عسقلانی نے اپنی کتاب فضائح الروافض میں لکھا ہے کہ رافضیوں کو عبادتِ خداوندی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے اُن میں جسے دیکھو وہ علیؑ سے چپکا رہتا ہے۔ اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ سب کے سب منسوخ شدہ احادیث پر کاربند ہیں۔ انہوں نے عَلِیًّا ولی اللّٰہ کو اذان میں کہتے رہنا اپنا دینی شعار بنا رکھا ہے اور عَلِیًّا ولی اللّٰہ کو اذان میں پڑھنا عینِ دین مانتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ بڑے بڑے صحابہ نے اذان میں سے عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ کو نکالنے میں بڑی کوشش صرف کی ہے۔ اگر اذان میں شہادت علویہؑ کا جواز ہوتا تو صحابہ نے اُس پر پہلے عمل جاری رکھا ہوتا۔ چونکہ اُن صحابہ نے عمل جاری نہ رکھا لہٰذا معلوم ہوا کہ اذان میں اُس کے استقلال سے جاری رہنے کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ میں نے اس بحث کو پوری تفصیل سے اپنی کتاب معارفِ عثمانیہ میں مکمل کر دیا ہے۔ ناظرین کو چاہئے کہ اُس کتاب میں اس مبحث کو مطالعہ کریں۔'' (مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین صفحہ 789-788)

(5) اذان سے شہادت ثالثہ کو نکالنے والے مجتہدین کے بزرگ آخر پکڑے گئے

قارئین مندرجہ بالا اقتباس بتاتا ہے کہ وہ تمام شیعہ لیبل کے مجتہدین حضرت عمر اور اُسی سائز کے بزرگان دین کے حامی اور ہم مسلک تھے۔ جنہوں نے اَشْهَدُ اَنّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ کو اذان و نماز سے باہر رکھنے میں مدد دی۔ اور آج تک اُس مشن کے مددگار ہیں جو ہماری اذان سے شہادت ولایت علویہؑ کو نکلوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ اور چاروں طرف سے ملکی حکومت پر یلغار کر رہا ہے۔ یہ چیز ہم نے بار بار اس کتاب میں لکھی ہے کہ جو علما شیعہ کہلاتے ہوئے بھی علیؑ ولی اللہ کو جُزوِ اذان نہیں مانتے وہ حقیقتاً شیعہ نقاب میں کفر بردوش دشمنانِ علیؑ ہیں اور اُن سے بہتر تو وہ اہل سنت علما ہیں جنہوں نے ہمارا فضیحتہ کرنے کیلئے کتابیں لکھیں اور ہم تک یہ حقیقت پہنچا دی کہ اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ زمانۂ رسولؐ ہی میں شروع ہوا تھا۔ اور یہ

کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے اپنی حکمرانی میں جو اسلامی شریعت تیار کی تھی اُس میں شہادت علویہؑ کو بھی بند کر دیا تھا۔ اور یہ کہ اُن کی ممانعت کے باوجود بھی بعض جرأتمند صحابہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِيُّ اللّٰه اذان میں پڑھتے رہتے تھے۔ اور سزا برداشت کرتے تھے۔ اور یہ کہ وہ صحابہ ہمارے ڈھکوی ٹائپ کا ایمان نہ رکھتے تھے۔ بلکہ علی مرتضٰی علیہ السلام کی ولایت کو اپنا دین سمجھ کر اذان میں لازم و واجب سمجھتے تھے۔ شیعہ مومنین پھر سوچیں کہ کیا اس کے بعد بھی آپ کو کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ رہ گیا یہ کہنا کہ شہادتِ ولایت والی روایات منسوخ ہو چکی تھیں یا یہ کہنا کہ مفوضہ نے شہادت علویہؑ کو اذان میں کہنے کی روایات خود ہی گھڑ لی تھیں۔ یہ اس دنیا کے سب سے بڑے جھوٹ ہیں اور ایسا کہنے والے یا ماننے والے یقیناً بہت بڑے گنہگار ہیں۔ ہم نے آج سے مُدت دراز قبل تحقیق مکمل کر کے اذان میں نماز و شہادتِ علویہؑ کا وجوب لکھا تھا۔ اور آج اس پر عمل کرتے ہوئے ہزاروں سن رسیدہ مومنین اللہ و امام علیہ السلام کو پیارے ہو چکے اور ہزاروں بچے اس شہادت کو اذان و نماز میں واجب سمجھ کر پڑھتے ہوئے بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر مجتہدانہ ماحول میں یہ شہادت آج تک شجر ممنوعہ ہے۔ بہر حال یہ معلوم و ثابت ہو گیا کہ حکومت کے قانون نے اس شہادت کو سرکاری اذانوں میں بند کر دیا تھا۔ لیکن شیعہ تو سرکاری مساجد میں نماز پڑھنے کے ہی نہیں بلکہ دنیا میں زندہ رہنے کے بھی مجاز نہ تھے۔ اس لئے وہ پوشیدہ نماز پڑھتے تھے، پوشیدہ رہنے پر مجبور کئے جاتے رہے تھے۔ اُن کی اذان و نماز بھی اندرونِ خانہ اور اندرون خانہ بھی عموماً پوشیدہ ہی رہتی تھی۔ جس طرح اُن کا رسولؐ، اُن کے رسولؐ کی زوجہؑ محترمہ اور اُنکا امامؑ و خلیفہ بلافصل مدت دراز تک پوشیدہ نماز پڑھتے رہے۔ اور جس طرح بیس سال نماز، اشهد اَنَّ محمدًا عبده ورسوله کے بغیر پڑھتے رہے لیکن دل میں اپنیؐ نبوت اور علیؑ کی ولایت کا تصور برابر قائم رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ قریشی مشرکین کی پیشرفت اور دستبرد سے محفوظ رکھ کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ بالکل اُسی سنت کے مطابق ہمارے آئمہ علیہم السلام اور ہمارے شیعہ اسلاف رضی اللہ عنہم نے بھی عملی تشدد اور قریشی مشرکین کی تلوار سے حقیقی دین کو محفوظ رکھنے کیلئے چلّا کر اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِيُّ اللّٰه کہنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وہ اپنی نماز و اذان میں برابر خاموشی کے ساتھ اس بنیادی شہادت کا اعلان کرتے رہے۔ اور کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اُن کی خانہ نشین نمازوں میں بھی شہادت ولایت نہ ہوتی تھی۔ اور ہم تو یہ کہہ کر چلے تھے کہ ہم علی الاعلان نمازوں اور اذانوں میں شہادت علویہ ثابت کریں گے۔ اور برابر ثابت کرتے چلے آرہے ہیں۔

(6) جس طرح قرآن فہمی کے لئے عقل و ایمان کی شرط ہے، اُسی طرح حدیث فہمی مشروط ہے

اس عنوان میں ہم یہ دکھائیں گے کہ مجتہدانہ ذہنیت سے حدیث فہمی میں اُسی قسم کی غلطیاں ہوئی ہیں جس قسم کی غلطی اُس بھوکے شخص سے ہوتی تھی جس نے دو اور دو کو چار کہنے کی جگہ چار روٹیاں کہہ دیا تھا۔ یہاں بھوک کی شدت نے یہ غلطی کرائی تھی۔ مگر وہاں نظام اجتہاد کی خود ساختہ تعبیروں کی شدت دامن گیر رہی ہے۔ پہلے ایک بات قرآن سے سُن لیں اللہ نے فرمایا کہ:۔

۔۔۔ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ o (یوسف 12/111)

"یہ قرآن من گھڑت نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام موجودہ الہامی کتابوں (توریت و زبور و انجیل وصحف ابراہیمؑ وغیرہ وغیرہ) کی مجسم تصدیق ہے۔اور کل اشیائے کائنات کی تفصیل کا حامل ہے اور اُس قوم کیلئے ہدایت اور رحمت ہے جو قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔"

اب جو حضرات، خواہ علما ہوں یا جہلا ہوں، توریت و زبور و انجیل وغیر کی تصدیق کے بجائے تکذیب کرتے ہوں وہ قرآن کی رُو سے مومن قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔اور جو لوگ قرآن مجید کو تمام کائناتی علوم کا اور کائنات کی تمام اشیاء اور موجودات کا مفصل ریکارڈ نہ مانتے ہوں۔وہ بھی مکذبِ قرآن ہیں، مومن نہیں۔اور جو لوگ قرآن کے اس مقام کے منکر ہوں وہ آنحضرتؐ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے علم کو ہمہ گیر کیوں اور کس دلیل سے مانیں گے؟ لہٰذا یہ لوگ مکذبِ قرآن و رسالت و ولایت و امامت ہیں اور یہی عقائد ڈھکو وقتی ٹائپ کے مجتہدین رکھتے ہیں۔اور مذکورہ بالا آیت کی رُو سے یہ تمام علما قرآن کو اُلٹا سمجھے ہیں۔لہٰذا نہ قرآن اُن کیلئے ہدایت ثابت ہوا نہ اُن کو خدا کی رحمت مل سکی۔اگر یہ لوگ اس گمراہی کے عالم میں حدیث کو بھی نہ سمجھیں یا اُلٹا سمجھیں تو کسی تعجب کا مقام نہیں ہے۔

(7) مسئلۂ تشہد کو سمجھنے کے لئے بھی چند بنیادوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے

سب سے پہلے ایک دفعہ پھر اُن حالات پر نظر ڈالیں جو مسلمان حکومتوں نے حضرت علی اور اولادِ علی علیہم السلام کو اور اُنکے اسلامی تصورات کو دنیا سے مٹانے کیلئے برابر تین سو سال تک برقرار رکھے۔آپکو سرکار ساختہ تاریخ کا یہ مشہور حادثہ ضرور یاد ہوگا کہ مدینہ کے انصار نے قریشی دانشوروں کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ " مِنَّا اَمِیۡرٌ وَّ مِنۡکُمۡ اَمِیر" ملکی حکومت کو چلانے کے لئے ایک امیر یا حاکم ہم میں سے ہو اور ایک امیر تمہارا ہو۔دونوں مل کر نظامِ حکومت سنبھالیں۔یہ تجویز ٹھکرا دی گئی اور اُس روز سے برابر دوسرے حاکم کا تصور وجود قانون کی نظر میں واجب القتل رہا۔لہٰذا شیعوں کیلئے اپنی اذانوں میں اَشۡھَدُ اَنَّ اَمِیرَ الۡمؤمِنِینَ علیًّا ولیُّ اللہ قابل سماعت آواز سے کہنا یقیناً پوری قومِ شیعہ کی موت کو دعوت دینا تھا۔اور تاریخ سے واقف کوئی دیانتدار شخص یہ مطالبہ نہ کریگا کہ ہمیں یہ ثبوت دو کہ مذکورہ تین صدیوں میں آپکے مذہب کی اذانوں میں علی مرتضٰی علیہ السلام کی حکومت کا اعلان ہوتا رہا ہے۔ہماری کتب احادیث میں تو یہاں تک احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اللہ و رسولؐ کی طرف سے امیر المومنین اور ولی اللہ ہوتے ہوئے بھی شیعوں کے تحفظ اور مذہب حقہ کی سلامتی کیلئے حکم عام دے رکھا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا اُنؑ میں سے کسی کو کسی حیثیت سے بھی امیر المومنین کے لقب سے نہ پکارا جائے نہ لکھا جائے۔حضرت علیؑ کا استثنا بھی اسلئے تھا کہ مسلمان مملکت میں اُن حضرتؑ کو چوتھے نمبر پر امیر المومنین مانا جاتا تھا۔مگر اُنہیں بھی خلیفتہ بلا فصل کہنا جرم ہی تھا۔مختصراً یوں کہئے کہ شیعہ ہونا ہی واجب القتل جرم تھا تو مذہبی عقائد، نماز و اذان کو محمد و علی علیہما السلام کے

طریقہ پرعلی الاعلان بجالانا کیسے ممکن ہوسکتا تھا؟ البتہ روز اوّل سے یعنی جب سے جب کہ محمد مصطفٰیؐ، خدیجۃ الکبریٰ اور علی مرتضٰی علیہم السلام نے نماز کو قریشی دانشوروں سے پوشیدہ طور پر پڑھنا شروع کیا تھا۔حقیقی اذان ونماز وعقائد اسلامیہ کی تبلیغ اندرون خانہ شروع ہوکر حقیقی مومنین تک عملاً وقولاً پہنچتی رہی۔اور سینہ بسینہ اور نبویؐ وعلویؑ سند کے ساتھ مومنین کا یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ جب موقعہ ملا اعلانیہ تبلیغ بھی ہوئی ورنہ دشمنانِ اسلام سے دین ودامن بچا کر وہی اذان ونماز وعقائد آج تک آگے بڑھتے پھیلتے پھلتے چلے آئے ہیں۔اور ایک دن پوری کائنات کی ذی حیات مخلوق اسلام سے مالامال ہوکر رہے گی۔

یہ بھی دوبارہ سامنے رکھ لیں کہ تیسری صدی میں اگر ہم سے ہماری اذان ونماز وعقائد پر احادیث سے ثبوت مانگا جاتا تو ہم کئی لاکھ احادیث واشگاف الفاظ میں پیش کرنے کی پوزیشن میں ہوتے۔افسوس یہ ہے کہ یہ سوالات اب اُٹھائے گئے ہیں جب کہ دشمنانِ اسلام نے ہمارے پاس صرف ساڑھے تین قدیم کتابیں چھوڑی ہیں۔اور صرف علم الحدیث پر لکھی ہوئی چارسو کتابیں دنیا سے غائب کردی گئی ہیں جو آئمہ علیہم السلام کے حکم سے اُن کی سند ونگرانی کے ساتھ مرتب ومستند تھیں۔اُدھر علمائے اہل سنت کے اس ذخیرہ کو بھی تباہ کر دیا گیا جو مخالف حکومتوں کے مذہب اور محمد اسماعیل بخاری کی پانچ لاکھ نوے ہزار احادیث تھیں۔اب ہماری تحویل میں صرف تین مکمل اور ایک ناقص کتابیں ایسی ہیں جو تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اواسط میں مرتب کی گئیں۔اور ہمیں مجبوراً اُن ہی سے ثبوت دینا پڑتا ہے۔بہرحال علمائے حقہ رضوان اللہ علیہم نے احادیث کے جو ذخیرے نظام اجتہاد کی دستبرد سے بچ گئے تھے، ہم تک پہنچنے کا انتظام برابر جاری رکھا۔اور ہم اُس تباہ کار نظام کی چیرہ دستیوں کے باوجود آج بھی اپنے مخالفین سے زیادہ وسیع وصحیح ریکارڈ رکھتے ہیں۔یہ بات اس لئے دوبارہ یاد دلائی گئی ہے کہ آپ ہماری پیش کردہ احادیث کو ہمارے مذہب کا ٹوٹل ذخیرہ سمجھنے کے بجائے یہ سمجھیں کہ یہ احادیث اُس کتب خانہ سے پیش کی جارہی ہیں جس کو لوٹ کر تباہ کردیا تھا۔جو بچا کھچا سامان ہے وہ دکھایا جارہا ہے۔لہٰذا قارئین کرام کو چاہیئے کہ وہ اِن بنیادی حالات وواقعات کو نظر کے سامنے، اور کسی ابن زیادہ وحجاج وخلیفۃ المسلمین کی کھنچی ہوئی تلوار کو اپنے سر پر محسوس کرتے ہوئے آنے والے عنوان کو پڑھیں اور زیرلب یا اشارے سے ہمیں بتائیں کہ آپ کیا سمجھے؟؟

16۔ تشہد میں ولایتِ علویہ کے منکر شیعہ علمائے مجتہدین شیعہ پبلک کو جواب دیں؟

ہم فروع کافی ، کتاب الاستبصار اور من لا یحضرہ الفقیہ میں سے اُن ابواب پر نظر ڈالتے ہیں جن میں مسئلہ تشہد بیان ہوا ہے۔پہلے ہم یہ دکھاتے ہیں کہ اگر تشہد میں جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی ولایت پر شہادت دینے کا کھُلا موقعہ نہ ہوتو پھر توحید ورسالت کی شہادت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔حالانکہ مجتہدین اور ہم متفقہ طور پر تشہد کو نماز میں واجب

اور بلا تشہد نماز کو باطل مانتے ہیں، سُنئے :

(1) آخری رکعت کے آخری سجدہ کے بعد اگر وضو ٹوٹ جائے تو نماز مکمل ہوگئی

آنے والی حدیث یہ بتاتی ہے کہ آخری سجدہ مکمل کر کے جو سر اُٹھایا تو نمازی کی ہوا نکل گئی۔ یعنی وہ اب تشہد اور سلام نہ پڑھ سکنے کی صورت میں کیا کرے؟ عبید بن زرارہ حضرت امام جعفرؑ صادق سے دریافت کرتے ہیں کہ:۔

اَلرَّجل یحدث بعد ما یرفع رأسه من السجدة الاخیرة؟ قال: تمت صلاته و اِنّما التشهد سنة فی الصلاة......الخ (استبصار جلداوّل صفحہ 342، تہذیب الاحکام جلداوّل صفحہ 163)

''ایک شخص آخری سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی پاد مارتا ہے؟ فرمایا کہ اس کی نماز پوری ہوگئی۔ یقیناً جس تشہد کی بات ہورہی ہے وہ تو نماز میں رسمی سُنّة ہے۔''

قارئین نوٹ فرمائیں کہ جب ہوا خارج ہو جانے کے بعد بلا تشہد وسلام کے نماز پوری اور مکمل ہوگئی تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ ''نماز میں تشہد سنت ہے۔'' اس لئے کہ سائل کوئی بچہ نہیں ہے اور نہ آج پہلے دن وہ نماز کے مسائل معلوم کررہا ہے۔ اُسے نماز پڑھتے ہوئے چالیس سال کے قریب ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اُس کا سوال اپنی یعنی شیعہ نماز کے متعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ عبیدؓ بن زرارہ اُس روز تک بے نماز اور نماز سے جاہل تھے۔ بات وہی ہے کہ جو تشہد چاروں طرف پڑھا جارہا ہے اُسکی پوزیشن کیا ہے؟ اُسے آپؑ نے رسولؐ اللہ کی یا اپنے واپنے آباء کرام علیہم السلام کی سُنّة نہیں فرمایا۔ لہٰذا لفظ سنت سے یہ ظاہر فرمایا کہ امام شافعی، اوزاعی، مالک اور تمام اہل عراق دو رکعتوں کے بعد والے تشہد کو سنت کہتے ہیں اور ابوحنیفہ، امام ثوری اور اوزاعی اور امام مالک دوسرے تشہد کو بھی سنت قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ اہل خلاف کی شریعت میں سنت تھی۔ اور سائل نے یہی دریافت کیا تھا، نہ کہ شیعہ نماز کا تشہد۔ اس حدیث کو عموماً شیعوں کیلئے سمجھا گیا ہے۔ اور اس کے آخر میں ایک آدھ جملہ اور بھی امامؑ کے منہ سے اضافہ کیا ہے مثلاً آخر میں کہا کہ: (وَیتوضی ویجلس مکانه أومکاناًنظیفًا فَیتّشهّد)

''اور وہ شخص وضو کر کے یا تو اُسی جگہ جہاں نماز مکمل کی یا کہیں بھی صاف جگہ پر تشہد پڑھ لے۔'' سوال یہ ہے کہ زیر نظر سُنت ہو یا سنت رسولؐ ہو۔ اُس کی قضا پڑھنا تو مجتہد کے مسائل میں غلط ہے پھر چھوٹی ہوئی سنت کو کیوں پڑھا جائے؟

وہ حضرات جنہوں نے اس حدیث کو بلا کسی داخلی دلیل کے شیعوں کا مسئلہ سمجھا ہے۔ اُنہوں نے حدیث کے واضح الفاظ یعنی آخری سجدہ سے سر اُٹھاتے ہی پاد مارتا ہے (یحدث بعد ما یرفع راسه من السجدة الاخیرة) کے باوجود خود ہی بلا کسی دلیل کے یہ سمجھا کہ: ''فالوجه فی هٰذِهِ الروایة ان نَحمَلُهَا عَلٰی من احدث بعد الشهادتین۔'' (الاستبصار جلداوّل صفحہ 342)

''اس روایت کی وجہ ہم اس بیان کو اُس آدمی پر چسپاں کرتے ہیں۔ جو دونوں شہادتیں (وحدانیت کی شہادت اور رسالت کی شہادت) پڑھ چکنے کے بعد پاد مارے۔'' یہ بیان جناب علامہ طوسی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا روایت لکھ کر سپرد کتاب کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ روایت کے الفاظ علامہ کے بیان کو برداشت نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم حدیث کے الفاظ کو علامہ کی ذاتی رائے سے رد نہیں کر سکتے۔ حدیث نے ثابت کر دیا کہ غیر شیعہ لوگوں میں جو تشہد پڑھا جا رہا ہے۔ وہ اُن کی اپنی خود ساختہ سنت ہے۔ اور اُن کی تیار کردہ فقہ میں بھی واجب نہیں تھا۔ اور اُن کے یہاں محتاط فتویٰ یہ ہے کہ دوبارہ وضو کر کے جب چاہو جہاں چاہو پڑھ لو۔ یہی علامہ لکھتے ہیں کہ :اِنْ شاء رجع الی المسجد واِن شاء ففی بیتہٖ واِنْ شاء حیث شاء...الخ (ایضاً صفحہ 402) اگر چاہے مسجد میں یا اپنے گھر میں یا جہاں بھی چاہے۔''

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہمارا اُن ساڑھے تین کتابوں کے محدثین رضی اللہ عنہم کہیں مذکورہ چار سو (اربعہ مائہ) کتب حدیث کا تذکرہ نہیں کرتے اور کہیں یہ تاثر نہیں دیتے کہ اُن کے مرتب کردہ ذخیرہ حدیث کے علاوہ بھی کوئی اور ذخیرۂ حدیث موجود تھا۔ اور نہ یہ بتایا ہے کہ اُنہوں نے اپنی یہ کتابیں کن کن قدیم کتابوں سے نقل کی ہیں۔ اور غور کرنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات ایسا چاہتے ہیں کہ پوری ملت شیعہ اُن کی تصنیفات کے اندر محدود رہے۔ یہ وجوہات ہیں کہ ہم اُن حضرات کی کھینچی ہوئی سرحد میں محصور نہیں رہتے۔ اور اُن کی سمجھ کو آخری سمجھ نہیں سمجھتے۔ یہ سب حضرات تقیہ کا رونا روتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہرگز تقیہ کا زمانہ نہ تھا۔ شیعہ علما کو وظائف اور کرسیاں مل رہی تھیں۔ جناب السید مرتضیٰ علم الھدیٰ لاکھوں روپے اور عظیم الشان جاگیر کے مالک تھے۔

(2) جس تشہد کا ذکر ہوا ہے۔ اُس میں کوئی شہادت لازم نہ تھی

جب ہم شیعہ نماز کے تشہد کا ذکر یا تصور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے وحدانیتِ خداوندی اور رسالتِ محمدؐی و ولایت علویہؑ پر شہادت کا اعلان آ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر جس تشہد میں کوئی بھی شہادت نہ ہو یقیناً وہ صرف سرکاری اور خود ساختہ نماز ہی کا تشہد ہو سکتا ہے۔

(i) حبیب الخثعمی عن ابی جعفر علیہ السلام قال: سمعتہ یقول: اذا جَلَسَ الرجل لِلتَّشہّد فحمد اللّٰہ و اثنی علیہ اجزأہ۔ (ایضاً استبصار صفحہ 344 اور تہذیب الاحکام جلد اوّل صفحہ 163) (وغیرہ)

حبیب نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سُنا فرماتے تھے کہ جب ایک شخص تشہد کے لئے بیٹھا اور اُس نے اللہ کی حمد و ثنا کر دی تو جائز ہے۔'' یعنی الحمد اللہ کہہ دینا بھی کافی ہے؟

اس حدیث میں تینوں شہادتیں غائب کر کے بھی تشہد جائز رہا۔ حالانکہ آج مسلمانوں کے مکاتیب فکر کی کثرت کے نزدیک وحدانیت و رسالت کی شہادت کے بغیر نماز باطل ہے۔ لیکن ہم اس لئے مطمئن ہیں کہ بلا شہادتِ ولایت پوری نماز ہی باطل ہے

اور یہ حدیث بھی سرکاری نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے۔ ہمارے لئے نہیں ہے۔ اور ہم شیعہ مجتہدین پر اس حدیث کو بطور حجت پیش کر کے کہتے ہیں کہ جناب اس حدیث میں بھی اور سابقہ حدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ نماز بلا وحدانیتِ خداوندی اور رسالت محمدؐی جائز ہے۔ اور اُن دونوں شہادتوں کی زیادہ سے زیادہ پوزیشن سنۃِ رسولؐ اللہ مانی جاسکتی ہے۔ اور آنحضرتؐ عرصہ دراز تک اپنی ذاتِ گرامی کو اغیار کی نماز سے باہر رکھتے بھی رہے تھے تو جناب یہ بتائیں کہ جب پورا تشہد سنت ٹھہرا تو کیوں نہ اُس سُنت میں سنت رسولؐ کی سب سے پسندیدہ سنت کو داخل کردیں؟ یعنی اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ وَصِیّ رسولُ اللّٰہ اور اَللّٰھُمّ صلی عَلٰی محمدؐ و آل محمدؐ کیوں نہ پڑھ لیا کریں؟ کیا سُنۃِ رسولؐ میں سُنّۃِ رسولؐ کا اضافہ کسی آیت یا حدیث سے منع ہے؟

اور جب یہ اجازت موجود ہے کہ تشہد میں حمد وثنائے خداوندی کرنے سے تشہد جائز طور پر پُورا ہو جاتا ہے تو شہادتِ ولایت کے اعلان سے اللہ کی حاکمیت مطلقہ کا اعلان بھی ہو جاتا ہے۔ اُس کا بلاشرکتِ غیرے وَلی مُطلق اور واحد و یگانہ ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وَصِیُّ رَسولُ اللّٰہ کہنے سے یہ اعلان بھی ہو گیا کہ رسالت اور ہدایت کا مالک بھی اللہ ہی ہے۔ اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے بعد اُمت کو اجتہاد اور خطا کارانہ نظام کے حوالے نہیں کیا تھا۔ بلکہ قیامت تک انسانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے معصوم ہدایت کار جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے سپرد کیا تھا۔ اس اعلان سے اُدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا ہو گئی۔ اور اُدھر اللہ کی حمد وثنا بھی اُس اعلان میں ثابت ہے۔ یعنی اللہ نے انسانوں کو خواہ مخواہ پیدا نہ کر دیا تھا۔ بلکہ اُنہیں ترقی کے منتہائے کمال پر پہنچانے کے لئے ادارۂ نبوت و رسالت و امامت و وصایت بھی قائم کیا تھا۔ اور دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں انسانوں پر اپنے لامحدود انعامات کی راہیں کھول دی تھیں۔ بتایئے، مگر کوئی آیت یا حدیث پڑھ کر بتایئے کہ ہم اپنے اس فیصلے میں کیسے اور کیوں صحیح نہیں ہیں؟ اور کیا اس طرح ہم نے حدیث میں آئے ہوئے جملہ فَحَمَدَ اللّٰہ وَاَثنی علیہ ''پس تشہد میں اللہ کی حمد وثنا کر لینا جائز ہے۔'' کا حق ادا نہیں کر دیا؟ کیا ہماری تائید میں وہ تمام احادیث جو ہم نے سابقہ عنوانات میں لکھیں اور اُن کے علاوہ سینکڑوں احادیث و آیات متفق نہیں ہیں؟ کیا ذکر علیؑ عبادت نہیں ہے؟ کیا نماز کے تشہد میں عبادتِ خداوندی کے سوا کچھ اور درکار و مطلوب ہے؟ کیا علیؑ صراط مستقیم نہیں ہے؟ کیا علیؑ مکمل دین نہیں ہے؟ کیا تشہد کی سُنۃ یا کہ فرضیت میں تم صراط مستقیم سے جدا اور دین سے خارج ہونا بہتر سمجھتے ہو؟

(3) ولایت کو رسالت اور وحدانیت سے کسی بھی حالت میں جُدا نہیں کیا جائے گا

(الف) ولایت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے: سابقہ عنوانات میں قارئین نے یہ حدیث دیکھی تھی کہ:۔

''اسلام تین پایوں پر قائم ہے۔1: نماز 2: زکوٰۃ 3: ولایت۔ اِن میں سے کوئی ایک باقی دو کے بغیر صحیح نہیں ہے۔''

مجتہدین کے علاوہ ہر دانا و بینا شخص یہ مانے گا کہ نہ تنہا زکوٰۃ صحیح ہے، نہ ولایت کے بغیر نماز صحیح ہے۔ یعنی لفظ اسلام صادق نہیں آتا جب تک ولایت اُس میں موجو نہ ہو۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ جس طرح نماز و ولایت و زکوٰۃ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اور اُنہیں الگ الگ ادا کرنا غلط ہے۔ اُسی طرح 1: وحدانیتِ خداوندی 2: رسالت محمدیؐ اور 3: ولایتِ علویہؑ لازم و ملزوم ہیں۔ اُنہیں الگ الگ رکھنے والا مسلمان اللہ و رسولؐ کا نافرمان اور گنہگار ہے۔ اور اگر علم دین حاصل کر چکنے کے بعد ایسا کرتا ہے تو اسلام سے خارج ہے۔ اور اگر یہ عمل کسی فریب خوردگی یا علم کی کمی کی بنا پر کیا ہے تو بخشش کا حقدار ہے۔

ماروٰاہ الشیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی فی کتاب الاحتجاج عن القاسم بن معاویہ قال: قُلْتُ لِاَبی عبداللّٰہ علیہ السلام ھٰؤُلآءِ یَروُون حدیثًا فی معراجھم اَنّہ لَمَّا اَسریٰ برسولؐ اللّٰہ رَاٰی عَلَی الْعرش لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ ابوبکر الصدیق فقال: سبحان اللّٰہ غَیَّروُاکل شیءٍ حَتّٰی ھٰذا؟ قلت نعم۔ قال اِنَّ اللّٰہ عزّوجلّ لَمَّا خَلَقَ العرش کتب علیہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمدٌ رَّسوؐل اللّٰہ علی امیرالمومنین علیہ السلام ثُمَّ ذکر کتا بۃ ذلک عَلَی الامآءِ وَالکرسی وَاللَّوح وجبھۃ اسرافیلؑ وجنا حی جبرئیلؑ واکناف السمٰوٰاتِ والارضین و رؤُس الجبال والشمس والقمر۔ ثُمَّ قال: فَاذَا قَالَ اَحَدُ کُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، محمدٌ رسُوْلُ اللّٰہ فَلْیَقُلْ عَلِیٌؑ اَمِیرُالمؤمنین۔''

جناب الشیخ احمد بن ابی طالب یعنی علامہ طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج طبرسی میں اس حدیث کو پیش کر کے احتجاج کیا ہے کہ:

''قاسم بن معاویہ نے کہا کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ اطلاع دی کہ حضور یہ لوگ اپنے یہاں معراج کے متعلق ایک ایسی حدیث بھی بیان کرتے ہیں جس میں رسولؐ اللہ نے عرش پر لا اِلٰہ اِلا اللہ محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ ابوبکر الصدیق بھی لکھا ہوا دیکھا تھا۔ یہ سُن کر فرمایا کہ ''سبحان اللہ۔ اُنہوں نے تمام دینی مسائل کو تبدیل کر دیا مگر کیا یہ حدیث بھی گھڑ لی گئی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یہی صورت حال ہے، فرمایا کہ بتحقیق جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا تھا تو اس پر لکھا تھا لا الٰـہ الَّاالـلّٰـہ محمدٌ رسول اللّٰہ علیؑ امیر المؤمنین، پھر اُسی طرح یہ ذکر فرمایا کہ یہ کلمہ آب حیات پر، لوح و کرسی پر، اسرافیلؑ کی پیشانی اور جبرائیلؑ کے پروں پر، آسمانوں اور زمینوں کی سرحدوں پر، اور چاند و سورج اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر لکھا گیا۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کبھی بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، محمدٌ رسُوْل اللّٰہ کہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ عَلِیٌّ اَمِیْرُالمؤمنین بھی کہے۔''

(ب) توحید و رسالتؐ و ولایتؑ کے لزوم پر چند گزارشات

یہ حدیث اعلان وایمانِ ولایت کو ہر حال میں ایمان باللّٰہ و ایمان بالرسولؐ کے ساتھ لازم و ملزوم کرتی ہے۔ اس مطلق عمومیت کے باوجود ولایت کو اذان و نماز سے خارج کر دینا جن بہانہ بازیوں پر منحصر رکھا گیا ہے اُن کی کوئی دینی حیثیت

نہیں۔ جس طرح یہ اور دیگر سینکڑوں احادیث ہمارے موقف پر اور مجتہدین کے خلاف موجود ہیں۔ اُسی طرح مجتہدین اور مخالفینِ ولایت سے کم ازکم ایک ایسی حدیث طلب کرنا چاہئے جس میں کچھ ایسا بیان ہو کہ:۔

''ولایت وامامت پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ نماز کے تشہد میں علیؑ ولی اللہ پڑھنا غیر ضروری ہے یا منع ہے یا نماز کو باطل کرتا ہے۔''

ہم نے بار بار منکرینِ ولایت علمائے شیعہ کو چیلنج کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر شیعہ منکرینِ ولایت کے لئے چلتا پھرتا، بولتا چالتا چیلنج بن جائے اور زنجیر کے ماتم کے جائز ہونے اور نماز میں علیؑ ولی اللہ پڑھنے کا جو شیعہ عالم اقرار نہ کرے اُسے اپنی مسجد اور منبر سے سوگز دور رکھنا ہر مومن شیعہ اثنا عشری پر واجب ہے۔ اور اس قسم کے تمام علما کو منافق اور دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ سمجھنا لازم ہے۔ یہی علما ہیں جو شیعہ نقاب وعمامہ پہن کر ملتِ شیعہ میں عقائد کی تخریب کر رہے ہیں۔ ڈھکو اینڈ کمپنی کے علما اور اُن کے ایجنٹ پورے ملک میں شیعہ مساجد اور منبروں پر قبضہ کی مہم چلا رہے ہیں۔ آپ ہر پیش نماز کو یہ کتاب دکھائیں۔ اِس کے بعد اگر وہ آپ کی مسجد میں نماز کے دونوں تشہد میں اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہِ وصی رسولؐ اللّٰہ و خلیفتہ بلا فصل نہیں پڑھتا تو اُسے نہایت مودّبانہ طریقہ پر اپنی مسجد سے رخصت فرمادیں۔ یہ وہ طریقہ ہوگا جس سے حق وباطل الگ الگ ہوجائے گا۔ شیعوں میں پوشیدہ وہ لوگ ظاہر ہوجائیں گے جنہوں نے حضرت مولانا محمد حسین ڈھکو مجتہد کی تقلید میں اُن کا مذہب اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ایسے پیش نمازوں کی بھی طرفداری کریں گے جو نماز میں علیؑ ولی اللہ کہنے سے نماز کو باطل سمجھتے ہوں گے۔ اور یوں وہ بیس فیصد لوگ الگ ہوجائیں گے جن کو ڈھکو نے اپنا حقیقی شیعہ لکھا ہے۔ اور وہ حقیقی شیعانِ محمد وآل محمد علیہم السلام الگ ہوجائیں گے۔ جن پر ڈھکو صاحب نے شیخی اور غالی ہونے کی تہمت لگائی ہے۔ اور یوں اُنہیں کھل کر معلوم ہوگا کہ حقیقی شیعہ ہر دشمنِ اہل بیتؑ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ خواہ وہ شیخی ہو یا غالی ہو یا ڈھکوی اور قمی مذہب پر ہو۔ اس طرح خالص مومنین اُس ناسور سے پاک ہوجائیں گے جو نفاق کے پردہ میں بڑھتا چلا جارہا ہے۔

دوسری گزارش اُس گروہ سے ہے جو اہلسنت والجماعت میں سُنی نقاب پہن کر شیعوں اور اہلسنت میں فساد برپا کرنے کیلئے نت نئے پمفلٹس اور کتابیں عوام میں تقسیم کر رہا ہے۔ اُن سے یہ کہنا ہے کہ تم بھی مذہباً کھُل کر سامنے آؤ۔ اہلسنت مذہب کی آڑ سے نکلو۔ کھل کر اپنا امام یزید وابن زیاد وغیرہ کو مانو، اپنی الگ جماعت اور مسجدیں تعمیر کرو۔ اور اگر تمہارے نزدیک یزید امیر المومنین تھا؟ تو تم یقیناً خلیفہ اوّل ابوبکر کو امیر المومنین مانو گے؟ لہٰذا تم جلد از جلد اپنی اذان ونماز میں مندرجہ بالا حدیث میں مذکورہ کلمہ یعنی اشھد اَنْ لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد اَنّ محمداً رسول اللّٰہ و اشھد ان ابوبکر امیر المومنین داخل کرلو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اِسلئے کہ اسلام کسی مذہب اور مکتب فکر پر جبر نہیں کرتا (لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ بقرہ 2/256)۔ ہر

شخص کواپنے دین پر برقرار رہنے کی اجازت ہے (لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ o کافرون 109/6) مگر دورنگی اور دورخی اور منافقت تمام مذاہب میں مذموم اور فریب سازوں کا کام ہے۔ لہٰذا آؤ کھُل کر بات کرو اور پھَلو پھُولو۔

تیسری گزارش اہلسنت والجماعت کے علمائے صالحین اور نیکو کار و ذمہ دار عوام اہلسنت سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اور آپ صدیوں سے مل جل کر رہتے اور اپنے اپنے مذہب پر عمل کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے تعاون کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اسلام کا حکم بھی یہی ہے کہ نیک اور مفید کاموں میں سب سے تعاون کرو (مائدہ 5/2)۔ ہم میں رشتہ داریاں اور شادی بیاہ آج تک ہوتے چلے آئے ہیں، ایک دوسرے کی وراثت کے حق دار رہے ہیں۔ عزاداری حسینؑ مظلوم اور محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دیگر رسوم میں آپ نے ہم سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ شیعہ مجتہدین کے مقابلہ میں آپ کے بزرگ علما نے فضائل محمدؐ وآل محمدؐ ہزاروں درجہ بہتر لکھے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی ہماری طرح منافق گروہ کی نقاب اتار لیں۔ انہیں اپنی مساجد اور منبروں سے دور کر دیں۔ اور ہماری طرح آپ بھی اُن کے سامنے اپنے مذہب پر ایمان کی دوٹوک اور فیصلہ کن شرائط رکھ دیں تاکہ وہ گھبرا کر آپ کی آڑ سے باہر نکلیں اور یوں حقیقی اہلسنت والجماعت اس مفسدہ پرداز گروہ سے پاک ہو جائیں۔ ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام کو اُسی معیار پر پیش کریں گے جو اُنؑ حضرات کی احادیث میں مذکور و واضح ہے۔ اسی لئے ہم ڈھکوی وقتی ٹائپ کے علما کو اُمت کے رُوبرو بے نقاب کر رہے ہیں۔ تاکہ آئندہ تقریروں اور تحریروں میں وہ مجتہدانہ طرز عمل بند ہو کر مفقود ہو جائے۔ جس سے شیعہ سُنی منافرت پھیلتی تھی۔ اور اختلافات کی خلیج دن دُونی رات چوگنی ہوتی جاتی تھی۔ اگر آپ نے ہماری گزارشات پر عمل کیا تو یقیناً ہم سب اپنی ملکی قوت وحکومت کو دائماً مضبوط کر سکیں گے۔ انشاءاللہ والامام علیہ السلام۔

(4) آئمہ علیہم السلام سے سوالات اور تشہد پر اُنؑ کے جوابات کو سمجھنے کا طریقہ

قارئین کرام یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ 7 ہجری کے بعد امام محمد باقر وجعفر صادق علیہما السلام کے زمانہ تک، رکاوٹوں اور ممانعتوں کے باوجود بھی مسلمانوں کا بچہ بچہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ نماز کے تشہد میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور محمدؐ رسول اللّٰہ کہا جانا چاہیئے۔ لہٰذا اُن دونوں آئمہ علیہما السلام سے تشہد کے متعلق جتنے سوالات کئے جاتے تھے۔ اُن کا مطلب ہرگز یہ نہ ہوسکتا تھا کہ تشہد میں وحدانیت اور رسالتؐ کا اعلان کیا جائے یا نہیں؟ بلکہ ہر سوال میں جو بات جاننا چاہتے تھے وہ یہ ہوتی تھی کہ:۔

1: آیا یہ دونوں شہادتیں کافی ہیں یا نہیں؟ یا

2: کیوں نہ اُن میں سے کسی ایک کو پڑھ لیا جائے؟ یا

3: کیوں نہ اُن دونوں کو چھوڑ دیا جائے؟ یا

4: کیوں اور کب تک شہادتِ ولایت کو نہ پڑھا جائے؟ یا

5: کیا اُن حالات میں بلا ولایت کی شہادت کے نماز قبول ہو سکتی ہے؟

پھر آئمہ علیہم السلام کے ہر جواب میں کسی نہ کسی طرح اِن ہی سوالات کا جواب ہوتا تھا۔ اور لوگ یعنی بعد کے بعض علما اپنی سادگی یا چالاکی سے ہر جواب میں اُن ہی دونوں شہادتوں کو تلاش کرتے تھے۔ یعنی احادیثِ معصومین علیہم السلام کے اندر اپنا خود کاشتہ مفہوم پڑھ لیا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر:۔

(اوّل) دونوں شہادتیں واجب ہوتیں تو کسی بھی حدیث میں اس کے خلاف کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر دفعہ ایک ہی جواب ملنا چاہئے تھا کہ وحدانیت و رسالت واجب ہے۔ لیکن احادیث کی کثرت اُن دونوں کی نفی کرتی ہے۔ اُنہیں سُنۃ بتاتی ہے۔ اور اُن کے بغیر نماز کو مکمل اور صحیح کہتی ہے۔

(دوم) آئمہ معصومین علیہم السلام نے جہاں جہاں جواب میں شہادتان یا شہادتَین فرمایا ہے۔ وہاں ایسے تشہد کو جس میں یہ دونوں شہادتیں ہوں ادنیٰ یا گھٹیا قسم کا تشہد بھی فرمایا ہے۔ اُسے قلیل تشہد بھی قرار دیا ہے۔ لہٰذا ولایت کو رسالت اور وحدانیت سے الگ کرنے کے بعد اُن دونوں کو ماننے والوں کی پوزیشن بار بار معلوم ہو چکی ہے۔ اور اس پوزیشن کو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں تلاش کرنا صرف منکرینِ ولایت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

(5) لوگ دونوں طرف پڑھے جانے والے تشہد کی پوزیشن جاننا چاہتے تھے

(الف) بکر بن حبیبؒ کا تشہد کے بارے میں سوال

قارئین حضرات ذرا اس سوال و جواب پر غور فرمائیں۔ کافی جلد 3 باب تشہد فی رکعتین .... کی پہلی حدیث کہتی ہے کہ:

''عن بکر بن حبیب قال :سَألْتُ ابا جعفر علیه السلام عن التشهّد؟ فقال :لو کان کما یقولون واجبًا عَلَی الناس هلکوا۔اِنَّما کان القوم یقولون اَیْسَرُ مَا یَعْلَمُوْنَ ۔اِذَا حَمَدْتَّ اللّٰه اَجْزَاءَ عَنْکَ۔''

''بکر بن حبیبؒ نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے تشہد کے بارے میں سوال کیا؟ تو فرمایا کہ ''جس طرح لوگ کہتے ہیں؟ اگر اُسی طرح کا تشہد لازم کر دیا گیا ہوتا؟ تو لوگ فنا ہو کر رہ جاتے؟ حقیقتِ حال اسکے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں (اِنَّمَا) کہ قوم جو کچھ کہہ رہی ہے؟ وہ اُنکے علم میں آسان ترین قول ہے؟ رہ گیا تیرا معاملہ؟ تو جب تو نے اللہ کی حمد کر دی تو تیرا تشہد ہمارے نزدیک جائز ہے۔'' (باب التشهد فی الرکعتین الاولتین والرابعۃ والتسلیم حدیث 1)

قارئین اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ تو بحث و مباحثہ کے بعد بھی حقیقی طور پر معلوم ہونا ممکن نہیں رہا ہے۔ اس لئے کہ اب ہم نہ سائل سے معلوم کر سکتے ہیں نہ امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ مگر جو کچھ اس حدیث کے الفاظ سے پتہ

لگتا ہے وہ یہ کہ اصل جواب تو وہی سمجھا ہوگا جس نے سوال کیا اور جواب سے مطمئن ہو گیا۔لیکن میرے ذہن میں تو اس حدیث سے صرف سات عدد سوالات اُبھرے کھڑے ہیں۔اُن کو سنیں اور تشہد کے بارے میں جو کچھ اب تک آپ کو معلوم ہو چکا ہے اُس کی روشنی میں غور فرماتے چلیں اور ہمیں سمجھنے اور سمجھانے میں مدد دیں۔ہم نے حدیث کے ترجمہ میں مناسب مقامات پر سوالیہ نشانات لگا دیئے ہیں۔جن سے سوال تو سوال تھا ہی، جواب بھی سوالات بن کر رہ گئے ہیں۔سوالات سنئے:۔

1: جناب بکر بن حبیب نے تشہد کے متعلق کیا پوچھا تھا؟

2: لوگ تشہد میں یا تشہد کے بارے میں کیا کہتے تھے؟

3: لوگ تشہد میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ کیا تھا جو واجب نہ تھا؟

4: وہ کونسا تشہد تھا جس سے لوگوں کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا؟ اور جسکا وجوب لوگوں کی جان بچانے کیلئے ساقط ہو گیا؟

5: قوم سے کون لوگ مراد ہیں؟

6: یہ قوم تشہد میں کیا پڑھتی تھی؟

7: کیا اُس قوم کو بھی خطرہ تھا جو مشکل کو چھوڑ کر آسان ترین تشہد پڑھتی تھی؟ یا ازراہِ سُستی و کاہلی ایسا کرتی تھی؟ اور کیا اُسے یہ اختیار حاصل تھا کہ تشہد میں جو آسان ہو اُسے اختیار کر لے؟ اور مشکل کو چھوڑ دے؟

یہ ہے وہ حدیث جس کو ہمارے سادہ لوح علمائے محدثین اور محققین نے بڑی سادگی سے ٹرخا دیا ہے۔حالانکہ اس کو جناب علامہ محمد یعقوب کلینی رضی اللہ عنہ نے تشہد کے باب میں افتتاحی مقام دیا تھا۔اور اس کے بعد والی حدیث بھی اسی اہمیت کی لکھی تھی۔وہ بھی سن لیں تو مندرجہ بالا سوالات کا نتیجہ اخذ کریں گے۔

(ب) بکر بن حبیبؒ کا ایک واضح سوال

قُلْتُ لابی جعفرٍ اَیُّ شَیْءٍ اَقُوْلُ فی التشہّد و القنوت؟ قال: قُلْ بِاَحْسَنِ مَا عَلِمْتَ فَاِنَّہُ لو کان مَوَقّتًا لَھَلَکَ الناس ۔(کافی جلد 3 کتاب الصلاۃ باب التشھد فی الرکعتین الاولتین والرابعۃ والتسلیم حدیث نمبر 2)

''میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ میں تشہد اور قنوت میں کیا کہا کروں؟ فرمایا کہ ''تشہد اور قنوت کے متعلق اپنی دینی معلومات میں سے جو بہترین وموزوں ترین ہو وہ پڑھ لیا کر۔یقیناً وہ چیز جو تیرے اور میرے دل میں ہے(اِنّــــہٗ) اگر اُسے ہر وقت وقتی پابندی سے عائد کر دیا گیا ہوتا تو وہ ہلاکت آفرین بن جاتا اور پڑھنے والے لوگ مارے جاتے۔''

اس حدیث میں بھی امام علیہ السلام کے سامنے لوگوں کی ہلاکت سے حفاظت استقلال کے ساتھ قائم ہے۔اور بکر بن حبیب کو یہاں بھی حقیقی جواب الفاظ کی صورت میں نہیں دیا ہے۔بلکہ جس طرح پہلی حدیث میں جواب یہ تھا کہ:۔

''تشہد میں وہ کچھ پڑھا جا رہا ہے جو آسانی سے جان کی حفاظت کر سکتا ہے۔اور معلومات دینیہ کا نچوڑ ہے۔''

اور یہاں یہ جواب ہے کہ:۔

''جب وقت مناسب ہو تو اپنی معلومات دینیہ کا بہترین تشہد اور بہترین قنوت پڑھا کرو۔ ورنہ پہلے جواب سے استفادہ کرو مگر دونوں صورتوں میں دشمن سے محفوظ اور سلامت رہو۔''

(ج) مذکورہ بالا سوالات پر ایک نظر

اُن سات جواب نُما سوالات میں جو بات سب سے زیادہ اُبھر کر سامنے آ رہی ہے وہ کوئی ایسا تشہد ہے جو پیش پا اُفتادہ حالات میں پڑھنا جان لیوا ثابت ہو چکا ہے۔لہٰذا بکر بن حبیب ہر دفعہ اُسی تشہد کے بارے میں سوال کرتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ تشہد میں نہ حمد وثنائے خداوندی خطرناک ہے نہ توحیدِ خداوندی کا بیان جان لیوا ہے۔نہ رسالت محمدؐی کا اعلان کرنا جُرم ہے۔اور نہ بلا تشہد کے نماز پڑھنا کوئی خطرہ پیدا کرتا ہے۔الغرض ہر وہ چیز تشہد میں پڑھنا ھلاکت خیز نہیں ہے۔جس کی اجازت **کافی** و**اِستبصار**،**من لا یحضرہ الفقیہ** اور**صحاح ستہ** میں دی گئی ہے۔ورنہ نہ اُن کی اجازت اور جواز ہوتا نہ لوگ آزادی سے اُنہیں تشہد میں پڑھتے۔بس صرف ایک ہی ایسا اعلان تھا جس کا شبہ بھی بلا گواہی قتل کرا دیتا تھا،اہل وعیال لوٹ لئے جاتے تھے، گھر مسمار کر دیا جاتا تھا۔خواہ اعلان کرنے والا خود خاندانِ رسوؐل کا فرد ہو اور خواہ نواسہِ رُسوؐل حسینؑ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ پورا خاندان اور قوم ہو۔سب کے لئے وہ اعلان پیغامِ ہلاکت تھا اور وہ تھا۔

اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ۔وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فَصْل۔

اِسی تشہد پر نہایت محتاط سوال وجواب ہوتے تھے۔شیعہ لوگ اِسی کی باتیں کرتے تھے۔اسی کی کھُلی اجازت مانگ کر درجہ شہادت پر فائز ہونا چاہتے تھے۔اور آئمہ علیہم السلام اُسی کو پوشیدہ پڑھنے کی تاکید کرتے تھے۔جہاں بلند آواز سے تشہد پڑھنا لازم ہو جائے تو اُن کی حفاظت کے لئے مختلف تشہد کی اجازت دے کر اُن کی جان بچاتے اور اُن کی نمازوں کی مقبولیت اور اثر انگیزی و نتیجہ خیزی کی ذمہ داری لیتے تھے۔اور خطرات کو سہولت سے ٹال جانے کی راہیں بتاتے تھے۔علمائے شیعہ کا یہ سمجھ لینا کہ جن چیزوں کی کھلی اور عام اجازت دی ہے وہی واجب اور فرض ہیں۔اور باقی چیزیں غیر ضروری و مستحب وغیرہ ہیں۔محض اس لئے ہے کہ اُنہوں نے مجتہدانہ چکر دار اور خود ساختہ اصولوں سے دین فہمی اور استنباط مسائل اختیار کیا تھا۔بہر حال مجتہدین اور محدثین میں ایسے مستقیم المزاج اور نیک دل لوگ بھی گزرے ہیں۔جنہوں نے جہاں توحید ورسالت کی شہادت کو واجب قرار دیا وہاں شہادتِ ولایت کو بھی مستحب لکھا۔مگر اتنے دبے ہوئے اور ڈھیلے الفاظ میں لکھا کہ مذہب شیعہ کی کثرت تک بات نہ پہنچی۔درحقیقت لوگ خود ڈھکوی ٹائپ کے سرکاری مجتہدین سے ڈرتے تھے۔شیعہ حکومتیں اُن کے اشارہ پر چلتی تھیں۔وہ شیعہ

حکومتوں کے جائز و ناجائز مقاصد کا تحفظ کرتے تھے۔ اور میرے ایسے علما کو قتل کرانا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا تھا۔ اِس لئے ہمارے علما کی کافی تعداد اُن شیعہ مجتہدین سے دبی رہتی تھی۔ بہرحال وہ تشہد جس کے بغیر نماز باطل ہے وہی ہے جس کو ہر مومن پر واجب و لازم و فرض کیا گیا ہے۔ خواہ امن کا زمانہ ہو یا یزیدی دَور ہو۔ البتہ یہ اجازت ہے کہ پوشیدہ پڑھ لیں، دل میں پڑھ لیں۔ اہل خلاف کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنے کا موقعہ نہ ملے تو کھڑے ہو کر پڑھ لیں۔ اور یاد رکھو کہ ولایت کی شہادت کے بغیر تشہد کی وہی حیثیت ہے کہ اگر **الحمد لِللہ** کہہ دو تو کافی ہے۔ صرف **لا الہ الا اللہ** کہہ دو تو شیعوں کی نماز ازراہِ مجبوری ہو جائے گی۔ اور آخری سجدہ کے بعد ہوا نکل جائے تو قبول کرلی جائے گی۔ مگر یہ سب کچھ باطل ہوگا اگر عمداً اور آزادی کے عالم میں ایسا کیا۔ یہ تو صرف اور صرف قتل و غارت سے بچنے کے لئے ہے۔ اور ایسا کرنے کے لئے تازہ اجازت حاصل کرنا بھی واجب ہے۔ ورنہ تمام رعایتی صورتوں والا تشہد باطل اور نماز مردود ہے۔ اور وہ تمام فتاویٰ باطل و مردود ہیں جو پُرامن ماحول میں آزادی کے زمانہ میں شہادتِ ولایت کے بغیر نماز کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یا نماز میں علیؑ ولی اللہ وغیرہ پڑھنے سے نماز کے فاسد ہو جانے کا فیصلہ سُناتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ایسے فتاویٰ صادر کرنے والے کم از کم فریب خوردہ لوگ ہیں اور زیادہ سے زیادہ دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ اُنہیں شیعہ علما میں شمار کرنے والے بھی گنہگار اور ملتِ شیعہ کو نقصان پہنچانے میں مددگار ہیں۔

اس اتمامِ حجت کے بعد اب ہم آپ کو ایسے تشہد دکھاتے ہیں جو آپ نے نہ کبھی پڑھے نہ آپ کو اُن کی ہوا لگنے دی۔ اس لئے کہ اُن کو سُن کر آپ کی جرأت بڑھ جاتی اور آپ یہ دریافت کرنے کی جسارت کرتے کہ جناب جب تشہد میں حضرت عمر کی ایجاد کردہ دعا (التحیات) پڑھی جاسکتی ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی اور جب حضرات جبرائیل و میکائیل علیہما السلام اور تمام انبیاؑ کا ذکر و سلام ہوسکتا ہے اور نماز باطل نہیں ہوتی تو حضرت علی ہی نے ایسا کون سا قصور کیا ہے کہ اُن کا تشہد میں ذکر نہیں آسکتا؟ اور اُن کے ذکر سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟ (ڈھکو کا فتویٰ) اور یہ سوال تو الگ۔ پھر تو آپ بلاکسی کے فتویٰ کے ولایت کی شہادت تشہد میں شامل کرلیتے۔ نقاب پوش مجتہدین تو یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ:

''نماز کے تشہد میں علیاًّ ولی اللہ پڑھنے کا جذبہ مفوضہ اور شیخی مذہب کی انگیخت کا پتہ دیتا ہے۔''

قارئین نوٹ کریں ان خبیثوں نے نہ شیخی مذہب کی کتابیں پڑھیں نہ آج یا کل کوئی مفوضہ نام کا فرقہ یا مکتبِ فکر تھا۔ یہ لوگ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے شیعوں کو دُور دُور رکھنے کے لئے طرح طرح کے فریب و افترا اور دروغ بافیاں کرتے ہیں۔ اور ولایتِ علویہؑ کو تو کسی قیمت پر نماز میں نہیں آنے دینا چاہتے۔ لیکن ہم اس ابلیسی گروہ کا راستہ روکتے جارہے ہیں۔ آپ کے سامنے شیخی مذہب کے عقائد پر کتاب و اشتہار آچکے ہیں۔ جن میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شیخی مذہب اور ڈھکوی مذہب سو فیصد ابلیسی نظام کی دو مثبت و منفی شاخیں ہیں۔ اور یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ شیخی مذہب کے لوگ ہرگز نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ نہیں پڑھتے بلکہ ڈھکوی مجتہدین

کی پیروی میں صرف دوشہادتیں اور درُود پڑھتے ہیں۔ سنئے :۔

(i) ''وازیں قبیل اختلافات در اخبار بسیار است۔ خلاصہ پس بحمد اللہ ایں مطلب بے دلیل نیست واگر چہ عمل ما امروزہ بھماں حدواجب است (صفحہ 304)۔ ترجمہ: ''اس سلسلے میں احادیث کے اندر بہت اختلاف ہے خلاصہ یہ کہ یہ مطلب بلاکسی دلیل کے نہیں ہے اور اگر چہ ہمارا اپنا عمل درآمد آج تک اُسی واجب تشہد پر ہے۔''

(ii) اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ: ''وعملمان ہم بزھمان شھادتین است وصلوٰت۔'' (صفحہ 305-306)

ترجمہ: ''اور ہمارا عمل بھی اُن ہی دونوں شہادتوں پر ہے اور درود پر۔''

(کتاب نود (90) مسائل صفحہ 304-306 مصنفہ شیخی سربراہ زین العابدین خان کرمانی)

بتایئے کہ یہ فریب ساز گروہ کس قدر کاذب وملعون ہے کہ اُدھر اپنے ہم مذہب شیخیوں پر تہمت لگاتا ہے۔ اِدھر شیعوں کو اس جھوٹے بہانے سے ولایۃ سے دُور رکھتا ہے کہ یہ عمل شیخیوں کا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ حالانکہ یہ دلیل بھی ایک دھوکہ ہے۔ ذرا سوچئے کہ اگر یہود توریت کو، اللہ کو، قیامت کو اور سابقہ انبیاؑ کو مانتے ہیں تو کیا ہم اُن تمام چیزوں کا اس دلیل کی وجہ سے انکار کردیں کہ یہود باطل پرست ہیں؟ مطلب یہ کہ یہ لوگ سر سے پیر تک اور اندر و باہر مجسمۂ فریب وکذب وافترا ہوتے ہیں۔

(6) اعلیٰ درجہ کا تشہد مجتہد نے غائب کررکھا تھا

قارئین ہم تشہد کی گفتگو کو مختصر کرتے کرتے سینکڑوں دلائل کو چھوڑتے اور بڑی اہم بحثوں سے دامن بچا کر گزرتے آرہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کتاب کو ادارہ کے حوالے کردیں۔ اس لئے ایک دم اعلیٰ درجہ کے کہلانے والے تشہد پیش کرتے ہیں لیکن پھر نوٹ کرلیں کہ جس تشہد کو مجتہدین نے اختیار کیا۔ اور جس تشہد کو کتاب کافی واستبصار کی احادیث سے بیان کیا وہ ادنیٰ تشہد تھے۔ وہ قلیل سے قلیل صورت والے تشہد تھے۔ جن کو آئمہ علیہم السلام نے بحالت مجبوری جائز ہونے کی سند دی ہے اور کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بس تشہد اسی قدر ہے یا یہ کہ اس کے علاوہ تشہد نہیں ہے۔ اب ہم قارئین کے سامنے امام محمدؑ باقر علیہ السلام کے بیان کردہ تشہد کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان کردہ تشہد پیش کرتے ہیں۔

بسم اللّٰہ وباللّٰہ والحمد للّٰہ والأسماء الحسنیٰ کلّھا للّٰہ، أشھد أن لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ،وأشھد أنّ محمّدًا عبدہ ورسولہ،أرسلہ بالھدی ودین الحقّ لیظھرہ علی الدّین کلّہ ولو کرہ المشرکون، التحیّات المبارکات الحسنات للّٰہ ، ماطاب وطھر و زکی وخلص و نمی فللّٰہ وما خبث فلغیرہ، أشھد أن لا الہ اِلّا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ وأشھد أنّ الجنّۃ حقٌّ،وأنّ الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا، وأنّ اللّٰہ یبعث من فی القبور،وأشھد أنّ ربّی نعم الرَّبُّ وأنّ محمّدًا نعم الرَّسول اُرسل ،وأشھد أنّ ما علی الرَّسول اِلّا البلاغ المبین،السلام علیک أیّھا

النبیُّ ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ،السلام علی محمّد بن عبداللّٰہ خاتم النبیّین،السلام علیٰ الائمّة الرّاشدین المھدیّین،السلام علیٰ جمیع أنبیاء اللّٰہ ورسلہ وملائکتہ،السلام، علینا وعلیٰ عباد اللّٰہ الصالحین"۔

حضرت صدوق کا فیصلہ یہ ہے کہ:۔

ویجزیک فی التشھد الشھادتان وَھٰذا افضل لِاَنّھا العبادة ثُمَّ تسلم......الخ (الفقیہ حدیث نمبر 944)

"یوں تو تیرے لئے صرف دوشہادتیں پڑھ لینا جائز ہے۔مگر یہ (مندرجہ بالا) تشھد افضل ہے صرف اس لئے کہ یہ دراصل عبادت ہے۔" **(من لا یحضرہ الفقیہ باب وصف الصلوٰةمن فاتحتھا الی خاتمتھا، حدیث 944)**

اُس جملہ سے اُن تمام سوالات وجوابات کےاور بیان شدہ تشہدات کے معنی واضح ہوگئے جہاں الفاظ: "**اَدْنٰی مَا یَجْزِیْ** وہ گھٹیا تشہد جوجائز ہے"۔ "**قَلِیْلُ مَا یَجْزِی**۔وہ چھوٹا تشہد جوجائز ہے۔" بار بار احادیث میں آئے ہیں۔

نوٹ:۔

1: اُن مفتیوں کی عقل پر ماتم واجب ہے۔جنہوں نے گھٹیا تشہد کوواجب کہا ہے۔

2: مومنین غور فرمائیں اورخوشیاں منائیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے بتائے ہوئے تدریجی تشہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تمام آئمہ علیہم السلام کو بھی تشہد کے سلام میں شامل کردیا۔اور چونکہ مخالف حکومتیں اور اُن کے علما خود اپنے اماموں کو بھی راشدین سمجھتے تھے۔اس لئے عوام وخواص نے ہمارا یہ تدریجی تشہد اختیار کرلیا اور نہ سمجھے کہ خاطی لوگ کبھی مستقل طور پر ہادی ومہدی وراشد نہیں ہوسکتے۔

3: یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ نماز کے سلام میں آئمہ علیہم السلام کوشامل کرنا امام جعفر صادق علیہ السلام کی سند سے برحق ولازم وواجب ہے۔لیکن مجتہد ومفتی دین نے آئمہؑ پر نماز میں کبھی سلام نہ بھیجا نہ مومنین کو بتایا۔یعنی جو نماز شیعوں میں رائج کی وہ ناقص وناقابل قبول تھی اوراسی لئے یہ نمازی کافروں کے بھکاری محتاج وذلیل وخوار ہیں۔

(8) آٹھویں امام علیہ السلام نے عوام وخواص کوتشہد میں اوربلند کیا

اب ہم وہ تشہد پیش کرتے ہیں جواُن تمام تدریجی اور غیر ضروری تشہدات کے نتیجہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے برسرِ عام اور ہر مسجد کے لئے پیش فرمایا۔مگر اُس کو بھی الفاظ کی لچک عطا فرمادی تا کہ حقیقی تشہد پر کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

(الف) درمیانی تشہد: "**فَاِذَا تَشَھَّدْتَّ فِیْ الثَّانِیَةِ فَقُلْ**" جب دوسری رکعت کا تشہد پڑھو تو کہو:۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی کُلُّھَا لِلّٰہِ اَشْھَدُاَنْ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ ۔"(خود شامل فرمائیں) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ محمدؐ۔(درمیانی تشہد یہاں ختم ہوا)۔

(ب) آخری تشہد یوں فرمایا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَالحمدُ لِلّٰهِ وَالْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى كُلُّهَا لِلّٰه ۔ اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَه بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ (مندرجہ بالا التحیات بعینہٖ وہی ہے لہٰذا چھوڑ کر لکھتا ہوں) اَشْهَدُ اَنَّكَ نِعْمَ الرَّبُّ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا نِعْمَ الرَّسُوْلُ وَاَنَّ عَلِيًّانِعْمَ الْمَوْلٰى وَاَنَّ الْجَنَّةَحَقٌّ وَالنَّارَحَقٌّ وَالْمَوْتَ حَقٌّ وَالبَعْثَ حَقٌّ وَاَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ؛ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا لِهٰذاوَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰه؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّ تَفَضَّلْ عَلٰى مُحمدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ اَفْضَلُ مَا صَلَّيْتَ وَ تَرَحَّمْتَ وبَارَكْتَ و تَفَضَّلْتَ وَ سَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبرَاهِيْمَ فِى الْعَالِمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ الْمُصْطفٰى وَ عَلِيِّ الْمُرْتَضٰى وَفَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَالْحَسَنِ و الحُسَيْنِ وَالْاَئِمَّةِالرَّاشِدِيْنَ مِنْ آلِ طٰهَ وَ يٰسٓ؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نُوْرِكَ الْاَنْوَرِ وَعَلٰى حَبْلِكَ الْاَطْوَلِ وَعَلٰى عُرْوَتِكَ الْاَ وْثَقِ وَ علٰى وَجْهِكَ الْاَكْرَمِ وَ عَلٰى جَنْبِكَ اَوْجَبِ وَ عَلٰى بَابِكَ الْاَ ذْكى وَ مَسْلَكِ الصِّرَاطِ؛ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى الْهَادِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ا لرَّاشِدِيْنَ الْفَاضِلِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ الْاَبْرَارِ؛اللّٰهم صَلِّ عَلٰى جِبْرَائِيْلَ وَ مِيْكَائِيلَ وَ اِسْرَافِيْلَ وَعِزْرائِيْلَ وَ عَلٰى مَلٰئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَائِكَ الْمُرْسَلِيْنَ وَرُسُلِكَ اَجْمَعِيْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِيْنَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ اَكْتَعِيْنَ؛ وَاخْصُصْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه بِاَفْضَلِ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ۔"

(یہاں تشہد ختم ہوا۔ اگر آخری تشہد قرار دینا ہو تو بلا فاصلہ فوراً یہ سلام پڑھیں)

(ج) نماز کا سلام یوں ارشاد فرمایا

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُاللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَاَهْلِ بَيْتِكَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَاوَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْن ۔"(اس کے بعد یہ عبارت فرمائی ہے) "ثُمَّ سَلِّمْ عَنْ يَمِيْنِكَ وَاِنْ شِئْتَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا وَاِنْ شِئْتَ تِجَاهَ الْقِبْلَةِ۔"

(د) آخری رکعت والے تشہد کا اُردو مفہوم

"اللہ کے نام سے شروع اور اُسی کے نام سے وابستہ رہ کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہر قسم کی ستائش اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ اور ہر وہ نام اور لقب جو کائناتی حُسن بحال رکھتا ہو اللہ ہی کیلئے ہوتا ہے۔ پھر میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ

تنہا ویگانہ ہے کوئی بھی اُس کا مُمِد ومعاون اور شریک کار نہیں ہے۔اور میں اِس پر شاہد ہوں کہ بالتحقیق محمدؐ اللہ کے بندے اور اُسکے آخری رسولؐ ہیں۔اللہ نے اُن کو حقائق دے کر بھیجا اور قیامت تک کیلئے اُنہیں اچھی کارکردگی پر بشارتیں دینے والا اور بُرے اعمال کے برے نتائج سے قبل از وقت خوف زدہ کرنے والا بنایا۔(اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ محمدؐ)۔میں گواہی دیتا ہوں کہ تو یقیناً اچھا رب ہے۔اور یہ کہ یقیناً محمدؐ اچھے رسولؐ ہیں۔اور یہ کہ یقیناً علیؑ اچھے مولیٰ ہیں۔اور یہ کہ یقیناً جنت وجہنم اور موت حقیقتیں ہیں۔اور دوبارہ زندہ ہو کر حاضر ہونا حق ہے۔اور یہ کہ یقیناً حساب کی گھڑی آنے والی ہے۔اُس کے آنے میں کوئی گنجلک نہیں ہے۔اور یہ کہ یقیناً اللہ تمام مُردوں کو قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔تمام ستائش اُس اللہ کے لئے ہے۔جس نے ہمیں اِن تعلیمات کی طرف ہدایت کی ہے۔اور اگر اللہ نے راہنمائی کا انتظام نہ کر دیا ہوتا تو ہماری ہدایت ناممکن تھی۔اے اللہ صلوٰۃ بھیج محمدؐ اور اُن کی آلؑ پر اور رحمت جاری رکھ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اور برکت نازل کرتا رہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اور اپنا فضل قائم رکھ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اُس سے بھی زیادہ جو تو نے پوری کائنات میں ابراہیمؑ اور سابقہ آلِ ابراہیمؑ پر صلوٰۃ بھیجی تھی اور رحمت نازل کی تھی اور اُنہیں برکت عطا کی اور اُن پر فضل وکرم کیا تھا۔یقیناً تو مُجسم بزرگی اور حمد وثنا کا حقدار ہے،اَے اللہ پھر درود بھیج محمدؐ مصطفیٰ پر اور علیؑ مرتضیٰ اور فاطمۃؑ الزہراء اور حسنؑ اور حسینؑ پر اور اُن آئمہؑ پر جو مجسمۂ رُشد وہدایت اور طٰہٰ ویٰسٓ لقب والے محمدؐ کی آلؑ سے ہیں۔اے اللہ صلوٰۃ بھیج اپنے نور کے سب سے زیادہ منوّر کرنیوالے وجود پر اور اپنے تعارف اور راہنمائی کے سب سے طویل سلسلےؑ پر۔اور اپنی سب سے مستحکم دستاویزی سندؑ پر اور اپنی سب سے بزرگ ومفید وجہؑ پر۔اور اپنے سب سے زیادہ واجب جانبدؑار پر۔اور اپنے پاک ترین دروازہؑ پر اور اُس پر جو مجسم مذہب اور صراط مستقیم ہے۔اَے اللہ پھر درود بھیج اُن ہدایت کاروںؑ پر جو ہدایت یافتہ اور مجسم رُشد وفضائل ہیں؛ پسندیدہ اور پاکیزہ اور پارسا صاحبانؑ اختیار وخیر ہیں۔اَے اللہ صلوٰۃ بھیج جبرائیلؑ ومیکائیلؑ و اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ پر اور اپنے تمام مقرب بارگاہ فرشتوں پر اور تمام اُن نبیوںؑ پر جو تیری طرف سے ارسال ہوئے۔اور آسمانوں اور زمینوں میں اُن تمام رسولوںؑ پر جو مخصوص ذمہ داریوں پر تعینات ہیں۔اور اُن پر جو تیری فرمانبرداری میں مستعد رہتے ہیں۔اور محمدؐ اور اُنکی آلؑ کو اپنے بہترین اور بزرگ ترین دُرود وسلام کیلئے مخصوص فرمالے۔'' (تشہد کا مفہوم ختم ہوا)

(ہ) نماز کے سلام کا ترجمہ

یا نبیؐ آپ کے اُوپر ہمارا سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو۔سلام ہمارا آپؐ پر اور آپؐ کے پسندیدہ اور پاکیزہ اہلؑ بیت پر۔سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے تمام صالح بندوں پر۔''

(و) آخری جملہ میں دی ہوئی اجازت کا ترجمہ

’’پھر سلام کرو اپنی داہنی طرف یا اگر چاہو تو داہنے اور بائیں سلام کرلو اور اگر چاہو تو پھر قبلہ ہی پر توجہ دو۔‘‘

(منقول از حدائق الناضرہ علامہ یوسف بحرانی اعلیٰ اللہ مقامہ۔کتاب الصلوٰۃ)

17۔ ہم اور آپ آخر منزلِ مقصود تک آ پہنچے

ممکن ہے کہ آپ کا تاثر یہ ہو کہ ہم نے اس گفتگو کو بہت طول دیا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے یہاں تک پہنچنے میں بڑی عجلت اور مجرمانہ اختصار سے کام لیا ہے۔ورنہ مسلمانوں کی شریعت سازی کا مدوجزر اور پوری تاریخ کے لئے کم از کم دو ہزار صفحات درکار ہیں۔ہم نے عنوان کے عنوان چھوڑ دئے۔اور بڑی بے دری سے سینکڑوں بحثوں کو نظر انداز کر دیا۔اور چاہا کہ یہ راستہ متعین ہو جائے تاکہ دوسرے اہل قلم اس خامی کو پورا کریں۔

(1) آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے تدریجی احکام

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے حقیقی اسلام کو دوبارہ منظر عام پر لانے کیلئے جو تدریجی احکام دیئے وہ ملکی قانون اور حکمرانوں کی گرفت سے شیعوں کو محفوظ رکھنے کیلئے جاری کئے۔چونکہ پوری شریعت اور طرزِ حیات کو تبدیل کر دیا گیا تھا۔اُسے بدلنے اور جڑ سے اکھیڑنے کے لئے طاقت اور حکومت حاصل نہ تھی۔صرف اسلامی اور خداداد بصیرت ہی وہ ہتھیار تھا جس سے باطل کی تمام قوتوں کو مٹانا تھا۔اسلئے ملتِ شیعہ کے افراد کو ہر ضروری مسئلے میں وہ رُخ بھی بتایا گیا جو حکومت، اُس کے جاسوسوں اور متعصب قسم کے مسلمانوں کو مطمئن رکھے۔اور اندرونِ خانہ وہ اپنے حقیقی اسلام پر بھی عمل کرتے رہیں۔اسلئے آپ کو یہ حکم بھی ملے گا کہ نماز میں ہر دفعہ اللہ اکبر کے ساتھ دونوں ہاتھ بلند نہ کیا کرو۔یہ اسلئے کہ فاروقی شریعت میں منع تھا۔ چاروں طرف نمازوں میں درود پڑھنے کو اسلئے بُرا سمجھا جاتا تھا کہ اُس سے علی و اولادِ علی علیہم السلام کی مذہبی اجارہ داری اور نماز اور دین میں اُن کی شرکت اور حاکمیت کا پتہ چلتا تھا۔اور دراصل دُرود ہی نے عوامِ اہل سنت کو خاندان علی علیہ السلام سے دوبارہ وابستہ کیا تھا۔مخالف حکومت تو اس خاندان کو اسلام سے اور مسلمانوں کے قلوب سے خارج کرنے کیلئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک تبرّا کراتی اور ملعون بنتی رہی۔آپ کسی بھی سُنی عالم کو تقریر کرتے ہوئے دیکھیں یا اُن کی قدیم وجدید کتب بخاری وغیرہ کو پڑھیں تو جہاں جہاں آنحضرتؐ کا نام یا لقب آئے گا تو صلی اللہ علیہ وسلم بلاناغہ سُنا یا دیکھا جائے گا۔مجال ہے یہ علما غلطی سے بھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں یا لکھ دیں۔سوائے صوفیائے کرام کے یہ سب لوگ نہایت پابندی سے آنحضرتؐ کی اہلبیتؑ سے روگردان و دامن کش نظر آتے ہیں۔حالانکہ اُن کی معتبر ترین کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بار بار

ملے گی کہ مجھ پر دُم کٹا درُود نہ بھیجو۔ مگر یہ حضرات اس قسم کی تمام احادیث کو جو علیؑ وآل محمدؐ کیلئے ہوں یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے بشری جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی باتیں کی ہیں۔ اور حضورؐ کے ذاتی اقوال واعمال دین میں سند نہیں ہوتے۔ آنحضرتؐ نے تو درُود کیلئے یہاں تک فرمایا تھا اور آج تک اسلامی ریکارڈ میں موجود ہے کہ:۔

(2) محمدؐ اور اُن کی آلؑ میں ایک حرف کا فصل پیدا کرنا ممنوع ہے

قال رسولؐ اللّٰہ: لَا تفرقوا بَینِی وَ بَینَ آلِی (بحرف) عَلٰی۔ (مستدرک فخر المحققین سید حیدر آملی)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ میں اور میری آلؑ میں حرف عَلٰی کہہ کر بھی جدائی نہ پیدا کرو۔"

یعنی درود میں اس طرح دوبارہ لفظ عَلٰی نہ لاؤ جیسے: "اَللّٰھُم صَلی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ محمدؐ"

آنحضرتؐ کو مُحَمَّدٍ وَّ کے بعد دوسرا عَلٰی ناپسند تھا اور کیوں ناپسند نہ ہوتا؟ یہ حکم حضورؐ ہی کا تو تھا کہ:۔

فَاِذَا قَالَ اَحَدکم لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَ محمدٌ رَسُوْل اللّٰہ فَلْیَقُلْ عَلِیٌّ اَمِیْرُالْمُؤْمنین۔"

"تم میں سے جو کوئی جب بھی لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور محمدٌ رسُوْل اللّٰہ کہے اُس پر واجب ولازم ہے کہ فوراً عَلِیٌّ اَمِیْرُالْمُؤْمنین بھی کہے۔" (احتجاج طبرسی)

مگر جناب مجتہد خواہ سُنّی ہو یا شیعہ لبادہ میں ہو وہ رسولؐ کے احکام کو اور اُن کے عائد کردہ وجوب ولزوم کو اپنی مصلحت کے ماتحت رکھتا تھا۔ پسند ومفید ہو تو کہے گا: "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ واجب ہے۔ سر جھکا کر تعمیل کرنا فرض ہے ورنہ جہنم میں پھینکے جاؤ گے۔" اور اگر ناپسند ہو تو اوّل تو حدیث اور راوی کا چکر چلے گا، اصول فقہ کی بکواس ہوگی، ورنہ سیدھی بات یہ کہ آنحضرتؐ کی ذاتی بصیرت واجتہاد میں غلطی کا امکان تھا، ہر بات اور ہر حکم واجب نہیں ہوتا، پھر صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے، لہٰذا چھٹی۔ مگر شیعہ نقاب پوش علما بتائیں کہ جناب جب تشہد میں تم نے وحدانیت ورسالت کی شہادت دی تو فوراً تم نے کیوں نہ کہا کہ اَشْھَدُ اَنّ عَلِیًّا امیر المؤمنین؟

ہمارے قارئین تشہد کی اس بحث کو دیکھیں اور غور فرمائیں کہ ہر امام علیہ السلام بتدریج اور الفاظ کی ردّ وبدل اور پس وپیش کے ساتھ آخر حقیقی تشہد کے نزدیک تر پہنچا گئے۔ مگر مجتہد نے وہی مرغ کی ایک ٹانگ دانتوں سے مضبوط پکڑے رکھی۔ لیکن ہم نے اُن دشمنانِ ولایتِ مرتضویؑ کا ہر پردہ چاک کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ ہماری تحریری سندات اور حکم خدا ورسولؐ کی قوت سے مذکورہ بالا دونوں تشہدات میں وہ دُوری، وہ فاصلہ اور وہ تفرقہ خود دُور کر کے توحید ورسالت کے فوراً بعد حضرت علی علیہ السلام کی پوزیشن کو اللہ ورسولؐ سے قریب لے آئیں۔ یہ تفرقہ اُن تنخواہ دار مجتہدین نے پیدا کیا تھا جو آج کے شیعہ لیڈروں کی طرح اُس

وقت کی حکومتوں کے ہاتھ بکے ہوئے تھے۔اور برابر ایک ہزار سال سے اپنا باطل مذہب شیعوں میں رائج کرتے رہے ہیں۔ ورنہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانہ (300) تین سو سال تک تمام شیعہ ولایت علویہ کو اپنی گھریلو اذان و اقامت و نماز میں پڑھتے رہے۔اوراُس کے بعد بھی حقیقی مومنین اس پر کاربند چلے آئے ہیں۔لہٰذا قارئین کرام مندرجہ بالاتشھدات میں الفاظ بَیۡنَ یَدَیِ الساعة سے ملا کر یعنی التحیات کے مقام پر اَشۡھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہِ وَوَصِیُّ رَسُوۡلِ اللّٰہِ وَخَلِیۡفَۃٗ بِلَا فصل پڑھا کریں اور جہاں بھی اقرار وحدانیتِ خداوندی او راقرار نبوت و رسالتِ محمدؐ کی لکھا ہوا دیکھیں یا کسی سے سنیں فورا بلا وقفہ اعلان و اقرار ولایت علویہ کو زبان وقلم سے ادا فرما دیا کریں اور عمداً اور آزادی کے ساتھ کبھی ناغہ نہ کریں۔اس لئے کہ یہ وہ حقیقی واجب فریضہ ہے جس میں اللہ اور رسولؐ دونوں راضی اور شامل ہیں۔تنہا وحدانیت کا اقرار بہت سے لامذہب و کفار بھی کرتے ہیں۔اور وحدانیت خداوندی اور سلسلہ نبوت کا اقرار تمام یہود و نصاریٰ بھی کرتے ہیں۔اور وحدانیت خداوندی اور رسالت محمدؐی کا اقرار تمام قادیانی کرتے ہیں۔لہٰذا وہ لوگ جو شیعہ کہلاتے ہیں اور صرف وحدانیت و رسالت کے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ اور قادیانیوں کے ساتھ شمار ہوں گے۔لاریب فیہ سوائے کم علم وفریب خوردہ افراد کے۔

(3) شیعہ علما اور عوام سے ایک آخری سوال؟

سوال یہ ہے کہ اقرارِ وحدانیتِ خداوندی اور اقرارِ نبوتؐ و رسالتِ ختمی مآب کے بعد آپ کی دینی و اسلامی معلومات میں سب سے زیادہ اہم اور ہمہ گیر اور عزیز ترین چیز کیا ہے ؟؟؟

میرا جواب ایک شیعہ طالب علم کی حیثیت سے وہ چیز ولایت و امامت علویہؑ ہے۔اور یہی فرمایا تھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ: ''تم تشہد میں وہی کچھ پڑھا کرو جو تمہاری دینی معلومات میں بہترین چیز ہے۔'' قُلۡ بِاَحۡسَنِ مَا عَلِمۡتَ۔ میری قومی و ملّی معلومات میں چھیاسٹھ (66) سال کے اندر جو چیز کبھی متزلزل نہیں ہوئی وہ یہ ہے کہ تمام شیعہ محبانِ اہل بیتؑ ولایتِ علویہؑ کو ہر دینی تعلیم سے زیادہ پیاری، زیادہ اہم اور ہمہ گیر اور اپنی جان و مال و اولاد سے قیمتی سمجھتے اور ہمہ قسمی قربانیاں دیتے چلے آئے ہیں۔اور آج بھی میرے ساتھ وہ فدا کار ہیں جو احکام کے منتظر ہیں۔اور ہم ان کو صبر وتحمل کی زنجیروں سے باندھنے میں مصروف ہیں۔

(4) مصروف مومنین کی نماز کے لئے چند ہدایات

(الف) پہلی بات یہ ہے کہ غیبتِ امامُ العصر والزمان علیہ السلام میں ہمارے پاس وہ ذرائع جنگی مدد سے ہم محمدؐ وآل محمدؐ اور حضرت حجت علیہم السلام سے رابطہ قائم ہونیکی امید کرسکتے ہیں اور فیوض خداوندی سے مالا مال ہوسکتے ہیں وہ الصّلوٰۃ والقرآن

ہیں۔لہٰذا تمام مومنین کوان دونوں سے بہت محبت وشوق کا سلوک کرنا چاہئے۔اُنہیں اپنی مشکلات اور حاجات اور تمناؤں میں اپنا وسیلہ بنانا چاہئے۔اور یہ تاثر ذہن سے دُور کر دینا چاہئے کہ اللہ نے زبردستی کر کے نماز کو ہم پر ٹھونس دیا تھا لہٰذا جبراً وقہراً نماز پڑھنا ہے۔یادرکھو کہ اللہ کو ہماری کسی عبادت کی احتیاج وضرورت نہیں ہے۔تمام عبادتیں ہماری انفرادی واجتماعی ترقی اور خوشحالی کے مقصد سے ہمیں بتائی گئی ہیں۔محض رسم اور فرض ادا کرانا مقصود ہوتا تو بعثت کے روز خلافت و ولایت کے اعلان کی جگہ نماز کی فرضیت کا اعلان کیا جاتا۔لہٰذا ولایت سے یقینی اور محکم تمسک نماز کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ پہلو مکمل ہو چکا ہے۔

(ب) نماز میں اللہ سے وابستگی لازم ہے

جو نمازیں مومنین کو مجتہد کی معرفت ملیں اُن میں جہاں ولایت محمدؐ یہ کی نفی کر دی گئی تھی وہیں اللہ سے وابستگی کا طریقہ بھی ختم کر دیا گیا تھا۔یعنی محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو درمیان سے ہٹا دیا گیا تھا۔اور ابلیس کی طرح اللہ سے براہ راست رابطہ کا فریب دیا گیا تھا۔حالانکہ تمام مسلمان مانتے اور جانتے ہیں کہ محمدؐ کو درمیان سے ہٹا کر خدا سے کسی قسم کا تعلق ناممکن ہے۔ہماری دعاؤں میں اگر محمدؐ کا واسطہ نہیں تو دعائیں مردود ہیں۔محمدؐ اگر وسیلہ نہیں تو ہر عبادت مشرکانہ عمل ہے۔لہٰذا آپ اپنی نماز میں بھی محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو اپنا وسیلہ بنائیں تا کہ آپ کا تخاطب یقینی طور پر اللہ سے ہو۔آپ کی نمازوں کے ضائع ہونے کا دوسرا اہم سبب یہی ہے کہ آپ نے محمدؐ وآل محمدؐ کے بتائے ہوئے طریقہ سے اللہ کو مخاطب نہیں کیا۔

(ج) نماز کی کنجی یا افتتاحی دُعا

جب مومنین قبلہ رُو ہو کر نیت کر لیں تو اللہ اکبر کہنے سے پہلے یہ دعا پڑھیں:۔

وَقَالَ الصَّادِقِ علیه السلام اِذَا قُمتَ اِلَی الصَّلوٰۃِ فَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اُقَدِّمُ اِلَیۡکَ مُحَمَّدًا بَیۡنَ یَدَیۡ حَاجَتِیۡ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیۡکَ بِهٖ فَاجۡعَلۡنِیۡ بِهٖ وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَةِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ وَاجۡعَلۡ صَلَاتِیۡ بِهٖ مَقۡبُوۡلَةً وَّذَنۡبِیۡ بِهٖ مَغۡفُوۡرًا وَّدُعَائِیۡ بِهٖ مُسۡتَجَابًا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔(من لا یحضره الفقیه کتاب الصلوٰۃ باب وصف الصلوٰۃ ....حدیث 2 صفحہ 82)

دوسری دعا: قال ابو عبداللّٰه علیه السلام کَانَ امیر المؤمنین علیه السلام یقول مَنۡ قَالَ هٰذَا القول کَانَ مع محمدٍ وآل محمدٍ اذا قام من قبل اَن یستفتح الصلوٰۃ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَتَوَجَّهُ اِلَیۡکَ بِمُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّ اُقَدِّمُهُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ صَلَاتِیۡ وَاَتَقَرَّبُ بِهِمۡ اِلَیۡکَ فَاجۡعَلۡنِیۡ بِهِمۡ وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَةِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ مَنَنۡتَ عَلَیَّ بِمَعۡرِفَتِهِمۡ فَاخۡتِمۡ لِیۡ بِطَاعَتِهِمۡ وَ مَعۡرِفَتِهِمۡ وَ وِلَایَتِهِمۡ فَاِنَّهَا السَّعَادَةُ وَاخۡتِمۡ لِیۡ بِهَا فَاِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔

(فقہ الرضوی، وسائل، مشارق اور الفقیه)(کافی کتاب الدّعاء باب الدعاء قبل الصلاۃ حدیث 1 جلد 4 صفحہ 335)

پہلی دعا کا مفہوم: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ تو یہ پڑھو کہ: "اے اللہ میں

تیرے اور اپنی ضروریات کے درمیان محمدؐ کو مقدم واسطہ بناتا ہوں۔ اور اُن ہی کے ذریعہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ لہٰذا اُنکے صدقہ میں مجھے دنیا و آخرت میں سُرخرو فرما۔ اور مجھے اپنے مقرب بارگاہ پسندیدہ بندوں میں داخل فرما؛ اور محمدؐ کے وسیلے سے میری نماز کو درجہ مقبولیت عطا فرما؛ اور میرے اور میرے متعلقین کیلئے مغفرت کا انتظام فرما اور میری دعاؤں کو منظور فرما۔ یقیناً تو مغفرت اور رحمت کا مالک ہے۔''

اب آپ تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہو جائیں۔ آپکو اختیار ہے کہ پہلی مذکورہ دعا کی جگہ دوسری دُعا پڑھیں۔ میرے معمول میں دونوں دعائیں ہیں۔ جو زبان پر حاوی ہو جائے بے تکلف پڑھتا ہوں۔

دوسری دعا کا مفہوم: ''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سُنایا کہ جناب علی مرتضیٰ امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نماز کا افتتاح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے گا۔ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ رہے گا۔

''اَے اللہ میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ذریعہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور تیرے اور اپنی نماز کے درمیان محمدؐ و آلِ محمدؐ کو مقدّم وسیلہ بناتا ہوں۔ لہٰذا اُن کے صدقہ میں مجھے دنیا و آخرت میں سُرخرو فرما۔ اور یہ جو تو نے مجھے اُنؐ کی معرفت عطا کر کے ممنون کیا ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے بحق محمدؐ و آل محمدؐ اپنے مقرب بارگاہ پسندیدہ بندوں میں داخل فرمالے۔ اور میرے لئے محمدؐ و آل محمدؐ کی معرفت، اطاعت اور ولایت کو درجہ کمال تک پہنچا دے۔ اور یہ ایک حقیقی سعادت مندی ہے۔ مجھے اسی سعادت کے ساتھ دنیا سے اُٹھانا۔ یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''اَللّٰہُ اَکبَر''۔ (باقی نماز ماشاءاللہ آپ جانتے اور پڑھتے ہیں۔ جلد تحفۃ العوام کی جگہ ہماری مسائل کی کتاب آپ تک پہنچے گی انشاءاللہ والامام علیہ السلام)

(نوٹ) نماز میں مستورات اور مردوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں ہاتھ سیدھے کھول کر آزادانہ لٹکنے دیں گے اور قیام وقعود وسجود وغیرہ میں بالکل مردوں کی طرح عمل کریں۔

(د) نمازکا سلام اور اختتام مع مختصر تشہد

عنوان (8) تشھدات کے سلسلے میں یہ چیز قطعاً واضح ہوگئی کہ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو تشہد اور نماز کے سلام میں ہرگز ہرگز جدا نہ کیا جائے گا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ تمام انبیؑا اور ملائکہ کو بھی شامل رکھا گیا ہے۔ اور تمام آئمہ علیہم السلام پر تشہد وسلام بھیجا گیا۔ چونکہ ان بیانات اور سینکڑوں احادیث سے ثابت ہے کہ ہر زمانہ کے امام علیہ السلام کا اقرار و اعلان لازم ہے۔ لہٰذا زمانہ غیبت میں حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تشہد وسلام میں شامل رکھنا واجب ہے۔ چنانچہ تشہد اور سلام کو دوبارہ مختصر صورت میں اُتنا لکھتے ہیں جس قدر کم از کم جائز اور نماز کے قبول ہونے کے لئے لازم ہے۔ آخری سجدہ کے بعد یا دو رکعتیں پوری کر کے تیسری رکعت میں جانے سے پہلے بیٹھ کر پڑھئے:۔

اَللّٰھم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ محمدؐ ۔اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شرِیکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُولُہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہِ وَصِیَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ خَلِیْفَتہٗ بِلَا فَصْل۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔" (فوراً سلام پڑھیں)

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُاللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَاوَعَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاصَاحِبَ الْعَصْرِ وَالزَّمَانِ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی آبَائِکُمْ وَاُمَّھَاتِکُمْ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

(قبلہ رُو رہتے ہوئے) اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔"

اے اللہ درود بھیج محمدؐ اور اُن کی آل پر۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔اللہ تنہا و یگانہ ہے۔کوئی اور اُس کا مُمِد و معاون اور شریک کار نہیں ہے۔میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔اور میں شاہد ہوں کہ علیؑ اللہ کی طرف سے حاکم و مالک ہیں اور قیامت تک رسوؐل کی ہدایات پر عمل کرانے والے ہیں۔اور روز ازل سے رسولؐ اللہ کے جانشین وخلیفہ ہیں۔اے اللہ صلاۃ نازل فرما محمدؐ و آل محمدؐ پر۔(قبلہ رُو ہوتے ہوئے) یانبیؐ اللہ آپ پر ہمارا سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام صالح بندوں پر (اس میں ملائکہ وغیرہ بھی آ گئے) سلام ہو آپؑ پر اس دور اور زمانہ کے مالکؑ اور سلام ہو آپؑ پر اور آپؑ کے آبا و اجدادؑ پر (آدمؑ تک سب آ گئے) اور آپؑ کی ماوٗںؑ پر اور اللہ کی رحمت و برکت ہو (حضرت زینبؑ و فاطمہؑ ،خدیجہؑ و ھاجرہؑ تمام مخدرات عصمت شامل ہیں) دو مرتبہ تکبیر کہہ کر نماز سے فارغ ہو جائیں۔دعا اور زیارتیں بجالائیں۔اور کبھی نہ بھولیں کہ آپ کی ہر دعا اور ہر عمل حضرت حجت علیہ السلام کے توسط کے بغیر ہرگز قبول نہیں ہوسکتا۔والسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوۡلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ

ملائکہ ؑ اور انبیاؑ کا ازلی و ہمہ گیر اسلامی

کلمہ اور نماز

ھُنَالِکَ الۡوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الۡحَقِّ ؕ ھُوَ خَیۡرٌ ثَوَابًا وَّ خَیۡرٌ عُقۡبًا ۝ (18/44)

وہیں سے اللہ کی حقیقی ولایت شروع ہوئی وہی نیک بدلہ اور انجام دینے والا ہے

اُمت مسلمہ سے گزارش

اللہ نے کائنات کو انسانی ترقی کے لئے پیدا کیا تھا۔ افلاک و آفاق کی تسخیر کے لئے ہمیں قرآن ایسی کتاب دی تھی۔ کائنات کی ازلی وابدی تفصیلات پر مطلع اور محیط سب سے پہلا اور سب سے آخری رسولؐ اور اُن کا معصومؑ نظام ہمارے لئے موجود ہیں۔ اس کے باوجود ہم خطا کاروں کے پیچھے دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اُنہوں نے رسولؐ اللہ کے نظام سے مدد مانگنا شرک قرار دے کر آخر اُمت محمدؐیہ کو غیر مسلم اقوام سے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اقوام عالم ہمیں پس ماندہ قرار دیتی ہیں۔

اگر آپ اپنی زندگی میں فوری انقلاب چاہتے ہیں؟ اگر آپ ناکامی اور نامرادی سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ لامحدود و بے روک ترقی کے خواہاں ہیں؟ تو پہلی فرصت میں دو کام کر گزریں۔ اوّل یہ کہ ولایت محمدؐیہ کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں قائم کر لیں دوم یہ کہ تمام مسلمانوں کے ساتھ بلا تفریق محبت و ہمدردی کرنے کا وہ عہد کر لیں جو محمد وآل محمد علیہم السلام نے عملاً دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ ہم آپ کی ہر مشکل کے حل ہو جانے کی تحریری ضمانت دیتے ہیں۔

والسلام مع الاکرام۔

(28 فروری 1976ء)

اسلامی کلمہ اور نماز

الف۔ ہماری مجبوریاں!

دشمنانِ اسلام، اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کے لئے اپنی جان پر کھیل جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ اپنی تمام راہیں بند دیکھ کر جھنجلائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ترکش کا آخری تیر حُرملہ کی تائید میں چھوڑنے والے ہیں۔ وہ ایک طاغوت کے اشارہ کے منتظر ہیں۔ وہ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کے نعرہ کی آڑ میں بیٹھ کر کفر سازی پر تُلے ہوئے ہیں۔ اُن کے بزرگوں نے حضرت علی علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ اُمت نے اُن لوگوں کو خارجی قرار دیا تھا۔ آج یہ لوگ اولادِ علیؑ اور محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اور پیروانِ علیؑ و اولادِ علیؑ پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ غنڈہ عناصر کو اپنی پشت پر لے کر حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ قادیانیوں کی طرح شیعوں کو بھی کثرت کے ووٹ سے کافر قرار دے۔ ہم اِس خارجی گروہ کی تنبیہہ کے لئے مجبور کئے گئے ہیں۔ خطوط واطلاعات و مشاہدات اُس گروہ کی حدود فراموشی کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہم پر شرعاً واجب ہو گیا ہے کہ ہم اُن کی اِن حرکاتِ مذبوحی اور اِس آخری زقند کا تدارک کر دیں۔ لیکن ہمارے سامنے چند مجبوریاں ہیں اور وہ مجبوریاں ہمارے مذہب نے ہم پر عائد کی ہیں۔ اور گو ہمارے دشمن کا ماشاءاللہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ کسی ضابطۂ اخلاق یا شریعت کا پابند نہیں ہے لیکن اُس نے کلمہ کو اپنی سپر (ڈھال) بنائے رکھا ہے۔ ہماری پہلی مجبوری یہی کلمہ ہے۔ ہمیں محمد و آلِ محمد علیہم السلام نے حکم دیا ہے کہ ''پورا کلمہ تو الگ، اگر کوئی شخص صرف لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے اُس کو ہرگز کافر نہ کہیں (قرآن کریم۔ بخاری و کافی)۔ چنانچہ ہم نے اور ہمارے آئمہ علیہم السلام نے اُن لوگوں کو بھی مسلمان سمجھا، مسلمان کہا اور لکھا اور اُن کے ساتھ بھی مسلمانوں جیسا سلوک کیا جن کو قرآن نے منافق و کافر کہا۔ اِس لئے کہ قرآن کریم نے اُن کے ناموں کا اعلان نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ لوگ اپنے اعمال واقوال و تصورات سے مشخص ہو گئے تھے۔ اُن کی ہر بات سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی دشمنی ٹپکتی تھی (محمدؐ 47/30) وہ اُن کے ساتھ انتہائی بخیل تھے (47/38)۔ اُنہوں نے لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسولؐ اللہ کا اس لئے اقرار کیا تھا کہ مال و دولت واقتدار میں حصہ دار بن جائیں (آلِ عمران 154-3/152)۔ اِسی لئے آنحضرتؐ کو نرغہ اعدا میں تنہا چھوڑ کر الگ جا بیٹھتے تھے۔ مومنین کی لاشوں کو روندتے ہوئے اس طرح بھاگتے تھے کہ رسولؐ اللہ کی فریاد بھی نہ سنتے تھے (3/153)۔ یہ وہ لوگ تھے جو آخری وقت تک رسولؐ اللہ کو ایذا دینے میں کمی نہ کرتے تھے (احزاب 33/54) ایذا رسانی کی وجہ سے قرآن نے اُن کو لعنتی قرار

دیا(33/57)۔مگر چونکہ اُن کا نام نہیں بتایا ہم نے پہچان لینے کے باوجود اُن کو کافر نہیں کہا۔اُن کے منافقانہ و کافرانہ رویے اور مستقل عملدرآمد سے قرآن اور ہماری تصنیفات لبریز ہیں ۔نہج البلاغہ، بخاری، مسلم اور کافی میں اُن کی پوزیشن واضح ہے ۔مگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا حکم ہے کہ ہم ان کو کافر نہ کہیں ۔میں تنہا وہ شخص ہوں جس کو کفر سازی میں حصہ نہ لینے پر چند شیعہ اخباروں اور شورش کی چٹان نے مطعون کیا تھا۔اور ہم نے ایسا متین ومہذب ومُسکت جواب دیا تھا کہ جناب شورش نے اپنا کاروبار بند کر کے اُسی ہفتہ آنجہانی ہوجانے کا فیصلہ کرلیا تھا(انا اللہ وانا الیہ راجعون)۔المختصر ہم نے اور ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام نے اُن لوگوں پر بھی کفر کا فتویٰ نہ دیا جنہوں نے خاندان رسوؐل کو گھر سے نکالا،اُن کا قتل عام کیا،اُن کے گھروں کو نذر آتش کیا،اُن کے بچوں تک کو تین روز پیاسا رکھ کر بے دریغ قتل کیا۔جنہوں نے امام حسین علیہ السلام سے یہ کہا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہوگی ۔اُن کی اولاد اور اُن کے پیروؤں کا ہمیں کافر اور اسلام سے خارج کرانے کا ارادہ قابل تعجب نہیں ہے ۔مگر ہم مجبور ہیں ۔ہم اُن کے لئے ہر وہ بات کہنے میں آزاد ہیں جو قرآن کریم نے فرمائی ہو۔مثلاً ملعون کہیں گے،مردود کہنے میں تکلف نہ کریں گے،گمراہ اور جہنمی کہیں گے ۔اور ساری امت ہمیشہ سے یزید وابن زیاد و عمر سعد و شمر اور یزیدیوں کو ملعون کہتی چلی آرہی ہے ۔لیکن ہماری مجبوری ہے کہ جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا انکار نہ کردیں،اسلامی نقاب اتار کر نہ رکھ دیں ہم اُن کو کافر نہیں کہہ سکتے ۔یہ گروہ قرونِ اُولیٰ (ابتدائی صدیوں)میں قطعاً خاموش کر دیا گیا تھا۔یزید اور اُس کے ہم مذہب لوگ اُمت میں گالی بن کر چھپ گئے تھے۔اُن پر اور اُن کے ہم مسلک لوگوں پر لعنت ہوتی تھی وہ خاموش منافق کی طرح سب کچھ سنتے تھے۔مگر رفتہ رفتہ یہ گروہ عباسی حکومت کے تشدد اور بائیکاٹ سے محتاج وقلاش ہوگیا۔اور اپنی روزی کی تلاش میں مسجدوں میں پناہ گزین ہوگیا۔علما کے درس میں حصہ لینے پر مجبور ہوا۔علمائے اہل سنت کے سامنے مومن ونمازی و پرہیزگاروں کی صورت میں آتا رہا۔علمی سندات (ڈگریاں)اور اجازے لے کر مساجد میں پیش نماز،عدالتوں میں قاضی،دیہاتوں اور شہروں میں مفتی بنتا چلا گیا۔اور نہایت مخلصانہ ومومنانہ انداز میں اپنے بزرگوں کی پوزیشن پر ملمع سازی کرنا شروع کی ۔زبان تو عربی تھی ہی ۔اپنی پالیسیوں اور مقاصد کے ساتھ دو چار ناموں کا اور قَالَ رَسُولُ اللّٰہ کا اضافہ کر کے فاسق وفاجر حاکمِ وقت کی مطلق اطاعت کو اسلام کا رکن رکین بنایا۔کثرت کو خدا اور رسوؐل کی جگہ بٹھایا۔یزید اینڈ کمپنی کو پہلے ہی کافر نہ کہا جاتا تھا۔لہٰذا اُس کیلئے رحم وکشادہ دلی کی اپیلیں شروع کی گئیں ۔اللہ کی رحمت میں یزید کی گنجائش پیدا کی گئی،قتل حسینؑ کو ایک گناہِ کبیرہ بنایا گیا،گناہانِ کبیرہ کی معافی کی راہیں نکالی گئیں ۔یہ مشن نہایت خاموشی،زیر پردہ اور دبی زبانوں سے جاری رہا۔یزید کے بزرگوں کے عقائد سلجھی ہوئی زبان میں احادیث کی چادروں میں لپیٹ لپیٹ کر بیان کئے گئے ۔1:انسان فاعل مختار نہیں ہے ۔2:اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے ۔3:ایک پتا بھی اللہ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا ۔4:انسان جو کچھ کرتا ہے اللہ کے حکم سے کرتا

ہے۔5: اُس کے حکم سے قتل کرنے والا قتل کرتا ہے۔6: انسان تو بہانہ ہے۔7: اصلی فعل اللہ کا ہوتا ہے۔8: یہ مسئلہ ایسا ہے کہ براہ راست اللہ کی مشیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ زبان بند رکھے۔تمام فیصلے اللہ پر چھوڑ دے۔حقیقت اور اپنی مصلحت کا وہی عالم ہے۔یزید بھی حسینؑ کی طرح صحابی تھا۔دونوں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔معاویہ،عبداللہ ابن زبیر اور طلحہ و زبیر اور علیؑ بھی صحابی تھے،مجتہد تھے،معصوم نہ تھے۔اجتہادی غلطی پر اُنہیں گمراہ کہنا کفر ہے وہ سب حق پر تھے۔ہر صحابی حق پر تھا۔ اُن میں تفریق کرنا بھی کفر ہے۔اُن سب کے لئے دعائے خیر کرنا،اُن کی عمدہ باتوں کا ذکر کرنا،اُن کی مدح وثنا کرنا واجب ہے۔ مطلب وہی کہ یزید کی مذمت کرنا بھی کفر ہے۔یوں یہ گروہ مساجد اور مدارس پر قابض ہوا،قابض رہا۔اور آج بھی وہ ذہنیت لباس اور لیبل (Label) بدل کر شیعہ سنی دونوں فرقوں کی مساجد اور منابر اور مدارس میں موجود ہے۔اور ہم نے مسٹر شورش کے جوابی کتابچہ میں باقاعدہ اُس بوقلموں گروہ کی نقاب کشائی کی ہے،اُس کی شناخت اور کاروبار پر روشنی ڈالی ہے۔اور اپنے ہر مضمون اور ہر تصنیف میں قرآن وحدیث وتاریخ سے اُس گروہ سے امت کے دونوں فرقوں کو مطلع رکھا ہے۔یہ حضرات اہل سنت میں سُنی اور مذہب شیعہ اثناعشریہ میں شیعہ بنے رہتے ہیں۔مگر کام اُن کا یہ ہے کہ امت کے تمام مکاتیب فکر کو آپس میں دست و گریبان رکھا جائے۔سب کو بتدریج اُس مسلک پر لایا جائے جو نزول قرآن کے دوران عرب کے دانشوروں کا تھا۔یعنی معاذ اللہ 1: ایک غیر عادل اور جبر وستم کا مکمل قادرِ مطلق اللہ 2: ایک مادی اور خطا کار رسول،چالیس سال تک ایمان ودین سے محروم نبی۔کافروں سے پیدا ہونے والا پیغمبر۔جبرائیل اور ملائکہ حتّٰی کہ ابلیس سے کم علم وکم طاقت واختیار رکھنے والا مجتہد اور سینکڑوں اجتہادی خطائیں کرنے والا نذیر جس سے زیادہ عقلمند لوگ صحابہ میں موجود تھے۔جو اپنے صحابہ سے سیکھ کر بہت سے احکام دیا کرتا تھا۔جو کہتا تھا کہ تم لوگ اپنے معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے اور سمجھتے ہو۔پھر 3: ایک قرآن یا کتاب جس میں مجمل ومتشابہ بیانات ہیں،جس میں بہت سے حکم منسوخ ہیں،جس میں غیر واضح اور مبہم باتیں ہیں۔جو قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ضروریات کا حل پیش کرنے سے قاصر ہے۔4: اور احادیث رسولؐ میں بھی وہی نقائص موجود ہیں جو قرآن میں ہیں۔وہاں بھی مجمل ومتشابہ ہے۔عام وخاص اور مقید ومطلق کا جھگڑا ہے۔ناسخ ومنسوخ کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات ومیلانات کے مغالطات ہیں۔5: ہر زمانے کے مجتہدین اپنی بصیرت کے ماتحت جو حکم دیں گے وہ باقی امت کے لئے واجب الاطاعت ہو گا۔خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہوگا۔کھلی مخالفت کرنے والا واجب القتل اور جہنمی ہوگا۔مجتہد کے حکم میں غلطی نکالنے والا باغی اور سزا کا مستحق ہوگا۔اجتہادی غلطی پر بھی اللہ مجتہد کو ثواب دے گا۔قیامت تک مجتہد کا حکم ہر حال میں خدا اور رسولؐ کا حکم ہوگا۔6: محمدؐ سے یا کسی اور سے امداد مانگنا یا اُن کو مدد کے قابل سمجھنا شرک ہوگا۔قبروں پر جانا،ایصال ثواب کا عقیدہ رکھنا،نبیؐ کو زندہ لوگوں کی طرح پکارنا،حاضر وناظر سمجھنا،نادعلیؑ اور اسی قسم کی دعائیں پڑھنا شرک وبدعت ہے۔مُردوں پر حتّٰی کہ خود شہدائے کربلا پر رنج وغم

و ماتم کرنا حرام ہے۔ مروجہ مرثیہ، نوحہ، قوالی اور قرآن وقصیدہ خوانی حرام ہے وغیرہ وغیرہ قسم کا مذہب دنیا میں جاری کرنا اُن کا مقصد ہے۔ نیاز، نذر، فاتحہ درود، مُردوں کا سوم (تیجا) دسواں اور چالیسواں وغیرہ بدعت ہے۔ گیارھویں شریف، بائیس رجب کے کونڈے اور منّتیں حرام ہیں۔ سبیل لگانا، تعزیہ، ذوالجناح، مہندی تمام بدعت وشرک ہیں۔ قبریں پختہ بنانا، یادگاریں منانا حرام ہے۔ تیسری صدی کے بعد سے اس قسم کے یزیدی علما کا دونوں طرف زور رہا ہے۔ حکومتوں کی سرپرستی کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنے مندرجہ بالا مذہب کا دن رات پرچار اور تبلیغ جاری رکھی۔ اپنے مخالفوں پر کفر وشرک کے فتاویٰ جاری رکھے، امت میں سینکڑوں علما اور عوام کو اپنی مخالفت پر قتل کرایا، شیعہ سنی، مقلد اور غیر مقلد کا جھگڑا برابر جاری رکھا۔ مسلمانوں میں دن رات نفرت و انتشار وافتراق پھیلاتے اور ایک کو دوسرے سے لڑاتے رہنا اُن کا معمول رہا۔ اُنہوں نے جہاں اپنے مقصد کے لئے ہزاروں روایتیں گھڑیں، مدرسوں میں پڑھائیں، کتابوں میں لکھیں وہاں احادیث کے ایک عظیم الشان ذخیرہ کو فنا کر دیا۔ اہل سنت کے علما میں جناب محمد اسماعیل بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ جن میں سے کل سات ہزار حدیثیں باقی رہیں۔ یعنی پانچ لاکھ ترانوے ہزار احادیث صرف بخاری والی غائب ہوگئیں۔ ادھر شیعوں کے ریکارڈ میں چار سو حدیث کی کتابیں تھیں۔ دس ہزار محدثین تھے۔ یہ سب حضرات آئمہ علیہم السلام نے تیار کئے تھے۔ وہ کتابیں اُن کی مصدقہ اور تیسری صدی ہجری تک امت کے ہاتھوں میں موجود تھیں۔ اور آج تک ریکارڈ میں اُن کے موجود ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ اب اُن کتابوں میں سے کوئی کتاب امت کے پاس موجود نہیں۔ جس طرح لے دے کر چند حدیث کی کتابیں اہل سنت میں موجود ہیں۔ اُسی طرح گنتی کی چند کتابیں شیعوں میں رہ گئی ہیں۔ یوں تمام قدیم ریکارڈ کو تباہ کرنے کے بعد یہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ گیارہویں کی نذر کا ثبوت حدیث میں دکھاؤ۔ ماتم، وہ بھی زنجیر اور قمہ کے ماتم کا ثبوت پیش کرو۔ قارئین اُس ڈاکو کے متعلق سوچیں جو ایک گھر کا صفایا کر دے۔ نہ پلنگ چھوڑے نہ بستر، نہ کوئی کرسی رہنے دے نہ گھر میں میز چھوڑے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد مسلح ہو کر آئے اور کہے کہ بندۂ خدا تم کیسے بد تمیز اور بد اخلاق آدمی ہو کہ ہمیں بیٹھنے کے لئے نہ کرسی دی نہ پلنگ بچھایا۔ بتائیے یہ غریب لُٹا پٹا آدمی اُس سے کیسے کہے کہ جناب شرم کرو۔ میرا گھر بھی لوٹ لو اور مجھے ہی بدتمیز اور بد اخلاق ثابت کرو۔ قارئین یہ ہے وہ صورت حال جو اُمت کے ساتھ اُن دشمنانِ دین نے پیش کر رکھی ہے۔

ب۔ اُمت کے تمام مکاتیب فکر کو اس یزیدی مذہب کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے

تمام مسلمان عرصہ دراز سے دیکھ رہے ہیں کہ اب اس گروہ نے علی الاعلان یزید اور اُس کے بزرگوں کا مذہب پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ اُن کی کتابیں مسلمانوں کے پریس میں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ لوگ کھل کر اُن لوگوں کے نام کے ساتھ رضی اللہ

عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ لکھ رہے ہیں جو مسلمہ طور پر مستقل زانی تھے، شرابی تھے۔ جن کے مذہب میں مائیں بہنیں حلال تھیں، جن پر شیعہ اور سُنی دونوں ہزار بارہ سو سال سے لعنت کرتے چلے آرہے تھے۔ جو الفاظ اور افراد بطور گالی استعمال ہوتے تھے، یزید اور شمر کہہ دینے پر جہاں مسلمان آمادۂ پیکار ہو جاتے تھے آج وہ نام فخریہ اختیار کئے جا رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر وہ مذہب اور اہل مذہب خود اپنے منہ سے اقبال کر کے مسلمانوں کے سامنے آگئے ہیں۔ اُنہوں نے کھلے الفاظ میں حضرت علی اور امام حسین علیہما السلام کی مذمت اور توہین کی ہے اور ثابت کر دیا کہ وہ اُس مسلک سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جو آلِ محمدؐ اور خاندان نبوت کا مذہب تھا۔ وہ اُس مذہب کے پیرو ہیں جس میں جناب علیؑ مرتضٰی پر (معاذ اللہ) تبرّا کیا گیا۔ ادھر شیعوں میں مولانا ڈھکو اینڈ کمپنی اُن کی در پردہ مدد کے بجائے اب کھل کر مدد کر رہی ہے۔ کئی ایک لاہوری ٹھیکیدار مذہب شیعہ کے پیروؤں کو فنا کرانے کے لئے ساز باز اور ٹھیکیداری کر رہے ہیں۔ شیعوں کے عقائد کے خلاف بارہ سال سے لکھ رہے ہیں۔ اُن میں ایک ہاتھ سے یزید اینڈ کمپنی کے عقائد جاری کر رہے ہیں۔ دوسرے ہاتھ سے یزیدی گروپ کو ابھار رہے ہیں تا کہ وہ شیعوں کے خلاف محاذ بنائے۔ اخراجات کا ٹھیکہ اور الطاف و کرم ہائے بے شمار کے وعدے کئے گئے ہیں۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ہمہ قسمی عقیدت کو مسلمانوں اور دنیا سے ختم کر دینا طے کر چکے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کے علمائے صالحین نے یزیدی گروپ کے خلاف اور علمائے شیعہ نے یزید کے ڈھکوی ٹولے کے خلاف بیسیوں کتابیں لکھی ہیں۔ شیعوں میں اس گروپ نے شیعہ لیبل کے ساتھ کیا کیا بدعقیدگی پھیلائی ہے؟ اس کی تفصیلات ہماری تصنیفات اور مضامین میں مسلسل شائع ہو رہی ہیں۔ یہی گروپ ہے جس نے تیسری صدی سے شیعوں کے یہاں ڈیرہ جمایا۔ مذہب شیعہ میں رہ کر، شیعہ عوام کی سرداری حاصل کی اور اپنے بزرگوں کی سو سالہ تبرا اور لعنت کی پالیسی کو شیعوں میں علی الاعلان پھیلایا تا کہ اہل سنت عوام کو چڑا چڑا کر متنفر کر دیا جائے اور نفرت کی بنا پر وہ شیعوں کا بائیکاٹ کریں۔ حق بات بھی شیعوں کے منہ سے نہ سنیں۔ اور نت نئے فسادات اور کمائی کے بہانے نکلتے رہیں۔ الغرض شیعہ عوام کے جوشیلے نوجوانوں کو اُس پُرامن تبلیغ سے ہٹا دیا جو آئمہ علیہم السلام نے تاکیداً بتائی تھی۔ اُنہوںؑ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اہل سنت کے ساتھ نہایت مدارات اور پیار سے رہنا، کسی کا دل نہ دکھانا، ہرگز ایسا کام نہ کرنا جس سے ہمارا مقصد اور صبر ضائع ہو جائے اور لوگ تمہارے خلاف محاذ بنا لیں۔ لیکن اس یزیدی گروپ نے عبادت اور عقیدے کو نظر انداز کر کے محض نفرت پھیلانے اور شیعوں میں اپنے شیعہ ہونے کا یقین جمانے کے لئے لعنت و تبرا کو سر بازار جاری کیا۔ جب یہ شیعہ حکومتوں میں قاضی القضات ہوتے تھے تو اُن کی سواری کے آگے آگے منادی تبرا و لعنت کرتا ہوا چلتا تھا۔ دوسرے ممالک کے شیعہ عوام فریادی درخواستیں بھیجتے تھے کہ تم اپنی حکومت میں یہ کچھ کر رہے ہو اور بدلہ میں یہاں ہم پر مظالم ہو رہے ہیں۔

المختصر اس یزیدی گروہ نے دونوں طرف کے عوام میں طرح طرح نفرت پھیلائی۔ اپنی اپنی کتابوں میں ایسے مسائل

لکھے، ایسی غلط باتیں لکھیں جو مذہب شیعہ کے سراسر خلاف تھیں۔ یہی دشمن گروہ تھا جس کی وجہ سے مذہبِ شیعہ میں سینکڑوں غلط باتیں مشہور کی گئیں۔ مذہب شیعہ پر دوسری طرف کے یزیدی ٹولے نے جو اعتراضات کیئے وہ سب شیعوں والے یزیدی ٹولے کی لکھی ہوئی قابل اعتراض باتیں ہیں۔ وہ وہی باتیں ہیں جن کو آج ڈھکو خود شیعہ علما کے خلاف پیش کر رہا ہے۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ اِن دونوں قسم کے یا دونوں لیبلوں کے یزیدی ٹولوں کو منہ توڑ جواب دیں ذرا انہیں دو چار قدم اور چلنے دیجئے۔ ذرا کفر سازی کی مشین میں ہینڈل مارنے دیجئے کہ میں اُنکا بھٹا بٹھا دوں گا۔ اُنکا واسطہ علما سے نہیں بلکہ مقلدین اور شاگردوں سے پڑا تھا۔ ہم اُن سے وہ زبان بولتے ہیں جو اُن کی سمجھ میں آتی ہے۔ ہم امت کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امت بحثیت مجموعی معصوم ہے۔ یہ علما بحثیت مجموعی خاطی ہیں۔ اُن کو آنحضرت اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ کوئی حق بات بھی ایسی اور اس طرح نہ کہیں جس سے مومنین میں انتشار واختلاف اور تفرقہ پھیل جائے۔ اُن کو بتایا گیا ہے کہ جس عمل اور عقیدے پر ساری امت بلا اختلاف قائم ہو اُس کو شرعی دلیل اور سو فیصد حق تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ اِس بات کو یہ گروہ اُس حالت میں تو مانتا ہے جب اُنہیں اپنی لیڈری چمکانا ہو۔ اسی لئے انہوں نے کثرت کے فیصلے کو حق قرار دیا مگر جب یہ دیکھتے ہیں کہ ساری امت بیاہ شادی میں گانے بجانے اور مسرت کو دوبالا کرنے میں متفق ہے وہ اُس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو ساری امت سرور دو عالم مانتی ہے، اُن سے اپنی مشکلات میں مدد طلب کرتی ہے تو یہ خبیث گروہ امت کے اس متفقہ عمل درآمد کو شرک کہتا ہے۔ اور اپنے عالمِ قرآن اور حافظِ حدیث ہونے کی دھونس اور دھمکی دیتا ہے۔ اُن سے کہئے کہ اوّل تو تم اپنے عالم ہونے کی نفی کر رہے ہو۔ اسلئے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہ میری امت ہرگز باطل چیز پر متفق نہیں ہوسکتی (**لا تجتمع اُمّتِی علی الباطل**) کے منکر ہو۔ اور اگر پھر بھی تم عالم ہو؟ تو تم امت محمدیؐ کے عالم نہیں ہو اس لئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماؑ بنی اسرائیل کے انبیّاء کی مانند ہوں گے (**علماء امتی کَانبیاءِ بنی اسرائیل**) اور تم لوگ بقلم خود خاطی و خطا کار ہو، بنی اسرائیل کے انبیّاء معصوم تھے۔ تم کرامات ومعجزات والہامات سے محروم اور بدترین لوگ ہو۔ تم میں آپس میں بھی اتفاق واتحاد نہیں ہے۔ تم میں بعض نے بعض باتوں کو حرام قرار دیا تو دوسروں نے اسی حرام کو حلال کہہ کر اس پر عمل کیا۔ تم نے ایسے گندے اور گھنونے مسائل اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں کہ کفار وزانی وشرابی بھی انہیں پڑھتے ہوئے شرماتا ہے۔ تمہارا کچا چٹھا جلد اسی عدالت میں پیش کیا جائے گا جس میں تم اپنے کفر کا فتویٰ لے جاؤ گے۔ معاذ اللہ کہاں تم جیسے ننگِ انسانیت لوگ، کہاں انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام؟ تم نے اپنے گندے کردار سے لفظ مولوی، ملا اور علامہ کو گالی بنا دیا ہے۔ غالباً تمہیں اکبر بادشاہ کا قول یاد ہوگا کہ جب وہ کسی کی انتہائی توہین کرنا چاہتا تھا تو اسے ''فقیہ'' کہہ دیا کرتا تھا۔ تمہارے لئے ہی تو کہا گیا ہے کہ: ؎ مفتی دینِ نبیؐ فتویٰ فروش... اور... دین ملا فی سبیل اللہ فساد۔ اور پھر بھی اگر تم کسی ترکیب سے عالم ہو؟ تو تم ویسے ہی عالم ہو جیسے وہ علما تھے

جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو باغی اور واجب القتل قرار دیا تھا۔

بہرحال قارئین نوٹ کرلیں کہ علمائے زیرِ بحث کا مذہب اور ہے اُن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُنکو سینکڑوں احادیث میں سے صرف ایک حدیث سنا کر پھر ہمارا پیغام دے دو۔ اور وہاں اس تمہید کو ختم کر کے کلمہ اور نماز کے متعلق قرآن کریم اور احادیث کا فیصلہ سامنے لاؤ۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ:۔

يَاتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يَبْقِي فِيهِم مِنَ الْقُرْانِ اِلَّا رَسْمُهٗ وَمِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ، يَسَمُّونَ بِهٖ وَهُمْ اَبْعَدُ النَّاسِ مِنْهُ؛ وَمَسَاجِدُ هُمْ يَوْمَئِذٍ عَامِرَةٌ مِنَ الْبِنَاءِ، خرابٌ مِنَ الْهُدٰى، سُكَّانُهَا وَ عُمَّارُ هَا شَرُّ اَهْلِ الارض.. (نہج البلاغہ حکمت نمبر 369) (فُقَهَاءُ ذٰلِكَ الزَّمَانِ شَرُّ فُقَهَاءِ تحتَ ظِلِّ السَّمَاءِ مِنْهُمْ خَرَجَتِ الْفِتْنَةُ وَاِلَيْهِمْ تعُودُ..) مِنهُمْ تَخرُجُ الْفِتْنَةُ وَاِلَيْهِمْ تَاوِى الْخَطِيْئَةُ يَرُدُّوْنَ مَنْ شَذَّ عَنْهَا فِيْهَا وَيَسُوْقُوْنَ مَنْ تَاَخَّر عَنْهَا اِلَيْهَا ۔الخ (کافی کتاب الروضہ)

''انسانوں پر وہ زمانہ آنے والا ہے جب تعلیماتِ قرآن میں سے کچھ بھی باقی نہ بچے گا صرف قرآن کے الفاظ محفوظ رہ جائینگے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات فنا کردی جائیں گی اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا۔ لوگ مسلمانوں ایسے نام (جیسے محمد حسین مجتہد) رکھ لیا کریں گے۔ حالانکہ اسلام سے وہ لوگ سارے انسانوں سے بھی زیادہ دُور تر ہوں گے۔ اُس زمانہ میں اُن کی مسجدیں فنِ تعمیر اور آرائش کا نمونہ ہوں گی مگر ہدایت کے معاملہ میں کھنڈرات کی طرح ہونگی (یعنی آثار قدیمہ کی طرح ہدایت کی یاد دلایا کریں گی)۔ اُن مسجدوں کے باشندے (پیش نماز اور موذّن) اور اُنکی تعمیر اور آرائش کرانے والے لوگ رُوئے زمین کے تمام انسانوں سے زیادہ شر پسند ہوں گے۔ اور اُس زمانے کے فقہا (یعنی مجتہد و مفتی حضرات) اُن تمام فقہا سے زیادہ شر وفساد پھیلانے والے ہوں گے جو اِس آسمان کے نیچے اس وقت تک گزرے ہوں گے (یعنی شر پسند فقہا تو اِس آسمان کے نیچے ہمیشہ موجود رہے ہیں مگر وہ فقہا اُن سب سے نمبر لے جائیں گے اور فتنہ وفساد و گمراہی پھیلانے کا انتہائی ریکارڈ قائم کرینگے)۔ ہر قسم کا فتنہ وفساد اُن فقہا کے یہاں سے جاری کیا جائے گا اور اُس شر وفساد و فتنہ کا فائدہ پلٹ کر اُن فقہا کو ملے گا۔ اور ہر قسم کی غلطیاں اور گمراہ کن پالیسیاں اُن فقہا کی سرپرستی میں پروان چڑھیں گی جو کوئی اُنکے پھیلائے ہوئے فتنہ اور فساد کے جال سے نکل بھاگے گا اُسے گھیر کر واپس لائیں گے۔ جو کوئی اُنکے منصوبے میں داخل ہونے سے کترائے گا اُسے ڈنڈے سے ہانک کر دھکیل کر فتنہ وفساد میں شامل کریں گے۔'' (یہ ہیں وہ فقہا و علما و مجتہدین جنکی کہانی بارہ سال سے لکھی جارہی ہے۔)

ج۔ مندرجہ و موصوفہ بالا علما کو ایک پیغام

اُن علما کو یہ تنبیہ کردیں کہ (1) تم ہر اُس بات میں تعاون کرو جس پر تم لوگوں کے علاوہ پوری اُمت (شیعہ اور اہل سنت شامل) متفق ہے۔ (2) جو پوری اُمت کے اتحاد و ہم آہنگی کا باعث ہو۔ ورنہ یہ نوٹ کرلو کہ ہم یہ ثابت کرنے کے لئے

تیار ہیں کہ تم دشمنانِ اسلام اور مسلمین ہو۔ تمہارا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ تم خواہ شیعہ لیبل لگائے ہوئے ہو یا اہل سنت والجماعت میں اپنا اڈہ بنا رکھا ہو۔ تم دونوں کے بیان کردہ وہ تمام مسائل مردود ہیں۔ 1: جو اُمت کے متفقہ عقائد و عمل کے خلاف ہوں یا 2: جن سے قرآن و حدیث، اللہ اور رسولؐ کی پوزیشن مجروح ہوتی ہو یا 3: جن سے دشمنانِ اسلام کو تقویت ملتی ہو۔ ہمارے پاس خود تمہاری تحریر سے ایسا ثبوت موجود ہے جو تمہیں ہر عدالت کے سامنے مجرم اور اسلام کے خلاف ایک باطل پرست گروہ ثابت کرے گا۔ لہٰذا تم پوری قوت اور باطل کی ساری حمایت اور بصیرت سے کفر سازی کی مشین چلاؤ۔ ہم نے تمہیں وہ نکات بھی قبل از وقت بتا دئے ہیں جو ہم تمہارے خلاف استعمال کریں گے اور تمہیں تمام شیعہ و سُنی ممالک اور حکومتوں کے سامنے ذلیل و خوار کریں گے۔ انشاء اللہ ثم شاء محمدؐ وآل محمد صلی اللہ وآلہ وسلم۔ (اگر اللہ اور پھر محمدؐ نے بھی چاہا)

(الف) کلمہ میں عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ کب سے اور کیوں ہے؟

ہم نے قارئین کو مختصراً یہ بتا دیا ہے کہ دشمنانِ اسلام نے اسلام اور مسلمانوں کو مندرجہ بالا حدیث کے مطابق گمراہ کرنے اور تمام سابقہ نقوش و تعلیمات قرآن و رسولؐ و آل رسولؐ و صحابہ کرام علیہم السلام کو دریا برد کرنے کے لئے احادیث و تفاسیر کی ہزار در ہزار کتابوں کو فنا کر دیا تھا۔ لیکن یہ ایک بولتا چالتا معجزہ ہے کہ ہم اُن دشمنانِ اسلام کے ہر سوال کا جواب قرآن کریم اور حدیث شریف میں موجود پاتے ہیں۔ لہٰذا ہم پہلے شیعہ ریکارڈ پیش کریں گے۔ پھر اہل سنت کے علمائے صالحین کے یہاں سے ثبوت لائیں گے۔

1۔ کلمہ کی ابتدا ازلی و کائناتی ہے

(1) قرآن کریم سے ابتدا کیجئے

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ اس کلمہ کی ابتدا ازلی و کائناتی ہے۔ تعلیماتِ خداوندی کی ابتدا نہ صرف انسانوں میں بلکہ پوری کائنات میں اسی زیرِ گفتگو کلمہ سے ہوئی تھی۔ قارئین کرام نہایت صبر و تحمل سے ہمارے بیانات کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ اللہ نے اپنی ہدایات و تعلیمات کس طرح اور کب شروع کی تھیں؟ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ o (اعراف 174-7/172)

تخلیق آدمؑ سے بھی کہیں بہت پہلے ”اور اے نبیؐ، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا اور اُنہیں خود اُن کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ انہوں نے کہا

''ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔'' یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' یا یہ نہ کہنے لگو کہ ''شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو اُن کی نسل سے پیدا ہوئے، پھر کیا آپ ہمیں اُس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟'' دیکھو، اس طرح ہم نشانیاں واضح طور پر پیش کرتے ہیں....'' (ترجمہ علامہ مودودی تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 99-95)

اس آیت کی تشریح میں علامہ نے چار نوٹس لکھے اور دو صفحات کے لمبے بیانات دیئے ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو دل چاہتا ہے کہ ہم سب کچھ نقل کر دیتے۔ بہر حال وہ اس آیت کے مقصد کو ٹھیک سمجھے اور بہت عمدہ ترجمانی کی ہے۔ ہم اختصار کے باوجود اُن کا نوٹ نمبر 135 آپ کے سامنے ضرور رکھتے ہیں تا کہ آیت کے مقصد پر روشنی پڑ جائے اور تمام آنے والے بیانات از خود واضح ہو جائیں لکھا ہے کہ:۔

''135: اس آیت میں وہ غرض بیان کی گئی ہے جس کیلئے ازل میں پوری نسلِ آدم سے اقرار لیا گیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ اپنے خدا سے بغاوت اختیار کریں۔ وہ اپنے اِس جرم کے پوری طرح ذمہ دار قرار پائیں۔ اُنہیں اپنی صفائی میں نہ تو لا علمی کا عذر پیش کرنے کا موقعہ ملے اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمہ ہو سکیں۔ گویا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس ازلی عہد و میثاق کو اس بات پر دلیل قرار دیتا ہے کہ نوعِ انسانی میں سے ہر شخص انفرادی طور پر اللہ کے اِلٰہِ واحد اور ربِّ واحد ہونیکی شہادت اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی شخص کامل بے خبری کے سبب سے، یا ایک گمراہ ماحول میں پرورش پانے کے سبب سے اپنی گمراہی کی ذمہ داری سے بالکلیہ بری ہو سکتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 97)

ہم اس آیت اور اس نوٹ سے صرف اتنا سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان سے تخلیق انسانی سے پہلے ایک ازلی عہد و میثاق لیا گیا تھا اور اس عہد و میثاق میں انسانوں سے اللہ کی ذات اور توحید پر اقرار اور شہادت لی گئی تھی۔ یعنی کلمہ اور تشہد کی اوّلین چیز کا اقرار کرایا گیا تھا۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اُس وقت پورے کلمہ کا اقرار کیوں نہ لیا گیا؟ ساتھ ہی یہ بھی یہیں نوٹ کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مخصوص لوگوں کے سوا باقی عامۃ الناس کو سب سے پہلے صرف کلمہ کی اسی پہلی شہادت کی طرف دعوت دی تھی۔ یعنی آپ نے اپنے عام مخاطبوں سے یہ فرمایا تھا کہ: قُوْلُوْا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہِ وَتُفْلِحُوْا ۔ تم یہ اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور فلاح یافتہ ہو جاؤ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابتدا میں آنحضرؐت کی نبوت پر شہادت کو عمومی صورت نہیں دی گئی تھی۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب حدیث ملاحظہ ہو، تا کہ اس ازلی معاہدہ اور کلمہ و تشہد پر مزید تفصیل مل جائے۔

(2) تخلیقِ کائنات سے پہلے محمدؐ وآلِ محمدؐ سے تخلیق کی ابتدا ہوئی

اِس عنوان کی سینکڑوں احادیث میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمالیں ۔ چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام وہ نظارہ پیش فرماتے ہیں جب کائنات کی کوئی چیز موجود نہ تھی فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ اللّٰہ کَانَ اِذْ لَا کَانَ ۔فَخَلَقَ لِلْکَانَ وَالْمَکَانَ وَخَلَقَ نُوْرَ الْاَنْوَارِ الَّذِیْ نَوَّرَتْ مِنْہُ الانوار وَاَجْرٰی فِیْہِ من نورہ الذی نَوَّرَتْ مِنْہُ الانوار وھُوَ النُوْرُ الَّذِیْ خَلَقَ مِنْہُ مُحَمَّدًا و عَلِیًّا فَلَمْ یَزَالَا نُوْرَیْنِ، اَوَّلَیْن؛اِذْلَا شیءٍ کَوَّنَ قَبْلَھُمَا، فَلَمْ یَزَالا یجریان طاھرین مطھرین فی الاصلاب الطاھرۃ حَتّٰی افترقا فی اَطْھَرِ طاھِرِیْن فی عبداللّٰہ وابی طالب علیھما السلام ۔(اصول کافی کتاب الحجۃ باب مولد النبیؐ حدیث نمبر 9)

’’حقیقت یہ ہے کہ اللہ جب بھی موجود تھا جب کچھ نہ تھا۔ پس اُس نے گنجائش مکانی پیدا کی اور تمام نوروں کا ماخذ یعنی بنیادی نور پیدا کیا۔ جس سے ہر نور منور ہو گیا۔ اور اس نورانی جمگھٹے میں اپنا وہ نورؐ جاری کر دیا جس سے وہ تمام انوار تابانی حاصل کرتے رہیں۔ اور وہی وہ نورؐ تھا جس سے محمدؐ اور علیؑ کو پیدا کیا تھا۔ یہ دونوں اوّلین انوار برابر قائم و برقرار رہتے چلے گئے۔ حالانکہ اُس وقت تک سلسلہ تکوین وتخلیق کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ چنانچہ یہ دونوں انوار جو پاک و پاکیزہ اور دوسروں کو پاک کرنے والے تھے۔ برابر پاک و پاکیزہ لوگوں کے اصلاب میں منتقل ہوتے ہوئے چلے یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر پاک اصلاب عبداللہ اور ابی طالب علیہما السلام میں پہنچنے کے لئے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔‘‘

(3) کائنات کی تخلیق اور مکمل کلمہ وتشہد کی منادی یا اذان

اس حدیث میں نور محمدیؐ اور نور علویؑ کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ بھی دکھا دیا گیا کہ وہؐ جس خدائی راستے سے اپنے جسمانی وجود تک پہنچے وہ راہ کفر وشرک و مادی غلاظت وکثافت سے پاک تھی۔ یہاں وہ علما سر جھکائے ہوں گے جو آنحضرتؐ اور حضرت علی علیہما السلام کے ماں باپ یا دادا پردادا کو اپنی طرح کے کافر ثابت کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اب ایک اور حدیث سنئے جو تخلیقِ کائنات کی ابتدا پر روشنی ڈالتی ہے۔ پھر جناب امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّـا اَوَّلُ اھلبیت نَوَّہُ اللّٰہ بِاَسْمَائِنَا ۔اِنَّـہٗ لَمَّا خَلَقَ السماوات والارض امر منادِیًا فَنَادی اَشْھَدُ اَنَّ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ثلاثًا۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ثلاثًا۔ اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا اَمیر المؤمنین حقًّا۔ثلاثًا۔(ایضاً حدیث نمبر 8)

’’ہم وہ اوّلین اہلبیت نبوّۃ ہیں۔ جن کے ناموں کو اللہ نے بلند ترین رفعت عطا کی ہے۔ یقیناً جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو ایک منادی کرنے والے کو اعلان کرنے کا حکم دیا جس نے تین مرتبہ پکارا کہ:۔

1: ’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔‘‘ پھر تین دفعہ اعلان کیا کہ:۔

2: ’’میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔‘‘ پھر تین بار منادی کی کہ:۔

3: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ مومنین کے حقیقی امیر علیؑ ہیں۔''

قارئین ذرا تصور کریں کہ یہ کلمہ وہ ہے جو حضرت آدمؑ اور بنی آدم سے کروڑوں سال پہلے پوری کائنات کے استحکام کے لئے فضاؤں ہواؤں اور کرہ ہائے ارضی وسماوی میں گونجتا چلا گیا۔اور تکوین کی راہیں کھلتی چلی گئیں۔یہی وہ تشہد ہے جس کی معجزنما داخلی قوت سے کائناتی ارتقا جاری ہے۔یہی وہ وحی ہے جس کا ذکر قران کریم یوں کرتا ہے کہ:۔

فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَاَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ۔الخ (حٰمٓ سجدہ 41/12)

''اللہ نے آسمانوں کو سات کی تعداد میں پابند کر دیا دو روز کے اندر اندر۔اور تمام ہی آسمانوں میں اُن سے متعلق احکام کی وحی کر دی اور دنیا کے آسمان کو چراغوں سے سجا دیا۔''

یہی وہ کلمہ تھا جس کی اطاعت کو ساری کائنات کا مرکز یا خط استویٰ بنایا تھا چنانچہ فرمایا گیا کہ:۔

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡهًا قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ۝ (حٰمٓ سجدہ 41/11)

پھر وہ آسمانوں کی مرکزی تنظیم پر متوجہ ہوا جب کہ آسمان دھوئیں کی سی حالت میں ہیں۔چنانچہ آسمانوں اور زمینوں کو حکم دیا کہ تم خوشی سے یا ناگواری سے اطاعت کیلئے آمادہ رہو۔دونوں نے عرض کیا کہ ہم برضا و رغبت اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

یہ ہے اللہ کا انتظام جو اِس کے نبیؐ مطلق اور وَلی اور حاکم حقیقی سے وابستہ ہے۔یہ معنی ہیں سرور کائنات اور اشرفِ موجودات اور رحمۃ للعالمین کے۔یوں ہیں جناب علی مرتضیٰ مشکلکشا اس کائنات کے۔اسی لئے ایک اہل سنت بزرگ نے فرمایا تھا کہ:۔

زمانہ برسر جنگ است یا علیؑ مددی	کمک زغیرِ تو ننگ است یا علیؑ مددی
کشود کارِ دو عالم بیک نگاہ تُست	بکارِ من چہ درنگ است؟ یا علیؑ مددی

''اے مولا علیؑ سارا زمانہ میرے ساتھ برسر پیکار ہے اُس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیں۔آپ کے مخالفوں سے مدد طلب کرنا میری بے عزتی ہے آپ ہی میری مدد کریں۔اُن دو جہانوں کا کاروبار آپ کی ایک نگاہ پر منحصر ہے۔لہٰذا میرا معاملہ آپ کیلئے کوئی مشکل کام نہیں۔پھر میری مدد میں کیا رکاوٹ ہے؟ میری مدد فرمائیے۔'' یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ کائناتی اور ازلی اور ہمہ گیر اسلامی کلمہ یہ ہے:۔ **لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ۔عَلِیٌّ اَمیرالمؤمنین** (علیہما السلام)۔باقی بہت ہے۔

(4) تمام ملائکہ وارواح اور انبیاؑ کا کلمہ

قارئین کرام نے پچھلے عنوان میں کائنات کا تخلیقی اور عالمگیر کلمہ ملاحظہ کیا تھا۔اب یہ دیکھئے کہ انسانی تخلیق شروع ہونے سے بہت پہلے اُسی کلمہ کا اقرار کرنے والوں میں تمام ملائکہ نے اور ملائکہ کے برابر اور مرتبہ میں بڑھی ہوئی ایک اور مخلوق، جسے روح کہا گیا ہے، نے اور تمام انبیاؑ نے بھی اقرار کیا تھا۔تاکہ تعلیمات خداوندی پہنچانے میں اور تقسیم کار میں ملائکہ اور ارواح وانبیاؑ و

حکومتِ علویہؑ کو ہمیشہ مدنظر رکھا جا سکے۔ یہ تمام تفصیلات جناب امام جعفر صادق علیہ السلام بیان فرما رہے ہیں۔

''میں نے اُن تمام ذمہ داریوں اور تعلیمات کو اختیار کیا ہے جو حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے لازم کی گئی ہیں۔ اور اُن تمام چیزوں کو رد کر دیا ہے جو اُن کے نظام کے خلاف تھیں۔ اللہ نے اپنے تمام فضل سے وہ سب کچھ علیؑ کے لئے جاری کیا جو محمدؐ کے لئے جاری کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ اور مکمل فضل خداوندی محمدؐ کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور جو شخص حضرت علیؑ کے احکام وفضائل کو نہ مانے یا پس وپیش کرے وہ یقیناً اللہ ورسولؐ کی نافرمانی وشرک ہے۔ علیؑ تو اللہ کی طرف سے وہ وسیلہ اور دروازہ تھے کہ جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے ملتا ہے وہ اُن ہی سے ملتا ہے۔ اور علیؑ وہ مسلک اور اللہ کا وہ راستہ ہیں کہ جو کوئی اُسے اختیار کرے اور اُس راہ پر چلے وہ اللہ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اور جو الگ رہتا ہے گمراہ وتباہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی پوزیشن آئمہ معصومین علیہم السلام کی اپنے اپنے زمانہ میں ہے۔ اللہ نے اُن سب کو زمین کو سنبھالے رکھنے کی ذمہ داری دی ہے تاکہ وہ تباہ کن حرکت ورفتار اختیار نہ کر سکے۔ اور اُن کو تمام اہل زمین پر اپنی حجت بنایا ہے۔ اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ میں خدا کی طرف سے جنت اور دوزخ میں بھیجنے کا مختار ہوں۔ میں حق وباطل کا فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بزرگ ہوں۔ میں مخلوق کے جمع ہونے کی منزل ہوں۔ میں صاحب فراست اور مخلوق کو مشخص وممیّز کرنے والا ہوں۔

ولَقَدۡ اَقرَّتۡ لِیۡ جمیع الملائِکۃ والرّوح والرّسل بمثل مَا اَقرُّوۡا به لمُحَمَّد صلی اللّٰه علیه وآله۔

اور یقیناً میری اس پوزیشن کا ملائکہ اور روح اور تمام رسولوں نے اُسی طرح اقرار کیا ہے جس طرح اُن سب نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اقرار کیا تھا۔'' (کافی کتاب **الحجة باب ان الآئمة هم ارکان الارض** حدیث 1)

یہ حدیث مسلسل آگے بڑھتی اور فضائل محمدؐ وآل محمدؐ بیان کرتی چلی گئی ہے۔ اس سے اگلی حدیث میں جہاں مولا علی علیہ السلام کے فضائل نئے انداز میں بیان ہوئے ہیں وہاں کلمہ کے اقرار کا یہی جملہ پھر آیا ہے۔

لَقَدۡ اَقرَّتۡ لِیۡ جمیع الملائِکۃ والروح ----الخ۔ (ایضاً حدیث 2)

(5) اس کائنات کا پہلا ہفتہ اور پہلا جمعہ اسی کلمہ سے موسوم ہوا تھا

کَیۡفَ سَمّیت الجمعة ؟ قال: اِنَّ اللّٰه عزّوجلّ جَمَعَ فِیۡهَا خَلۡقِه لِوَلَایَةِ مُحَمَّدٍ وَّ وَصِیِّه فِی المیثاق فَسَمَّاهُ یوم الجمعة لجَمۡعَهُ فِیۡهِ خَلۡقِه۔ (فروع کافی کتاب الصلوۃ باب فضل **یوم الجمعة ولیلته** حدیث 7)

امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال ہوا کہ جمعہ کے دن کا نام جمعہ کس لئے رکھا گیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے جس روز اپنی تمام مخلوقات کو جمع کر کے اُن سے محمدؐ اور اُن کے وصی علیؑ کی ولایت پر عہد لیا تھا۔ اُس دن کا نام اس لئے جمعہ رکھا تھا کہ وہ ساری مخلوق کے جمع ہونے کا دن تھا۔''

قارئین نے ابتدا ہی میں قرآن اور علامہ مودودی کے بیان سے دیکھا تھا کہ تخلیق آدمؑ سے کہیں پہلے تمام اولادِ آدم سے اقرار ربوبیت ووحدانیت لیا گیا تھا۔اسی اقرار وعہد کو اس حدیث میں میثاق کہہ کر یہ واضح کیا گیا کہ اس معاہدہ میں صرف اولادآدم ہی نہ تھی بلکہ اللہ کی ساری مخلوق نے توحیدِ خداوندی، نبوۃ محمدؐ یہ اور ولایۃ علویہؑ کا عہد کیا تھا۔

(6) اقرارِ ربوبیت ووحدانیت میں پورے کلمہ کا اقرار شامل تھا

امام محمد باقر علیہ السلام سے حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہنے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:۔

قال: اللّٰہ سَمَّاہُ وھٰکذا اَنْزَلَ فی کتابہ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِی آدم مِن ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَ ھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؟وَاَنَّ محمدًا رَسُوْلِیْ وَ اَنَّ عَلِیًّا امیرالمؤمنین۔(کافی کتاب الحجۃ باب نادر حدیث 4)

علیؑ کو امیر المومنین کا لقب خود اللہ نے دیا ہے اور اسی لئے اپنی کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب تیرے پالنے والے نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ساری ذریت کو باہر نکال کر حاضر کیا اور اُن کو خود اُن کے اقرار پر گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اور یہ کہ کیا محمدؐ میرا رسولؐ نہیں ہے؟ اور یہ کہ کیا علیؑ تمام ایمان لانے والوں کے حاکم اور امیر نہیں ہیں؟

قارئین غور فرمائیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام آیت میثاق (اعراف 174-7/172) اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی تفسیر میں نبوت وولایت کو شامل بتاتے ہیں۔اور کلمہ زیرِ نظر کا ثبوت قرآن کریم سے پیش فرماتے ہیں۔اور مندرجہ بالا تمام احادیث اعلانِ ولایت مرتضوی کو روزِ ازل سے ہمہ گیر حقیقت اور اسلام کی اوّلین تعلیم ثابت کرتی ہیں۔

2۔ اہلِ سنت ریکارڈ مکمل کلمہ پر طرح طرح سے متفق ہے

(الف) یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ تخلیق کائنات اور تخلیق محمدؐ وآل محمدؐ پر اہل سنت ریکارڈ میں تفصیلات نہیں ملتیں۔اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ تاریخی حالات اور احادیث کا جمع کرنا چونکہ حکومت کے ماتحت تھا۔اور حکومتوں کی بنیاد اور اُن کی پالیسی اُن ہی لوگوں کے زیرِ اثر تھی جو یزید اور اُس کے بزرگوں کی حمایت میں دین کے اصول وقواعد بدلنا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ لوگ نہ چاہتے تھے کہ محمدؐ وآل محمدؐ کا صحیح مقام ومقصد سامنے آسکے۔ورنہ انہیں حکومت وخلافت سے دست برداری پر مجبور ہونا پڑتا۔دوسرا سبب یہ تھا کہ ہر حکومت یہ نہ چاہتی تھی کہ محمدؐ وآل محمدؐ کے متعلق اُن احادیث کو زبان پر لایا جائے جن سے اُن کے آباؤ اجدادؑ مومن ثابت ہوں یا جن احادیث سے اُنؑ کے بے پناہ ولامحدود علم کا مظاہرہ ہوتا ہو۔مطلب یہ تھا کہ ہر وہ حدیث دنیا سے غائب کردی جائے جس سے محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اپنے صحابہ یا دانشورانِ عرب سے برتر وقدیم تر ومعصومؑ ونوری ثابت ہوتے ہوں۔اسی مقصد کو حاصل کرنے اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر کئی ایک صحابہ اور راویانِ حدیث کو کوڑوں کی اور طرح طرح کی اعلانیہ اور خفیہ سزائیں دینا تاریخ وحدیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔خود بعض صحابہ کا بیان موجود ہے کہ اس مقصد کے دباؤ سے

انہیں اپنی وہ کتابیں اپنے ہاتھ سے جلانا پڑیں جو اُنہوں نے خود رسولؐ اللہ سے سنی ہوئی حدیثوں کو جمع کرنے میں لکھی تھیں۔اسی مقصد کے لئے اُن صحابہ کو جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ صحبت پائی اور زیادہ حدیثیں یاد کی تھیں مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ جو لوگ اُن کے علاوہ باہر جاتے تھے اُنہیں حکم دیا جاتا تھا اور اُن پر نگرانی کی جاتی تھی کہ سوائے قرآن کی آیات کے ہرگز حدیثِ رسولؐ زبان پر نہ لائیں۔ایسا مخالف ماحول پیدا کر دیا گیا تھا کہ خود جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام عبداللہ ابن عباس سے یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ دیکھو تم اُن لوگوں سے بحث کے دوران حدیثِ رسولؐ کو معیار بحث نہ بنانا۔اور ایسی خود ساختہ باتیں عام کی جارہی تھیں کہ حضرت علیؑ کو ایک پوری تقریر (خطبہ) ہی یہ بتانے کے لئے کرنا پڑی کہ احادیث کے نام پر جو کچھ مخالف محاذ کی طرف سے بیان ہورہا ہے وہ سب ناقابل اعتبار ہے۔اور گویا یہ فرمانا چاہا ہے کہ مجھ سے یا میری مثل کے لوگوں سے تصدیق کرائے بغیر حدیث کے نام سے کچھ بھی قبول نہ کرو (نہج البلاغہ)۔

ادھر یہ اسکیم جاری رہی اور اُدھر ہر حکومت نے اُن لوگوں کو سزائیں دیں جو علیؑ و اولادِ علیؑ سے ملتے اور تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ اسلام ایسے لوگوں کے قتل عام، جلاوطنی اور بائیکات کے واقعات سے لبریز ہے۔اس قسم کے اسباب تھے جنکی بنا پر احادیث کا مکمل ریکارڈ اہل سنت کے علما مکمل کرنے سے معذور رہے۔ جو کچھ سینہ بسینہ پشت بہ پشت پہنچ سکا اسکو جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں اہل سنت کے علمائے صالحین نے بڑی محنت اور قربانیوں کا ثبوت دیا ہے۔جس ماحول میں اہل بیتؑ سے محبت کا اظہار حکومت سے بغاوت اور رافضی ہونے کا ثبوت رہا ہو وہاں امام شافعی کا یہ اعلان کتنا جرأت مندانہ اور قابل قدر ہے کہ:۔

''اگر اہل بیتؑ سے محبت باغی یعنی رافضی ہونے کا ثبوت ہے؟ تو جن وانس دونوں گواہ رہیں کہ میں رافضی یعنی باغی ہوں۔''

چونکہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو ہمیشہ جیل یا گھر کی چاردیواری میں نظر بند رکھا جاتا رہا۔اس لئے اُن کے حالات نے خود بخود ایک ایسی تحریک شروع کردی جس نے اُدھر احادیث کے ذخیرہ کو جمع کیا اور زیر زمین منصوبوں سے مخالف حکومتوں کا زور توڑا۔ دینی تصورات کو اندر ہی اندر اُمت میں پھیلایا اور اُس مذہب کی نقاب کشائی کی جو حکومت کی قوت سے نافذ ہوتا چلا آرہا تھا۔اس تحریک تشیّع کے ایک شعبہ کا نام ہے ''تصوف''۔ بہرحال جو کچھ اہل سنت کے حقیقی علما کو ملا وہ ملاحظہ فرمائیں۔

(1) تخلیق آدمؑ سے قبل تمام انسانوں پر علیؑ کی امارت کا اقرار لازم کیا گیا

جناب ابو ہریرہؓ وہی راوی اور صحابی ہیں جن کو ناپسندیدہ احادیث بیان کرتے رہنے پر کوڑوں سے پٹوایا گیا تھا۔ وہی بیان کرتے ہیں کہ:۔

قال: قِیْلَ یَا رَسولَ اللّٰہ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃ ؟قَالَ النّبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم: قَبْلَ اَنْ یَخْلَقَ اللّٰہُ آدَم و نَفَخَ فِیْہِ الرُّوْحَ وَقَالَ: وَاِذْ اَخَذَ رَبّکَ مِنْ بَنِیْ آدم مِنْ ظُھُورِھِم ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَ ھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ ۔اَلَسْتُ بربّکم قَالُوْا

بَلٰی۔فَقَالَ اَنَا ربّکمُ الْاَعْلٰی وَ مُحَمَّدٌ نَبِیُّکُم و عَلٰیٌ امیر کم (مودة القربیٰ)

آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نبوت آپؐ کے لئے کب واجب ہوئی تھی؟ نبیؐ نے فرمایا کہ آدمؑ کی تخلیق اور اُن میں روح داخل کرنے سے پہلے واجب ہوئی تھی۔اور فرمایا کہ اور جب بھی میری نبوت واجب ہوئی تھی۔جب اللہ نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی پوری ذریت کو باہر نکال کر حاضر کیا اور اُن کو خود اُن کے اقرار پر گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اُنہوں نے جواب میں کہا کہ کیوں نہیں یقیناً تو ہمارا رب ہے۔چنانچہ اللہ نے اُن کو بتایا کہ میں تم سب کا ربُّ الاعلیٰ ہوں۔اور محمدؐ تمہارے سب کے لئے نبیؐ ہیں اور علیؑ ساری نوع انسان (مع انبیؑا) کے امیرؑ ہیں' یعنی:

1 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه 2 مُحَمَّدٌ نَبِیُّ اللّٰه ۔عَلِیٌّؑ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِین۔(مودة القربیٰ،سید علی ھمدانی)

(2) کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے جنتیوں کے لئے کلمہ

قارئین دشمنانِ اہل بیتؑ سے وہ ثبوت اور ریکارڈ پیش کرنے کیلئے چیلنج کر دیں جس میں اُنکے دعویٰ کے مطابق محض توحید و نبوت پر کلمہ کو محدود و منحصر کرنے کا ایسا ثبوت موجود ہو جیسا کہ ہم پیش کر رہے ہیں یا جس ریکارڈ میں علیؑ ولیّ اللّٰہ کی یا ولایت کی نفی کا حکم دیا گیا ہو۔اور ہم قبل از وقت بتا دیں کہ وہ قیامت تک اپنے دعویٰ میں کاذب اور فریب ساز ثابت ہوں گے۔ آیئے جنتیوں کے لئے ازلی و ابدی کلمہ سنئے:۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ و آله وسلم مَکْتُوْبٌ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ محمدٌ رسول اللّٰهِ عَلِیٌّ اَخُ رَسُوْلِ اللّٰه قبل اَنْ یَّخلقَ بِاَلْفی عام۔(صحاح ستہ کی کتابیں اور مودة القربیٰ سید علی ہمدانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے سے جنت کے دروازے پر یہ کلمہ لکھا ہوا ہے 1 لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه 2 محمدٌؐ رسول اللّٰه اور عَلِیٌّ اَخُ رسول اللّٰه ۔کوئی اور معبود نہیں سوائے اللہ کے۔محمدؐ اللہ کے رسوؐل ہیں اور علیؑ رسوؐل اللہ کے بھائی ہیں۔

اب دشمنانِ اسلام سے کہہ دیں کہ اگر تم منکر ہو تو یقیناً تم ایسی جنت میں نہیں جا سکتے جسکے دروازہ پر مکمل کلمہ لکھا ہوا ہو۔لہٰذا جتنا جلد ہو سکے توبہ کرو ایمان کو مکمل کرو نہ معلوم کب مر جاؤ اور جہنم کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور شیعہ و سُنی دونوں سے خارج ہو جاؤ۔اور سنو:۔

(3) عرشِ خداوندی پر مُقرّبانِ بارگاہ خداوندی کا کلمہ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ علیه و آله وسلم لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ اِذَ عَلَی الْعَرْش مَکْتُوْبٌ لا اِلٰهَ اَلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رسول اللّٰه ۔اَیَّدْ تُهُ بِعَلِیٍّ ۔"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں جب مجھے آسمانوں پر لے گئے اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ عرش پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔جن کی تائید

میں نے علیؑ کے ذریعہ سے کی ہے۔'' (کتاب شفا قاضی ابوالفضل اور فصل الخطاب خوابہ محمد پارساوغیرہ)

دشمنانِ اسلام! اہل سنت کا ایک اور کلمہ سنیں:۔

(4) حضرت آدمؑ نے آنکھ کھولتے ہی کونسا کلمہ پڑھا تھا؟

مناقب خطیب اور دیگر کتب میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جب اللہ نے آدمؑ میں اپنی روح پھونکی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی اور کہا کہ الحمد لِلّٰہ ۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری حمد کی ہے۔ لہٰذا مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے کہ اگر مجھے اپنے دو خاص بندوں کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھ کو ہرگز پیدا نہ کرتا۔

قال آدم یا اِلٰھِی یکونان منّی؟ قالَ نَعَمْ یا آدم اِرْفَعْ راسک وَانْظُرْ فَرَفَعَ رَاسَهٗ فَاذاً مَکْتُوْبٌ عَلَی الْعَرْشِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحمدٌ نَبِیُّ الرَّحْمَةِ وَعَلِیٌّ مُقِیْمُ الْحُجَّةِ۔ (مناقب خطیب؛ مودۃ القربیٰ)

آدمؑ نے عرض کیا کہ اے خدا کیا وہ دونوں بندے مجھ سے ہوں گے؟ فرمایا ہاں تجھ ہی سے ہوں گے۔ اے آدمؑ اپنا سر بلند کر کے اوپر دیکھو۔ آدمؑ نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ عرش پر لکھا ہوا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ رحمت کے نبیؐ ہیں۔ اور علیؑ خدا کی حجت کو قائم رکھنے والے ہیں۔

قارئین کرام کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اس طرح تسلسل اور قوت کے ساتھ اُمت کے ریکارڈ سے اس حقیقی، ازلی، کائناتی اور اسلامی کلمہ کے خلاف ایک لفظ بھی حدیث اور قرآن سے پیش کر سکے۔ رہ گئے اسلام کے مخالف علما کے اپنے ذاتی اقوال اور فیصلے اور اُن کا اجماع وہ مسلمانوں کے نزدیک مردود وملعون ہیں۔ قرآن اور حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مومنین کے لئے ناقابل توجہ ہیں۔

(5) معراج کی رات میں کلمہ کا ایک اور نظارہ

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم رَاَیْتُ لیلة اسری بی مُثْبِتًا عَلٰی ساق العرش اِنِّی اَنَا اللّٰهُ غَرَسْتُ جَنَّةَ عَدَنٍ محمد صفوتی من خلقی اَیَّدْ تُهٗ بِعَلِیٍّ۔ (حلیۃ الاولیاء)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں معراج کے لئے عرش پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے کنارے پر لکھا ہوا ہے کہ یقیناً میں ہی اللہ ہوں میں نے ہی جنت کو پیدا کیا محمدؐ میرے خالص نمائندہ ہیں۔ میں نے اُن کی تائید علیؑ کے ساتھ کی ہے۔''

(6) کلمہ کب مکمل طور پر سامنے آیا؟

قارئین نے بنی آدم کا آدمؑ کی تخلیق سے پہلے معاہدہ کئی دفعہ دیکھا ہے۔ یہاں پھر اُس معاہدہ کو دوسرے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضرتؐ اپنے دورِ نبوت میں علیؑ کے دشمنوں کے لئے فرماتے ہیں کہ:۔

قال النبیؐ لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَتٰی سُمِّیَ عَلِیٌّ امیر المؤمنین، ما انکروا فضله سُمِّی بذلک و آدم بین الروح والجسد قال اللّٰہ اَلَسْتُ بربکم قالوا بَلٰی فقال اَنا ربکم محمدؐ نبیّکم وَعَلِیٌّ اَمِیْرُ کُمْ۔

اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ علیؑ کو امیر المومنین کب سے اور کس نے مقرر کیا ہے تو ہرگز اُن کی بزرگی کا انکار نہ کرتے۔ علیؑ کا یہ لقب اُس وقت سے معلوم ہے جب آدمؑ ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے اور اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور پوری نوع انسان نے مانا تھا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ تب اللہ نے بتایا تھا کہ میں تمہارا پالنے والا ہوں اور محمدؐ تمہارا نبی ہے اور علیؑ تمہارا امیر ہے۔ (فردوس الاخبار)

(7) مُلاں جی اب تو یہ کلمہ پڑھنا ہی پڑے گا

قارئین اس زیرِ قلم حدیث کو پڑھ کر یہ سوچیں کہ دشمنانِ اسلام درحقیقت تحقیقِ حق نہیں چاہتے بلکہ وہ اپنی دشمنی اور بغض میں وہ حدود پار کر چکے ہیں۔ جہاں ضمیر حق کو قبول نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے قرآن کریم نے یہ فرمایا تھا کہ اُن کی آنکھوں پر پردے ہیں۔ دلوں پر مُہریں لگی ہوئی ہیں۔ سنئے کتنی واضح اور مفصل حدیث ہے جس سے عرب کے کافر ایمان لائے مگر وہ لوگ جو روزِ ازل سے دشمنانِ خدا اور رسولؐ تھے وہ پھر بھی نہ مانے۔

قَالَ النبی صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم یا علی اِنّی رَأَیتُ اِسْمَکَ مقرونًا بِاسمی فی اربعة مواطن فَاَ نَسِیْتُ بالنظر انّه لـمّا بلغتُ بیت المقدس فی معراجی الی السَّماءِ وَجَدْت صخرة بها مکتوبٌ علیها لا الٰهَ الّا اللّٰه محمدؐ رسول اللّٰه ایَّدْ تهُ بوزیره و نَصَرْتُهٗ بوزیره فقلت لجبرئیل وَمن وزیری؟ فقال علی بن ابیطالب فلمّا انتهیتُ اِلٰی سدرة المنتھٰی وجدت مکتوبًا علیها اِنّی انا اللّٰهُ لا اله الا انا وحدی و محمدؐ صفوتی من خلقی اید ته بوزیره ونَصَرْتُهٗ بوزیره فقلت لجبرئیل ومن وزیری قال علی بن ابیطالب فلمّا جاوزتُ سدرة المنتھٰی وانتهیت اِلٰی عرش رب العالمین وجدت مکتوبًا عَلٰی قوائِمه انّی انا اللّٰه لا اله الا انا و محمدؐ حبیبی مِن خلقی اید ته بوزیره فلما هَبَطْتُّ الی الجنة وجدت مکتوبًا علٰی باب الجنة لا اله الّا اللّٰه محمدؐ حبیبی من خلقی اید ته بوزیره ونَصَرْتَهُ بوزیره۔ (مودۃ القربیٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؑ میں نے چار جگہ تیرا نام اپنے نام کے ساتھ بلا فاصلہ لکھا ہوا دیکھا ہے اور میری نظروں کو بہت مانوس معلوم ہوا۔ جب میں آسمانی بیت المقدس میں معراج کے لئے پہنچا تو وہاں دہلیز پر لکھا ہوا دیکھا کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے محمدؐ خدا کا رسول ہے۔ میں نے اس کے وزیر سے اُس کی تائید اور نصرت کی ہے

میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ میرا وزیر کون ہے؟ کہا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ اور جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو اُس پر لکھا ہوا دیکھا کہ یقیناً میں ہی اللہ ہوں۔ مجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ تمام مخلوق سے بڑھ کر میرا نمائندہ ہے۔ میں نے اُس کے وزیر کے ذریعہ سے اُس کی تائید اور نصرت کرائی ہے۔ میں نے جبرائیل سے پھر پوچھا کہ میرا وزیر کون ہے؟ کہا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ اور جب میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی گزر گیا اور عرش پر پہنچا تو میں نے رب العالمین کے عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا کہ یقیناً میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی اللہ یا معبود نہیں ہے۔ محمدؐ میرا حبیب ہے، ساری خلقت میں محبوب ترین ہے۔ میں نے اس کے وزیر کو اُس کی تائید کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور جب میں بلندیوں سے جنت کی طرف اُترا تو میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمدؐ میرے محبوب ہیں میں نے اُسکے وزیر سے اُس کی تائید اور نصرت کا انتظام کر رکھا ہے۔'' (مودۃ القربیٰ)

(8) جنت کے دروازہ کا اسپیکر (Speaker) علیؑ علیؑ کا ورد کرتا ہے

یا علیؑ یا علیؑ کہنے والوں کے لئے جنت منتظر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چشم دید اور خود شنیدہ بیان یہ ہے کہ:۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم انہ خلق اللّٰہ حَلْقَۃُ باب الجنۃ مِن یاقوتہ حمراء عَلٰی صفائح الذھب فاذا دُ قَّتْ الحلقۃ عَلَی الباب طَنَّتْ وقالت یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ۔ (مناقب خطیب۔ مودۃ القربیٰ)

اللہ نے جنت کے دروازہ کا ہینڈل سرخ یاقوت کا بنایا ہے اور سونے کے پتروں پر نصب فرمایا ہے۔ جب اُس ہینڈل کو دبایا جاتا ہے تو ایک گونج پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے یا علیؑ یا علیؑ۔

(9) خَلِیُفَتہٗ بِلا فَصلٍ، وصی رسوؐل اللّٰہ، امیر و امام المتقین مسلمانوں پر لازم کلمہ

ہمارے شیعہ مومنین غور فرمائیں کہ کیا شر پسند مفتیوں اور مجتہدوں کے کہنے سے ہمیں اہلسنت کے خلاف کسی قسم کا محاذ بنانا جائز تھا؟ جن کے علما حضرت علی علیہ السلام کو وہ تمام مقامات بلا تکلف دیتے ہوں جو اللہ و رسولؐ نے دیئے اور جو آپ کے ایمان کی بنیاد ہیں؟ یہ تمام نفرت اور محاذ آرائی چند گنتی کے علما نے دونوں طرف کے علما نے پیدا کی ہے۔ تا کہ اُن کا روزگار چلتا رہے اور امت میں کبھی اتحاد و اتفاق نہ ہو سکے۔ یہ حدیث پڑھیئے اور سوچئے کہ ہم دونوں میں کیا فرق ہے اور ہم کیوں ایک دوسرے سے دست و گریبان کر دیئے جاتے ہیں؟ چنانچہ سنئے:۔

قَالَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم لَمّا اسری اِلَی السماء ثم مِنَ السماء اِلَی سدرۃ المنتھٰی وقفت بینَ یدی رَبِّی۔ فقال یا محمدؐ؟ قلت لَبَّیک وسعدیک لقد بلوت خلقی وَ اَنعَمتُ فَاَیُّھم رَاَیْتَ اَطوَعَ لک؟ قُلْتُ رَبِّی عَلِیًّا۔ قال قد صدقت یا محمدؐ۔ فَھَلّا اتخذتَ لِنفسک خلیفۃ یؤَدی عنک احکامک ویُعَلِّمُ عبادی من کتابی

ما لا یعلمون؟ قلت اِختَر فانّ خیرک خیر ی قال اخترتُ لک علیًا فاتخذه لِنفُسِک خلِیُفَۃً وّ وَصِیًّا وَھو نخلۃ عِلمی و حِکمی وھو امیر المؤمنین حَقًّا لم یَنلَھا اَحَدٌ قبلہ وَلَیسَتُ لاحد بعدہ یا محمدً علیٌّ رَایَۃُ الھدیٰ و امام مَنُ اطاعنی ونور اولیائی وھو کلمۃ التی اَلزَمتُھا للمتقین مَنُ احبّہ فقداحبّنی وَمَن اَبغَضَہٗ فقد ابغضنی فَبَشِرّہٗ بذلک یا محمدً قلت لقد اَبشِرُہ۔ (بحرالمعارف۔خلاصۃ المناقب۔مناقب خطیب۔حلیۃ الاولیاءوغیرہ)

حضوؐر فرماتے ہیں کہ جب اللہ شب معراج مجھے آسمانوں پر لے گیا۔اور آسمانوں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا اور اپنے پالنے والے کے حضور میں کھڑا ہوا تو اللہ نے فرمایا اے محمدؐ! میں نے ہمہ تن گوش ہو کر سننے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرمایا کہ میں نے تیرے لئے اپنی مخلوق کو نعمتیں عطا کیں اور انہیں امتحانی حالت میں رکھا ہے۔اب تم بتاؤ کہ ساری مخلوق میں تیرا سب سے زیادہ کون مطیع اور پسندیدہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ پروردگار امیرا سب سے زیادہ اطاعت کرنیوالا علیؑ ہے۔فرمایا اے محمدؐ تم نے سچ کہا۔ہم تصدیق کرتے ہیں۔پھر فرمایا کہ کیا تو نے اپنے لئے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا ہے؟ جو تیرے احکام کو تیری جانب سے پہنچاتا ہے اور میرے بندوں کو میری کتاب سے وہ سب کچھ تعلیم کردے جو وہ نہیں جانتے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ انتخاب کر کے مجھے بتادیں اسلئے کہ آپ کا انتخاب ہر طرح میرے لئے پسندیدہ ہے۔اللہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے خلیفہ کی حیثیت سے علیؑ کو اختیار کیا ہے۔لہٰذا تم اُسے اپنی ذات خاص (نفس) کی صورت میں اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کردو۔وہ میرے علوم اور حکمت کا درخت ہے۔اور مومنوں کا حقیقی امیر ہے۔کوئی شخص اُس سے پہلے ایسا امیر المومنین نہیں بن سکا اور نہ اب اُسکے بعد اِس مقام تک پہنچ سکتا ہے۔اے محمدؐ علیؑ میری ہدایت کا علم ہے۔اور متقیوں کا امام ہے۔اور میرے اولیا کا نور ہے۔اور وہی کلمہ ہے جو میں نے متقیوں کیلئے لازم کردیا ہے۔جو کوئی شخص اسے محبوب رکھے گا وہ مجھے محبوب ہے۔جو اُس سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کا مجرم ہوگا۔اے محمدؐ علیؑ کو ہمارے ان فیصلوں کی بشارت دینا۔میں نے عرض کیا کہ میں انہیں ضرور یہ خوشخبری سناؤں گا۔''اور یہ بھی فرمایا کہ:۔

قال اللّٰہ تعالیٰ فی لیلۃ المعراج مَنُ تُحِبُّ مِنَ الُخَلقِ یا محمدً فَقُلتُ عَلِیًّا۔فَقَالَ اُلتِفتُ اِلیٰ یَسَارِکَ فَالُتَفتُّ فِاذَا عَلِیٌ مِنُ یَسَارِیُ قَائِمٌ'' ۔(بحرالمعارف وغیرہ) اللہ نے معراج میں جب مجھ سے یہ سوال کیا کہ اے محمدؐ تمہیں تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ کون پیارا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ علیؑ سب سے زیادہ محبوب ہے۔فرمایا کہ ذرا اپنی بائیں جانب تو دیکھو جیسے ہی میں نے دیکھا تو میری بائیں طرف علی کھڑے ہوئے تھے۔''

(الف) نوٹ: یہاں رک کر علما خصوصاً شیعہ لیبل کے منکر علما سے دریافت کریں

کہ جناب تم نے یہ کس آیت اور کس حدیث سے نتیجہ نکالا کہ شہادت ثالثہ یعنی عَلِیٌّ وَلِیّ اللّٰہ ،وصیّ رسوؐل اللّٰہ و خلیفتہ بلا فصل اذان کا جز نہیں ہے؟ اور یہ کہ ہر حال میں بلا اعلان ولایت علویہ کے اذان صحیح ہے؟ پھر تم نے یہ فتویٰ کیسے اور کہاں سے

دیا کہ نماز کے تشہد میں شہادت مرتضوی کا اعلان ہر حال میں نماز کو باطل کر دیتا ہے؟ اور یہ کہ بلا علیؑ ولی اللہ کے تشہد ہر صورت میں مکمل ہو جاتا ہے؟ سُنو اللہ نے مندرجہ بالا حکم کی رُو سے جس کلمہ کو تمام مخلوق پر واجب و لازم کیا ہے تم اُس کلمہ کے منکر ہو۔ جب تک تم واضح الفاظ میں یہ اعلان نہ کرو ہم تمہیں اور تمہاری طرح کے قدیم و جدید منکروں کو مذہب شیعہ اثنا عشریہ اور مذہب اہلسنت سے خارج سمجھتے اور تمہاری گمراہی پر فتویٰ دیتے رہیں گے۔ اور اگر ضروری ہوا تو تمہیں کورٹ آف جسٹس میں حاضر کریں گے۔ لہٰذا اس مضمون کے پڑھ لینے کے بعد جلد از جلد اعلان کر دیں ورنہ ہم نے اتمام حجت مکمل کر دی ہے۔ ہم آپ کے خلاف نام بنام مقدمہ قائم کریں گے۔ اور تمہاری کتابیں اور دیگر تحریریں تمہارے خلاف ثبوت میں پیش کریں گے۔ انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

(ب) <u>اعلان جو شیعہ علماء کے شیعہ ہونے کی شناخت ہے</u>

''میں شہادتِ ثالثہ کو کلمہ میں لازم سمجھتا ہوں اور اُس کا اذان و اقامت اور تشہد و دیگر عبادات میں اعلان کرنا واجب سمجھتا ہوں۔ جو لوگ تحقیق کے دور سے گزر رہے ہوں یا حقیقت سے لاعلم ہوں اُن کو علم و تحقیق کے لئے معذور سمجھتا ہوں۔ اور جو لوگ شہادت ثالثہ کی مخالفت نہ کریں اور شہادت ثالثہ اپنی نمازوں میں نہ پڑھیں۔ اُن کے لئے معاف ہو جانے کی امید کرتا ہوں اور اُن کی تکفیر و تفسیق کی مذمت کرتا ہوں۔''

(10) <u>مُلکِ چین کا ایک پھول جس پر مکمل کلمہ لکھا ہوا ہوتا تھا</u>

قارئین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اہلسنت کے علمائے صالحین کی کتابوں سے کس شدّ و مدّ کے ساتھ مکمل کلمہ بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ دسواں ثبوت زیرِ قلم ہے۔ مگر یہ کس قدر افسوس ناک اور قابل تعجب امر ہے کہ شیعہ کہلانے والے علما نے اِس کلمہ کو اذان و اقامت و نماز اور ہر عبادت سے خارج کر کے موجودہ صورت حال پیدا کی کہ بعض شر پسند لوگوں کے اشارہ پر ایک دشمن اسلام برائے نام مظہر حسین خطیب نے اُسی کلمہ کو غلط کہہ کر شیعوں کو کافر قرار دلوانے کا موقع پایا ہے۔ اور شیعوں کے خلاف لاہور میں مقدمہ دائر ہے۔ یعنی وہ برائے فریب شیعوں میں پوشیدہ رہ کر دشمنان اسلام کے ہاتھ مضبوط کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم اس قسم کے علما کی مذمت برسوں پہلے سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آیئے اب اہل سنت ریکارڈ سے دسواں ثبوت ملاحظہ فرمائیں:۔

''محمد بن سنان سے روایت ہے کہ میں ایک روز امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص چین سے آیا۔ امام نے فرمایا کہ کیا چین کے آدمی ہم کو پہچانتے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ ہاں پہچانتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک درخت ہے جس کو فصل بہار میں ہر روز دو دفعہ پھول لگتے ہیں۔ اور کلیاں کھلتی ہیں۔ ہم دن

کے شروع میں اُس کے پھول پر لکھا ہوا دیکھتے ہیں:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محمدٌ رسول اللّٰہ۔ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسوؐل ہیں‘‘

اور شام کے وقت پھول پر لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ لَا اِلٰـہَ اِلَّا الـلّٰہُ عَلِیٌّ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہ ۔ ’’اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور علیؑ رسولؐ اللہ کا خلیفہ ہے‘‘۔ (کتاب کفایۃ المومنین)

(11) وہ پرچم جس کے سایہ میں تمام انبیاؑ اور رسولؐ ہوں گے حقیقی کلمہ کا حامل ہوگا

امام احمد بن حنبل کی کتاب مُسند میں، مناقب خطیب اور بحر المناقب اور معارج النبوت وغیرہ میں اُس پرچم کی تفصیلات لکھی ہیں جو قیامت میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا مرکزی پرچم ہوگا اور میدان حشر کا تمام حساب و کتاب و فیصلے اُن کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اُس پرچم کے تین پھریرے ہوں گے جو اپنی نورانی ہمہ گیری سے حدودِ کائنات پر چھائے ہوئے ہوں گے۔ تینوں پھریروں پر جو کچھ لکھا ہوگا وہ ملاحظہ کرنے کی چیز ہے۔

پہلی سطر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ دوسری سطر میں الحمد لِلّٰہ رب العالمین۔ تیسری سطر میں لا الٰہ الّا اللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ عَلِیٌّ وَلی اللّٰہ۔ اور ہر سطر کی لمبائی ہزاروں برس کی راہ سے زیادہ ہے۔‘‘ (مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی)

(12) اہل سنت کی طرف سے کلمہ کا بارہواں ثبوت ذرا آگے بڑھتا ہے

شیعہ عقائد کی رُو سے کلمہ میں نبوت کے ساتھ ہر امام معصومؑ کو شامل کرنا جائز ہے۔ اس کے لئے پھر شیعہ ریکارڈ پیش کیا جائے گا لیکن یہاں بھی اصولی حیثیت سے ثابت ہے۔ علامہ دیلمی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

(الف) لَـمَّـا اُسْـرِیَ بِیْ رَأَیْتُ عَلٰی باب الجنّۃ مکتوبًا بالذھب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمدٌ حبیب اللّٰہ و عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ و فاطمۃؑ اَمَۃُ اللّٰہ و الحسنین صفوۃ اللّٰہ عَلٰی باغضبھم لعنۃ اللّٰہ۔

ہم نے شبِ معراج میں جنت کے دروازے پر سنہری الفاظ میں لکھا ہوا دیکھا (1) اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ (2) محمدؐ اللہ کے محبوب ہیں۔ (3) علیؑ اللہ کے ولی ہیں۔ (4) فاطمہؑ کنیز خدا ہے۔ (5) اور حسنینؑ اللہ کے منتخب نمائندے ہیں۔ اُن کے دشمنوں پر اللہ کی لعنت۔

یہاں تک آپ نے اللہ کی طرف سے اسلامی کلمہ میں حضرت علی علیہ السلام کا نام اور اُن کے مخصوص عہدہ اور القاب کی تفصیل بار بار دیکھ لی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اہل سنت ریکارڈ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تائیدی احکام اور فیصلوں کے چند نمونے پیش کر دیں تاکہ زیر بحث کلمہ پر اللہ اور اُس کے رسولؐ دونوں کی مُہر تصدیق ہو جائے اور کسی مُفسد اور دشمن اسلام کے لئے

جائے دم زدن نہ رہے۔

(ب) اللہ کے ازلی وابدی کلمہ کی تصدیق وتبلیغ اُس کا رسولؐ برابر کرتا رہا

یہ سمجھ کر چند معصوم بیانات پڑھیں کہ ہم ہزار ہا احادیث میں سے محض گنتی کی دلیلیں پیش کرنے پر عنوان کو شیعہ ریکارڈ کی طرف موڑ دیں گے تاکہ شیعہ مومنین کی سمجھ میں وہ خیانتیں آجائیں جو مفسدہ پرداز قسم کے مجتہدین کرتے اور قوم کو غلط راہ پر ڈالنے میں کوشاں رہے ہیں۔ آیئے اور اہل سنت کے علمائے صالحین کا جذبہ ایمان ملاحظہ کیجئے۔

(1) محمدؐ وآل محمدؐ نوری مخلوق ہیں، طاہر ومطہر آبا ؑ واجدادؑ کی اولادؑ ہیں

اس حدیث کو پڑھتے ہوئے اُن دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کی باتوں کو سامنے رکھیں جو آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کے آباواجداد کو اپنے آباو اجداد کی وجہ سے معاذ اللہ کافر قرار دیتے تھے۔

قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم اِنَّ اللّٰہ تعالٰی خلقنی و علیًّا من نورٍ واحدٍ بین یدی العرش یسبّح اللّٰہ تعالٰی و یقدسہ قبل اَن یخلق آدم بلفی عامٍ ۔فَلَمَّا خلق آدم سکنّا صلبہ ثم نقلنا مِن صلبٍ طیب وبطن طاھر لَا تھتک فینا حائلۃ اِلٰی صلب ابراھیم حتّٰی وصلنا اِلٰی صلب عبدالمطلب فصارا قسمین قسم فی عبداللّٰہ وقسم فی ابیطالب فخرجتُ منہ و خرج منہ علی ۔ثم اجتمع نورًا منی و مِن علیّ فی فاطمۃ والحسن والحسین نورانِ مِن نور رب العالمین۔(بخاری وہدایت السعداء وغیرہ)

حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اور علیؑ کو اللہ نے ایک ہی نور سے عرش کے سامنے پیدا کیا۔ وہ نور حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے بھی خدا کی تسبیح وتقدیس کرتا تھا۔ جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمیں آدم کی پشت میں رکھا گیا۔ اس کے بعد ہم پاک وپاکیزہ مردوں اور عورتوں کے شکم اور پشتوں میں رہتے اور منتقل ہوتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کی پشت میں آئے۔ ہمارے آباواجداد کے سلسلے میں کوئی خلاف شرافت بات پردہ میں بھی پوشیدہ نہ تھی۔ یہ منتقلی برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ ہم صلب عبدالمطلبؑ میں پہنچے اور یہاں ہمارے نور کے دو حصے ہوگئے۔ ایک حصہ عبدؑاللہ کی پشت میں ودیعت ہوا اور دوسرا ابی طالبؑ کے صلب میں آیا۔ چنانچہ اُن دونوں سے میںؐ اور علیؑ پیدا ہوئے۔ پھر ہم دونوں کا نور فاطمہؑ میں جمع ہوا۔ چنانچہ جناب حسنؑ اور حسینؑ رب العالمین کے نور سے دو نُور ہیں۔''

یہاں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ کافر ومشرک مرد وعورت کا صلب اور رحم پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن کے اعضاء کی کوئی چیز کسی حالت میں نہ طیب کہلاسکتی ہے نہ اُسے طاہر کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خانوادۂ نبوت کے آباواجداد تمام مومن و بزرگ ترین حضراتؑ تھے۔ اوراُن حضراتؑ کو کافر قرار دینے والے لوگ یقیناً خود کافر و ناپاک لوگ ہوسکتے ہیں۔

(2) علیؑ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے

اِنَّ عَلِیًّا مِنّی و اَنَامِنْ عَلِیٍّ وَھُوَ وَلِیٌّ لِکُلّ مومن و مومنة ۔الخ

علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے۔(صحاح ستہ۔صواعق محرقہ وغیرہ)

(3) محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مخالف عہدِ رسولؐ سے شروع ہوتے ہیں

قال النبیّ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم (1) ما ترید ون مِن عَلِیٍّ (2) ما ترید ون مِنْ عَلِیٍّ (3) ما ترید ون من عَلِیٍّ؟ اِنّ عَلِیًّا مِنِیّ و اَنَا منه وھو وَلِیٌّ لِکل مومن و مومنة۔

آنحضرتؐ عرب دانشوروں سے فرما رہے ہیں کہ تم علیؑ کے ساتھ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ یقیناً وہ مجھ سے ہے۔میں اُس سے ہوں وہ تمام مومنین اور مومنات کا ولی ہے۔

(4) وصی رسولؐ ہونا

قال النبیؐ لِکُلِّ نَبِیٍّ وَصِیٌّ وَّوَارِثٌ وَاِنَّ عَلِیًّا وَصِیّ و وَارِثِی ۔(فردوس الاخبار۔مودۃ القربیٰ)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر ایک نبیؐ کا ایک وصی اور وارث ہوتا ہے۔یقیناً علیؑ میرا وصی اور وارث ہے۔

(5) خلیفہ رسولؐ ہونا

قَالَ النبیؐ عَلِیٌّ وَصِیّیُ وھو خیر الاوصیاءِ یا عَلِیُّ اَنْتَ خلیفتی عَلٰی اُمَّتِی ۔حضورؐ نے فرمایا کہ علیؑ میرا وصی ہے اور وہ تمام اوصیاء سے زیادہ صاحبِ اختیار ہے۔اے علیؑ تم میری امت پر میرے خلیفہ ہو۔(مودۃ القربیٰ)

(6) امیر المومنین ہونا

قال النبیؐ اِنَّ فی اللّوح المحفوظ تحت العرش مکتوبًا علیٌّ ابن ابی طالبؑ امیر المؤمنین۔(ایضاً)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یقیناً عرش کے نیچے لوح محفوظ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ امیر المومنین ہیں۔

(7) امام المتقین، قائد الغر المحجلین اور امیر المومنین ہونا

کشف الغمہ ۔مناقب خوارزمی اور حبیب السیر میں ہے کہ ایک دن رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ بھائی تم آفتاب سے بات کرو گے تو وہ تم سے باتیں کرے گا۔امیر المومنینؑ نے سورج سے مخاطب ہو کر کہا کہ:۔

اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا الْعَبْدُ الْمُطِیْعُ لِلّٰہِ ۔عَلَیکَ السَّلامُ یَا اَمِیرَ المؤمنین وَامَا مَ الْمتقین وَقَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ ۔ سلام ہوتجھ پراے اللہ کے فرمانبردار بندے۔آفتاب نے جواب دیا کہ تم پربھی سلام ہواے مومنین کے حاکم اور پرہیزگاروں کے امام اور نیکوکار سفید رونورانی لوگوں کے پیشوا‘‘

(8) رسولؐ کی طرح سب کے امام اور ولی علیؑ

مَنْ کُنتُ وَلِیّہٖ فَعَلِیٌّ ولیہ ومن کُنتُ امامہ فَعَلِیّ امامہ۔فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جس کا میں ولی ہوں علیؑ بھی اُس کا ولی ہے۔اور جس کا امام میں ہوں علیؑ بھی اُس کا امام ہے۔

(9) علیؑ کا ذکر کرنا عبادت ہے

قَالَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم ذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ۔ (صواعق محرقہ ۔بحرالمعارف)
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ کا ذکر کرنا عبادت ہے۔

(10) علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے

قال النَبِیؐ اَلنَّظْرُ اِلٰی عَلِیٍّ عبادۃ ۔ (صواعق محرقہ ۔مستدرک حاکم وغیرہ)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

(11) آلِ محمدؐ کی معرفت اور اقرار ولایت جہنم کو حرام کرتے ہیں

قَالَ النبیؐ معرفۃ آل محمد بَرَاءَ ۃٌ مِنَ النَّار وحُبُّ آل محمدؐ جواز عَلَی الصراط المستقیم وولایۃ آل محمدؐ اَمَانُ مِنَ العذاب۔(معانی الاخبار۔فصل الخطاب)
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آلِ محمدؐ کی معرفت حاصل کرلینا جہنم سے بری کردیتا ہے۔اور آلِ محمدؐ سے محبت پلِ صراط سے گزر جانے کا پروانہ ہے۔اور ولایت پر ایمان رکھنا عذاب سے امان دیتا ہے۔

(12) آئمہ اہل بیتؑ رسولؐ اللہ کے خلفاء،اوصیا اور حُجَجُ اللّٰہ ہیں

آخر میں اہل سنت ریکارڈ سے یہ بھی دیکھ لیں کہ وہ رسولؐ اللہ کے بارہ معصوم آئمہ علیہم السلام کو رسولؐ کا حقیقی جانشین ماننے کے لئے بھی احادیث کا بڑا ذخیرہ اپنے یہاں رکھتے ہیں۔چنانچہ آنحضرتؐ سے حدیث نقل کی گئی کہ:۔

قَالَ النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم مَنْ اَحَبَّ اَن یرکب سفینۃ النجاۃ ویَسْتَمْسِکَ بالعروۃ الوثقٰی و یَعْتَصِمُ بِحَبْلِ اللّٰہ المتین؟ فلیوال عَلِیًّا بعدی وَلْیُعَادِ عدوّہ وَالْیَاتَمَّ بالآئمۃِ الھدٰی من ولدہ فانّھم خلفائی واوصیائی وحُجَجُ اللّٰہ عَلی

الخلق بعدی و سادة اُمَّتی و قائد الاتقیاء الی الجنة حِزُبھم حِزُبی وحِزُبی حِزب اللّٰہ و حِزُب اَعُدَائھم حِزب الشیطٰن۔

''فرمایا جناب رسولؐ اللہ نے جسکو کشتیِٔ نجات پر سوار ہونا اور حق کو مضبوطی سے اختیار کرنا اور اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑنا پسند ہو، اسے چاہیئے کہ وہ میرے بعد کیلئے علیؑ کو اپنا ولی بنالے اور اُسکے دشمنوں کا دشمن ہو جائے اور علیؑ کی اولاد کے ہدایت یافتہ اماموں کی اطاعت اختیار کرلے۔ یقیناً وہ ہی میرے خلیفہ ہیں، وہی میرے وصی ہیں اور وہی میرے بعد تمام مخلوقات کیلئے اللہ کی حجت ہیں اور میری امت کے سردار ہیں۔ اور متقی لوگوں کے راہنما ہیں، جنت میں لے جانے کیلئے اُن کا گروہ میرا گروہ ہے۔ اور میرا گروہ اللہ کا گروہ ہے۔ اور اُن کے دشمن اور حزب اختلاف والے تمام ہی گروہ شیطان کا گروہ ہے۔''

(ج) اہلسنت ریکارڈ پر ہمارے تاثرات

اگر آپ نے اہلسنت کے علمائے صالحینؒ کی کتابوں سے پیش کردہ یہ 24 احادیث غور سے پڑھی ہیں تو آپ ضرور اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں اُنہیں مذہبِ شیعہ اثنا عشریہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی، اُن کی اولاد کی اور اُن کے آباواجداد علیہم السلام کی وہی پوزیشن تسلیم کرتے ہیں جو ہمارے مسلمہ عقائد میں ہے۔ 1: وہ محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوری مخلوق مانتے ہیں۔ 2: وہ اُن حضرات کو ساری کائنات سے پہلے سے موجود اور باعثِ تخلیقِ کائنات تسلیم کرتے ہیں۔ 3: وہ اُن کو ساری مخلوقات کا حاکم کہتے ہیں۔ 4: اُنہیں نجات کا ذریعہ مانتے ہیں۔ 5: اُن سے محبت کرنا واجب اور باعث فلاح دارین قرار دیتے ہیں۔ 6: اُنہیں حقیقی طور پر سربراہِ اسلام اور رسولؐ اللہ کا جانشین سمجھتے ہیں 7: اُن سے بغض وحسد اور دشمنی کو حرام سمجھتے ہیں۔ 8: اُن کی پیروی کو واجب جانتے ہیں۔ 9: اُنہیں ساری امت کا سردار وہادی اور معصوم کہتے ہیں۔ 10: اُن ہی سے اپنی مشکلات اور مصائب میں رجوع کرتے ہیں۔ منّتیں مانتے اور اُن کی نذر ونیاز پر ہزار ہا روپیہ صرف کرتے ہیں۔ 11: درج بالا تصورات کے خلاف اُن تمام تصورات کو گمراہی اور بے دینی کے ہتھکنڈے سمجھتے ہیں جو کل تک رسولؐ اللہ کی سیرت کی آڑ میں پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ 12: وہ تمام معجزات اور بزرگان دین کی تمام کرامات کے قائل ہیں۔ اور تمام نام نہاد مذہبی لیڈروں کو قابل نفرت اور گمراہ سمجھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مافوق الفطرت اور معجزاتی مقام کو ''دیو مالائی'' کہہ کر اپنے پوشیدہ کفر ونفاق کی بھڑاس نکالتے ہیں اور جھوٹے دردملت کا اظہار کرکے محمدؐ وآل محمدؐ کو اپنے ایسے خطا کاروں کی سطح پر لانے کی سازش کررہے ہیں۔ اور چند ملانٹوں کو گود میں بٹھا کر سربراہ اسلام بن جانے کے لئے پھر سے ایک نیا اسلام جاری کرنے کا ڈھونگ رچارہے ہیں۔

یہ وہ جذبات ہیں اور وہ صورت حال ہے جس پر شیعہ اور اہل سنت کی کثرت ہمیشہ سے متفق ومتحد رہتی چلی آئی ہے۔ لیکن اس اتفاق واتحاد کے باوجود ہر دور میں ہر صدی وہر سال میں دونوں مکاتیب فکر میں خون ریز تصادم ہوتے رہے ہیں۔ اور

ابھی کل تک محرم کے ایام میں مفسدہ پردازی اور مار دھاڑ ہوتی رہی ہے۔سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم اس سوال کے جواب پر ہزاروں صفحات لکھ چکے ہیں۔اوراس کتاب میں بھی باقاعدہ اس کا جواب اور قابل مشاہدہ وجوہات سامنے رکھ دی ہیں۔ یہاں تو اس قدر سن لیں کہ چند گنتی کے ملانٹے اتنی عظیم الشان کثرت پراس لئے اثر انداز ہوتے رہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہر زمانہ میں حکومتوں کا سہارا اور تحفظ حاصل کئے رہتے ہیں۔اوراس مضبوط سہارے کے تحفظ کے لئے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divide & Rule) بہت ضروری ہوتا ہے۔اور ملانٹوں کا اپنا کاروبار بھی مسلمانوں کو لڑاتے رہنے سے چلتا ہے۔لہٰذا یہ دونوں ادارے مل کر قوت اور روپیہ سے شیعہ وسنی تفرقہ کی راہیں ہموار کرتے رہتے ہیں اوراسلام کے جھوٹے نعرے مارتے رہتے ہیں۔

3۔ اہل سنت ریکارڈ کی تفصیلات شیعہ ریکارڈ میں موجود ہیں

(1) عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ترتیب

یہ تو معلوم ہو چکا کہ تمام انسانوں کو عالم ذر میں جو کلمہ پڑھایا گیا تھا اور جو عہد لیا گیا تھا،اُس میں خدا کی ربوبیت و وحدانیت کے ساتھ ساتھ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ولایت شامل تھی۔اب اُس کی ترتیب وتفصیل ملاحظہ فرمائیں:۔

اِنَّ اللّٰہ حَمَلَ دینہ و علمہ الماء قبل اَنّ یکون ارضٌ اَوْسمآءٌ اَوْ جنّ اَوْ اِنس اَوْ شمس اَوْ قمر ۔فَلَمَّا اَرادَ اللّٰہُ اَنْ یخلق الخلق نثر ھم بَیْنَ یَدَیْہِ فقال لَھُمْ مَنْ رَبُّکُمْ؟ فَاوّلَ مَنْ نَطَقَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم و امیرالمؤمنین علیہ السلام و الآئمۃ صلوات اللّٰہ علیھم فقالوا: اَنْتَ ربُّنَا فَحَمَلَھُمُ الْعِلْم و الدِّین ۔ثُمَّ قال للملائکۃِ: ھٰؤُلآء حملۃ دینی و عِلمی و امنایٔ فی خلقی وھم مَسْئُولون ،ثُمَّ قال لِبَنِی آدم: اَقِرُّوْا لِلّٰہِ بالرّبوبیّۃ وَلِھٰؤُلآءِ النّفربالولایۃِ وَالطَّاعَۃِ، فَقَالُوْا،نَعَمْ رَبَّنااَقْرَرنا ۔فقال اللّٰہ لِلْملائِکۃ:اشھد وا، فقالت الملائِکۃ شَھِدْنَا عَلٰی اَنْ لّا یقولوا غَدًا: اِنّا کُنّا عَنْ ھٰذَا غافِلِیْنَ اَوْ یقولوا: اِنَّما اشرک آباونا مِنْ قبل وکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِنْ بَعْدِ ھم افتھلکنا بِمَا فَعَلَ الْمُبطلون۔ یَا داود! ولایتنا موکّدۃ علیھم فی المیثاق۔(کافی کتاب التوحید باب العرش والکرسی)

جناب داؤد الرقّی رضی اللہ عنہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے سلسلۂ کلام میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً جس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان تھے۔نہ جن تھے اور نہ اِنسان تھے۔نہ سورج تھا نہ چاند تھا چنانچہ اُس کے بعد جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو تمام مخلوق کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور اُن سب سے کہا کہ بتاؤ تمہارا پروردگار کون ہے؟ تو سب سے پہلے بولنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم تھے۔اُنہوں نے عرض کیا کہ تو ہی ہمارا رب ہے۔پھر اس اقرار کے بعد اپنا دین اور علم اُنہیں سونپ دیا اور پھر ملائکہ سے کہا کہ دیکھو تمام مخلوقات

میں یہ افراد میرے علم و دین کے حامل ہیں اور میرے امانت دار ہیں اور یہی مخلوق کی طرف سے میرے سامنے جوابدہ ہیں۔ پھر اولادِ آدم سے کہا کہ تم ربوبیت کا اقرار کرو اللہ کے لئے۔ اور ولایت اور اطاعت کا اقرار کرو ان سب کے لئے۔ اولادِ آدم نے کہا ٹھیک ہے ہمارا پالنے والا اللہ ہے ہم اقرار کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ تم گواہ رہنا۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ کل کو یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو اس ربوبیت اور ولایت سے قطعاً غافل رہے ہیں۔ یا یہ کہنے لگیں کہ شرک کا کاروبار تو ہم سے پہلے ہی ہمارے آباواجداد کے زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ اور ہم تو اُن کے بعد اُسی ماحول میں پرورش پانے والی ذریت تھے تو کیا ہمیں اُن غلط کار لوگوں کی جگہ سزا دے کر تباہ کیا جانا درست ہے؟ (اعراف 7/172-173) اے داؤد تمام مخلوقات پر ہماری ولایت اُس میثاق میں بڑی تاکید سے لازم کی گئی ہے۔''

قارئین اس حدیث نے ولایت میں نبوت و رسالت کو بھی داخل کر دیا ہے۔ اِسی لئے ہم عرض کیا کرتے ہیں کہ اگر صرف عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلُ اللّٰہ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فصل پڑھ دیا جائے تو مکمل ایمان اس میں موجود ہے۔ یعنی علیؑ کو ماننے سے خدا اور رسولؐ دونوں کی صحیح پوزیشن خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر اللہ نہ ہوتا یا نہ چاہتا تو علیؑ کو ولایت وغیرہ کہاں سے ملتی؟ اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولِ خدا نہ ہوتے تو علیؑ نہ خلیفہ رسولؐ بن سکتے تھے نہ قیامت تک کے لئے نظامِ خداوندی کے انتظام کی ذمہ داری یا وصیت سنبھال سکتے تھے۔ اور اگر دوسری قسم کی حکومتوں کا تصور ساتھ ساتھ نہ چلتا رہا ہوتا تو بلا فاصلہ خلافت کا اعلان کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ اس کے برعکس صرف لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کافی نہیں تھا۔ اس لئے کہ کلمہ کا یہ حصہ تو سابقہ مذاہب میں بھی مُسلّمہ تھا۔ اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ شامل کرنے کے بعد بھی گمراہی کا دروازہ بند نہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کے ماننے والوں ہی نے تو نبوت و رسالت کے دروازے کھولنا جاری رکھا۔ اور جب دل چاہا علی محمد باب کو نبی بنا دیا۔ اور جب ضروری سمجھا حسین بخش کو بہاءاللہ اور رسول مان لیا۔ ذرا سی گڑبڑ دیکھی تو جناب مرزا غلام احمد آنجہانی نے ظلّی اور مجازی نبوت کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ پھر لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ پڑھنے والوں نے قرآن کو ایک ناقص و نامکمل کتاب مانا ہے۔ تاکہ اُن کے اپنے تصورات اسلام کے نام پر قانون بنتے جائیں۔ رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) ایک خاطی، اَن پڑھ، چالیس سال کی عمر تک ایمان و نبوت سے محروم مانا۔ اُن کی سینکڑوں غلطیاں، بھول چوک اور جذباتی احکام مشہور کیے کتابوں میں لکھے تاکہ ہر دانشور خاطی رسول اور رسالت کی باگ دوڑ سنبھال سکے۔ یاد رکھیں کہ کلمہ کو پورا پڑھنا ہر گمراہی کو دور رکھنے کا اعلان ہے۔ اس میں نہ ایرے غیرے نتھو خیرے لوگ عالم کہلا سکتے ہیں، نہ جانشینِ خدا بن سکتے ہیں۔ ولایت کا مقام، مقامِ معصوم ہے۔ ایک خاطی، ولایت سے استفادہ کر کے صاحب کرامات و معجزات بن سکتا ہے۔ لیکن معصوم نہیں بن سکتا نہ ولایت کے مقام بلند تک جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اگر کوئی دینی ضرورت ہوتی ہے اور نماز میں اختصار جائز ہوتا ہے تو ہم شہادت ثالثہ کو تشہد میں پڑھ لینا کافی

سمجھتے ہیں۔سورہ الحمد کے بعد انا اعطینک پڑھ لیتے ہیں، تسبیحات ایک ایک دفعہ کہہ لیتے ہیں۔

(2) معراج میں ولایت کا مکمل نظام (مکمل کلمہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج میں سب سے پہلے جس مسئلہ پر اللہ نے بات کی اور آنحضرتؐ کے بعد قیامت تک جو انتظام فرمایا وہ ولایت محمدؐیہ کا تقرر و تعین تھا۔

قال اللّٰہ مَنْ خَلَفْتَ فِیْ اُمَّتِکَ؟ قُلْتُ خَیْرُ ھَا ۔ قال: علی بن ابیطالبؑ؟ قُلْتُ نَعَمْ یَا رَبِّ ۔قال یا محمدؐ اِنی اَطلعتُ اِلَی الارض اطلاعة فَاَخْتَرْتُکَ مِنْهَا فشققت لک اِسمًا مِنْ اسمائی فلا اذکر فی موضع الا ذکرت معی فَاَنَا المحمود وانت محمد ۔ثُمَّ اطلعتُ الثانیة فَاَخْتَرْتُ مِنها عَلِیًّا وشققت لَهٗ اسمًا من اسمائی فَاَنَا الْاَعْلٰی وھو عَلِیٌّ یا محمدؐ انّی خلقتک وَخَلَقْتُ عَلِیًّا وَ فاطمةً والحسنؑ والحسینؑ والآئمة مِنْ وُلده مِنْ نوری وَعَرَضْتُ ولایتکم عَلٰی اھل السماوات والارض فَمَنْ قبلها کان عندی من المؤمنین وَمَنْ جحدھا کان عندی مِنَ الکافرین ۔یا محمدؐ لَوْاَنّ عَبْدًا مِنْ عبیدی عبدنی حتّٰی ینقطع اَوْ یصیر کا لشن البالی ثُمَّ جَاءَ نِی جَاحِدًا لولایتکم مَاغفرت له حتّٰی یقرّبو لایتکم ۔یا محمدؐ تَحِبُّ اَنْ تراھم؟ قَالَ قُلْتُ نَعَمْ یَا رَبِّ ۔فقال التفت عَنْ یمین العرش فَالْتَفتُّ فَاِذابِعَلِّیؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ وعلیؑ بن الحسینؑ ومحمدؑ بن علیؑ و جعفرؑبن محمدؑ و موسٰیؑ بن جعفرؑ وعلیؑ بن موسٰیؑ ومحمدؑ بن علیؑ و علیؑ بن محمدؑ والحسنؑ بن علیؑ والمھدی علیه السلام فی مصباح مِن نُور قیام یصلون وھو فی وسطھم کانه کوکب دری و قال یا محمدؐ ھٰؤُلآء الحجج وھو الثمار من عترتک وعزّتی و جلالی انه الحُجّة الواجبة لاولیائی والمنتقم من اعدای۔(غایۃ المرام صفحہ 28۔جواہر الاعتقادیہ صفحہ 258-257)

چنانچہ جب حضورؐ اُس مقام قرب پر پہنچے جو کبھی انسانی عقل میں نہ سما سکے گا۔وہاں اللہ نے دریافت کیا کہ ''تم نے اپنے پیچھے اپنی اُمت پر کس کو اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جو امت میں سب سے زیادہ خیر پر ہے۔فرمایا کہ علیؑ بن ابی طالب کو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میرے پروردگار۔فرمایا کہ میں نے زمین پر مخصوص اطلاع کی بنا پر تمام اہل دنیا میں سے تمہیں اختیار کیا اور اپنے خاص ناموں میں سے میں نے تیرے لئے ایسا نام الگ کیا جس سے میرا ذکر جہاں بھی ہوا کرے وہیں تیرا ذکر بھی شامل رہے۔چنانچہ میرا نام محمود ہے اور تم محمدؐ ہو۔پھر دوسری دفعہ اہل زمین پر مخصوص اطلاع کے ماتحت میں نے تمام مخلوق میں سے علیؑ کو اختیار کیا اور اُن کے لئے بھی اپنے ناموں میں سے ایک نام اسی مقصد کے لئے تجویز کیا تاکہ جہاں بھی ذکر ہو دونوں کا ذکر ہوا کرے۔چنانچہ میں اعلیٰ ہوں تو وہ علیؑ ہے۔اے محمدؐ یقیناً میں نے تمہیں اور علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد کے اماموںؑ کو اپنے نور میں سے پیدا کیا اور پھر میں نے تم سب کی ولایت کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوقات کے روبرو پیش کیا۔پھر جس نے تمہاری ولایت کو قبول کیا وہ میرے حضور میں مومنین میں داخل ہوا۔اور جس نے بے اعتنائی کی وہ میرے سامنے

کافروں میں شمار ہوا۔اے محمدؐ اگر میرے بندوں میں سے کوئی بندہ ساری عمر میری عبادت کرتا ہوا مرجائے یا عبادت کرتا ہوا چمڑے کی مشک کی طرح سُوکھ جائے اور میرے پاس ایسی حالت میں آئے کہ وہ تم سب کی ولایت کا منکر تھا تو میں اسے ہرگز نہ بخشوں گا۔سوائے اس صورت کے کہ وہ ولایت کا اقرار کرتا ہوا آئے۔اے محمدؐ کیا تمہیں اپنے اُن مذکورہ آئمہؑ و متعلقین کو دیکھنا پسند آئے گا؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور میں یہی چاہتا ہوں۔فرمایا کہ اے محمدؐ عرش کے داہنی جانب توجہ سے دیکھو۔میں نے جیسے ہی توجہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ علیؑ بن ابی طالبؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ و علیؑ بن الحسینؑ و محمدؑ بن علیؑ و جعفرؑ بن محمدؑ و موسیٰؑ بن جعفرؑ و علیؑ بن موسیٰؑ و محمدؑ بن علیؑ و علیؑ بن محمدؑ و حسنؑ بن علیؑ والمہدی علیہم السلام ایک نورانی چراغ کی صورت میں نماز کے لئے کھڑے ہیں اور مہدیؑ اُن کے وسط میں اس طرح ہیں جیسے ایک نور کی بارش کرنے والا ستارہ ہوتا ہے۔پھر اللہ نے فرمایا کہ اے محمدؐ یہ ہستیاں تیری عترت کی بزرگ ترین ہستیاں ہیں۔اور میری مخلوق پر میری حجت ہیں۔مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مہدیؑ میرے اولیاؑ کے لئے عظیم الشان سلطان اور بزرگ ترین حجت ہے۔اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے۔''

(علامہ شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ کی کتاب الجواہر الاعتقادیہ۔صفحہ 258-257)

مومنین اس حدیث کے آخری الفاظ آپ کی توجہ چاہتے ہیں۔آپ سرکار حجۃ حضرت مہدی بن الحسن العسکری علیہما السلام کے عہد کے شیعہ ہیں۔آپ کی ذمہ داریاں بھی ہر زمانہ سے زیادہ ہیں۔اگر حضور علیہ السلام باقی آئمہ علیہم السلام کی طرح اپنے ظاہری جسم کے ساتھ کسی ایک مرکزی مقام پر رہنے کے لئے بحسب ظاہر پابند ہوتے تو ہمیں اُنؑ کی جسمانی زیارت کے لئے مرکزی مقام پر جانا پڑتا۔لیکن اب آپؑ تمام مادی قیود سے آزاد و مختار ہیں۔اس لئے ہمیں جہاں بھی ہم ہوں ہر وقت اور ہر لمحہ سرکار کو اپنے آس پاس سمجھنا چاہیئے۔اور قلب و ذہن پر یہ احساس طاری رہنا چاہئے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یا جو کچھ منہ سے کہہ رہے ہیں وہ قطعاً اُنؑ کے سامنے کہتے یا کرتے ہیں۔اور نہ معلوم کب اور کس شکل میں وہؑ ہمارے سامنے آکھڑے ہوں۔لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ منہ سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالیں اور ہاتھ سے کوئی ایسا کام نہ کریں جو اُنؑ کے حضور میں شایانِ شان نہ ہو۔اگر ہم یہ طرزِ فکر و عمل اختیار کرلیں تو یقین کیجئے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں بار بار آپ کو اس کا تجربہ ہوگا۔آپ کی مشکلات سامنے سے ہٹ جائیں گی۔آپ اپنی زندگی میں ایک انقلاب دیکھیں گے۔انشاءاللہ والامام علیہ السلام۔

(3) محمدؐ کے ساتھ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ لازم وملزوم ہے (حقیقی کلمہ)

مومنین نے اہلسنت ریکارڈ سے محمدؐ و علیؑ کا نام کلمہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے اُس پار دیکھا تھا۔یہی حقیقت ہم شیعہ ریکارڈ سے پیش کرتے ہیں۔رسولؐ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

یا علیؑ اِنّی رَاَیْتُ اسْمَکَ مَقْرُوْنًا فی ثلثه مواطن فَانستُ بالنظر الیه اِنّی لَمَّا بَلَغْتُ بیت المقدس فی معراجی اِلَی

السَّمَآءِ وجدتُ عَلٰی صخرتھا لا اِلٰه اِلّا اللّٰه محمدٌ رسول اللّٰه ایده بوزیره و نصرته بوزیره فقلت لجبرئیل مَنْ وزیری؟ فقال علیٌ بن ابیطالبٌ ۔ فَلَمَّا انتھیتُ اِلٰی سدرة المنتھٰی وجَدتُ مکتوبًا علیھا اِنِی اَنَا اللّٰه لا اِلٰه اِلَّا اَنَا وحدی و محمدٌ صفوتی مِنْ خلقی اَیَّدْتُهُ بوزیره و نصرتُه بوزیره فقلتُ لجبرئیل مَنْ وزیری؟ قال علیٌ بن ابیطالبٌ فَلَمَّا جَاوَزْتُ سدرة المنتھٰی انتھیت اِلٰی عرش رب العالمین جلّ جلا له فوجدتُ مکتوبًا عَلٰی قوائِمه اِنّی اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وحدی محمدٌ حبیبی اید ته بوزیره و نصرته بوزیره۔

اے علیؑ میں نے تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ معراج میں تین مقامات پر ساتھ ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے اور مجھے اُسے دیکھنا بڑا ہی جاذب نظر اور محبوب معلوم ہوا۔ ایک اُس وقت جب آسمانوں سے گزر کر بیت المقدس پہنچا تو اُسکی دہلیز پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے جسکی تائید ہم نے اُسکے وزیر کے ذریعہ سے کی ہے اور اُس کی نصرت بھی اسکے وزیر نے کرنا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ میرا یہ وزیر کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابوطالبؑ کا بیٹا علیؑ تمہارا وزیر ہے۔ پھر جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو اس پر لکھا ہوا دیکھا کہ یقیناً میں ہی اللہ ہوں اور مجھ اکیلے کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اور تمام مخلوق میں محمدؐ تمام مخلوق سے بڑھ کر میرا نمائندہ ہے۔ میں نے محمدؐ کی تائید اور نصرت اُس کے وزیر کے ذریعہ مقرر کی ہے۔ میں نے پھر جبرائیلؑ سے دریافت کیا یہ کون ہے۔ جواب دیا علیؑ بن ابیطالبؑ ہے۔ پھر جب میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گزر چکا اور عرش پر پہنچا تو میں نے عرش رب العالمین پر بھی لکھا ہوا دیکھا کہ یقیناً میں ہی اللہ ہوں۔ میرے تنہا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ میرا حبیب ہے جس کی تائید اور نصرت کیلئے اس کا وزیر تعینات ہے۔'' (کتاب من لا یحضره الفقیه وصایا النبیؐ صفحہ 579 اہل سنت ریکارڈ حدیث نمبر 7)

جو لوگ عرش سے فرش تک بکھرے ہوئے اُس ریکارڈ کا انکار کر دیں جو لوح محفوظ تک میں محفوظ ہو۔ وہ یقیناً نہ شیعہ ہو سکتے ہیں نہ اُنہیں اہلسنت کی حیثیت سے مسلمانوں میں جگہ مل سکتی ہے۔ یہ یقیناً ابلیس کا وہی گروہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں میں تخریب پھیلانے اور جہنم کی دعوت دینے میں شیطان کا مددگار رہے۔ (فاطر 35/6)

(4) وہ کلمہ جو آدمؑ سے بائیس ہزار (22000) سال پہلے سے مشتہر کیا جاتا رہا (علیؑ نوری مخلوق تھے)

بینا رسوؐل اللّٰه جالِسٌ اذ دخل علیه ملک لَهٗ اربعة و عشرون و جهًافقال لهٗ رسولؐ اللّٰه: حبیبی جبرئیل لم ارک فی مثل هٰذه الصورة ؟ قال الملک لَسْتُ بجرئیل یا محمدٌ ۔ بعثنی اللّٰه عزّوجلّ اَنْ ازوّج النور من النور: قال مَنْ مِمَّنْ؟ قال فاطمة مِن علی ۔قال فلما ولی الملک اذا بین کتفیه محمدٌ رسول اللّٰه عَلِیٌّ وَصِیُّهٗ ۔فقال رسولؐ اللّٰه مُنْذکمْ کتب هٰذا بین کتفیک فقال من قبل اَنْ یخلق اللّٰه آدم باثنین و عِشرین الف عامٍ۔ (کافی کتاب الحجة باب مولد الزہراءؑ)

''آنحضرت تشریف فرما تھے کہ اُن کی خدمت میں ایک فرشتہ حاضر ہوا جس کے چوبیس چہرے تھے۔ اس سے رسولؐ

اللہ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں نے اس سے پہلے تمہیں اس صورت میں نہیں دیکھا؟ فرشتے نے عرض کیا کہ حضور میں جبرئیل نہیں ہوں۔ مجھے تو اللہ نے اسلئے بھیجا ہے کہ میں نور سے نور کی جوڑی تجویز کردوں۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ کس کوکس سے تزویج کرنا ہے؟ بتایا کہ فاطمہؑ کو علیؑ سے۔ جب وہ فرشتہ ولایت کی طرف آیا تو دیکھا گیا کہ اس کی پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں (محمدؐ رسول اللہ) اور علیؑ اُن کے وصی ہیں (عَلِیٌّ وصیّہ) رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ یہ کلمہ کب سے تمہاری پشت پر لکھا ہوا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ سرکار آدمؑ کے پیدا ہونے سے بائیس ہزار سال پہلے سے لکھا ہوا ہے۔''

قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ ولایت مرتضوی کو ایمان اور کلمہ کی بنیاد بنانے کے لئے اللہ نے کس طرح پوری کائنات میں منادی جاری رکھی اور ایسے مقام پر کلمہ کو لکھ دیا جہاں ملائکہ اور ارواح و دیگر مدبرات الامور کا اجتماع ہوتا تھا۔ یا جہاں جہاں اُن کی قانونی و تخلیقی آمدورفت رہتی تھی یا جہاں سے احکام خداوندی یا وحی جاری ہوتے تھے۔ پھر ملائکہ کی پشت پر کلمہ لکھ کر اُنہیں نشر و اشاعت یا ایڈورٹائزمنٹ کا مستقل اور چلتا پھرتا اشتہار و اعلان بنا دیا۔ پھر آدمؑ اور اولادِ آدمؑ کو تخلیق سے پہلے اُنہیں ایمان اور کلمہ کی تعلیم دی گئی۔ اُنہیں کفر و ایمان اور جنت و جہنم کا فرق بتایا گیا۔ اُن سے عہد لیا گیا اور ملائکہ کو اُن پر گواہ بنایا گیا تاکہ وہ اعمال نامہ لکھتے وقت ولایت پر یا صحیح کلمہ کو سامنے رکھ کر نیک عمل کو ریکارڈ کریں۔ اور جو ولایت پر یا مندرجہ بالا کلمہ پر ایمان نہ رکھتا ہو اُس کے نیک اعمال کو شمار نہ کریں۔ اس لئے کہ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ بلا صحیح ایمان تمہاری عبادتیں قبول نہ ہوں گی خواہ تم عبادت کرتے کرتے گھُل کر یا سوکھ کر رہ جاؤ۔ پھر الست بربکم کے معاہدے کو طرح طرح بیان کیا گیا۔ کلمہ میں کبھی وصی رسولؐ اللہ کو لازم کیا کبھی ولیّ اللہ فرمایا گیا۔ کبھی امیر المومنین کو کلمہ کا جزلازم بتایا گیا چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے حدیث سنئے:۔

(5) کلمہ کے اجزا میں حضرت علیؑ کا امیر المومنین ہونا

عن جابر عن ابی جعفرؑ قال: قُلْتُ له: لِمَ سَمَّیٰ امیر المؤمنین؟ قال: اللّٰہُ سَمَّاہُ وھٰکذا اَنْزَلَ فِی کِتَابِہٖ۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِیْ آدم مِن ظھور ھم ذُرِّیّتَھُمْ وَاَشْھَدَ ھُمْ عَلٰی انفسھم اَلَسْتُ بِرَبّکم واَنَّ محمدًا رسولی واَنَّ عَلِیًّا امیر المؤمنین۔ (کافی کتاب الحجۃ باب نادر؛ نکت ونتف من التنزیل سے پہلا باب)

''امام محمد باقر علیہ السلام سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت علیؑ کو امیر المومنین کب اور کیوں کہا گیا؟ فرمایا کہ اللہ نے امیر المومنین نام رکھا اور اپنی کتاب میں اسی طرح نازل فرمایا ہے اور کہا کہ جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ساری اولاد کو باہر نکالا اور اُن کو اُن کے بیان پر گواہ بنا کر اُن سے دریافت کیا گیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اور کیا محمدؐ میرا رسولؐ نہیں ہے؟ اور کیا علیؑ مومنین کا امیر نہیں ہے۔؟'' یہی سبب ہے کہ اذان میں عَلِیٌّ وَلِیّ اللّٰہ ۔وصی رسولؐ اللہ اور

امیر المومنین وغیرہ اجزا کا اعلان کر کے مکمل کلمہ کا وجوب ظاہر کیا جانا واجب ہے۔

(6) کلمہ اور اذان کے وہ اجزاء جو اہل سنت ریکارڈ میں ثابت ہو چکے ہیں

قَالَ مَنْ لِاُمَّتِک مِنْ بَعْدِ کَ؟قَالَ: اَللّٰہُ اَعْلَمُ؟قَالَ عَلِیُّ بْنِ ابیطالب امیر المؤمنین و سید المسلمین وقائد الغر المحجّلین قال: ثُمَّ قال ابوعبداللہ علیہ السلام لِاَبی بصیر یا ابا محمدؐ! وَاللّٰہِ مَاجَاءَ تْ ولایة علی علیہ السلام مِنَ الارضِ وَلکِنْ جَاءَ تْ مِنَ السَّمآءِ مشافھة۔(کافی کتاب الحجة باب مولد النبیؐ حدیث 13)

ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے واقعات سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے بعد تمہاری اُمت کے لئے کون تمہارا جانشین ہے؟ آنحضرتؐ نے عرض کیا کہ اللہ خود ہی سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ تمہارا جانشین تمہارے بعد علیؑ بن ابی طالبؑ امیر المومنین ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا سید و سردار ہے اور نورانی سفید چہرے اور سفید دست و بازو والوں کا قائد و پیشوا ہے۔ ابو بصیرؓ کہتے ہیں کہ پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابا محمد (ابو بصیرؓ) بخدا علیؑ کی ولایت کا حکم زمین سے نہیں دیا گیا۔ بلکہ رُو بدو خداوند عالم نے آسمان پر ولایت علویہؑ کا حکم دیا تھا۔"

ولایت مرتضوی اور کلمہ پر قارئین نے فریقین کی کتابوں کے بیانات پڑھے۔ مگر اس زیر نظر حدیث کے آخری جملہ پر غور فرمائیں۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ ایسے افراد موجود تھے جو ولایت یا علیٌّ ولیُّ اللّٰہ کو مُنزل مِنَ اللّٰہ حکم کے بجائے خود رسولؐ اللہ کا ذاتی وجذباتی حکم قرار دیتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی پیروی دشمنانِ دین وایمان آج بھی کر رہے ہیں۔ یہی گروہ تھا جس نے فریقین کی واضح احادیث کے خلاف علیؑ کی ولایت کے اعلان کو غیر ضروری قرار دیا۔ اور مشہور کیا کہ علیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ نہ اذان کا جز ہے نہ نماز میں واجب ہے اور نہ ایمان میں لازم ہے۔ لیکن اُن لوگوں کو نہ قرآن کریم سے نہ احادیث سے ایسی سند مل سکتی ہے جیسا کہ ہم بار بار اور طرح طرح سے پیش کرتے آرہے ہیں۔ نہ یہ اپنے پسندیدہ ناقص کلمہ کی تفصیل و وجوہات روز ازل سے پیش کر سکتے ہیں۔ اُن کو چیلنج کر دو کہ تخلیق کے قبل سے زمانہ رسولؐ تک اپنا کافرانہ ریکارڈ پیش کریں اور اس مکمل وحقیقی و ازلی وابدی و کائناتی کلمہ کو غلط اور ممنوع ثابت کریں۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ جس طرح حضرت علی علیہ السلام کی ولایت وحکومت اہل سنت ریکارڈ سے بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ اُسی طرح اس حدیث میں رسولؐ اللہ کے بعد بلافاصلہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کی اَمارت و ولایت وسیادت ثابت ہے۔

(7) ولایت کو محمدؐ وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم تک پہنچانے کے لئے تمام انبیاؑ مبعوث ہوئے

کائنات کو ارتقا کی آخری منزل تک لے جانے کے لئے ادارۂ نبوّت و رسالت کی ترتیب، صعودی اور ہر گام آگے بڑھنے والی رکھی گئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام وہ ہستی ہیں جو نوع انسان کو مادی ظہور عطا کرتے ہیں۔ دنیا سے، ضرورت کے

مطابق اپنی اولاد کو متعارف کرتے ہیں۔ زندہ رہنے کے ضروری طریقے اور وسائل عملاً فراہم کرتے ہیں۔ اور ضرورت پڑنے پر ہدایاتِ خداوندی وصول کرنے کا انتظام کرتے ہیں اور اپنے بعد کے لئے اللہ اور کائنات میں رابطہ کے لئے اپنی پہلی ولایت و وصایت کا ایک ترقی پذیر سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ اُن کے بعد ادارہ نبوّت ورسالت مسلسل کائنات کو مسخر کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ ہر آنے والا نبیؑ نوعِ انسان کو ترقی کی بلندیاں طے کرانے میں کائنات کی غرض وغایت سے قریب تر لاتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عوام الناس کو بھی متعارف کرایا جانے لگا۔ اور قربِ خداوندی کے لئے آخری منزل کو سامنے لایا جانے لگا۔ اور تمام انبیاؑ اور رُسلؑ محمدؐ وآل محمدؐ کے مادی ظہور کی خوشخبریاں بھی سنانے لگے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ صحابہ پر اپنے مالک ومونس وغم خوار رسولؑ سے جدائی شاق گزر رہی ہے۔ دشمنوں کے نرغے میں وہ کیسے بے یار و مددگار رہ جائیں گے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تسلیاں دے رہے ہیں۔ اور صحابہ کو وہ اغراض ومقاصد سمجھا رہے ہیں جن کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر چلا جانا ضروری ہے۔ اور اُن کو فوائد وفضائل بتا رہے ہیں جو نوع انسان کو محمدؐ وآل محمدؐ کے جسمانی ظہور کے وسیلے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔ اور اُن کا حاصل ہونا انتہائی ترقی وتکمیلِ انسانیت کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ طویل گفتگو کے چند جُملے سنئے فرماتے ہیں:۔

کَلَّمْتُکُمْ بِھٰذَا وَاَنَا مُقِیْمٌ عِنْدَکُمْ؛وَاَمَّا الْمُعَزِّی الرُّوحِ الْقُدُسُ الَّذِیْ سَیُرْ سِلُہُ الْاَبُ بِاِسْمِیْ فَھُوَ یُعَلِّمُکُمْ کُلَّ شَیْءٍ وَ یُذَکِّرُکُمْ کُلَّ مَا قُلْتُہُ لکم (یوحنا 26-14/25) لَا اَکَلِّمُکُمْ اَیْضًا کَلَامًا کَثِیْرًا لِاَ نَّ رَئِیْسُ ھٰذَا الْعَالَمْ یَاتِی وَلَیْسَ لَہٗ فِیَّ شَیْءٍ (یوحنا 14/30) اِلَّا اَنِی اَقُوْلُ لَکُمُ الْحَقّ اِنَّ فِیْ اِنْطَلَاقِی خَیْرًا لَکُمْ لَا نِیْ اِنْ لَمْ اَنطَلِقُ لَمْ یَا تِکُمُ الْمُعَزِّیْ وَلٰکِنْ اِذَا مَضَیْتُ اَرْسَلْتُہُ وَلٰکِنْ مَتٰی جَاءَ ذَاکَ رُوْحُ الْحَقِّ فَھُوَ یُرْشِدُکُمْ اِلٰی جَمِیْعِ الْحَقِّ لِاَنَّہٗ لَا یَتَکَلَّمُ مِنْ عِنْدِہ بَلْ یَتَکَلَّمُ لِکُلِّ مَا یَسْمَعُ وَیُخْبِرُکُمْ بِمَا یَاتِی۔ (یوحنا14-16/7) (کتاب المقدس انجیل یوحنا)

''میں نے یہ باتیں تمہاری ہمراہی میں رہتے ہوئی کہی ہیں اور رہ گیا وہ مقدس اور صاحبِ عزا روح تو اللہ اُسے میری تصدیق کے ساتھ عنقریب ارسال کرے گا۔ اور وہی تمہیں ہر چیز کی تعلیم دے گا۔ اور جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ سب یاد دلائے گا۔ اب میں تم سے زیادہ باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ تمام عالمین کا سردار آنے والا ہے۔ اور اُس پر میرا کوئی حق قائم نہیں ہے اور میں تم سے حق کے سوا کچھ اور نہیں کہتا۔ یقیناً میرا جانا ہی تمہارے لئے خیر مطلق حاصل کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ صاحبِ عزا تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اور جب میں پردہ ماضی میں چلا جاؤں گا تو اُسے وہاں سے تمہارے پاس بھیج سکوں گا۔ اور جب وہ حق مطلق روح تمہارے پاس پہنچ جائے تو تمہیں مکمل حق وہدایت سے نواز دے گی۔ اور وجہ یہ ہوگی کہ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہ کہے گا۔ بلکہ جو کچھ اللہ سے سنتا ہے وہی کچھ منہ سے کہے گا (مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o

53/3-4) اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اُس کی خبریں دے گا۔"

(8) حضرت عیسیٰؑ کے بیان پر ایک نظر

سب سے پہلے نوٹ کرانے کی بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو حضرت عیسیٰؑ "روح القدس" فرماتے ہیں۔ یعنی یہی بات جب عرب کے فلاسفروں اور ملحد دانشوروں سے کہی گئی تو اُن کے منہ بند رکھنے کے لئے روح القدس کو آنحضرتؐ سے الگ ایک مجسم ہستی کہا جاتا رہا۔ حالانکہ روح القدس وہ قوت وقدرت تھی جس کے مالک آنحضرتؐ اُسی طرح تھے جس طرح اپنے قلب و ذہن کے مالک تھے۔ لہٰذا مجسم روح القدس کہلائے۔ اِس کے بعد یہ نوٹ کریں کہ اور اس پر خوب غور فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں صاحبِؐ عزا (اَلْمُعَزِّیُّ) فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا عزادار حضرات کو مبارک کہ وہ حبیبِؐ خدا کے مشن کو دل و جان سے تازہ رکھتے ہیں اور رسولؐ اللہ کے ساتھ مل کر رسومات عزاداری سے حسینؑ اور مادر حسین علیہم السلام کے غم کو تسلیوں میں بدلتے ہیں۔ پھر یہ دیکھئے کہ حضرت عیسیٰؑ یہ فرمارہے ہیں کہ میں اُنہیں بھیجوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کہیں ایسی جگہ جانے والے ہیں جہاں آنحضرتؐ موجود ہوں۔ اور جہاں چاہیں جانے کی پوزیشن میں موجود ہوں۔ اور یہ مُسلّمات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمانوں پر گئے تھے۔ اور اب تک یقیناً آسمانوں پر ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی صدی عیسوی سے پہلے اِدھر تو حضرت نابت علیہم السلام کی نسل میں منتقل ہوتے اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور اُدھر اپنی حقیقی پوزیشن میں اس طرح موجود تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا جو رسولؑ چاہے حضورؐ سے ملاقات اور عرض مدعا کر سکتا تھا۔ یعنی بیک وقت ساری کائنات میں موجود اور جسمِ مادی میں بھی محصور رہنے کی حیران کن وہمہ گیر پوزیشن۔ اور اس پوزیشن کے لئے خدا کی عطا کردہ یہ قدرت وعلم کہ بلا اپنی رائے استعمال کئے کائنات کی ہر شے کی تعلیم دے سکنا (ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون) اور ماضی، حال اور مستقبل کی تمام خبروں پر مطلع رہ کر جسے چاہیں خبریں دے سکنا۔ یہ تھی وہ ولایت محمدؐ یہ جس نے روز ازل سے قیامت تک جاری رہنا اور نوع انسانی کی تکمیل کرنا تھی۔ اور جس کے لئے تمام انبیآءؑ اور رسل علیہم السلام نوع انسان کو مطلع رکھتے اور تیار کرتے چلے آرہے تھے اور جس کو چند الفاظ میں آئمہ علیہم السلام نے اس عنوان سے واضح فرمایا کہ:۔

(9) تمام انبیاؑ اور رسولؑ ولایتِ محمدؐ یہ کو پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

ولایتنا ولایة اللّٰہِ الَّتِیْ لَمْ یَبْعَثْ نبیًّا قَطّ اِلَّا بِھَا۔ (کافی کتاب الحجة باب نتف وجوامع حدیث نمبر 3)

ہماری ولایت ہی اللہ کی وہ ولایت ہے کہ کوئی نبیؑ ایسا ہرگز مبعوث نہیں ہوا جو اُس کو لے کر نہ آیا ہو۔اور

مَامن نَبِيٍّ جَآءَ قَطّ اِلَّا بِمَعْرِفَةٍ حقّنا وتفضِيْلنا عَلٰى من سوانا۔(ایضاً حدیث نمبر 4)

قطعاً کوئی نبیؑ ایسا نہیں آیا ہے جو ہماری معرفت اور ہمارا باقی تمام مخلوق سے افضل ہونا بیان نہ کرنے والا ہوتا۔

ولاية على عليه السلام مكتوبة فى جميع صحف الانبيآء وَلَنْ يبعث اللّٰه رَسُوْلًا اِلَّا بِنُبُوّةِ محمدٍ صلى اللّٰه عليه و آله وسلم وَوَصِيَّةِ على عليه السلام۔(ایضاً حدیث نمبر 6)

اور تمام انبیاؑ کی کتب بھی اسی کی قائل ہیں۔اور اللہ نے ہرگز کوئی رسوؑل مبعوث نہیں فرمایا سوائے اس کے کہ ہر رسولؑ محمدؐ کی نبوۃ اور علیؑ کی وصیت کی تبلیغ کرتا ہوا مبعوث ہوتا رہا ہے۔''

قارئین یہاں ذرا سا رک کر یہ سوچیں کہ اگر واقعی سابقہ تمام انبیاؑ بغیر کتابوں کے گزرے تھے تو یہ حدیث کیوں اُن کی کتابوں کا وجود ثابت کرتی ہے؟ اور اگر واقعی سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوگئیں تو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ تمام سابقہ کتابوں میں نبوت اور ولایت محمدؐ یہ لکھی ہوئی موجود ہے؟ یاد رکھو جن لوگوں نے مسلمانوں میں یہ عقائد پھیلائے وہ نہ صرف یہ کہ فریب خوردہ یا دشمنانِ اسلام تھے بلکہ اُن کے پاس اُن کے عقائد کی تائید میں ایک آیت یا اسلامی دلیل نہیں ہے۔اُن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو توریت وانجیل سے اِسلئے دُور رکھا جائے کہ وہ ولایتِ محمدؐ یہ کی تفصیل سے ناواقف رہیں۔اور اُنکو اپنی ولایت وحکومت قائم کرنے اور مستحکم کرنے کا موقع ملے۔سوچئے کہ ولایت محمدؐ یہ کا حامل جناب علی علیہ السلام تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے لئے ایک عالمی وہمہ گیر مسند فتویٰ بچھائی جائے یعنی یہ گھریلو طور پر عائد کردہ پابندیاں اُٹھالی جائیں تو میں انجیل وتورات وزبور اور قرآن سے متعلقین میں احکام اور فیصلے جاری کروں۔جہاں اُن لوگوں نے حدیث کی ہزاروں مُرتّبہ ومدوّنہ ومصدقہ کتابوں کو فنا کیا وہیں وہ تمام ریکارڈ تباہ کردیا جو انبیا وآئمہ علیہم السلام کی طرف سے امتوں میں چلا آرہا تھا۔اور جو تین کتابیں تباہ نہ کرسکے اُنہیں منسوخ کہہ کر مسلمانوں سے دور کردیا۔لیکن ہم نے ابھی ابھی انجیل سے آیات لکھی ہیں جن سے ولایتِ نبویہ ثابت ہے۔اور ہم پر واجب ہے کہ اگر ہم جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پیرو ہیں تو توریت وزبور وانجیل وصحف انبیاؑ پر عبور حاصل کریں تاکہ قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں۔یہ علماءِ سُوء تو خود قرآن کی آیات اور احادیث کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت یا حدیث اب بے کار ہے اُسکو اب دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔لیکن اللہ نے اُنکو جھوٹا ثابت کرنے اور ولایت محمدؐ یہ کو نافذ کرنے کا ایسا انتظام کر رکھا ہے جہاں تک اس خبیث گروہ کی رسائی ناممکن ہے۔اور ہمارا فرض منصبی ہی یہ ہے کہ اُنکے منصوبوں کو باطل کرتے رہیں۔

(10) اللہ نے آسمانوں اور فضاؤں اور پہاڑوں میں ولایت کو محفوظ کیا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقیق کی انگوٹھی پہننے کا ثواب بتاتے ہوئے یہ راز کھولتے ہیں کہ:۔

فَاِنَّهُ اَوّل جَبَلٍ اَقَرّ اللّٰه بِالوحدانيّة وَلِىْ بالنبوة ولَکَ بِالْوَصِيَّةِ وَلِولدک بالامامة وَلِشيْعَتِک بالجنة وَ لاعدائِک بالنار۔(من لا يحضره الفقيه باب وصایا النبیؐ صفحہ 578)

''یقیناً جس پہاڑ نے سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت اور میری نبوت اور تمہاری ولایت اور تمہاری اولاد کی امامت اور تمہارے مشن کی نشرواشاعت کرنے والوں کے لئے جنت اور تمہارے دشمنوں کے جہنمی ہونے کا اقرار کیا تھا وہ عقیق ہی کا پہاڑ تھا۔''

(11) مومنین کے ایمان کی تفصیل اور معصومینؑ کی تصدیقات (مفصل کلمہ)

اس عنوان میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا صحیح کلمہ پڑھنے والے اپنے اپنے مقام پر اپنے ایمان پر نظر ڈالیں اور اگر کہیں خامی معلوم ہو تو اصلاح فرمالیں۔

اوّل۔ جابر کا بیٹا اسماعیلؒ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضورؑ میں اپنا عقیدہ آپ کے حضور میں پیش کرکے یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کی تصدیق فرمائیں کہ آیا میرا دین وہی ہے جو اللہ کو پسند ہے یا نہیں؟ امامؑ نے فرمایا کہ بیان کرو تو اسماعیل نے کہا کہ:۔

فَقُلْتُ اَشْهَدُ اَنْ لا اله الّا اللّٰه وحد لا شريک له۔وَاَنَّ محمداً عبده ورسوله والاقرار بما جاء بِهِ مِن عند اللّٰه وَاَنَّ عَلِيًّا کان امامًا فرض اللّٰه طاعته ثمّ کان بعده الحسنؑ امامًا فرض اللّٰه طاعته۔ثمّ کان بعده الحسینؑ امامًا فَرَضَ اللّٰه ثمّ کان بعده علیؑ بن الحسینؑ امامًا فَرَضَ اللّٰه طاعته حتّٰی انتهی الامر اليه۔ثم قُلْتُ:اَنْتَ يرحمک اللّٰه۔قال: فقال: هذا دين اللّٰه و دين الملا ئکتهٖ۔(کافی کتاب الحجة باب فرض طاعة الائمة حدیث 13)

''میں شہادت دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ایسا یگانہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اور یہ شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔اور اقرار کرتا ہوں اُس سب کا جو محمدؐ کے ساتھ اللہ کی طرف سے آیا اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ علیؑ محمدؐ کے بعد واجب الاطاعت امام تھے۔اور اُن کے بعد حسنؑ واجب الاطاعت امام تھے۔اور اُن کے بعد حسینؑ واجب الاطاعت امام تھے۔اور ان کے بعد علیؑ بن الحسینؑ واجب الاطاعت تھے۔جس روز سے چارج اُن کی طرف آیا اور اُن کے بعد آپ واجب الاطاعت امام ہیں۔امامؑ نے فرمایا کہ یہ ہی اللہ اور ملائکہ کا دین ہے۔''

دوم۔ **تفصیل کلمہ حجة بلافصل**

منصور بن حازم رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی ترجمانی کے لئے ایک معصومؑ اور مکمل قرآن کے عالم کا وجود ثابت کرنے کے سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے دوران آخر یہاں پہنچا کہ وہ رسولؐ اللہ کے بعد تمام حجت ہائے خداوندی کا اعلان

کرے۔ چنانچہ اُنہوں نے امامؑ کے سامنے یہ بیان دیا کہ:۔

اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا كان قيّم القرآن و كانت طاعته مفترضة وكان الحجة عَلَى الناس بعد رسوّل اللّٰهِ واَنَّ ماقال فى القرآن فهُوَ حَقٌّ ۔۔۔اِنَّ عَلِيًّا لَمْ يذهب حَتّٰى ترك حجة من بعده كما ترك رسولؐ اللّٰه، و أَنَّ الحُجَّةَ بعد عليٍّ، الحسنٌ بن عليٍّ واَشْهَدُ عَلَى الحسنٌ انه لم يذهب حتى ترك حجة من بعده كما ترك ابوهُ وجدّه واَنَّ الحجة بعد الحسنٌ، الحسينٌ وكانت طاعته مفترضة.. واشهد عَلَى الحسينٌ اَنَّهُ لَمْ يذهب حتّى ترك حجّة من بعده عليٌّ بن الحسينٌ وكانت طاعته مفترضة ..وَاَشْهَدُ عَلٰى عليٌّ بن الحسينٌ انّه لَمْ يذهب حتّى ترك حجّة من بعده محمد بن على ابا جعفرٌ وكانت طاعته مفترضة.. واَشْهَدُ باللّٰه اَنَّكَ اَنْتَ الْحُجَّةُ وَاَنَّ طَاعَتَكَ مفترضة وقال الامام جعفر الصادق عليه السلام: سلنى عَمَّا شِئتَ فلا انكرك بعد اليوم ابدًا۔(ایضاً حدیث نمبر 15)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ رسولؐ کے بعد علیؑ قرآن کی تنفیذ کے ذمہ دار تھے اور تمام انسانوں پر حجت تھے۔ اور اُنکی اطاعت سب پر فرض تھی۔ اور اس پر بھی گواہی دیتا ہوں کہ قرآن میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اور میں گواہ ہوں کہ علیؑ دنیا سے نہیں گئے مگر اپنے جانے سے پہلے اپنے بعد کے لئے اُسی طرح ایک حجت کو تعینات کیا جیسے رسول اللہ نے علیؑ کو مقرر فرمایا تھا۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ کے بعد حسنؑ بن علیؑ حجت ہیں اور اُن کی اطاعت فرض ہے۔ میں حسنؑ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے بھی اپنے دنیا سے گزرنے سے پہلے پہلے حجت کو اسی طرح متعین کیا جیسے اُن کے باپ اور دادا نے کیا تھا۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ حسنؑ کے بعد حسینؑ بن علیؑ حجت ہیں اور اُن کی اطاعت واجب تھی۔ اور میں حسینؑ کے لئے بھی گواہ ہوں کہ وہ بھی دنیا سے رخصت نہیں ہوئے جب تک اپنے بعد کے لئے علیؑ بن الحسینؑ کو حجت مقرر نہ کر دیا اور اُن کی اطاعت بھی لازمی تھی۔ اور میں علیؑ بن الحسینؑ کے لئے بھی شاہد ہوں کہ وہ بھی جناب محمدؐ بن علیؑ (باقر) کو حجت مقرر کر کے دنیا سے سدھارے۔ اور اُن کی اطاعت بھی فرض تھی۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے والد بھی اپنے بعد اُسی طرح حجۃ مقرر کر کے گئے جیسے اُن کے آباؤ اجداد کرتے تھے۔ اور میں شاہد ہوں کہ آپ بنفسِ نفیس حجتِ خدا ہیں۔ اور آپ کی اطاعت سب پر فرض ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ آئندہ جو تم چاہو مجھ سے سوال کر سکتے ہو۔ میں اب تمہارے لئے اظہار بیگانگی نہ کروں گا۔''

قارئین یہ آخری جملہ نوٹ کر لیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جب تک مذکورہ تفصیل کے مطابق کوئی اعلان ایمان وکلمہ نہ کرتا تھا آپ ایسے لوگوں کو بیگانہ اور غیر سمجھتے تھے۔ اور اُن کی ہر بات کا شیعوں ایسا جواب نہ دیتے تھے۔ یہی مقام ہے جہاں یہ کلیدی نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ آئمہ ایسے بیان بھی دیتے تھے جو اغیار یا دشمنوں کو مطمئن کر دیں اور اُن کے متوقع فتنہ وفساد کا دروازہ بند رہے۔ اور یہیں یہ سمجھ لیں کہ ڈھکوٹائپ مجتہدین جو احادیث اپنے باطل تصورات کی تائید میں پیش کرتے ہیں وہ آئمہ کا ایسا ہی

کلام ہوا کرتا ہے جو اِسی قسم کے لوگوں کی زبان بندی کے لئے ہوا کرتا تھا۔اس پہلو کو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں جو مجتہدین و مخالفین کے لئے ہمیشہ کا مسکت جواب ہے۔اب آپ کلمہ اور ایمان کی آخری تفصیل سن لیں۔

سوم۔حضرت علی علیہ السلام سے ایک شخص چند سوالات دریافت کرنے کے لئے آیا۔آپ نے حضرت حسن علیہ السلام کے حوالے کر دیا، جب بحث کر کے مطمئن ہوا تو اپنے ایمان واسلام کا یوں اعلان کیا کہ:۔

اَشْھَدُ اَنْ لا الہ الا اللّٰہ وَلَمْ ازل اشھد بِھَا وَاَشھد اَنَّ محمدًا رسوؐل اللّٰہ وَلَمْ ازل اشھد بِذٰلک وَاشھد اَنّک وصیُّ رسول اللّٰہ والقائم بحُجَّتِہٖ واشار اِلٰی امیرالمؤمنین وَلَمْ ازل اشھد بھا ۔وَ اَشْھَدُ انّک وصیّہ والقائم بِحُجَّتِہٖ واشار اِلَی الحسنؑ واَشْھَدُ اَنّ الحسینؑ بن علیؑ وصی اخیہ والقائم بحجتہ بعدہ واشھد عَلٰی علیؑ بن الحسینؑ انہ القائم بامر الحسینؑ بعدہ واشھد عَلٰی محمدؑ بن علیؑ انہ القائم بامر علیّ بن الحسینؑ واشھد علٰی جعفرؑ بن محمدؑ بانہ القائم بامر محمدؑ واشھد عَلٰی موسٰیؑ اَنَّہٗ القائم بامر جعفرؑ بن محمدؑ واشھد عَلٰی عَلِیُّ بن موسٰیؑ اَنَّہٗ القائم بامر موسٰیؑ بن جعفر واشھدُ علٰی محمدؑ بن علیؑ اَنَّہٗ القائِم بامر علیؑ بن مؤسٰی واشھدُ عَلٰی علیُّ بن محمدؑ بانّہٗ القائِم بامر محمدؑ بن علیؑ واشھد عَلَی الحسنؑ بن علیؑ بانّہ القائم بامر علیؑ بن محمدؑ وَاشھد علی رَجُلٍ من ولد الحسن لا یکنّی ولا یسمّی حتّی یظھرامرہ فیملا ھا عدلًا کماملئت جورًا والسلام علیک یا امیرالمؤمنین ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ ثُمَّ قَامَ فَمَضٰی...... (کافی کتاب الحجۃ باب ماجاء فی الاثنی عشر والنص علیھم.....)

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔اور میں نے ہمیشہ یہی گواہی دی ہے اور میں گواہ ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور یہ گواہی بھی میں نے ہمیشہ دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم رسولؐ اللہ کے وصی ہو۔اور اس کی قائم کردہ حجت ہو۔یہ کہہ کر علیؑ کی طرف اشارہ کیا اور میں نے کبھی اس شہادت کو ناغہ نہیں کیا ہے۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بھی علیؑ کے وصی ہیں اور اُنکی طرف سے قائم شدہ حجت ہیں اور حسنؑ کی طرف اشارہ کیا۔اور گواہی دیتا ہوں کہ حسینؑ بن علیؑ اپنے بھائی کے وصی ہیں اور اُن کی طرف سے قائم کردہ حجت ہیں اُنکے بعد کیلئے۔اور گواہی دیتا ہوں علیؑ بن الحسینؑ کے لئے کہ وہ یقیناً حسینؑ کے بعد حسینؑ کی طرف سے قائم شدہ حجت ہیں۔اور گواہی دیتا ہوں محمدؑ بن علی کے لئے یقیناً وہ علیؑ بن الحسینؑ کی قائم کردہ حجت ہیں۔اور گواہی دیتا ہوں جعفرؑ بن محمدؑ، محمدؑ بن علیؑ کے قائم کردہ حجت ہیں۔اور میں موسٰیؑ کے لئے شہادت دیتا ہوں کہ وہ جعفر بن محمدؑ کے حکم سے قائم شدہ حجت ہیں۔اور میں علیؑ بن موسٰیؑ کے لئے گواہ ہوں کہ وہ موسٰیؑ بن جعفر کے حکم سے حجت قائمہ ہیں۔اور میں گواہی دیتا ہوں محمدؑ بن علیؑ پر کہ وہ علیؑ بن موسٰیؑ کے حکم سے قائم شدہ حجت ہیں۔اور میں شہادت دیتا ہوں علیؑ بن محمدؑ پر کہ وہ محمدؑ بن علیؑ کے حکم سے قائم شدہ حجت ہیں۔اور گواہی دیتا ہوں کہ حسنؑ بن علیؑ کے لئے کہ وہ علیؑ بن محمدؑ کے حکم سے حجت قائمہ ہیں۔اور میں ایک ایسے مرد کے لئے بھی شہادت دیتا ہوں جو حسنؑ کی

اولاد میں سے ہے اور اُس کی کنیت اور نام بتانا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اپنا خود اعلان نہ کر دے۔ اور اس زمین کو عدل سے اسی طرح معمور نہ کر دے جس طرح وہ ظلم سے لبریز تھی۔ اور اے امیر المومنینؑ تم پر میرا اسلام ہو۔ یہ کہا اور چلا گیا۔ جب یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کدھر گیا تو حضرت علیؑ نے بتایا کہ وہ جناب خضر علیہ السلام تھے۔''

(12) وہ کلمہ جسے پڑھتے ہوئے مومنین قبروں سے اٹھیں گے

آخر میں آپ وہ کلمہ پھر سن لیں جو بروز قیامت پڑھ کر قبر سے اُٹھنے والا بلاشک وشبہ جنتی ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بتایا کہ:

قال ای وربّی انّہٗ لشیعتک وانّھم لیخرجون یوم القیامۃ من قبورھم و ھم یقولون لا الٰہ الا اللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ علیٌ بن ابیطالبؑ حجۃ اللّٰہ۔الخ

اے علیؑ تیری ولایت کا اعلان کرتے رہنے والے لوگ بروز قیامت اپنی قبروں سے یہ کہتے ہوئے نکلیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ علیؑ بن ابیطالبؑ اللہ کی حجت ہیں۔ اُنہیں جنت کے سبز خلعت پہنائے جائیں گے۔ اُن کے سروں پر تاج رکھے جائیں گے۔ بادشاہوں اور بزرگی کے نشانات سے آراستہ کیا جائے گا۔ جنت کے پروردہ برق رفتار سواریاں دی جائیں گی۔ اور وہ سب جنت میں پرواز کر جائیں گے۔ قیامت کے دہشت ناک مناظر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ملائکہ مبارکباد دیں گے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ باب النوادر فی المواعظ صفحہ 589)

ہم بھی مومنین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ مخالفین کو چیلنج کر دیں کہ وہ جس کلمہ کو صحیح سمجھتے ہوں اُسے روز ازل سے قیامت تک اس ہمہ گیری و ربط مقاصد کے ساتھ پیش کر کے دکھائیں اور ہمارے کلمہ کو غلط ثابت کریں۔ مگر دلیل قرآن و حدیث سے لائیں۔

مومنین سے رخصت اور سلام

آخر میں اللہ اور امام علیہ السلام کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اس محنت و خدمت کو قبول فرما کر مجھے یہ دیکھنے کا موقعہ عطا فرمائیں کہ مسلمانوں کے تمام مسلّمہ مکاتیبِ فکر میں محبت و اتحاد کی کوششیں شروع ہو کر کامیاب ہوں۔ اور مسلمانوں میں پوشیدہ شر پسند و تخریب کار گروہ اور دشمنانِ اسلام کے وظیفہ خوار ایجنٹ اور یہ روز روز قوم فروش لیڈر منہ چھپا کر خانہ نشین ہو جائیں۔ پھر درود و سلام بھیجتا ہوں محمدؐ وآل محمدؐ اور اُن کے قائم علیہم السلام پر۔ والسلام

خاکپائے محمدؐ وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم

محمد احسنؔ عفی عنہ

کتاب کا پس منظر (1976ء)

مسلمانانِ پاکستان چیستان نہ بن جائیں

مسلمانوں کی اصلاح حال اور ترقی کیلئے جو کوششیں ایک ہزار سال میں کی گئی تھیں آخر وہ سب ناکام کیوں ہوگئیں؟ اسلام کے تمام مکاتیب فکر اور اُن کے علمائے کرام نے اپنی پوری بصیرت اور خلوص کے ساتھ ہر ممکن تدبیر اختیار کی، بڑی بڑی انقلاب انگیز کتابیں لکھیں۔ مسٹر اور علامہ حضرات نے گن گن کر اسبابِ زوالِ اُمت کو سامنے رکھا اور اُمت کو زوال سے بچانے اور عروجِ کمال کی طرف گامزن کرنے کے لئے اسلام کے نام پر طرح طرح کے منصوبے بنائے۔

حضرت علامہ ابوالاعلیٰ مودودی نے مسلمانوں کی ترقی کا راز اخلاقی سُدھار میں دیکھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اسلام کے اندر ایک بلند اخلاق اسلامی جماعت کی تشکیل پر اپنی اور اپنے ہم خیال علما کی پوری قوت اور سارا تجربہ اور ٹوٹل علم صرف کر دیا۔ مسٹر پرویز نے اُمت میں قرآنی انقلاب اور نظام ربوبیت اور خلافت راشدہ کے قیام پر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ عجمی سازش سے اُمت کو نکال لے جانے کے لئے معارف القرآن کا انبار لگا دیا۔ مسلمانوں کو فرقہ واریت کی لعنت و انتشار سے بچانے کے لئے تمام مختلف العقائد فرقوں کو مشرک قرار دے دیا۔ حدیث کی تمام کتابوں اور محدثین کو عجمی ثابت کر کے اُن سے ہوشیار رہنے کا انتظام کر دیا۔ لیکن آج جو جدید ہنگامہ درپیش ہے جو جدید جماعتیں مسلمانوں کی ترقی کا پرچم بلند کر رہی ہیں، اُن کے سامنے علامہ پرویز اور مولانا مودودی گوشۂ گمنامی میں چھپ کر رہ گئے اور اُنہیں اُمت میں تخریب کاری کا تمغہ دے کر راستہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔ علما کے ساتھ ساتھ دانشوران اسلام بھی مسلمانوں کی ترقی و زوال سے غافل نہیں رہے۔ اُنہوں نے آخر یہ طے کر لیا کہ جب تک پہلے مسلمانوں کی حکومت قائم نہ ہو جائے مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جس طرح سر سید احمد آنجہانی نے کفر والحاد کے فتاویٰ کی بوچھاڑ میں مسلمانوں کو علوم مغربی و انگریزی سے ہم کنار کیا تھا، جناب محمد علی جناح اور اُن کے ساتھیوں نے مسلمانوں کو غلامی سے نکال کر سریر آرائے حکومت بھی کر دیا۔ اور اُن کے بعد مسلسل حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی ترقی کے لئے اقدامات جاری رہے۔ بڑی بڑی رقومات علما اور مذہبی اداروں کو دی جاتی رہیں تاکہ ملک میں اسلامی علوم پھیلیں، اسلامی اقدار کا گھر گھر چرچا ہو۔ مگر نتیجہ میں ملک و مسلمان روز افزوں تنزل کی طرف بڑھتے گئے۔ آخر میں دانشورانِ قوم نے مسلمانوں کی ترقی کا راز معاشی اصلاح اور معاشی مساوات میں مضمر دیکھا۔ اور چونکہ مسلمانوں میں روز اوّل سے سرمایہ دارانہ نظام جاری تھا، تمام مکاتیب فکر اور تمام فرقوں کے علما سرمایہ داری و اجارہ داری کے محافظ تھے۔ اس لئے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے رُوس اور چین کے معاشی نظام کو اسلامی اصلاح کے ساتھ نافذ کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور بڑی کدّ و کاوش، بڑے بڑے حادثات و تصادم و

مزاحمت کے باوجود، کفر والحاد و کیمونسٹ کے فتووں کی یلغار میں اسلامی سوشلسٹ جماعت کی حکومت قائم کر لی۔ اور مسلمانوں کو سابقہ حکومتوں اور علما کے کردار اور اپنی حکومت کے اغراض و مقاصد کا فرق دکھانے کے لئے نہایت مفید اور انقلاب انگیز اور تیز اصلاحات نافذ کیں۔ چونکہ ملک کی کثرت کو اپنی حکومت کی افادیت ثابت کر دکھائی اس لئے مسلمانوں کی باگ ڈور سابقہ علما اور اداروں کے ہاتھوں سے پھسل پھسل کر حکومتی اداروں کی طرف آنے لگی۔

2۔ حکومت اور مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کو تخریب کار عناصر کی پیش رفت سے محفوظ کرنے کیلئے حکومت کے ادارے مذہبی اور ملکی اتحاد پر زور دینے کے ساتھ ساتھ صوبائی ولسانی تعصب اور اختلاف وانتشار کی باقاعدہ مذمت کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اتحاد اور فکری ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے انفرادی واجتماعی اور بین المملکتی کوششیں کی جا رہی ہیں، بڑے بڑے بجٹ منظور کئے جا رہے ہیں۔ وزارتِ امورِ مذہبی دانشورانِ قوم اور مُلاؤں کو ایک پلیٹ فارم میں متحد اور جمع کرنے کی ہر ممکن تدبیر کر رہی ہے۔ تمام مساجد کے اماموں اور علما کی شیرازہ بندی اور اُنکی مذہبی وذہنی تربیت کیلئے مخصوص فنی تعلیم (Advance Courses) کے اعلانات وانتظامات کی مہم جاری ہے۔ دوسرے مسلمان ممالک میں بھی اتحاد کا باقاعدہ پرچار کر رہی ہے۔ اونچی سطح پر اسلامی کانفرنس اور سیرت کانگریس ایسی اسکیمیں رُوبہ عمل لائی جا رہی ہیں۔ مذہبی وفود کے تبادلے جاری ہیں، سستے داموں اسلامی لٹریچر کی تقسیم کا اعلان ہو چکا ہے۔ اِدھر یہ کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن حزب مخالف کے علما نے حکومت کے اعلانات واقدامات کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ مذکورہ ومطلوبہ اتحاد و ہم آہنگیِ فکر کو حاصل کرنے کیلئے اپنے تمام مخالفوں اور مختلف العقائد اسلامی فرقوں کو کافر قرار دے کر اتحادِ اسلامی کی راہ سے وہ تمام کانٹے صاف کر دئے جائیں جو وقتاً فوقتاً متحدہ جمہوری مخالف محاذ کے پاؤں میں چبھتے اور انتشار کی دوڑ میں حارج ہوتے رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے شیعوں اور اہل سنت میں پوشیدہ محاذ برابر آپس میں تعاون کر رہا ہے۔ شیعوں کی عظیم کثرت کو کافر قرار دینے کیلئے جلسے، مظاہرے، قراردادیں اور عدالتوں میں دوڑ دھوپ اعلانیہ برسرکار ہے۔ شیعوں کے تیرہ سو سالہ کلمہ اور اذان ونماز کو غیر اسلامی کہہ کر فریقین کے عوام کو مشتعل کیا جا رہا ہے۔ گورنمنٹ کی اجازت سے نکلنے والے عزاداری کے قدیم جلوسوں کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ حضرات مل کر شیعہ سُنی عوام کی کثرت کو دست وگریباں کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اور حکومت کے سامنے ایسے مذہبی موڑ پیش کر رہے ہیں کہ وہ کثرت کے فرضی دباؤ میں آ کر غلط اقدامات پر مجبور ہو جائے۔ ہمیں جناب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے تدبر، تجربہ اور بصیرت پر مکمل اعتماد ہے۔ لیکن اندیشہ یہ ہے کہ وزارت امور مذہبی میں شامل مشیر اور علما شیعہ سنی لیبل کے اِس مفسدہ پرداز گروہ کے فریب میں نہ آ جائیں اور اُن سے متاثر ہو کر وزیر اعظم کو غلط

مشورہ نہ دے دیں۔ چنانچہ وزیر اعظم کو حالات سے باخبر رکھنا ضروری ہے۔

3۔ وضاحتِ مقصد

اس تمہید اور صورتحال کو واضح کرنے کے بعد اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاحِ حال اور ترقی کی کوئی کوشش اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک شیعہ اور اہل سنت کے علما و عوام اپنے اِن داخلی دشمنوں کو نہیں پہچانتے جو شیعوں میں شیعہ اور اہل سنت میں سُنی بن کر فریقین کے عقائد میں دن رات نئی نئی جدتیں اور تخریبی و اشتعال انگیز کاروائیاں کرنے میں مصروف ہیں۔ اور نہایت خاموشی سے دبے پاؤں مساجد کی امامت، دینی مدارس کی نظامت اور دیگر کلیدی مقامات تک جا پہنچے ہیں۔ ایک گروہ ادھر سے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی و خاطی مخلوق ثابت کررہا ہے تو دوسرا اُدھر سے یزید پر درود وسلام کا جواز بتارہا ہے۔ ایک جدید شجرہ طیبہ گھڑ رہا ہے۔ اور جذباتی نعروں کی آڑ میں خود کو حقیقی شیعہ اور حقیقی سُنی باور کرارہا ہے۔ ہم اُن دونوں قسم کے گروہوں کو ڈھکو اینڈ کمپنی کے نام سے پکارتے اور اُن کی نقاب کشائی کرتے رہے ہیں۔ یہ گروہ لیبل تو شیعہ اور سُنی کا لگاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ شیعہ ہیں نہ اہل سنت ہیں۔ اُن کا وہی مذہب ہے جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں منافقین کا مذہب تھا۔ اُن کا کام یہ ہے کہ وہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو مستقل انتشار و افتراق میں مبتلا رکھے۔ مقدس نعرے لگائے اور قرآن و حدیث کے خلاف عقائد پھیلائے۔ مسلمانوں کو برسر جنگ رکھ کر روزی کمائے، چندے جمع کرے۔ مسلمانوں میں اتحاد اُس کیلئے موت کا پیغام ہوتا ہے۔ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ شیعہ سُنی عوام مل کر بیٹھیں اور ایک دوسرے سے قرآن کا مطلوبہ تعاون (مائدہ 5/2) کریں۔ اس لئے کہ جب بھی اور جہاں بھی شیعہ سنی مل کر بیٹھے، آپس میں شادی بیاہ اور تعلقات قائم کئے تو اُس منافق گروہ کے باطل مذہب کو عظیم الشان نقصان پہنچا (تفصیلات کتاب ''مذہب شیعہ ایک ہمہ گیر قوت'' میں ملاحظہ فرمائیں) اور حقیقی اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ ہم اُس گروہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ صرف ایک سال تک اپنی افتراق و انتشار کی مہم بند کر کے مسلمانوں میں اتحاد کیلئے حکومت سے تعاون کر کے دکھائے۔ اور پھر دیکھے کہ اُسے نہ شیعوں میں جگہ ملے گی نہ اہلسنت عوام اُس سے تعاون کریں گے۔ پچھلے ہفتہ میں اس گروہ کے شیعہ گروپ (Group) نے اپنے کاروبار اور اسکیم کی تباہی سامنے دیکھ کر اپنے اداروں کے شیر نما گیدڑ اخباروں میں رضا کارانہ طور پر واویلا کیا اور اپنا ایک آنکھ بند کانا من الکافرین منصوبہ پیش کیا کہ اُن بحثوں کو گورنمنٹ بند کرائے جن سے اِس گروہ کی نقاب کھسکتی جارہی ہے۔ تاکہ اُس کے ابلیسی مقاصد پر پردہ پڑا رہ جائے۔ اور یہ شیعوں میں محبِّ قوم و مذہب بنے رہیں۔ ہم شیعہ اور اہل سنت عوام کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس گروہ کی تعداد نہایت حقیر ہے۔ یعنی شیعہ سُنی دونوں شاخوں میں ملا کر اس گروہ کے علما و دانشور اور چمچے اور ٹھیکیداران کل چوراسی (84) افراد ہیں۔ اور سارے ملک میں اُن کے اخباروں اور اداروں کی کل تعداد صرف تیرہ (13) ہے۔ ہم حالات کے

آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُن سب کے نام اُسی طرح پبلک اور گورنمنٹ کو بتائیں گے جس طرح ہم نے اُس گروہ کے شیعہ سُنی قائدین کے نام بلا جھجک لکھ دئے ہیں۔ ہمارے پاس اُن حضرات کے فتنہ انگیز پوسٹر اور پمفلٹ موجود ہیں۔ وہ خود چاہتے ہیں کہ انہیں پبلک کے سامنے بطور قائدِ فتنہ پیش کیا جائے۔ لہٰذا ہم بھی اُنہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ شیعہ عوام کے سامنے ہمارے مقاصد، طرزِ عمل کی اور نام لے کر پبلسٹی (Publicity) کریں اور نتیجہ کا انتظار کریں تاکہ ساری دنیا دیکھے کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ قرآن وحدیثِ معصومینؑ سے کس کا مذہب اور پروگرام صحیح ثابت ہوتا ہے؟

4۔ اسلام اور اُمت کے دشمنوں کا ایک جدید حربہ؟

کچھ دن سے اُس ابلیسی گروہ نے یہ پالیسی اختیار کی ہے کہ جو بیان اُس کے باطل مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے یا جب کوئی بھی اُس کے مذموم عزائم کا پردہ چاک کرتا ہے تو تمام ڈھکوی ادارے تحریراً وتقریراً شور مچا دیتے ہیں کہ:۔

''1 قادیانی سرمایہ گردش میں ہے۔ 2: قادیانیوں کے مشن کو آگے بڑھایا جارہا ہے۔ 3: یہ شیخی سرپرستی میں کام ہو رہا ہے۔ دوڑو اسلام خطرہ میں ہے۔ 4: ختمِ نبوت دشمنوں کے نرغہ میں ہے۔''

یہ چوکور نعرہ مارنے والے سنیں کہ:۔

''ہم اور تمام شیعہ سُنی عوام اور تمام ملائکہ اور ہمارا اللہ مل کر بیک آواز تم پر یعنی دشمنانِ اسلام پر اور نبوت ورسالت کو جاری ماننے والوں پر اور شیخوں وشیخیوں کے باطل عقائد پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' (بقرہ 160-2/159)

مومنین نوٹ کریں کہ قادیانی ہوں یا قضوی، بابی ہوں یا بہائی، خالدی ہوں یا خالصی محمودی ہوں یا نورانوی اور خواہ شیخی ہوں یا شیوخ ہوں یہ تمام فرقے اور اُن کے راہنما صرف ہم سے خوفزدہ ہیں۔ ورنہ یہ وہ لوگ ہیں کہ خود ابلیس اُن کو سلام کرتا ہے۔ اور اُن سے مشورہ کئے بغیر کسی کو گمراہ تک بھی نہیں کرتا ہے۔ اُن کی اور اُن کے بزرگوں کی شان میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُo (ابراہیم 14/46)

''یقیناً وہ گروہ برابر مکر وفریب کرتا چلا گیا حالانکہ اُن کی تمام خفیہ چالیں اللہ کے علم میں واضح تھیں اگرچہ اُن کے منصوبے ایسے تھے کہ جن سے پہاڑ بھی سامنے سے لرز کر ہٹ جائیں۔'' ہم اور قوانین اسلام ہی اُن کی تخریب کو بے نتیجہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆